آزاد ہندوستان

میں

عربی زبان وادب

ڈاکٹر محمد ارشاد ندوی نوگانوی

آزاد ہندوستان میں عربی زبان و ادب

ڈاکٹر محمد ارشاد ندوی نوگانوی

رامپور، یوپی

© ڈاکٹر محمد ارشاد ندوی نوگانوی

نامِ کتاب : آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب

نام مصنف : ڈاکٹر محمد ارشاد ندوی نوگانوی

ناشر : ڈاکٹر محمد ارشاد ندوی نوگانوی

تعداد : چارسو

سال اشاعت (اوّل) : ۲۰۰۹ء

قیمت : -/500

طباعت : ایچ۔ایس آفسیٹ پریس، دہلی

صفحات : ۴۹۵ + ۳۲

☆ کتاب ملنے کے پتے ☆

ا۔اولڈ کیمیو مشین فیکٹری، محلہ لال مسجد۔رامپور۔یوپی

(موبائل: 9307028393 /9897335617

email: irshadnadwi@rediffmail.com

۲۔الفرقان بکڈپو۔۱۱۴/۳۱ نیا گاؤں ویسٹ، نظیر اباد۔لکھنو ۱۸

۳۔نئی کتاب پبلشرز۔ڈی ۲۴۔ابو الفضل انکلیو، تیسری ٹھوکر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

یہ کتاب

فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی،
حکومت اتر پردیش لکھنؤ

کے

مالی تعاون سے

شائع ہوئی

انتساب

اپنے والد ماجد

جناب حافظ عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ

اور اپنے مرشد و مربی

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کی شفقتوں اور دعاؤں

کی برکت سے

آج یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے

فہرست

آزاد ہندوستان کے عربی ادباء: ۱۲۶

☆☆☆☆☆☆☆

مقدمہ

ہندوستان کا عرب اور عربی زبان سے واسطہ ہزاروں سال پرانا ہے یعنی قرآن اور اسلام سے بھی پُرانا۔ اور اسلام کی آمد کے بعد سے ۱۴سو سال کے عرصہ پر محیط ہندوستان کا عربی ادب بھی اتنا ہی وسیع ہے جتنی کہ اسلام اور ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ۔ قرونِ اولیٰ ہی سے ہندوستان میں عربوں کی آمد، اور ہندوستانیوں کا عرب جانا شروع ہو گیا تھا۔ جیسا کہ پہلے باب میں بتایا گیا ہے اور اس رابطہ کے ساتھ ہی ہندوستان میں عربی ادب کا وجود میں آنا بھی ایک فطری عمل تھا۔ لیکن افسوس کہ اس پہلو پر اتنا اہتمام اور تحقیق نہیں کی گئی جتنا کہ ضروری تھی۔ محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کے بعد سے جب علماء کی سندھ میں آمد و رفت میں کثرت ہوئی۔ جیسا کہ قاضی اطہر مبارکپوری نے ''رجال السند والہند'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ سندھ میں علماء نے عربی کے لازوال نقوش چھوڑے۔ اس کے بعد سلاطینِ دہلی نے سرکاری زبان فارسی ہونے کے باوجود علماء کی قدر و منزلت کی اور عہدِ سلطنت دہلی میں اس کو بہت ہی فروغ حاصل ہوا۔ پھر مغل حکومت کے طویل دور میں ایسے ایسے عباقرۂ ادب پیدا ہوئے جن کے کارناموں کو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ وغیرہ۔

ہندوستان کے عربی ادب پر پروفیسر شمس تبریز خاں کی کتاب ''عربی ادب میں ہندوستان کا

ش

حصہ'' نہایت اہم کتاب ہے۔جس میں خاص طور پر عہد سلطنت دہلی میں ہندوستان کے عربی ادب کا احاطہ کیا گیا ہے۔اس کے بعد مغل دور کے عربی ادب کے بارے میں جو تفصیلات پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد ندوی نے اپنی کتاب ''عربی زبان وادب عہدِ مغلیہ میں'' میں فراہم کی ہیں وہ نہایت اہم ہیں۔اس کتاب میں عربی کے بیشتر سرچشموں کا بہت ہی محتاط اور معتبر طریقہ سے احاطہ کیا گیا ہے اور نہ صرف موضوعات کے اعتبار سے تقسیم کو ملحوظ رکھا گیا ہے بلکہ تفسیر،حدیث،فقہ،وغیرہ ہر فن کے باکمال عربی ادباء کی طبقہ وار تقسیم بھی کی گئی ہے۔اسی طرح پروفیسر محمد یونس نگرامی مرحوم نے اپنی کتاب ''ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء'' تصنیف کی جس میں ہر دور اور ہر فن میں عربی کے ہندستانی ممتاز علماء کا جس انداز میں تذکرہ کیا ہے اس سے پہلے اس انداز پر اُردو میں کوئی مثال نہیں ملتی۔عربی میں ''نزہتہ الخواطر'' اور انگریزی میں ڈاکٹر زبید احمد کی کتاب ''دی کنٹری بیوشن آف انڈیا ان عربک لٹریچر'' بہت معتبر اور اوّلین مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔انگریزوں کے دورِ حکومت میں بھی ہندستانی عربی ادب کے میدان میں بہت کام ہوا ہے۔اور جوں جوں ہم عہدِ حاضر سے قریب آتے جاتے ہیں۔ہندوستان میں عربی زبان وادب کی خدمات بڑھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

میں نے اپنے اس تحقیقی مقالہ کو درجِ ذیل پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے:۔

باب اوّل:

اس باب میں قرنِ اوّل میں ہندوستان سے عربوں کے رشتہ کو تاریخی طور پر بتایا گیا ہے۔اور صحابہ کرامؓ کے دور میں عربوں کی ہندوستان میں آمد،اور ہندوستانیوں کا عرب جانا،نیز خلافتِ راشدہ خاص طور پر حضرت عمرؓ کے دور میں ہندوستان سے روابط پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اور بتایا گیا ہے کہ اِن روابط کے ارتقائی مراحل کس طرح طے ہوئے۔اور کس طرح ہندوستان میں عربی زبان کا ظہور ہوا۔اور اس کی اس دور میں کیا اہمیت رہی۔اور ساتھ ہی ابتدائی ہندوستانی عربی مصنفین کے کاموں کا تعارف

بھی کرایا گیا ہے اور اسی کے ساتھ سولہویں صدی عیسوی تک ہندوستان میں عربی ادب کا ایک سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

بابِ دوم:۔ عہدِ مغلیہ

اس باب میں مغل دورِ حکومت میں عربی زبان وادب کے ارتقاء پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔اس دور میں پیدا ہونے والے اہم عربی ادباء مثلاً حضرت مجدّد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ، آزاد بلگرامیؒ، عبدالعلی بحرالعلوم، شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ، وغیرہ کے قدرے مفصّل حالات بیان کئے گئے ہیں۔اور اُن کی قلمی نگارشات (جوامہات الکتب کا درجہ رکھتی ہیں) پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بابِ سوم:

''انگریزوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں عربی زبان وادب، جدوجہد اور نتائج''

ہندوستان میں برطانوی اقتدار اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ اس میں ہندوستان کی تاریخ ایک نیا موڑ لیتی ہے۔سیاسی انقلابات اور سماجی ہلچل، علماء کی ایک ایسی نسل کو جنم دیتی ہے جس کے ہاتھوں محیّر العقول کارنامے انجام پاتے ہیں۔وہ کارنامے اصلاحی، عملی، انقلابی، تحریکی ہونے کے ساتھ ساتھ فکری، ادبی، اور علمی اعتبار سے بھی لازوال ہیں۔اس نسل کو پروان چڑھانے میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، اور علی گڈھ تحریک کا بڑا مرکزی رول رہا ہے۔اس دور میں مولانا فضل حق خیرابادی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، نواب صدیق حسن خاں قنوجیؒ جیسے علماءِ کبار پیدا ہوئے۔اور

''الروض المجود''، ''الثورة الہندیۃ''، ''مفتاح اللغات''، ''ابجد العلوم''، ''مسک الختام''، ''التاج المکلل''
جیسی لازوال تصانیف وجود میں آئیں۔مقالہ کے اس تیسرے باب میں ان تحریکات کی مختصر تاریخ،
اور خدمات کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔اور اس دور کے ادبی کام کونمایاں کیا گیا ہے۔

بابِ چہارم:

بیسویں صدی کے ہندوستان میں عربی زبان وادب کا ارتقاء:

یہ باب مقالہ کا بہت اہم حصہ ہے اس میں پہلے تو دورمغلیہ کے زوال یعنی اورنگ زیب کی
وفات سے انیسویں صدی کے خاتمہ تک ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔اور تحریکِ
آزادی ۱۸۵۷ء کے جو اثرات بیسویں صدی پر پڑے اُن کو بتایا گیا ہے۔پھر ''بیسویں صدی کا
ہندوستان'' کے تحت تفصیل سے ہندوستان کا تاریخی، سیاسی، سماجی، اور ادبی پسِ منظر پیش کیا گیا ہے۔
اور وہ تحریکات جو انیسویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئیں۔اور بیسویں صدی کے آغاز میں سرسبز و
شاداب اور تناور درخت کی شکل اختیار کی اُن کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔''ریشمی رومال
تحریک اور متعلق شخصیات و ادباء''، ''دار العلوم دیوبند اور اس سے نکلنے والے عباقرۂ امت''، ''ندوۃ
العلماء: مقاصد، خدمات''، ''تبلیغی جماعت اور اس سے متعلق لوگوں کے عربی کام''، ''تحریکِ خلافت
اور اس کے اثرات''، ''تحریکِ آزادی اور عربی ادب کو اس کی دین'' پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔پھر اس
کے بعد بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں عربی لکھنے والی بڑی بڑی شخصیات کے حالات وسوانح اور
ادبی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔جیسے علامہ رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا الطاف حسین حالی،
مولانا شبلی نعمانی، علامہ شاہ محمد جان بحری آبادیؒ، مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ، علامہ عبدالحئ حسنیؒ، حکیم
اجمل خاں، علامہ حمید الدین فراہیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، وغیرہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیسویں صدی کے نصف اوّل میں عربی زبان وادب کو ہندوستان

میں اتنا عروج حاصل ہوا ہے جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ جب ہم انیسویں صدی اور بیسویں صدی، دونوں صدیوں کا موازنہ کرتے ہیں تو اس میں ایک بڑا فرق یہ واضح ہوتا ہے کہ پہلے عباقرۂ رجال اکا دُکا افراد ہوتے تھے۔ جن کا انفرادی کام یقیناً اکیڈمیوں، اور اداروں پر بھاری ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر ابجد العلوم (نواب صدیق حسن خاں قنوجیؒ)، سبحۃ المرجان (آزاد بلگرامی)، تاج العروس، وغیرہ۔ یعنی اس میں پھیلاؤ نہیں تھا۔ بیسویں صدی میں یہ پھیلاؤ بڑھ جاتا ہے۔ اور افراد، ادارے، تحریکات کثرت سے وجود میں آتے ہیں۔ اور پچھلی صدی سے زیادہ ادبی کام انجام پاتا ہے۔ مثلاً ''الکوکب الدری'' (مولانا محمد یحیی کاندھلوی)، ''نزہۃ الخواطر'' (علامہ عبدالحئی حسنیؒ)، '''' الاشباہ والنظائر'' (احمد رضا خاں بریلوی) ''ازالۃ المحن'' ''ایقاظ النعسان'' (حکیم اجمل خاں) ''فاتحہ تفسیر نظام القرآن'' (علامہ فراہیؒ)، فتح القدیر، اکفار الملحدین، مشکلات القرآن، درسِ ترمذی، (علامہ انور شاہ کشمیری)، ''سبق الغایات فی نسق الآیات وبیان القرآن'' (حضرت تھانوی)، وغیرہ جیسے شاہکار منظرِ عام پر آتے ہیں۔

باب پنجم:

''آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب''

یہ باب مقالہ کا اصل حصہ ہے۔ اور راقم نے حتی الامکان موضوع کا بھرپور احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے آزاد ہندوستان کو بیسویں صدی کے نصف اوّل کے مقابلہ میں کچھ امتیازات حاصل ہیں۔ مثلاً:

آزادی سے پہلے ہندوستان کا عربوں سے رابطہ وہ نہیں تھا جو آزادی کے بعد ہوا ہے۔ پہلے سفرِ حج کے لئے بھی حجاج کی آمد، زیادہ تر پانی کے جہاز سے ہوا کرتی تھی۔ جس میں مہینوں کا فاصلہ ہوتا تھا۔ اور ڈاک کا نظام بھی اتنا وسیع و مؤثر نہیں تھا جو آج ہے۔ آزادی کے بعد ہوائی جہاز کی سہولت، اور مواصلاتی نظام کی ترقی نے عرب و ہند کے فاصلہ کو تقریباً ختم کردیا۔ اور دنیا سمٹ کر ایک محلّہ کی شکل

اختیار کرنے لگی۔لہٰذا اب حجاج کی تعداد میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔

آزادی سے پہلے پریس نے وہ ترقی نہیں کی تھی جو آج کی ہے۔چنانچہ آزادی کے بعد صحافت کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا اور عربی اخبارات بکثرت ہندوستان آنے لگے۔جس سے اہلِ ہند کو براہِ راست عربوں کا لٹریچر پڑھنے کا ان کے مزاج ،افکار اور ان کی معاشرتی قدروں کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع ملا۔نیز ہندوستان میں کثرت سے عربی جرائد نکلنے شروع ہوئے۔اور تمام بڑے بڑے اداروں نے اپنے ''ترجمان''عربی میں نکالنا شروع کئے۔مثلاً ثقافۃ الہند(المجلس الہندی للثقافات الاسلامیۃ)،الداعی،(دار العلوم دیوبند)،البعث الاسلامی،والرائد(ندوۃ العلماء لکھنو)، وغیرہ۔اور یہ جرائد و مجلات باہر جانے لگے جس سے عربوں کو ہندوستانیوں کی عربی تحریریں پڑھنے کا موقع ملا۔اس طرح عربی ادب میں اصلاح بھی ہوئی۔ترقی بھی ہوئی۔اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگی بھی ہوئی۔اور اہلِ زبان سے میل جول نے اس میں بہت جلاء پیدا کی۔

یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ آزادی کے بعد بڑی حد تک مدارس سعودی مالی امداد سے فیضیاب ہوئے اور اس امداد نے دونوں ملکوں کے فاصلوں کو کم کیا۔اپنے جذبات کے اظہار،اور ترجمانی کیلئے اہلِ ہند کو عربی میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اسطرح رابطہ میں مزید اضافہ ہوا۔یہ بھی آزادی کے بعد کے عربی ادب پر اثر انداز ہونے والے اہم محرکات میں سے ہے۔

مندرجہ بالا اسباب سے عربی کو جو فروغ حاصل ہوا،وہ بیان سے باہر ہے۔اس کا اندازہ ہم جدید ہندوستان کے عربی ادب کو پڑھ کر ہی کر سکتے ہیں۔اس میں مکاتیب و مراسلات بھی اہم حصہ ہیں۔جرائد و مجلات کا تو گویا سیلاب ہی ہے۔اور دونوں طرف کتابوں کا تبادلہ بھی ہے،کثرت سے ہندوستانی مسلمانوں کی سعودی عرب آمد و رفت،اور عربوں کی کثرت سے ہندوستان آمد نے عربی ادب کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔اس سلسلہ میں ذریعہ معاش کی تلاش بھی اہم جز ہے۔بہت سے ہندوستانی باصلاحیت علماء آج سعودی عرب کے مختلف شہروں میں اپنے قلم کے جوہر دکھا رہے ہیں۔

ض

اس کو ''ہندوستان کا عربی ادبِ مہجر'' کہنا زیادہ بہتر ہوگا۔ اِن حضرات سے احقر نے حتی الامکان رابطہ قائم کیا، اور جن کے حالات دستیاب ہو سکے اس مقالہ میں شامل کر دئے۔

الغرض دونوں عہدوں پر گہری نظر ڈالنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے۔ کہ آزادی کے بعد عربی ادب کو فروغ بہت زیادہ ہوا۔ لیکن اس میں پھیلاؤ بہت زیادہ ہے۔ اور پچھلے عہد کے مقابلہ میں گہرائی کم ہے۔ ابھی ابجد العلوم، تاج العروس، جیسی امہات الکتب کی کمی ہے۔ لیکن آئندہ اس برق رفتار ترقی کو دیکھتے ہوئے یہ امید بجا طور پر کی جا سکتی ہے کہ انشاء اللہ مستقبلِ قریب میں اس کمی کی بھی تلافی ہو جائیگی۔ اور امہات الکتب کا جو خسارہ محسوس ہو رہا ہے وہ خلا بھی جلد پُر ہو جائیگا۔

بابِ ششم: مطالعہ کا نتیجہ

مقالہ کے اس آخری باب میں پورے مطالعہ سے اخذ کردہ نتائج، اور تمام ابواب کا نچوڑ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بیسویں صدی کے نصفِ اوّل، اور نصفِ ثانی کا موضوعاتی موازنہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ آزادی سے پہلے کن علوم میں عربی میں زیادہ کام ہوا تھا۔ اور اب آزادی کے بعد کن علوم میں زیادہ پیش رفت ہوئی ہے۔ اور کون سے علوم تشنہ رہ گئے۔ اور بیسویں صدی نصف اوّل کے مقابلہ آزادی کے بعد فروغ پانے والے عربی ادب کے امتیازات کیا ہیں؟۔ ترجمہ، ناول نگاری، خطابت، رحلات، ناشرین، اور جدید ریسرچ وغیرہ کے حوالے سے آزاد ہندوستان کے عربی ادب کو پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز موجودہ دور میں عربی لکھنے والی خواتین کی خدمات، اور آزاد ہندوستان کی عربی صحافت کو بھی نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِسی طرح آزاد ہندوستان کے عربی ادباء کے اب تک کیا موقف رہے ہیں؟ اُن کو سمجھنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ مستقبل کے ہندوستان میں عربی کے امکانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

''بیسویں صدی'' ہندوستان میں عربی زبان و ادب کا شاداب ترین دور ہے۔ اس دور میں

تخلیق پانے والے عربی ادب پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر آزادی کے بعد عربی زبان وادب میں جو ترقی ہوئی اور جس بڑے پیمانے پر عربی ادب کے شاہکار وجود میں آئے وہ ابھی اکثر و بیشتر گوشۂ گمنامی میں ہیں۔ آج جیسا کہ دنیا سمٹ رہی ہے اور ملکوں وقوموں کو قریب لانے کی کوشش ہورہی ہے۔ ایسے میں اس آخری اور سنہرے دور کی عربی نگارشات کو مزید نمایاں کرنے اور منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے اور اب تک اس حیثیت سے کسی نے باقاعدہ قلم نہیں اٹھایا ہے کہ "یہ وہ عربی ادب ہے جو آزادی کے بعد لکھا گیا ہے"۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر خاص طور پر اس پورے عہد کے 'ہندستانی عربی ادب' کا جائزہ پیش کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جب میں نے اپنا یہ خیال اپنے سپروائزر پروفیسر شاہ عبدالسلام صاحب کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے نہ صرف اس کو پسند کیا بلکہ اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور انھیں کی سرپرستی ونگرانی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا جس پر لکھنو یونیورسٹی نے ۲۰۰۷ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ اور اب اس کو کتابی شکل میں ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے۔

آخر میں سب سے پہلے میں اپنے سپروائزر پروفیسر شاہ عبدالسلام صاحب (سابق صدر شعبۂ عربی لکھنو یونیورسٹی) کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنکی مخلصانہ سرپرستی نے قدم قدم پر میری رہنمائی فرمائی اور جنھوں نے بار بار میرے اُکھڑتے قدموں کو سنبھالا۔ موضوع کی طوالت اور علاقائی وسعت اور ادباء کی کثرت نیز بار بار خطوط لکھنے کے باوجود بعض حضرات کی طرف سے طویل عرصہ تک عدمِ توجہی جیسی بہت سی پیش آنے والی دشواریوں اور مشکلات نے سخت مایوسی سے دوچار کردیا تھا۔ ایسے میں اگر آپ کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی حاصل نہ ہوتی تو یقیناً میرے لئے اس مقالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ناممکن تھا۔ اس سلسلے میں سچی بات یہ ہے کہ دلی جذبات کے اظہار کیلئے میرے پاس الفاظ ناکافی ہیں اور اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ ان کا سایہ تادیر ہم نوآموز طلبہ کی نسل پر باقی رہے۔ آمین۔

موضوع کی اہمیت کا تقاضہ تھا کہ جلد از جلد اس مقالہ کو منظر عام پر لایا جاتا لیکن کچھ ناگزیر وجوہات کی بناپر تاخیر ہوتی چلی گئی۔ بہرحال اب یہ کوشش پیش خدمت ہے۔ اس کوشش میں اگر کچھ

کامیابی ہوئی ہے تو اس کا سہرا میرے سپروائزر صاحب کے سر ہے اور اگر کچھ کمی ہے تو اس کا ذمہ دار احقر ہی ہے۔

اِسی طرح میں اپنے سابق صدرِ شعبہ عربی استادِ محترم پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد ندوی صاحب اور سابق صدرِ شعبہ پروفیسر عبید اللہ فراہی صاحب کا بیحد ممنون ہوں جنھوں نے ہر طرح سے میری حوصلہ افزائی اور رہنمائی فرمائی۔ اس کے علاوہ شعبہ عربی لکھنو یونیورسٹی کے تمام اساتذہ ڈاکٹر اشفاق احمد ندوی ڈاکٹر شمس تبریز خاں، ڈاکٹر نثار احمد اعظمی، ڈاکٹر احمد نسیم وغیرہ کا بھی بے حد ممنون ہوں جن کی گرانقدر علمی وادبی ہدایات میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ خاص طور پر ڈاکٹر شمس تبریز خاں صاحب کی مخلصانہ نظر ثانی نے اس تحریر کو منظر عام پر لانے کے قابل بنایا۔

میں ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی مرحوم او ایس ڈی رامپور رضا لائبریری کا بھی تہ دل سے شکر گذار اور احسان مند ہوں کہ انھوں نے مجھے نہ صرف اس تحقیقی کام کو جاری رکھنے اور اسے مکمل کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ اس کیلئے مجھے بھرپور موقع اور ماحول بھی فراہم کیا۔ اور قدم قدم پر میری علمی رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے، جس کی بدولت یہ کام پایہ تکمیل تک پہونچ سکا۔ ان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ افسوس کہ وہ اس کو کتابی شکل میں نہ دیکھ سکے اور طباعتی مراحل سے قبل ۱۸/ جون ۲۰۰۹ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اِسی طرح مجھ سے محبت اور انسانی ہمدردی رکھنے والے حضرات میں سے محمد حسان نعمانی، نوید قیصر، جنید شمسی، عتیق جیلانی سالک، موہنی رانی، ناظمہ باجی وغیرہ بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جن کے اخلاقی تعاون سے یہ کتاب پایہ تکمیل تک پہونچ سکی۔

آخر میں فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی اور اس کے ذمہ داران کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا میرا اوّلیں فریضہ ہے جس کے مالی تعاون سے یہ اشاعت معرض وجود میں آسکی۔

ناچیز کو اعتراف ہے کہ حتی المقدور سعی کرنے کے باوجود موضوع کا حق ادا نہ ہوسکا اور بہت

سے اربابِ قلم شامل ہونے سے رہ گئے۔ اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ مقالہ میں جو کمی محسوس کریں اس کی طرف نشاندہی فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو دور کیا جاسکے۔

ڈاکٹر محمد ارشاد ندوی نوگانوی

ریسرچ اسکالر

رامپور رضا لائبریری رامپور

۱۵/اگست ۲۰۰۹ء

☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''باب اول''

عربوں کی ہندوستان میں آمد: تہذیبی وتمدنی اختلاط

عرب و ہندوستان کے تعلقات بہت قدیم اور تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے ہیں۔ آریہ قوم کے وسطی ایشیا سے پنجاب میں پہونچنے کے صدیوں پہلے سے عربوں کی آمدورفت اور ان کے تجارتی تعلقات وروابط ہندوستان سے قائم تھے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' میں لکھتے ہیں۔:''جب آدم علیہ السلام سب سے پہلے ہندوستان میں اترے اور یہاں وحی آئی تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہی وہ ملک ہے جہاں خدا کی پہلی وحی نازل ہوئی اور چونکہ نورِ محمدی آدمؑ کی پیشانی میں امانت تھا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا ابتدائی ظہور اسی سرزمین میں ہوا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ مجھے ''ہندوستان سے خوشبو آتی ہے''۔ [1]

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:''یہ تمام روایتیں فن حدیث کے لحاظ سے بہت کم درجہ کی ہیں تاہم اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا تعلق ہندوستان سے زیادہ محمود غزنوی کی فتوحات کے سلسلے میں ہوا، اور اس کے بعد مسلمان یہاں آکر آباد ہوئے، یہ کس قدر غلط ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس ملک کو اپنا مفتوحہ ملک نہیں، بلکہ اپنا موروثی و پدری وطن سمجھتے ہیں اور جو نہیں سمجھتے انھیں سمجھنا چاہیئے'' [2]

خیر یہ تو تاریخ سے پہلے کی باتیں ہیں اگر تاریخی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمود غزنوی سے سینکڑوں برس پہلے ہندوستان آچکے تھے اور جگہ جگہ نوآبادیاں قائم تھیں۔ تفسیروں اور بعض حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے نکالے گئے تو ان کا نزول سب سے پہلے اِسی ہندوستان میں ہوا تھا۔ سرزمینِ ہند کو یہ فخر حاصل ہے کہ ابوالبشر کا پہلا قدم عالم بالا

سے عالمِ زیریں میں اِسی دھرتی پر اترا تھا۔سری لنکا میں سراندیپ (آدم ملے) کے پہاڑ پر ان کے قدم آج بھی دیکھنے والوں کے لئے اس تاریخی حقیقت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

سراندیپ (لنکا) میں انھوں نے پہلا قدم رکھا۔جس کا نشان اس کے ایک پہاڑ پر موجود ہے۔ابنِ جریر، ابنِ ابی حاتم، اور حاکم میں ہے کہ ہندوستان میں اس سرزمین کا نام جس میں حضرت آدمؑ اترے تھے "دجنا" ہے۔کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ "دجنا"، "دکھنا" یا "دکھن" ہے جو ہندوستان کے جنوبی حصہ کا مشہور نام ہے۔

چونکہ عرب کے ملک میں متعدد قسم کی خوشبوئیں اور مسالے اسی جنوبی ہند سے جاتے تھے اور پھر عربوں کے ذریعہ دنیا میں پھیلتے تھے اس لئے سید سلیمان ندویؒ کا بیان ہے کہ یہ چیزیں ان تحفوں کی یادگار ہیں جو حضرت آدمؑ جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ان تحفوں میں چھوہارے کے سوا دو پھل یعنی لیموں اور کیلے ہندوستان ہی میں موجود ہیں۔ایک اور روایت میں ہے کہ جنت سے چار دریا نکلے ہیں۔نیل، فرات، جیحون، سیحون۔نیل تو مصر کا دریا ہے جس پر مصر کی زراعت کا دارومدار ہے۔اسی طرح فرات عراق کی سرسبزی وشادابی کیلئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔، جیحون ترکستان کا دریا ہے اور ترکستان کے لئے اس کی وہی حیثیت ہے جو فرات کی عراق کے لئے ہے۔اور سیحون کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ہندوستان کے دریا کا نام ہے۔کیا جنت کے اس چوتھے "دریا" کو "گنگا" سمجھا جائے؟ بعض لوگوں نے اس کو دریائے سندھ قرار دیا ہے۔ ۳

عربوں کی آمد:

تاریخ کے محققین نے پہلی دریائی تاجر قوم کا نام فنشین بتایا ہے اس یونانی نام کی وجہ سے اس کے صحیح نام اور اس کی اصل حقیقت پر پردہ پڑا ہوا ہے۔دراصل اس کا نام کنعانی یا آرامی ہے اور اہل عرب اس کو اپنی بولی میں "ارم" کہتے ہیں اس قوم کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے کہ "الم

تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد" (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قومِ عاد یعنی قومِ ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا، جن کے قد وقامت ستونوں جیسے دراز تھے) ۴ ۔۔ محققین کی تحقیق یہ ہے کہ یہ عرب ہی تھے، جو بحرین سے شام چلے گئے تھے۔ اور وہیں آباد ہو گئے تھے۔ اور انھوں نے بحرِ روم میں اپنی ایک مغربی بندرگاہ قائم کر رکھی تھی جہاں سے ان کی آمد ورفت ایک طرف یونان ، یورپ، اور شمالی افریقہ کے کناروں تک اور دوسری طرف مشرق میں ایران، ہندوستان اور چین تک رہتی تھی۔ چنانچہ اس آرامی یا ارمی قوم کے متعلق مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں" یہ کون قوم تھی ؟ محققین کا بیان ہے کہ یہ عرب تھے، جو ساحل بحرین کے پاس سے اٹھ کر شام کے ساحل پر جا بسے تھے۔ بحرین گویا مشرق میں ان کی مشرقی ملکوں کی بندرگاہ تھی، اور ناٹو شام میں بحرِ روم کے کنارے ان کی مغربی بندرگاہ تھی جہاں سے وہ یونان کے جزیروں میں اور یورپ کے شہروں میں اور شمالی افریقہ کے کناروں تک کی خبر لیتے تھے اس قوم کے ذریعہ یونان میں تہذیب وتمدن کا آغاز ہوا۔

جہاں تک ہندوستان اور عرب ممالک کا تعلق ہے ایک حیثیت سے انھیں ہمسایہ ملک کہا جا سکتا ہے بس فرق اتنا ہے کہ ان کے درمیان سمندر کی وسیع اور طویل راہیں حائل ہو گئی ہیں جنھیں سمندری خشکی کے کنارے باہم ملاتے ہیں۔ عرب تاجر ہزاروں سال پہلے سے ہندوستان میں آمد ورفت رکھتے تھے اور یہاں کی پیداوار مال واسباب، کو براہِ مصر وشام یورپ تک پہونچاتے تھے اور ادھر سے مختلف سامان بھر کر ہندوستان اور چین سے آگے جاپان تک لیجاتے تھے۔ ۵

پچھلے دور میں عرب و ہند کے درمیان جس قدر ایک دوسرے سے بعد و دوری کے لئے سمندروں کو حائل بنا کر پیش کیا گیا تھا اور سات سمندر پار قوم کے مؤرخوں نے جس قدر ان دونوں قوموں میں اجنبیت ور بیگانگت کو ثابت کرنا چاہا تھا، عرب و ہند کے ماقبلِ اسلام اور بعدِ اسلام کے تجارتی شواہد اس کی نفی کرتے ہیں۔ اور تجارتی روابط تاریخ کے قدیم دور سے انکے درمیان قائم واستوار رہے ہیں۔ اسلامی فتوحات کے بعد دینی وملی تعلق نے تجارتی سلسلہ میں مزید استحکام اور اس کے اندر

خوشگوار تبدیلی پیدا کی۔ اور دین و دیانت اور عقیدت و محبت کے امتزاج سے اس رنگ میں مزید پختگی آئی۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ خلافتِ راشدہ میں ہندوستانی اشیاء کا عرب میں استعمال عام ہو چکا تھا۔

عہدِ رسالت اور ہندوستان:

عرب و ہند کا وہ باہمی تجارتی رشتہ جو صدیوں سے دونوں قوموں کو ایک دوسرے سے باندھے ہوئے تھا طلوعِ اسلام کے بعد ان مذہبی روایات اور تاریخی اشارات نے اس رشتہ میں مزید گرہ لگادی۔

بزرگ ابنِ شہر یار (المتوفی ۳۰۴ھ) نے اپنے سفرنامہ عجائب الہند میں لکھا ہے کہ جب سرندیپ (لنکا یا سیلون) میں عرب تاجروں کی زبانی حضور ﷺ کی بعثت کی خبر پہونچی اور وہاں کے باشندوں نے آنحضرت ﷺ کی دینی دعوت کا حال سنا تو اپنے یہاں کے ایک ممتاز آدمی کو رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور اس کے کوائف معلوم کرنے کے لئے عرب بھیجا تاکہ وہ وہاں پہونچ کر جو کچھ دیکھیں اور معلوم کریں اور اس کو اہلِ سیلون تک پہونچادیں۔

ان کا یہ نمائندہ ایک خادم کے ساتھ غالباً خشکی کی راہ سے چل کر مدینہ منورہ پہونچا جب وہ وہاں پہونچا تو آنحضرت ﷺ پردہ فرما چکے تھے۔ وہ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں (۲۳ھ/۶۴۲ء) میں حاضر ہوا۔ اور حضور ﷺ کی دعوتِ مبارک اور احوالِ شریفہ کی پوری واقفیت حاصل کی۔ اور اپنے مقصدِ سفر کے متعلق کافی معلومات حاصل کر کے اپنے وطن لنکا روانہ ہوا۔ مگر قضاءِ الٰہی کے ہاتھوں لنکا پہونچنے سے پہلے مکران میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے ساتھ جو خادم گیا تھا اب وہ تنہا لنکا پہونچا اور لنکا کے باشندوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا، جو کچھ سنا تھا وہ ان سے بیان کیا حضرت عمرؓ کے متعلق بتایا کہ "وہ بہت نیک، بہادر، آدمی ہیں پیوند لگے کپڑے پہنتے اور مسجد میں رہتے ہیں"۔ [۶]

اس واقعہ سے عہدِ رسالت میں اسلام کی دعوت کیلئے اہلِ ہند کی پوری دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری مستند روایت امام ابوعبداللہ حاکم نے مستدرک میں ذکر کی ہے کہ حضرت ابوسعید

خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول ﷺ کی خدمت میں ہندستان کے ایک راجہ نے مٹی کے ایک گھڑے میں زنجبیل کا تحفہ بھیجا جسے آنحضرت ﷺ نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے خود بھی کھایا اور صحابہ کو بھی کھلایا، ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہِ عقیدت میں اس تحفہ محبت کو بھیجنے سے ہمارے ملک کا عہدِ رسالت سے نہ صرف تعلق ثابت ہوتا ہے بلکہ حسنِ عقیدت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

عہدِ رسالت میں ہندوستان کی مختلف قومیں عرب واطرافِ عرب میں آباد تھیں۔ جوز بوط اور سیابجہ کہلاتی تھیں یہ لوگ عرب کے مشرقی سواحل میں بکثرت آباد تھے اور ان کی عربوں سے اچھی راہ و رسم تھی۔ خود حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ ان کو جانتے اور پہچانتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے: "اذ اتانی رجال کانھم الزط اشعارھم واجسامھم لا اریٰ عورۃً ولا اریٰ قشرا وینتھون الیّ ولا یجاوزون الخط ثم یصدرون الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

ترجمہ: کچھ لوگ میرے قریب آئے وہ اپنے جسم اور بالوں میں جاٹوں کے مشابہ تھے میں ان کا ستر اور چمڑا نہ دیکھ سکا۔ وہ میری سمت آتے تھے مگر خط کشیدہ حصہ کے اندر نہیں آتے تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس چلے جاتے تھے۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے اس روایت میں جنات کو ہندوستان کے جاٹوں سے تشبیہ دی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے لوگ اور عرب یہاں کی اس قوم سے بخوبی واقف تھے کیونکہ مشبہ بہ ہمیشہ مشبہ سے زیادہ معروف ہوتا ہے۔

۱۰ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نجران سے بنو حارث کا ایک وفد لے کر سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارکانِ وفد کو دیکھ کر فرمایا "من ھٰؤلاء القوم الذین کانھم رجال الھند" (یہ کون لوگ ہیں گویا ہندوستان کے آدمی ہیں؟)۔ جواب میں عرض کیا گیا: "یا رسول اللہ ھٰؤلاء رجال بنی الحارث بن کعب" (جواب میں عرض کیا گیا کہ اے

اللہ کے رسول ! یہ لوگ بنو حارث بن کعب کے لوگ ہیں)۔ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان کے لوگ عرب میں عام طور پر متعارف تھے۔اور بحرین، ہجر، دارین، صحار، قطیفہ کے علاقوں میں ان کی کثرت تھی۔

خلافتِ راشدہ اور ہندوستان:

خلافت راشدہ جس کی کل مدت تیس سال ہے جس کی ابتدا ربیع الاول ۱۱ھ سے ہوتی ہے اور انتہا رمضان ۴۰ھ کو۔ خلافتِ راشدہ کے شروع کے دس سال چھوڑ کر باقی پورے عرصہ ہندوستان سے اس کا تعلق برابر قائم رہا۔ بعض روایات کے مطابق ۲۳ھ میں مکران فتح ہوا۔اور فارس پر مہمات روانہ کی گئیں۔اس سے پہلے یہاں کے تین چار مقامات پر اسلامی مصر، فوجی، ونجر آئے اور ہندوستان سے تعلقات کی ابتداء ہوئی اور اس کے مغربی شمالی علاقوں میں مسلمانوں کی آمدورفت شروع ہوئی۔

ویسے ہندوستان سے مسلمانوں کا باقاعدہ رشتہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں قائم ہوا۔ اور اس کی بنیاد حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی کے دور میں پڑ چکی تھی۔وہ اس طرح کہ عہدِ صدیقی میں جب فتنہ ارتداد شروع ہوا، تو ہندوستان کے جاٹ اور سیابجہ نے مشرقی عرب اور مرتدین کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا اور اسلحہ وافراد دونوں طرح ان کی مدد کی۔اور یہ واقعہ عرب و ہند تعلقات میں یک گونہ تلخی کا موجب ہوا۔

مسلمانوں کی مشہور جنگِ قادسیہ جس نے مملکتِ فارس کا دروازہ کھول دیا تھا۔وہی مشرقی ممالک میں عربوں کے اثر ونفوذ کا سبب بنی۔اسی طرح اس کے بعد جہاں ایک طرف انھوں نے مکران وسندھ فتح کئے وہیں ماوراء النہر، سمرقند و بخارا کو بھی تابع کیا۔حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ہندوستان سے گوناگوں روابط پر روشنی ڈالتے ہوئے قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں:۔

"عرب کے ہندوستانی جاٹ اور سیابجہ برضا ورغبت اسلامی فوج میں عطایا و وظائف کے مجد

وشرف کے ساتھ داخل ہوئے اور انھوں نے عجم کی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سراندیپ کا مذہبی وفد مدینہ منورہ پہونچا اور مسلمانوں سے ملاقات کر کے اسلامی عقائد واعمال کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کیں۔ واپسی پر اہلِ سراندیپ کے سامنے حضرت عمرؓ کے سیدھے سادے حالات و واقعات پیش کیے جس سے یہاں کے لوگوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق نہایت اچھے اور عقیدت مندانہ جذبات پیدا ہوئے اور کئی صدیوں تک اس کے نیک اثرات کام کرتے رہے۔ سب سے پہلے حضرت عمرؓ ہی نے ہندوستان میں جہاد کے امکانات پر غور فرمایا اور ایک مبصر سے سندھ کے مرکزی شہر قندابیل کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس درمیان میں اسلامی فوج نے فدائیانہ طور سے ہندوستان کے تین ساحلی مقامات پر چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ عہدِ فاروقی میں جب ۲۱ھ یا ۲۳ھ میں جنوبی فارس کے سات مرکزی مقامات پر مجاہدین اسلام آئے تو اسی سلسلہ میں مکران، بلوچستان، اور بجستان سے متصل بعض ہندوستانی علاقے بھی فتح ہوئے'' ۷

حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت اور اس کا خاص طور پر ۲۹ھ سے ۳۵ھ کا زمانہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا عہدِ زریں کہلاتا ہے۔ آپ کے زمانہ میں ہندوستان کے وہ علاقے جو فتح ہو چکے تھے دارالامان بن گئے تھے۔ سندھ کی فتح کو عہدِ عثمانی کی خصوصیات میں بتایا جاتا ہے آپؓ کے زمانہ میں فارس کے ساتھ مکران وسندھ میں بھی بغاوت کی ہوا چل پڑی تھی۔ آپ کے ارسال کردہ مبصرین نے گہری نظر سے ہندوستان کے احوال کا جائزہ لیکر خلیفہ ثالثؓ کو مطلع کیا تھا اور آپؓ نے کرمان، خراسان، وبجستان میں اٹھنے والی بغاوت کو ختم کر کے ایسے امراء متعین فرمائے جنھوں نے وہاں بحالیِ امن کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ اسی زمانہ میں بلوچستان میں قیام کرنے والے عربوں نے یہاں سے عشر دربارِ خلافت کو روانہ کیا، اور محکمہ قضاء کا قیام عمل میں آیا۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی بعض عربوں نے بجستان میں باغیانہ روش اختیار کی جس کو آپ نے فرو کیا اور پھر آپؓ کے زمانہ میں مکران، قندیل، اور سندھ میں زبردست فتوحات حاصل ہوئیں۔ ہندوستان میں خلافتِ علوی ۲۸ھ سے ۴۰ھ تک کا زمانہ

اسلامی فتوحات کامیاب دور ہے۔

عربوں کی سکونت ہند میں:

عہدِ فاروقی تک ہندوستان میں عربوں کی مستقل آبادی کا پتہ نہیں چلتا حالانکہ مکران میں اسلامی فوجیں مقیم تھیں اور قندابیل میں تو عہدِ عثانی سے گویا مستقل طور سے فوجی چھاؤنی کی شکل اختیار کرلی تھی لیکن عہدِ فاروقی تک ان کی مستقل آبادی کا سراغ نہ ملنے کی اہم وجہ وہاں کے نیم فوجی اور ہنگامی حالات تھے۔ بار بار بغاوت وبدعہدی کی وجہ سے بار بار تادیبی کارروائی کرنی پڑتی تھی۔ ۸

تابعین اور ہندوستان:

جہاں تک تابعین کے دور میں ہندوستان سے عربوں کے تعلق کا سوال ہے تو سید التابعین حضرت امام حسن بصریؒ (م۱۱۰ھ) کے بارے میں یہ بات پختہ شواہد سے ثابت ہے کہ وہ ہندوستان تشریف لائے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ہمارے ملک کی خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ سید التابعین حضرت حسن بصریؒ نہ صرف ہندوستان تشریف لائے بلکہ دو ڈھائی سال تک اس ملک کے مختلف علاقوں میں طرح اقامت ڈالی۔ عبدالرحمن بن سمرہ (م۴۲ھ)، اور دیگر عرب کے معززین کے ساتھ امام حسن بصری (م۱۱۰ھ) بھی تشریف لائے اور تین سال تک ان کے ساتھ رہ کر بجستان وخراسان سے متعدد غزوات میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ یہ تمام مفتوحہ علاقے ہندوستان سے ملحق اور بہت سے شہر ہندوستان میں شمار ہوتے تھے۔ بہر حال امام حسن بصری کا سندھ کے شمالی حدود میں آنا ثابت ہے۔ ان کا مشہور قول ہے کہ" حضرت آدمؑ ہندوستان میں، حضرت حواؑ جدہ میں، اور ابلیس ہشت سیستاں میں اور سانپ اصبہان میں اتارے گئے۔ ۹

امام حسن بصریؒ کا انتقال ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء میں ہوا۔ امام حسن بصری کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی جماعت ہے جو ہندوستان آئی ہے اور جن کا شمار کرنا بھی مشکل ہے۔

ہندوستانی معاشرے میں عربی زبان کا ظہور اور اس کی اہمیت:

گذشتہ سطور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرونِ اولیٰ خصوصاً خلافت راشدہ، اور تابعین کے زمانہ سے ہی عربوں کے اختلاط، اور ہندوستان آمد و رفت کے نتیجہ میں ہندوستانی معاشرے میں عربی زبان کا ظہور بھی ایک قدرتی امر تھا۔ لیکن با قاعدہ عربی زبان کی بنیادیں ہندوستان میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد مضبوط ہوئیں جب اس نے سندھ میں با قاعدہ عرب حکومت کا آغاز کیا۔ ہندوستان میں عرب حکومتوں کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں لکھتے ہیں۔:

خلافتِ راشدہ اور ابتدائی اموی دور میں ہندوستان کے ساحلی مقامات پر متعدد فوجی پیش قدمیاں ہوئیں جن کے نتیجہ میں وہاں کچھ مسلم آبادی بھی ہوگئی۔ مگر سندھ میں با قاعدہ عرب حکومت کا آغاز ۹۲ھ میں محمد بن قاسم ہی کی فتوحات کے بعد ہوا، اور جس کا سلسلہ تین سو سال سے زیادہ اور سلطان محمود غزنوی کی فتحِ سندھ اور پنجاب تک قائم رہا۔ تقریباً ساڑھے تین سو سال کی عرب حکومت کے نتیجہ میں سندھ اور پنجاب کے علاقوں میں اسلامی تہذیب و ثقافت کو فروغ حاصل ہوا۔ اور وہ غزنوی و غوری فتوحات کا پیش خیمہ و بنیاد ثابت ہوئی جس پر ان مضبوط حکومتوں کے ستون قائم ہوئے۔

عربوں کے محتاط و معتدل اور شریفانہ برتاؤ نے سندھ و پنجاب کے مقامی باشندوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جگہ پیدا کر دی جس کی وجہ سے یہاں مذہب کے ساتھ عربی زبان وادب کو بھی ترقی پذیر ہونے کا موقع ملا۔ اور دوسری صدی میں یہاں فقہ و حدیث اور شعر وادب کو فروغ حاصل ہونے لگا۔ اور سندھ کے علماء و محدثین نے عالمِ عربی کے مرکزوں اور شخصیتوں سے افادہ و استفادہ کا سلسلہ قائم کر دیا جس کے نتیجہ میں صحاح ستہ اور دوسرے حدیثی مجموعوں میں سندھی رجال اور راویوں کی ایک بڑی تعداد ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے۔

دوسری طرف عربوں کی فتحِ سندھ کے ذریعہ ہندوستان کو اسلام اور مسلمانوں کی ثقافت و تہذیب و تمدن و معاشرت اور عقیدہ و عمل کے سمجھنے اور دیکھنے کا قریبی موقع ملا۔ جس کی وجہ سے وہ اس

نئی عالمی تہذیب اور انقلابی نظریے سے آگاہ ہوا اور اس کے فکر ونظر کے روایتی سانچوں میں بنیادی تبدیلی رونما ہوئی۔ اور اسلام کے عقیدۂ توحید و رسالت، اخوت و مساوات، اور اخلاقی تعلیمات نے دھیرے دھیرے ہندوستانی ذہن وفکر کو متاثر کرنا شروع کیا۔ اور بالآخر ہندوستانی تہذیب وتمدن پر اپنے گہرے آثار ونقوش مرتب کئے، اور ہندوستان کے تہذیبی وثقافتی ورثے کو متنوع اور بیش قیمت بنانے میں پورا حصہ لیا۔

ہندوستان کے بعض نئے مؤرخین یورپی مؤرخین کی تقلید میں سندھ میں عرب فتوحات کو وقتی حادثہ سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سندھ وملتان کی عرب حکومتیں اپنے مکانی رقبہ وزمانی وقفہ کے لحاظ سے اگرچہ زیادہ وسیع نہ تھیں۔ مگر اپنے ثقافتی امکانات واثرات کے اعتبار سے بہت دوررس اور دیرپا ثابت ہوئیں۔ اور اگر وہاں عربوں نے زمین ہموار نہ کی ہوتی تو سلطان محمود غزنوی اور بعد کے سلاطین وہاں اسلامی حکومت قائم کرنے میں بڑی دشواری محسوس کرتے۔ اور اسلامی دعوت وثقافت کی اشاعت میں بہت تاخیر ہوتی۔ یہ عربوں ہی کا خالص اسلامی اخلاق وتعلیمات پر مبنی طرزِ عمل کا مبارک نتیجہ تھا کہ سندھ وپنجاب کے علاقے شروع سے اب تک مسلم اکثریت کے علاقے چلے آرہے ہیں اور سندھی و پنجابی زبانوں میں عربی الفاظ کی بہتات ہے اور مجموعی طور پر ان کے ثقافت وتمدن پر اسلامیت وعربیت کی بڑی گہری چھاپ موجود ہے"۔ [10]

"ہندوستان میں عربی زبان وادب"

ایک عمومی جائزہ سولھویں صدی تک:

یہ تو ہندوستان اور عربی معاشرت کے اختلاط کی بحث تھی۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے کس ہندوستانی کے قلم سے عربی تصنیف وجود میں آئی، تو اس کا سراغ بھی خیر القرون کے آخر یعنی تبع تابعین کے دور ہی میں مل جاتا ہے۔ مثلاً ربیع بن صبیح بصری جو تبع تابعی ہیں اور گجرات کے

75 82

بھڑوچ ضلع میں نرمداندی کے کنارے عالیہ بَیٹ کے ٹیلے پر مدفون ہیں۔عہدِ اسلامی کے پہلے مصنف قرار دئے جاتے ہیں اگرچہ اس میں اختلاف ہے،مگر غالب یہی ہے کہ وہ پہلے مصنف تھے۔اسلام کے ابتدائی ادوار میں ہندوستان کے جن خانوادوں نے نمایاں علمی خدمات انجام دیں ان میں ابومعشر سندھی ''صاحب المغازی'' سرِ فہرست ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ میں تربیت پائی ،بعض صحابہؓ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔اور سیر ومغازی میں اہم ترین کتاب ''المغازی'' لکھی۔آپ نے بغداد میں انتقال فرمایا۔

سندھ (ہندوستان) کے عربی ادباء میں سب سے اہم ترین نام ''محمد ابن القاسم'' کا ہے۔جس نے نہ صرف ہندستان کو فتح کیا بلکہ عربی زبان وادب میں ادبی خدمات بھی انجام دیں وہ عربی کا اچھا شاعر تھا ،اپنی معزولی کے بارے میں اس کا شعر ہے:

''أضاعوني و أیَ فتیً اضاعوا ☆ لیوم کریھۃ و سدأو ثغر'' [11]

(لوگوں نے مجھے کھودیا۔اور انھیں کیا معلوم کہ کیسے نوجوان کو انھوں نے کھویا ہے جو مصیبت کے وقت،اور جنگوں کے دوران کام آتا تھا اور ان کے لئے ایک (محافظ) دیوار ثابت ہوتا تھا)۔

ان کے علاوہ مؤرخین اموی دربار کے شاعر ابوعطاء سندھی کا ذکر کرتے ہیں جس کو ابوتمام اور بحتری جیسے بڑے عظیم شعراء نے بھی اپنے حماسہ میں جگہ دی ہے [12] اور ابن الاعرابی جو سندھی الاصل،کوفی المولد تھے ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔خلیفہ مہدی کے دور میں عہدہ قضاء پر مامور ہوئے۔جن کی ایک درجن سے زائد تصانیف ہیں۔ [13]

غزنوی دور: (۳۶۶_۵۸۳ھ مطابق ۹۷۶_۱۱۸۷ء)

پہلے غزنوی بادشاہ ناصرالدین سبکتگین نے ۳۶۷ھ میں ہندوستان کے سرحدی قلعے فتح کئے۔ انھوں نے ہندوستان کی سرحد پر غزنی میں ایسا عسکری اور حکومتی مرکز قائم کیا۔جس نے آگے چل کر فتح بر صغیر کیلئے راستہ ہموار کیا۔ان کے انتقال کے بعد علماء وصوفیاء کے قدر داں سلطان محمود غزنوی

(۳۸۸ھ/۹۹۸ء) میں سریر آرائے غزنی ہوئے۔ ان کی عالی ہمتی، کشور کشائی، علم دوستی، وغیر معمولی محاسن وفضائل پر تقریباً سبھی مؤرخین کا اتفاق ہے۔ فتوحات کے ساتھ ساتھ علم وادب کی سرپرستی میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ فردوسی، عنصری، عسجدی، فرخی، اسی دربار سے چمکنے والے آفتاب وماہتاب شعراء تھے۔ پھر اس کی اولاد میں سلطان مسعود، مودود بن مسعود، سلطان ابراہیم، علاء الدین مسعود، اور پھر آخر میں معزالدین بہرام شاہ لگاتار بادشاہ ہوئے اور سبھی نے علم وادب کی عظیم خدمات انجام دیں۔ سلطان محمود کے ہاتھوں شعروادب کی سرپرستی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ پورے غزنوی دور میں قائم رہا اور اس کو سلطان ابراہیم اور سلطان بہرام نے بہت ترقی دی۔ بقول شیخ محمد اکرام ''ابراہیم غزنوی کے دورِ حکومت میں لاہور علمی سرگرمیوں کا گہوارہ ہوگیا تھا اور علم وفضل کا بڑا مرکز تھا'' [۱۴]

آخر میں خسروشاہ کے بیٹے خسرو ملک (متوفی ۵۹۸ھ/۱۲۰۱ء) پر غزنوی حکومت کا خاتمہ ہوا ۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء میں شہاب الدین غوری نے اس کو گرفتار کر کے افغانستان بھیج دیا تھا اور پھر اس کو اور اس کے بیٹے بہرام شاہ کو قتل کر دیا تھا۔ غزنوی دور کی سب سے بڑی خصوصیت عربی زبان وادب کی سرپرستی اور اسے سرکاری زبان قرار دینا ہے۔ محمود کے دور میں تو عموماً دفتری کاروبار عربی میں ہی ہوتا تھا ۔خواجہ احمد بن حسن میمندی کے عہدِ وزارت میں مراسلات وفرامین کی زبان عربی ہی قرار دی گئی۔ بحیثیت مجموعی غزنوی دور کو ہم عربی زبان کے لئے بے حد سازگار دور کہہ سکتے ہیں۔ اس دور کی ایک نمایاں شخصیت منوچہری کی ہے جو عربی مضامین اور عربی شاعری پر بے حد قدرت رکھتا تھا۔ مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں عہدِ غزنوی میں عربی کی حالت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

سلطان محمود کا ذہن عربیت سے قریب تھا۔ اس نے سرکاری دفاتر کی زبان فارسی کی جگہ عربی رکھی۔ اس کے دربار میں العتبی، اور البیرونی، جیسے عربی کے جید نثر نگاروں کی ہمت افزائی ہوئی اور اُسی کے عہد میں ابنِ سینا نے عربی زبان میں اپنی کتاب ''القانون'' اور'' الشفاء'' اور دوسری لافانی کتابیں لکھیں۔ مشرقی ممالک میں غزنوی دور عربیت کی فصل بہار کا حکم رکھتا ہے جس کے بعد

غوریوں اور دوسرے ہندوستانی مسلم حکمرانوں نے فارسی کو سرکاری درباری زبان بنائے رکھا۔اور عربی ،علماء اور ممتاز فضلاء کی ذاتی دلچسپی کے سبب فروغ پاتی رہی"۔ ۱۵

اس دور کے چند ممتاز ادباء میں حسن بن حسن میمندی (صاحب توقیعات)، رابعہ بنتِ کعب قزداری (عربی شاعرہ)، ابونصر محمد عتبی (صاحب "تاریخ الیمینی")، شیخ اسماعیل لاہوری (اولیں مبلغِ اسلام، واعظ)، نصر اللہ منشی ابن محمد ابن عبدالحمید (عربی شاعر و مترجم کلیلہ دمنہ در فارسی)، ابوالعلاء عطاء بن یعقوب عرف ناکوک (صاحب دیوان عربی و فارسی)، مسعود سعد سلمان لاہوری (صاحب دواوین ثلاثہ: عربی، فارسی، ہندوستانی، وصاحب حبسیات)، اور علامہ بیرونیؔ ہمہ جہت عبقری شخصیت (صاحب "کتاب الہند"، "الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ"، "القانون المسعودی"، "الجماھر فی معرفۃ الجواھر"، "الصیدلہ" وغیرہ)، اور داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ (صاحب "کشف المحجوب"، "کشف الاسرار"، "البیان لاھل العیان" وغیرہ) ہیں۔جن کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے۔

عہدِ سلطنت دہلی: (۶۰۳_۹۳۳ھ مطابق ۱۲۰۶ءتا۱۵۲۶ء)

دہلی سلطنت اپنے وقت کی سلطنتوں کے مقابلہ میں بڑی حد تک مہذب، فلاحی اور رعایا پرور تھی۔عدل وانصاف، رعایا پروری اور عوام کو راحت رسانی، تہذیب وتمدن کے فروغ، علوم وفنون کی ترقی، رفاہِ عام، بے تعصبی وانسانی ہمدردی اور اور مذہب واخلاق کی بالادستی کے لحاظ سے وہ آج کے جمہوری نظام سے بھی آگے تھی۔ ہندوستانی ماحول کے پیشِ نظر دہلی سلطنت نے فارسی کو سرکاری زبان بنایا مگر مسلمان علماء کے لئے عربی زبان میں اور غیر مسلموں کے لئے سنسکرت یا علاقائی زبانوں میں تصنیف وتالیف، باعثِ فخر رہی اور عہدِ سلطنت دہلی کے فارسی لٹریچر پر بھی عربیت کا بڑا اثر اور گہری چھاپ موجود ہے۔سکوں پر بھی عربی تحریر ہوتی، شاہی تعمیرات ومزارات پر بھی قرآنی آیات اور عربی عبارات کو اس اہتمام سے لکھا جاتا تھا کہ وہ آج بھی پتھر کی لکیر بن کر ہمارے سامنے ہیں۔کتابوں کے دیباچے اور خاتمے اکثر عربی ہی میں لکھے جاتے تھے۔فارسی کتابوں کے درمیان عربی عبارات و

محاورات اور اشعار وقطعات بکثرت درج ہوتے تھے جن سے عہدِ سلطنت کے لٹریچر میں عربی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ [16]

اور بقول خلیق احمد نظامی : ''سلاطینِ دہلی گو مسلمان تھے لیکن اسلام کے نمائندے نہ تھے ان کی انفرادی زندگی میں مذہب کو کوئی درجہ حاصل رہا ہو لیکن انھوں نے سیاسی معاملات میں مذہب سے روشنی حاصل نہیں کی'' [17]

عہدِ سلطنت دہلی جو تقریباً تین سو سال پر محیط ہے اور اس میں مختلف خانوادوں کا الگ الگ عہدِ حکومت شامل ہے۔ جیسے غلام بادشاہوں کا زمانہ یا عہدِ ممالیک، اور عہدِ خلجی، عہدِ تغلق اور لودھی عہد اس کو بحیثیت مجموعی صوفیاء ومشائخ کی سرپرستی حاصل رہی اور ان حکومتوں کے اچھے کارناموں کے پسِ پردہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ جیسے اکابرینِ مشائخ اور صوفیاءِ عظام کی روحانی تربیت وفیوض وبرکات کا اصل ہاتھ رہا جس نے ایک طرف ہندستان میں شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، فیروز شاہ تغلق اور ابراہیم لودھی جیسے بادشاہوں کا رخ خیر وفلاح، علوم وفنون کی سرپرستی، رعایا کی خدمت وخدا ترسی کی طرف موڑے رکھا، تو دوسری طرف صدر الدین ملتانی، کمال الدین زاہد، علامہ حسن صغانی، امیر خسرو، ضیاء الدین سنامی، مولانا احمد تھانیسری، رفیع الدین شیرازی جیسے ادباء وشعراء و محدثین ہندوستان کو دئے۔ اس شاندار عہد میں مختلف دبستانِ علم وادب منصۂ شہود پر آئے جن میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا سلسلہ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا سلسلہ علم وادب، مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا مکتبِ علم، یہ وہ چند بڑے بڑے سمندر ہیں جن سے بیشمار دریا نکلے اور اُن سے چھوٹی بڑی نہریں پھوٹیں جن کی تفصیلات تواریخ میں موجود ہیں۔

اس دور کے ادباء میں سے چند اہم نام یہ ہیں:۔

(۱) بابا فرید الدین مسعود گنج شکر نے ''عوارف المعارف'' پر تعلیقات لکھی ہیں۔ ان میں

سے عربی ملفوظات اور عربی خطوط بھی ہیں۔ جو ایجاز و بلاغت اور عربی ادب کا بہترین نمونہ ہیں۔

(۲) بہاء الدین زکریا ملتانی (م ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء) صاحب عربی ملفوظات

(۳) صدرالدین ملتانی (صاحب ''کنوز الفوائد''، و''عربی ملفوظات'')

(۴) قاضی منہاج سراج جوزجانی (صاحب ''طبقات ناصری'' جس میں بکثرت عربی عبارات ہیں جن سے ان کی عربی پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۵) سدید الدین محمد عوفی، مؤرخ وشاعر (''لباب الالباب''، ''جوامع الحکایات'')

(۶) علامہ حسن صغانی لاہوری محدث (م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء)۔ صاحب تصانیف کثیرہ مثلاً: ''انتخاب صحیحین''، ''رسالہ فی الموضوعات''، ''الدر الملتقط فی تبیین الغلط''، ''مصباح الدجیٰ فی صحاح حدیث المصطفیٰ ﷺ''، ''الشمس المنیرہ''، ''کشف الحجاب عن احادیث الشہاب''، ''فی اسماء شیوخ البخاری''، ''مشارق الانوار'' وغیرہ۔

(۷) خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (صاحب ''فوائد الفواد''، ''عربی خطبات''، اور اپنے خلفاء و تلامذہ کو عربی ''سندیں'' بھی دیں)

(۸) امیر خسرو، عالم مؤرخ۔ بہترین عربی شاعر و ادیب، صاحبِ ''اعجازِ خسروی''، وہ بیک وقت عربی و فارسی کے باکمال شاعر و نثر نگار، ایک دیدہ ور مؤرخ و تذکرہ نگار، ایک ماہر فن موسیقار، ایک ہفت زبان ماہرِ لسانیات، ایک کامیاب درباری و سپاہی، ایک سراپا درد و اخلاص صوفی و زاہد، ایک جامع علوم و فنون، علامہ روزگار، ایک عظیم محبِ وطن، محبّ انسانیت و فخرِ ایشیاء تھے۔ انھیں عربی زبان کی نثر و نظم پر بھرپور قدرت تھی۔ ''خزائن الفتوح''، ''رسائل الاعجاز''، ''بقیہ نقیہ'' میں بھی ان کا عربی کلام پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے عربی ادب کا کوئی مؤرخ انھیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ان کے علاوہ ''مطلع الانوار'' ''مفتاح الفتوح''، ''قران السعدین'' وغیرہ بھی ان کی لازوال تصانیف ہیں۔

(۹) خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ (صاحب ''خیرالمجالس'')،

(۱۰) ضیاء الدین سنامی (صاحب ''نصاب الاحتساب'')،

(۱۱) عالم ابن العلاء اندرپتی (صاحب ''زاد السفر''، ''تفسیر تاتارخانی'')

(۱۲) قاضی عبدالمقتدر کندی (صاحب ''لامیۃ الہند'')۔

(۱۳) مولانا احمد تھانیسری (صاحب ''قصیدہ دالیہ'')۔

(۱۴) مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ محدث (صاحب ''عربی مکتوبات و ملفوظات'' اور ''شرح آداب المریدین'') وغیرہ۔ [۱۸]

''حواشی باب اول''

۱ عرب ودیارِ ہند ص ۴

۲ ایضاً۔

۳ عرب ودیارِ ہند/خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی، ص ۱۳۔۱۶۔

۴ سورۃ الفجر

۵ عرب ودیارِ ہند ص ۳۰۔

۶ عجائب الہند ص ۵۵ تا ۵۸۔

۷ خلافتِ راشدہ اور ہندوستان۔ ص ۵۲۔۵۳

۸ دیکھیے بلاذری کی فتوح البلدان

۹ ابن کثیر ص ۸۰۔۸۲ بحوالہ ''اسلام کے سائے میں'' ص ۱۵۷

۱۰ عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ ص ۳۹۔۴۰۔

۱۱ فتوح البلدان للبلاذری ص ۲۴۱۔

۱۲ رجال السند والہند ص ۲۶۳

۱۳ موسوعة تاریخ السند (ص ۲/۴۲)

۱۴ آبِ کوثر ص ۶۵۔

۱۵ "عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ" ص ۷۶۔

۱۶ ایضاً ص ۷۶ ۱۷ سلاطین دہلی۔ص ۱۴۱

۱۸ اس دور کے ادباء کی تفصیلات کیلئے دیکھئے: "سیر العارفین" "سیر الاولیاء"، اخبار الاولیاء" "نزہة الخواطر" "تاریخِ دعوت وعزیمت" "الثقافة الاسلامیہ فی الہند" وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

بابِ دوم

عہدِ مغلیہ: (۱۵۲۵ء۔۱۷۰۷ء)

تقریباً ۸۰۰ھ/ ۱۳۹۷ء میں مغلوں کی تباہی کے عالم میں تیمور نامی شخص پیدا ہوا جس نے اپنی فتوحات سے تمام ایشیاء میں تہلکہ پیدا کردیا تھا۔ جب ایران سے تیموری حکومت ختم ہورہی تھی تب اس کی اولاد میں ایک شخص بابر نامی پیدا ہوا جس نے افغانستان اور ہندوستان میں عظیم الشان حکومت کی بنیاد رکھی جو عرصہ تک اس خاندان میں باقی رہی۔

لیکن عہدِ اورنگ زیب (م ۱۷۰۷ء) کے بعد مغل سلطنت کا زوال شروع ہوجاتا ہے۔ یہ زوال صرف مغل عہد کا ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کا ملی اخلاقی معاشی ودینی انحطاط بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بعد حکومت میں ایسے افسران نہیں رہے جو اس گرتی ہوئی عمارت کو سنبھال سکے۔ اس سے قبل کا معاملہ ایسا تھا کہ اگر ایک خاندان اس قابل نہیں رہتا تھا کہ حکومت کی باگ ڈور سنبھال سکے تو دوسرا خاندان اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مراٹھوں جاٹوں وغیرہ کی کوئی بھی بغاوت کامیاب نہ ہوسکی۔ اور یہ حکومت عہدِ شاہجہانی تک اپنے عروج کو پہونچی جسے ہم ہندوستان میں مسلم حکومت کا ''عصرِ ذہبی'' کہہ سکتے ہیں۔ اور عہدِ عالمگیری کے بعد سے ہی ''ہر کمالے را زوالے است'' کی تلخ حقیقت کا آغاز ہوجاتا ہے اور مسلمان دینی تعلیمی واخلاقی طور پر بھی پستی کے غار میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں شاہ ولی اللہؒ جیسی شخصیت اٹھتی ہے جو مسلمانوں کو اپنے ماضی کی طرف واپس لانے کی بھرپور جدوجہد کرتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کو جن طبقوں سے اصلاح کی امید ہوتی ہے ان سب کو بھرپور دعوت دیتے ہیں اور بہت سے اصول وضوابط کے تحت اپنی مساعی جمیلہ کو جاری رکھتے ہیں۔ اورنگ

زیب کی وفات کے بعد سے سلطنت مغلیہ کے زوال کی ابتداء ہوئی۔ اور یورپ کی سفید فام طاقتوں نے دھیرے دھیرے پیش دستی شروع کردی وہی ایسٹ انڈیا کمپنی جس کو محض تجارت کی اجازت دی گئی تھی اس نے سو سال کے اندر اندر ہندوستان کی راجدھانی پر تسلط قائم کرلیا۔

اس عہد میں ہندوستان کو انتہائی مہیب اور خونی لرزہ خیز واقعات وحوادث سے گذرنا پڑا۔ ملک شدید بے کلی و بے چینی میں مبتلا رہا۔ قتل وغارت گری کے طوفان برپا ہوئے۔ بدامنی وبدنظمی کا زور رہا، امراء وسلاطین کو یا تو رنگ رلیوں سے فرصت نہ ملتی یا پھر انواع واقسام کے فتنے اور طرح طرح کے مصائب پیچھا نہ چھوڑتے۔ عوام میں ایک طرف تو بدحالی وغربت عام ہوئی، دوسری طرف ان کے اندر اخلاقی گراوٹ، بدعقیدگی، اور بدعملی کے جراثیم پیدا ہوگئے، بدکاریاں اور منکرات تہذیب میں داخل ہوگئیں۔[1]

ان حالات کے نتیجہ میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں مختلف تحریکات نمودار ہوئیں۔ ان میں سے کچھ علمی، کچھ اصلاحی، اور کچھ سیاسی تھیں، کچھ تحریکیں ایسی بھی تھیں جن کی اقوامِ غیر نے پشت پناہی کی۔ ان کا مقصد ہندوستان کے عوام میں عموماً اور عالمِ اسلام میں خصوصاً انتشار وافتراق اور بنیادی عقائد میں تشکیک پیدا کرنا تھا چنانچہ عالمِ اسلام کے اندر ایک کشمکش جس کو حق وباطل کی کشمکش کہنا زیادہ مناسب ہوگا شروع ہوئی۔

اصلاحی تحریکات میں سب سے زیادہ زور آور اور دور رس ولی اللہی تحریک تھی جو اپنے اندر نہ صرف علمی اصلاحی سیاسی انقلاب کی وسعت رکھتی تھی بلکہ باطل تحریکوں کے مقابلہ کی صلاحیت بھی رکھتی تھی۔ یہ تحریک درحقیقت ضرورت کا صحیح حل اور مرض کی صحیح تشخیص تھی جس نے مسلمانوں کے انحطاط کو توڑ کر انھیں صحیح رخ کی طرف موڑ دیا۔[2]

۱۸۰۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا نمائندہ جب بادشاہِ دہلی سے ملکی انتظام کا پروانہ لکھوا کر ملک میں اعلان کروا دیتا ہے کہ "خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، حکم کمپنی بہادر کا" تو حضرت شاہ عبد

العزیزؒ ملک کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیدیتے ہیں اور مسلمانوں کو آزادیٔ ہند کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔ چونکہ مالا کی اصل گرہ کھل جانے کے بعد تمام موتی ٹوٹ کر بکھر چکے تھے جن کو جمع کرنا بھی نہایت مشکل کام تھا۔ بہر حال سات سمندر پار سے آئی ہوئی یہ انگریز قوم اس ملک میں اپنی بنیادیں مضبوط کررہی تھی۔ دوسری طرف یہاں کے مسلمان اس خطرہ اور اس کے دوررس نتائج سے بے خبر اندرونی بد نظمی، انتشار، عیش وعشرت اور باہمی کشمکش کا شکار تھے۔ بالآخر وہ منحوس گھڑی آہی گئی جب کہ مسلم حکومت کی جگہ ایسٹ انڈیا کمپنی لے لیتی ہے۔ اور انگریز جو مغل حکمرانوں سے تجارت کی بھیک لیکر داخل ہوئے تھے، گھستے گھستے مرکزی اقتدار تک جا پہونچتے ہیں۔ اور بھرپور آزادی کے ساتھ اہلِ ملک کو پوری طرح تباہ وبرباد کرڈالتے ہیں۔ ملازمتوں سے بے دخل، نظامِ تعلیم کو تباہ، اور صنعتوں کو برباد کرڈالتے ہیں۔ اور ''آپس میں پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی پر عمل کرتے ہیں۔ ایسے میں مختلف عبقری شخصیتیں مادرِ ہند کی آغوش سے اٹھتی ہیں اور خاکِ وطن کو اپنا لہو دیکر حیاتِ جاوداں حاصل کرلیتی ہیں۔ جیسے سلطان ٹیپو شہید ۴ رمئی ۱۷۹۹ء کو سرنگاپٹم کے معرکہ میں شہید ہوکر سرخ روئی حاصل کرتا ہے۔ انگریز جنرل اس کی لاش پر کھڑے ہوکر یہ الفاظ کہتا ہے کہ ''آج سے ہندوستان ہمارا ہے'' [۳]

اسی طرح سید احمد شہیدؒ جیسے صاحبِ دل ہندوستان میں ایک علمی ودینی بیداری پیدا کرکے مسلمانوں کے ایک خاص گروہ کی زبردست طویل تربیت فرما کر ان کو میدانِ جہاد میں لا کھڑا کردیتے ہیں۔ مگر اپنوں کی بے وفائی اور مارہائے آستین کی کرم فرمائی کے سبب مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کی تاریخی جنگ میں دشمنوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کرکے اپنی منزلِ مقصود کو جا پہونچتے ہیں۔ اس طرح ۶ رمئی ۱۸۳۱ء کو مسلمانوں کی اور اس ملک کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ جاتی ہے۔ [۴]

بہر حال یہ تھا پس منظر اس عہد کا جس کو ہم مغل دور کے نام سے جانتے ہیں، انھیں حالات کے زیرِ سایہ عربی زبان وادب کو جس قدر ترقی اس دور میں ہوئی وہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، کیونکہ مغل بادشاہوں کی علم دوستی وادب نوازی نے دنیا بھر کے مشائخ وعلماء کا رخ ہندوستان کی

طرف کردیا تھا، ہندوستان میں عربی زبان وادب پر مغلوں کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر شبیر احمد ندوی لکھتے ہیں:۔ ''دراصل عربی زبان کا یہ پودا عرب سے لایا گیا تھا، عجمی علماء نے اسے غذا پہونچائی، اور ہندوستانی علماء نے اسے عروج وکمال کی منزلوں سے ہمکنار کیا، لیکن علمی ولسانی روایت کو باقی رکھنے میں یقیناً ان علماء کا ہاتھ تھا جو بہت پہلے سلاطین کے عہد میں اور پھر مغل بادشاہوں کے زمانہ میں مسلسل ہندوستان آتے رہے۔ مغلوں کے علمی ذوق، معارف پروری، اور حد سے آگے بڑھی ہوئی فیاضی نے دنیائے عربیت کے تمام فنکاروں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔ چنانچہ علم وفن کے قافلے صبح وشام ہندوستان آتے، اور تہذیب وتمدن کے اس قدیم گہوارے کو رشکِ شیراز ویمن بنانے میں مصروف رہتے۔ تیمور وبابر سے لیکر آخری لمحوں تک مغل بادشاہ، شہزادیاں، اور شہزادے، اور امراء علمی سرپرستی کے اس اصول پر کاربند رہے۔ ان کے خزانوں کے منہ ہنرمندوں کیلئے ہمیشہ کھلے رہے۔ ان باہر سے آنے والوں میں عربی بھی تھے، عجمی بھی تھے، ائمہ فنون بھی تھے اور نامور اساتذہ کے تلامذہ بھی۔ ان میں مشہور عربی مصنف جلال الدین سیوطی اور باکمال متکلم علامہ جلال الدین دوّانی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ شمس الدین ذہبی، شیخ جمال الدین مزّی، ابن تیمیہؒ، حافظ ابنِ حجرؒ، علامہ شمس الدین سخاوی، ملا علی قاری، سید شریف جرجانی، سعد الدین تفتازانی، کے ارشد تلامذہ کے قدم چومنے کا شرف بھی اس سرزمین کو حاصل ہے۔'' 5

عہدِ مغلیہ میں باہر سے آنے والے علماء میں ابو القاسم جرجانی، میر فتح اللہ شیرازی، ملا حسین ہروی، قاضی نور اللہ شستری، وغیرہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے فنون عربیہ کے نشوونما میں باقاعدہ حصہ لیا۔ شرحِ عقائد نسفی، حاشیہ کشاف، حاشیہ تفسیر بیضاوی، اشاراتِ طوسی، شرحِ چغمینی، حاشیہ ملا جلال، اسی دور کی لافانی یادگار ہیں۔

عہدِ مغلیہ کے علمی سلسلوں میں (۱) سلسلہ مجددیہ، جو مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ سے منسوب ہے۔ (۲) سلسلہ حقانیہ جو شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے چلتا ہے (۳) سلسلہ ولی اللہی جس کے بانی شاہ ولی

اللہ محدث دہلویؒ ہیں (۴) درسِ نظامیہ، ملا نظام الدین فرنگی محلی کا قائم کردہ ہے۔ درسِ نظامیہ وہ نصابِ تعلیم ہے جس نے ملا کمال الدین، ملا بحر العلوم، ملا حسن جیسے باکمال پیدا کیے۔ یہاں تینوں سلاسلِ علمیہ کی تفصیل مقصود نہیں ہے۔

الغرض ہندوستانی علماء نے اس دور میں تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، بلاغت، تاریخ، مغازی وسیر، منطق وفلسفہ، تصوف واخلاق، طب وحکمت سب ہی فنون پر زبردست اہم ذخیرہ تیار کر دیا۔

آئندہ صفحات میں ہم مغل دور کی اہم علمی شخصیات پر الگ الگ روشنی ڈالنا چاہیں گے تاکہ مغل دور میں کیے گئے عربی کام کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

عہدِ مغلیہ کے چند اہم عربی ادباء:

(۱) علامہ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ

۹۱۴_۹۸۶ھ

۱۵۰۸ء_۱۵۷۸ء

ولادت: ولادت پٹن (گجرات) ۹۱۴ھ میں ہوئی یہ سلطان محمود اعظم بیگڑے کا دور ہے نام محمد، لقب مجد الدین، خطاب شیخ الاسلام، والد کا نام طاہر اور دادا کا نام علی بن الیاس خواجہ تھا، ابتدائی تعلیم گھر پر ہی پائی ۹۲۴ھ میں حفظِ قران مجید سے فراغت پائی اس کے بعد دیگر علوم معقولات ومنقولات کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے وقت کے تمام مروجہ علوم سے فارغ التحصیل ہو کر تصنیف وتالیف ودرس وتدریس میں منہمک ہو گئے، پھر حرمین شریفین جا کر وہاں کے جلیل القدر اساتذہ خصوصا شیخ علی متقی، شیخ ابنِ حجر ہیثمی مکی سے استفادہ کیا، واپس آ کر صلاحِ رسوم وبدعات کی جدوجہد میں ۹۸۶ھ میں شہادت پائی۔

آپکے عربی اساتذہ میں سید عبداللہ عیدروس مدنی، شیخ جار اللہ بن فہد مکی، شیخ علی بن عراقی مدنی

علامہ ابنِ حجر ہیثمی مکی اور شیخ علی متقیؒ وغیرہ مشہور ہیں، اور ہندوستانی اساتذہ میں شیخ ناگوری، شیخ برہان الدین سہودی، اور یداللہ سورتی قابلِ ذکر ہیں آخر میں اختتام تعلیم شیخ ملامٹھ الملقب بہ استاذ الزماں کے ہاتھ پر کیا، جو گجرات کے بڑے عالم گذرے ہیں۔ آپکے دور میں پٹن اور نہر والہ علماء وصوفیاء کا گہوارہ اور علوم وفنون کا مرکز تھا،

آپکی تصنیفات میں چند اہم نام یہ ہیں:

(۱) مجمع بحار الانوار: یہ آپکی سب سے مشہور اور قابلِ ذکر کتاب ہے یہ صحاحِ ستہ کے الفاظِ حدیث کی لغوی اور اصطلاحی تشریح پر مشتمل ہے، یہ تصنیف خدامِ حدیث کے لئے روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے کثیر الاشاعت ہے، تازہ ایڈیشن ۱۹۷۳ھ میں چھپ کر منظرِ عام پر آیا ہے،

(۲) تذکرۃ الموضوعات: اس میں تمام موضوع احادیث کو یکجا کر دیا گیا ہے، صفحات ۲۲۹ ہیں، مقدمہ کے مطابق "انتہائی مصروفیت اور اربابِ دولت کے مظالم کے باوجود بعض اعزاء کے اصرار پر ۱۳۵۸ھ میں لکھی گئی" کتاب کے عنوانات یوں ہیں:۔ "کتاب الصلوٰۃ" "کتاب اسماء الاشیاء" "کتاب فضیلۃ الجمعہ" "باب طلب الحلال" "باب السلام والمصافحہ" "باب امام عادل والظالم" وغیرہ،

(۳) قانون الموضوعات: اس کتاب میں ان راویوں کو حروفِ تہجی سے جمع کیا ہے جو حدیثیں وضع کرتے تھے یا موضوع حدیثیں بیان کرتے تھے۔

(۴) کفایۃ المفرطین: یہ شافیہ کی شرح ہے ۹۶۱ھ کی تصنیف ہے کل ۱۵ صفحات، ہر صفحہ پر ۱۳ سطریں ہیں شافیہ کا متن سرخی سے دیا گیا ہے اور اس کی شرح سیاہی سے سے لکھی گئی ہے۔

(۵) المغنی اللبیب: اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ ندوۃ العلماء میں موجود (حوالہ نمبر ۵/۶۸۷) ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی نایاب یا غیر مطبوعہ ہیں جن میں کچھ کے نام یہ ہیں ذیل مجمع البحار، تکملہ

مجمع البحار، حاشیہ مقاصد الاصول ، حاشیہ صحیح مسلم، حاشیہ صحیح بخاری، حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، فضائل صحابہ، سیرت نبوی پر ایک مختصر رسالہ عربی میں، التوسل نصیحۃ الولاۃ والرعاۃ والرعیۃ، رسالہ امساک مطر، رسالہ احکام بِرّ وغیرہ۔ڈاکٹر شبیر احمد ندوی لکھتے ہیں:۔ ......''محدث پٹنی عبادت وریاضت کے پیکر تھے اور علم ومعرفت کے دیوانے تھے، ایک طرف انھوں نے عرب وہند کے مشہور فکر وفن کے چشموں سے علمی تشنگی بجھانے کی کوشش کی تو دوسری طرف اسلام کی اشاعت وتبلیغ میں بھی پورا پورا زور صرف کیا یہاں تک کہ اپنی جانِ عزیز بھی اسی راہِ حق میں نثار کردی بلکہ یوں کہئے کہ محدث پٹنی شہادت گہ الفت کے ان مسافروں میں سے تھے جنھوں نے دار ورسن کی پروہ کئے بغیر قرآن وسنت کی خدمت کی'' ۶

آپنے اپنی زندگی کے اکثر اوقات استیصالِ بدعات میں گذارے بوہرہ قوم کے رسوم و بدعات کی بیخ کنی میں اپنی آخری کوشش صرف کردی کیونکہ انھوں نے دینِ متین کو سربلند کرنے کی خاطر یہ عہد کرلیا تھا کہ عملی طور پر رذائل سے اپنی قوم کی تطہیر اور فضائل وکمالات سے آراستگی کے بعد ہی سر پر عمامہ باندھونگا۔ چنانچہ ۹۸۰ء میں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے گجرات میں فاتحانہ قدم رکھتے ہی دینِ متین کی نصرت کا وعدہ کرتے ہوئے شیخ کے سر پر عمامہ باندھا اور استیصالِ بدعات کیلئے اپنے رضاعی بھائی مرزا عزالدین کو گجرات کا والی مقرر کیا جو ہر ممکن صورت سے شیخ کے ممد ومعاون رہے۔ شیخ کی مشہور تصنیف ''مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار'' ان کی عربی دانی اور قوتِ تحریر کی بہترین آئینہ دار ہے،'' ۷

ابجد العلوم میں ہے کہ " قال الشیخ عبد الوھاب المتقی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقلت من افضل الناس فی ھذا الزمان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال: شیخک محمد طاھر" ۸

شیخ عبدالوھاب متقی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا اور سوال

کیا کہ ''یا رسول اللہ (ﷺ) اس زمانہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ متقی کون ہے؟''۔تو فرمایا ''تمہارے شیخ محمد طاہر''۔

---

(۲) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ

۹۷۱۔۱۰۳۴ھ

۱۵۶۳ ۔۱۶۲۴ء

موصوف برِ صغیر ہندو پاک کے وہ عظیم المرتبت و مایہ ناز شخص تھے جنکا نسب اٹھائیس واسطوں سے سیدنا عمر بن خطابؓ سے جاملتا ہے آپکی ذات خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی سینکڑوں علماء و صوفیاء کے ہزار سالہ پرانے مسئلہ وحدۃ الوجود کے باہمی نزاع کا خاتمہ بڑی ہی دقیقہ سنجی سے کیا، آنحضور ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق تھے کہ ''ان اللہ عز و جل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مأۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا'' (ابو داود) (اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد اس امت کیلئے ایسے شخص کو بھیجتا رہیگا جو اس کے دین کی تجدید کریگا)۔آپنے علم و معرفت، ایمان و یقین، دعوت و عزیمت، اور احیاءِ تجدید دین کا نہایت ہی شاندار کارنامہ انجام دیا۔آپ مجدد الف ثانی کے لقب سے مفتخر ہوئے ماوراء النہر، اور فارس و شام تک کا سفر کیا۔سلطان جہانگیر نے آپکو تین سال تک قلعہ گوالیار میں محبوس رکھا جس نے آپکی مومنانہ پامردی کو مزید جلا بخشی۔ ۹

ولادت تعلیم و تربیت و اجازت: ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء میں پیدا ہوئے والد کا نام عبد الاحد تھا بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کیا پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال الدین کشمیری سے معقولات پڑھیں پھر حرمین شریفین جا کر وہاں کے محدثین کی صحبتوں سے فیض اٹھایا. ۱۷ سال کی عمر میں تحصیلِ علوم سے فراغت پائی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، مولانا نسیم احمد فریدی مترجم مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

لکھتے ہیں:۔ ولادت شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو ہوئی لفظِ خاشع سے سالِ ولادت نکلتا ہے
آپکے چھ بھائی تھے آپنے پہلے قرآن مجید حفظ کیا پھر علوم مرجہ کی طرف متوجہ ہوئے مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشانی آپ کے اساتذہ کرام میں سے ہیں آپ نے اپنے والد ماجد سے سلسلہ قادریہ وچشتیہ میں منسلک ہوکر روحانی فیوض حاصل کئے تھے اوران سے بجز سلسلہ نقشبندیہ کے تمام مشہور سلاسلِ طریقت میں اجازت حاصل کرلی تھی ۱۰۰۸ھ میں مولانا حسن کشمیری کی رہنمائی سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ دہلوی قدس سرہ کی خدمت میں پہونچ کر بیعت ہوئے حضرت خواجہ نے ڈھائی مہینے اپنی صحبت میں رکھا جب آپ اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حضرت خواجہ نے اکمال وتکمیل کی بشارت دی، دوسری مرتبہ جب آپ خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے تو انھوں نے نہ صرف خلعت وخلافت عطا کی بلکہ مریدوں کی ایک جماعت بھی اصلاح کے لئے آپ کے سپرد کردی، آستانہ مرشد پر جب تیسری بار حاضری ہوئی تو حضرت پیرومرشد نے اپنے تمام اصحاب کو آپکے سپرد کردیا اور ارشاد فرمایا ''ہماری اس پیری مریدی کا مقصد ان (حضرت مجدّد) کا ظہور تھا'' حضرت خواجہ کو آپ پر بڑا ناز تھا آپنے فرمایا کہ ''میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہیں جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں تارے گم ہیں ان جیسا کامل فرد اولیاءِ متقدمین میں بھی خال خال نظر آتا ہے۔ [10]

خدمات:

آپ نے بڑی حکیمانہ بصیرت کے ساتھ اصلاحِ معاشرہ کا آغاز کیا جگہ جگہ دین میں پیدا ہونے والے رخنوں کا سدِ باب کیا اور امراء وشاہِ وقت کی مدد سے عظیم روحانی وعلمی انقلاب برپا کیا تصوف کے اندر جو بگاڑ آ گیا تھا اس کی بھی اصلاح کی اور علماءِ سوء وعلماءِ ربانی کا فرق واضح کیا وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مسئلہ میں درست موقف اختیار کیا۔
حکیم محمد اسلام انصاری لکھتے ہیں۔

''حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے آپ سے پہلے صدی کے مجدد ہوا کرتے تھے

الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا، الف ثانی کا آغاز ہی نہیں ہوا تھا، اور الفِ اول میں خود آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس واطہر سید البشر (ﷺ) کی موجودتھی آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گذرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی کئی مجدد نظر آتے ہیں کوئی علمِ حدیث کا، کوئی فقہ کا، پھر اس میں بھی کوئی فقہِ حنفی کا مجدد ہے کوئی فقہِ شافعی کا، کوئی علمِ کلام کا مجدد ہے اور کوئی تصوف کا، لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے لئے مخصوص رکھی کہ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں"۔ [11]

کارِتجدید:۔ "یہ کام کیا تھا؟۔ روح وفکرِ اسلامی کی جلاوتازگی، وقت کے اہم ترین وسنگین فتنوں کا سدِ باب، اور نبوتِ محمدی، اور شریعتِ اسلامی کی صداقت وابدیت پر از سرِ نو اعتقاد، اعتماد بحال کرنا، بدعات کی کھلی ہوئی تردمخالفت حتیٰ کہ بدعتِ حسنہ کے وجود سے بھی انکار اور پھر آخر میں ہندوستان میں اسلام کے اکھڑتے قدموں کے جمانے، اکبری عہد کے مخالفِ اسلام اثرات کے ختم کرنے اور ہندوستان میں ایک تجدیدی دینی انقلاب لانیکی حکیمانہ اور کامیاب کوشش"۔ [12]

تصانیف:۔

آپ کی عربی تصانیف میں (۱) "رسالہ اثبات النبوہ" ہے جو عربی میں ہے اور مطبوعہ ہے اس میں ملحدین وزنادقہ کا رد کیا ہے اور نبوتِ محمدیہ کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

(۲) "رسالہ تہلیلیہ" عربی میں ہے جس کا موضوع توحید ہے ندوہ کے کتب خانہ میں قلمی نسخہ موجود ہے زبدۃ المقامات کے مطابق آپ نے کئی رسالے عربی وفارسی میں لکھے ہیں جو اسرار ورموز کا بحرِ ناپیدا کنار ہیں بیشمار عربی خطوط آپ کے مکتوبات میں شامل ہیں"

وفات: وصال کے وقت داہنی کروٹ لیٹے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ کی ہتھیلی داہنے رخسار کے نیچے رکھے ہوئے تھے اور چہرہ قبلہ رو تھا گویا مسنونہ طریقہ پر خوابِ استراحت فرمارہے ہوں۔ وہ سہ شنبہ کا

دن تھا اور چاشت کا وقت تھا۔ ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء تاریخ وفات ہے۔ ۱۳

---

(۳) ''شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ''

۹۵۸-۱۰۵۲ھ

۱۵۵۱-۱۶۴۲ء

اسلام شاہ سوری کے عہدِ حکومت میں ماہِ محرم، ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء کو دہلی میں ولادت ہوئی۔ نام عبدالحق ،کنیت ابوالمجد ،شیخ اولیاء تاریخِ پیدائش قرار پائی ،آپ کے آباء واجداد دراصل بخارا کے رہنے والے تھے جو دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ والد ماجد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آغاز قرآن مجید سے ہوا دو تین ماہ کے اندر ہی قرآن مجید ختم ہو گیا اور بائیس برس کی چھوٹی سی عمر میں ہی تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے ،اس وقت طاہر پٹنی عبدالوہاب متقی ،شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی علوم وفنون کے دریا بہا رہے تھے فرغت کے بعد آپنے عمرِ عزیز کے ۹۴ سالہ دور کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں گذارا، آپ کی تصنیفات کی تعداد لگ بھگ ۶۰ ہوتی ہے۔ ان میں چند عربی کتابوں کے نام درجِ ذیل ہیں:۔ (۱) لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح - (۲) فہرس التوالیف بذکر تالیف قلب الالیف (ذاتی حالات) - (۳) ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ- (۴) فتح المنان فی اثبات مذھب النعمان- (۵) تعلیق الحاوی علیٰ التفسیر البیضاوی- (۶) تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف - (۷) إجازۃ الحدیث فی القدیم و الحدیث- (۸) اسماء الاستاذین (ذاتی حالات)- (۹) تحقیق الاشارۃ فی تعمیم البشارہ - (۱۰) زبدۃ الآثار فی منتخب بھجۃ الاسرار- (۱۱) شرح شمسیہ - (۱۲) الاکمال فی اسماء الرجال-

''لمعات التنقیح'' مشکوۃ شریف کی نہایت معرکۃ الآراء شرح ہے۔ ''ماثبت بالسنہ'' ماہِ محرم سے ذی الحجہ تک کے حدیث شریف سے ثابت تمام مذھبی مناسک کا تفصیلی ذکر ہے ''تحقیق الاشارہ'' عشرہ مبشرہ سے متعلق احادیث پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر شبیر احمد ندوی شیخ کی انفرادیت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اسقدر مطالعہ اور جائزہ کے بعد شیخ دہلوی کی عبقریت اور خداداد صلاحیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے نہ صرف مفسر ومحدث ،فقیہ ومتکلم، ادیب وشاعر ہی تھے بلکہ ایک ادارہ یا ایک بیت الحکمۃ کی حیثیت رکھتے تھے فن اور موضوع کے لحاظ سے ان کی تصانیف یہ ثبوت پیش کرتی ہیں کہ انکی ذات میں ایک جہانِ معنی آباد تھا یعنی تفسیر ،حدیث ،فقہ،عقائد، تجوید، تصوف، اخلاق اعمال، فلسفہ ومنطق ،تاریخ وسیر اشعار، نحو، خطبات ، مکاتیب، ذاتی حالات ، وغیرہ جیسے اہم موضوعات پر شیخ نے ماہرانہ قلم اٹھایا ہے اور ہر فن کیساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے فن کے تنوع اور موضوع کی اہمیت نے شیخ کو ہندوستان کی عربی ادب کی تاریخ میں لافانی بنا دیا ہے انھیں خوبیوں کی بناء پر جہان گیر جیسا باشعور نقاد اُنکے علو مرتبت اور جلالتِ شان کا معترف تھا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جس وقت ہوش سنبھالا اس وقت فیضی اپنے شعروادب کا جھنڈا اگاڑ چکا تھا شیخ علی متقی صاحب کنز العمال، اور علامہ طاہر پٹنی صاحبِ مجمع بحار الانوار فنِ حدیث میں اپنا لوہا منوا چکے تھے عقائد وکلام میں شیخ عزیز اللہ اور عبد اللہ کی شہرت کا ڈنکا بج رہا تھا میاں حاتم سنبھلی فقہ وعربیت میں امام اعظم ثانی کہلائے جاتے تھے لیکن اس نقشِ اول کے بعد نقشِ ثانی کچھ زیادہ ہی آب وتاب کیساتھ ابھرا اور عقدِ ثریا کا سب سے درخشاں ستارہ ثابت ہوا اس طور پر کہ شیخ نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی باقی رکھا اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی جاری رکھا لیکن ہر میدان میں ان کی امتیازی حیثیت نمایاں اور مستحکم رہی۔ مؤرخین اور ادباء نے ذیل کے شاندار لفظوں میں انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا ''اول کسے کہ تخمِ حدیث درہند کشت او بود'' [14]

بقول سید سلیمان ندوی ؒ ''اکبر کے آخری دور میں وہ زیرک ہستی نمایاں ہوئی جس نے عہد

جہانگیری میں اپنی جہانگیری کا سکہ بٹھادیا اور جس نے دلی کے دار السلطنت کو ہمیشہ کے لئے علومِ دین کا دار السلطنت بنادیا۔" ۱۵

ان کا خاندان خلجیوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان آیا اور پایہ تخت دہلی میں بس گیا، ان کے والد شیخ عبدالحق خود بھی بہت بڑے محدث زبردست فقیہ، اور بہترین مؤرخ ومفسر گذرے تھے بچپن ہی سے والد صاحب نے بزرگوں کے قصے اور حالات گوش گذار کرنے شروع کردئے تھے چھوٹی سی عمر میں قرآن شریف پڑھ لیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں کتابت وانشاء کا ڈھنگ سیکھا۔ چند سال تک آگرہ کی اعلیٰ صحبتوں میں رہے پھر اس کے بعد حجاز گئے اور بڑے بڑے اساتذہ سے حدیث کی سند اور بزرگانِ صوفیہ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی پھر وطن واپس لوٹے اور درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ تحصیلِ علم کا یہ حال تھا کہ کھانا کھانے کا ہوش نہ رہتا تھا چراغ سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں پڑھتے تھے کئی بار عمامہ میں آگ لگ گئی اور ان کو اس وقت خبر ہوئی جب سر کے بال جلنے لگے۔ ۱۶

مولانا حبیب الرحمن خیرابادی لکھتے ہیں۔"آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے فقیہ، محدث مؤرخ اور محقق تھے ہندوستان میں سب سے پہلے آپ ہی نے حدیث کا علم عرب سے لاکر ہندوستان میں پھیلایا اور سرزمینِ ہند کو علمِ حدیث کے نور سے منور کیا آپ نے تصنیف وتالیف میں قلم توڑ دیا اور ایسی مستند اور معتبر کتابیں تصنیف کیں کہ عجم میں تمام متقدمین و متأخرین میں ممتاز ہوئے۔ بالخصوص حدیث میں ایسی کتابیں لکھیں کہ ان پر علماءِ زمانہ فخر کرتے ہیں"۔ ۱۷

---

(۴) ملا جیون

(م ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء)

آپ کا نام شیخ احمد تھا اور "ملا جیون" کیساتھ معروف تھے۔ قصبہ امیٹھی (مضافاتِ لکھنو) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے اس لئے آپ صدیقی کہلاتے ہیں آپ اپنے دور میں

زبردست اصولی جامع المعقول والمنقول اور علامہ دہر سمجھے جاتے تھے اور صاحب فتوئ بھی تھے آپ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاد تھے سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا پھر اطراف واکناف کے علماء وفضلاء سے دیگر علوم کی تکمیل کی، آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا کتابوں کی عبارتیں ورق کے ورق آپکو یاد تھیں آخر میں آپنے مولانا لطف اللہ صاحب جہان آبادی سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا غرضیکہ آپ نے سولہ برس کی عمر میں تمام علوم وفنون کی تکمیل کرلی تھی۔ [18]

عالم گیر بادشاہ آپ کی علمی استعداد پر آپ کی بڑی عزت کرتا تھا اور اپنی استادی کیلئے آپ ہی کا انتخاب کیا اور عالمگیر کا بیٹا عالم شاہ آپ کی بڑی تعظیم وتکریم کرتا تھا۔

ڈاکٹر شبیر احمد ندوی لکھتے ہیں: ''ان کا اور عالم گیر کا بلا واسطہ شاگردی اور استادی کا تعلق تھا عالم گیر نے ان سے بعض درسیات کے علاوہ دوسری کتابیں بھی پڑھی تھیں عالمگیر آپ سے شاگردانہ آداب ولحاظ سے پیش آتا تھا چھ برس تک عالمگیر کی دکھنی فوج میں کسی منصب پر فائز بھی رہے''۔ [19]

تصانیف: (۱) آپنے قصیدہ بردہ کے تتبع میں تقریباً ۲۲۰ رعربی اشعار کا ایک قصیدہ بھی لکھا تھا سفرِ حج کے موقع پر جب جدہ پہونچے تو اس کی ایک شرح بھی عربی میں لکھ ڈالی، حجاز کے دورانِ قیام تقریباً عربی میں ۲۹ قصائد مزید لکھے۔

(۲) نور الانوار۔ امام ابوالبرکات عبداللہ بن حمد حافظ الدین نسفی (م ۷۱۰ھ) کی کتاب منار الانوار کی شرح ہے کیا ترتیبِ مضامین، کیا قوتِ استدلال، کیا استنباطِ مسائل، کیا سنت واجماع، قیاس وغیرہ کے مباحثِ ضروریہ، ہر ایک اعتبار سے مالا مال ہے طرزِ بیان دلکش، افہام کے طریقے آسان اور سہل تر، عبارت ثقل سے محفوظ اور تعقید وغموض سے پاک ہے۔

۵۸ برس کی عمر میں جب آپ حج کیلئے تشریف لے گئے تو وہاں کے طلبہ کے اصرار پر مدرسہ نبوی میں بیٹھ کر اس کتاب کی تصنیف فرمائی اور اس کتاب کی تالیف میں صرف دو ماہ صرف ہوئے ربیع الاول اور

ربیع الثانی ۱۱۱۲ھ۔

(۴) التفسیرات الاحمدیہ:۔ فن تفسیر کی ممتاز کتاب ہے سترہ برس کی عمر میں طالب علمی کے آخری دور میں اس کو لکھنا شروع کیا اور پانچ سال کی عمر میں ۱۰۶۹ھ میں اس کو مکمل کرلیا۔ مقدمہ میں علوم قرآنیہ پر اجمالی بحث کی ہے آپ ایک آیت کو سامنے لاکر ایک عنوان قائم کرتے ہیں بظاہر عنوان کا آیت سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن اپنے اندازِ بیان، غور وفکر، وزورِ استدلال سے پنا مدعا بیان کر لیجاتے ہیں اور سننے والا مطمئن ہو جاتا ہے۔ کتاب کے خاتمہ پر انھوں نے اپنا نام، خاندان مذھب ومسلک بیان کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ کتاب کب شروع کی اور کب ختم کی اور کب نظرِ ثانی سے فارغ ہوئے، کتاب میں ان آیات کو جمع کیا ہے جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں تمام خاص وعام میں مقبول ہوئیں اور علماء نے ان دونوں کتابوں سے بہت فائدہ اٹھایا اور اب بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں بالخصوص نور الانوار حنفی اصولِ فقہ میں بڑی معرکۃ الآراء سمجھی جاتی ہے آج بھی تمام حنفی مدارس عربیہ میں داخلِ درس ہے۔ [20]

---

(۵) غلام علی آزاد بلگرامی

۱۱۱۰۔۱۲۰۰ھ

۱۶۹۸۔۱۷۸۶ء

غلام علی آزاد بلگرامی ابنِ نوح حسینی واسطی بلگرامی، نحو، لغت، شاعری، بدیع، تاریخ، سیر وانساب وغیرہ میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے ولادت ۲۵ صفر ۱۱۱۰ھ کو بلگرام میں ہوئی درسی کتابیں شیخ محمد اترولوی سے پڑھیں، اور لغت، حدیث، سیر، اپنے نانا عبد الجلیل ابنِ امیر احمد بلگرامی سے پڑھیں، اور عروض و قوافی اپنے ماموں محمد بن عبد الجلیل سے سیکھے اور تصوف میں شیخ لطف اللہ حسینی بلگرامی سے بیعت و

اجازت حاصل کی، ۱۱۵۱ھ میں حجاز کا سفر کیا، اور حج وزیارت سے مشرف ہوئے، مدینہ منورہ کے دورانِ قیام بخاری شریف شیخ محمد حیاۃ سندھی سے پڑھیں اور آپ ہی سے صحاحِ ستہ اور اپنی تمام پڑھی ہوئی کتابوں کی اجازت حاصل کی ۱۱۵۷ھ میں شیخ عبدالوھاب مصری طنطاوی کی صحبت میں رہے ان کے سامنے آپ کا لقب آزاد پیش کیا گیا تو فرمایا کہ "تم نارِ جہنم سے آزاد ہو اس لئے یہ نام تم کو مبارک ہو "آپ نے اپنے حج کی تاریخ "عملِ اعظم" سے نکالی تھی۔

۱۱۵۲ھ میں حجاز سے واپسی پر اورنگ آباد میں شیخ مسافر غجدوانی کی خانقاہ میں قیام کیا۔ آپ کے اور ناصر جنگ ابنِ آصف جاہ کے درمیان تعلقات بیحد وسیع ہو گئے تھے ناصر جنگ کو آپ سے اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ سفر حضر میں بھی اپنے ساتھ رکھتے اور جب ناصر جنگ نے اپنے والد کی جگہ ۱۱۶۱ھ میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو آپ کو بھی منصبِ امارت پیش کیا مگر آپ نے یہ کہکر ٹھکرا دیا کہ "دنیا کی مثال نہرِ طالوت کی سی ہے اس کا ایک چلو بھر پانی حلال ہے لیکن ڈٹ کر پینا حرام ہے"۔ [۲۱]

تصانیف:۔ (۱) ضوء الدراری شرح بخاری تا آخرِ کتاب الزکوٰۃ، بخطِ مصنف۔ (۲) سبحۃ المرجان فی آثارِ ہندوستان۔ یہ آپکی سب سے مشہور کتاب ہے۔ (۳) تسلیۃ الفواد فی قصائد آزاد۔ آپکی عربی شاعری اور عربی نعتیہ قصائد کا مجموعہ۔ (۴) شفاء العلیل، اسمیں متنبّی کے بہت سے اشعار پر گرفت کی ہے۔ (۵) غزلان الہند۔ (۶) مآثر الکرام فی تاریخ بلگرام، بیحد مقبول ہے بلگرام کے علماء ومشائخ کا تذکرہ ہے۔ (۷) سند السعادات فی حسنِ خاتمۃ السادات۔ (۸) مظہر البرکات۔ ۱۷ حکایتیں (مثنوی کے طرز پر)۔ (۹) مرآۃ الجمال (قصیدہ نونیہ) معشوقہ کا منظوم سراپا سر سے پاؤں تک ۵۰۰ اشعار پر مشتمل مع شرحِ خود۔ (۱۰) اپنے عربی کلام کے سات دواوین موسوم بہ "سبعہ سیارہ" یہ ساتوں دیوان عربی میں ہیں۔ اپنے ساتویں دیوان کے خطبہ میں کہتے ہیں کہ "اس ساتویں دیوان مرآۃ الجمال کو چھوڑ کر کہ وہ اعضاءِ معشوقہ کا سراپا ہے اور قصیدہ مزدوجہ بحرِ خفیف کو چھوڑ کر جسمیں ۱۷ حکایتیں ہیں میرے تمام اشعار کی تعداد ساتویں دیوان کو مکمل کرنے کے بعد ۱۰ ہزار اشعار تک پہونچتی ہے"۔

آپ ''حسان الہند'' کے نام سے جانے جاتے ہیں، آپ مداحِ نبی ﷺ ہیں، مدحِ نبوی میں آپ نے بے پناہ جدتیں کی ہیں۔ تغزل میں آپ کا ایک خاص رنگ ہے جس کو اصحابِ فن ہی پہچان سکتے ہیں آپکی قادرالکلامی کا یہ حال تھا کہ ایک ہی دن میں یا اس سے بھی کم میں دیکھتے ہی دیکھتے پورا قصیدہ کہہ ڈالتے تھے نظمِ اشعار کے وقت معانی فوج در فوج آپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوتے، آپ نے تغزل میں قصیدہ کی اوسط مقدار ۲۱ شعر تک رکھی ہے تاکہ سامع کو اکتاہٹ نہ ہو۔

نمونہ عربی اشعار:۔

بروق اضاء من الزوراء يشجيني ۔۔۔ ارب ماله يبكي ويبكيني

ان حسان يؤدي شكر نعمته ۔۔۔ بالماء والنار يرويني و يوريني

هوست حسناء اسعى في اراحته ۔۔۔ وتلك في غاية الايذاء تؤذيني

---

(۶) ملا حسن لکھنوی ثم رامپوری

۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء

ملا حسن ابنِ قاضی غلام مصطفیٰ ابنِ ملا محمد اسعد خلفِ اکبر ملا قطب الدین شہید سہالوی، ملا نظام الدین ابنِ ملا قطب الدین شہید کے شاگرد تھے ذہن وذکا میں اپنے بھائیوں میں ممتاز تھے، معقول و منقول کی تحقیقات میں بے نظیر، بے مثال، اور کثیر الدروس والتصانیف تھے شرحِ مسلم الثبوت، (تا مبادی الاحکام) معارج العلوم (منطق) غایۃ العلوم (طبعیات)، حاشیہ بر شرحِ ہدایۃ الحکمۃ صدر الدین شیرازی، حاشیہ شمسِ بازغہ، حواشی زوائدِ ثلاثہ، اور شرحِ سلم العلوم ان کی مفید تصانیف ہیں دہلی سے واپس ہونے کے بعد فرنگی محل لکھنو میں مقیم ہو گئے، اور علوم کا درس شروع کر دیا۔ بعض حوادث کی وجہ سے ایک فسادِ عظیم ہو گیا وطن کے قیام کو مناسب نہ سمجھا اور روہیلکھنڈ کی طرف چلے گئے نواب فیض اللہ خاں کے زمانے میں رامپور پہونچے اور مدرسہ محلّہ میں قیام کیا وہیں نکاحِ ثانی غیر کفو میں ایک

خاتون سے کرلیا۔ آپ کتب درسیہ کی متداول کتاب ''ملاحسن شرح سلم العلوم'' کے مصنف ہیں علوم منطق وحکمت وفلسفہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے ابتدائی علوم میں ملاکمال الدین فتحپوری کے شاگرد تھے۔ علمی جلالتِ شان کیساتھ ساتھ تفکراور بیدار مغزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ بڑے بڑے ثقہ اہلِ علم نے فرمایا کہ اگر بوعلی سینا ہوتے اوران سے آپ کا مباحثہ ہوتا تو آپ غالب آتے۔ ملاحسن کی اہمیت کے پیشِ نظراس کے پڑھانے میں غیر معمولی اہتمام کیا جاتا ہے یہ شرح صرف موجہات کی بحث تک ہے،

وفات: آپنے وہیں ریاست رامپور میں بزمانہ سلطان شاہ عالم ۲ رصفر ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء میں وفات پائی۔ ۲۲

---

(۷) ''ملا بحرالعلوم۔ عبدالعلی''

۱۱۴۲۔۱۲۲۹ھ

۱۷۲۹۔۱۸۳۵ء

ملانظام الدین فرنگی محلی نے جس وقت سفرِ آخرت اختیار کیا اسوقت ان کی تینوں یادگاریں ا۔ تصانیف ۲۔ اولاد ۳۔ تلامذہ موجود تھیں۔ ملانظام الدین کے اکلوتے بیٹے عبدالعلی (۱۱۴۲/۱۷۲۹ء) میں فرنگی محل میں پیدا ہوئے کنیت ابوالعیاش اور بحرالعلوم لقب تھا، ابتدائی تعلیم وتربیت والد ماجد سے حاصل کی سترہ سال کی عمر میں عقلی ونقلی علوم سے فراغت پائی۔ ملا بحرالعلوم لکھنو میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے مگرایک غلط فہمی کی بنا پر جسنے شیعہ سنی فساد کی صورت اختیار کرلی مجبوراً انھیں حافظ الملک حافظ رحمت خاں روہیلہ کے پاس شاہجہانپور جانا پڑا وہاں پہونچ کر درس تدریس میں مشغول ہو گئے بیس سال وہاں رہ کر ۱۱۸۸/۱۷۷۴ء میں حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ خاں والی رامپور کے اصرار پر رامپور آگئے ۱۱۹۳/ ۱۷۷۹ء تک مدرسہ عالیہ کے صدر مدرس رہے وہاں سے منشی

صدر الدین لوہاروی میر منشی و گورنر جنرل بردوان کی طلب وخواہش پر بوہار گئے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا
پھر نواب والا جاہ محمد علی خاں رئیس ارکاٹ (۱۲۱۰/۱۷۲۰) کے پاس ۲۴ ذی الحجہ (۱۲۰۵/۱۷۹۱) کو
مدراس چلے گئے نواب صاحب نے ،مولانا کے ساتھ غیر معمولی نیاز مندی اور اخلاق کا ثبوت دیا مولانا
کے ہمراہ چھ سو طلباء تھے بحر العلوم مدۃ العمر مدراس میں رہے ۱۲ رجب ۱۸۱۰ء کو وفات پائی قاضی ارتضی علی
خاں خوشنود گوپا مئوی نے (م ۱۲۵۱/ ۱۸۳۵) تاریخِ وفات نکالی ہے۔ ''بزیر زمیں رفت گنجِ علوم'' بحر
العلوم نے اپنی بیش بہا تصنیفات و مؤلفات اور رسائل وحواشی کا ایک بڑا سرمایہ چھوڑا۔ جو آج بھی
اربابِ علم کیلئے کحل البصر بنا ہوا ہے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی (۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کی تصانیف کا
بکثرت مطالعہ کرتے اور متشابہات کی بڑی صحیح تاویل کرتے تھے حق تو یہ ہے کہ ملامبین تک فرنگی محل میں
کوئی عالم آپ کی تصنیفات وتالیفات کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا آپ کی تالیفات میں وہ حقائق ودقائق
ملتے ہیں اور شروح وحواشی میں اصل کتاب کا حل اس طرح اختصار کیساتھ ہوتا ہے کہ اس کی نظیر ملنا
مشکل ہے۔

وجہِ تسمیہ بحر العلوم:۔ بحر العلوم کی تصانیف کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ واقعی ''بحر العلوم''
تھے فلسفہ ومنطق اور اصول وفقہ میں یکساں دسترس رکھتے تھے انکی ایک مشہورِ زمانہ اور اہم تصنیف
''الارکان الاربعہ'' خاص توجہ کی مستحق ہے اس کی وجہِ تصنیف کے سلسلہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ
ملاحسن فرنگی محلی جب لکھنو سے ترکِ وطن کر کے دہلی گئے تو وہاں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے
شاگردوں کو خبر ہوئی وہ بھی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی علمی مبحث پر بحث کرنے لگے ملاحسن نے
معقول جوابات دیکر انکی تشفی کردی وہ شاہ صاحب کی پاس واپس گئے اور ملاحسن کی تعریف کرنے لگے،
شاہ صاحب نے فرمایا کہ ان معقولیوں کو حدیث وقرآن سے بالکل بے خبری ہوتی ہے یہ بیچارے عمر بھر
''قال الشیخ وقال الرازی'' میں پڑے رہتے ہیں'' ملاحسن اس عرصہ میں رامپور واپس ہو چکے تھے کسی
نے بحر العلوم تک یہ واقعہ پہنچادیا بحر العلوم نے جواب میں ''الارکان الاربعہ'' (رسائل الارکان) لکھ کر

شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجی شاہ صاحب نے اس کے جواب میں مدح وتوصیف کرتے ہوئے خط کے عنوان میں ''بحر العلوم'' کے لقب سے ملقب فرمایا۔ یہ مطبوعہ ہے دوسواٹھاسی صفحات پر مشتمل بڑی تقطیع میں مطبع علوی لکھنو سے ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوچکی ہے۔

تصانیف:۔ (۱) تنویر المنار۔ حافظ الدین نسفی کی منار الانوار کی شرح ہے۔ (۲) شرحِ سلم العلوم (منطق) طبعِ دہلی ۱۳۰۹ھ ص ۲۷۷۔ (۳) فواتح الرحموت شرحِ مسلم الثبوت۔ یہ اصولِ فقہ میں محب اللہ بہاری کی مسلم الثبوت کی شرح ہے طبعِ بولاق ۱۳۲۴ھ۔ (۴) رسائل الارکان (فقہِ حنفی) لکھنو ۱۳۰۹ ص ۲۸۸۔ (۵) حاشیہ علی شرحِ میر زاھد ہروی علی رسالۃ التصدیقات والتصورات لقطب الدین رازی طبعِ دہلی ۱۲۹۲ص ۶۶۔

آپ علومِ ظاہری کی ساتھ ساتھ علومِ باطنی سے بھی آراستہ تھے یعنی صاحبِ طریقت و معرفت تھے فرماتے تھے کہ مجھ کو عالمِ رویا میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زیارت ہوئی ہے اور انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی بیعت میں داخل کرلیا اور تعلیم وارشادِ طریقت کا حکم دیا ہے لہٰذا میں خاص ان کا ہی مرید ہوں اور ان کے واسطے سے سرکارِ دوجہاں ﷺ کے ساتھ مجھ کو بیعت کا سلسلہ انتساب پہونچتا ہے چنانچہ جو شخص آپ سے اس سلسلہ میں بیعت کرتا تھا آپ اس کو اسی ایک واسطہ سے شجرہ لکھ دیا کرتے تھے۔ [۲۳]

وفات:۔ آپ نے مدراس میں ماہِ رجب ۱۲۲۹ھ/۱۸۳۵ء میں وفات پائی۔

---

(۸) مولانا سلام اللہ رام پوری

(م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء)

مولانا سلام اللہ رامپوری علمِ حدیث کے اس سلسلہ زریں کی ایک کڑی تھے جو خاندانِ حقی

کے نام سے جانا جاتا ہے اور جس کا سلسلہ آپ کے مورثِ اعلیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے شروع ہو کر مولانا سلام اللہؒ کے اولاد واحفاد پر ختم ہوتا ہے شیخ عبدالحق کی وفات ۹۵۸ھ کے بعد اس سلسلہ کو آپ کے لائق فرزندوں نے آگے بڑھایا انھیں میں شیخ محب اللہ شیخ الاسلام محمد (مولانا سلام اللہ کے والد ماجد) وغیرہ تھے آپ ایک عرصہ تک دہلی کے منصب صدرالصدور پر فائز رہے یہ بڑا ہی ہوش ربا اور نازک دور تھا ان حالات میں بھی اپنے آباء واجداد کی علمی وراثت کو کافی آگے بڑھایا آپکی تصنیفات میں سب سے بڑا کارنامہ صحیح بخاری کی شرح جو چھ جلدوں میں ہے لکھنو سے شائع ہو چکی ہے شیخ الاسلامؒ نادرشاہ کے حملہ تک دہلی میں رہے ان کے بعد آپ کے فرزندار جمند مولانا سلام اللہ محدث رامپوری اپنے والد کی مسندِ درس وافادہ پر متمکن ہوئے خاندانِ حقی کے یہ باکمال فرزند دہلی کے حالات سے بددل ہوکر رامپور چلے گئے تھے۔ شیخ سلام اللہ کو تمام علوم معقول ومنقول میں کمال حاصل تھا، اور کتب درسیہ وغیرہ درسیہ پر برابر قدرت تھی فقہ، تفسیر، حدیث آپ کے خاص میدان تھے آپ نے تمام مروجہ علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کئے اور انھیں سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

تصنیفات:۔ آپ کی جن تصنیفات کا سراغ ملتا ہے وہ عربی تفسیر حدیث فقہ تاریخ ہر ایک میں بے مثال ہیں فنِ تفسیر میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ''الکمالین'' ہے جو تفسیرِ جلالین کا عربی حاشیہ ہے مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہو چکا ہے اور فنِ حدیث میں آپ کی سب سے بڑی کتاب ''محلی'' ہے جو مؤطا امام مالک کی شرح ہے یہ کتاب شاہ ولی اللہ کی مسوی (شرحِ مؤطا) کے ٹکر کی ہے فرق یہ ہے کہ مسوی کی ترتیب زیادہ بہتر ہے لیکن محلی مسوی سے زیادہ جامع ہے محلی غیر مطبوعہ ہے دو جلدوں میں ہے اس کی پہلی جلد پٹنہ لائبریری میں ہے یہ کتاب شیخ سلام اللہ کے وفورِ علم پر شاہدِ عدل ہے۔ آپ نے اصولِ حدیث پر عربی میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا جس کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے صرف رسالہ فی اصول الحدیث کے نام ہی سے جانا جاتا ہے فضائلِ اہلِ بیت سے متعلق ایک کتاب ''خلاصۃ المناقب من فضائل اہل البیت'' لکھی تھی۔ فقہ میں ایک رسالہ نماز کے اندر التحیات کے وقت انگشتِ شہادت

اٹھانے کے موضوع پر ہے اس کا نام ہے ''رسالة فی الاشارة بالسبابة عند التشهد فی الصلوٰة''۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں... ''اس شہر کے اکابرِ علماء میں مولوی سلام اللہ ہیں جو شیخ عبد الحق کی اولاد میں سے ہیں جامعِ معقول ومنقول علمِ حدیث میں مشہور وممتاز تھے۔انھوں نے جلالین کا حاشیہ کمالین اور مؤطا کی شرح محلی اور صحیح بخاری کا فارسی ترجمہ اور شمائلِ ترمذی کا بھی ترجمہ کیا ہے'' ۲۴

وفات:۔ آپ کا سنہ وفات بعض کے نزدیک ۱۲۲۹/۱۸۱۳ ہے اور بعض کے نزدیک ۱۲۳۳/۱۸۱۷ ہے۔رامپور میں بغدادی صاحب کے مزار کے احاطے میں دفن ہوئے آپ کی آخری آرامگاہ مسجد کے قریب جانبِ جنوب واقع ہے''شیخ شہید'' اور''شیخِ اعلیٰ درجہ'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ۲۵

---

(۹) شاہ ولی اللہ دہلویؒ

۱۱۱۴۔۱۱۷۶ھ

۱۷۰۲۔۱۷۶۲ء

ولادت:۔ ابوعبدالعزیز ولی اللہ قطب الدین احمد بن شیخ ابوالفیض عبد الرحیم بن وجیہ الدین فاروقی دہلویؒ۔آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت عمر بن خطابؓ اور ماں کی طرف سے موسیٰ کاظم رضاؒ تک پہونچتا ہے۔ولادت عہدِ عالمگیری میں ۴ رشوال المکرم ۱۱۱۴ھ بروز بدھ موضع پھلت ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔تاریخی نام عظیم الدین تھا۔پانچ سال کی عمر میں تعلیم شروع کردی تھی سات سال کی عمر تک قرآن شریف حفظ کرلیا تھا،۱۰ سال کی عمر تک ملا جامی کی فوائدِ ضیائیہ ختم کرلی تھی۔آپنے پہلے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور ۲۵ سال کی عمر میں کتبِ درسیہ سے فراغت حاصل کرلی تھی۔۳۰ سال کی عمر میں ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین تشریف لے گئے وہاں دوسال قیام کیا،شیخ ابوطاہر،محمد بن ابراہیم کردی مدنی،شیخ وفد اللہ مالکی،تاج الدین حنفی وغیرہ سے کتبِ احادیث پڑھیں اور علمِ حدیث میں

کمال حاصل ہندوستان واپس ہوئے اور تیس سال تک درس وتصنیف میں مشغول رہے، آپ کی وفات دو پہر ہفتہ کے دن آخر محرم ۶ےااھ/ ۶۲ےاء کو دہلی میں ہوئی اور مہندیان کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ۲۶

مقامِ تجدید:۔ شاہ صاحبؒ کی مجددانہ کوششوں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:....... ''حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات کے بعد اور عالمگیر بادشاہ کی وفات سے چار سال پہلے نواحِ دہلی میں شاہ ولی اللہؒ صاحب پیدا ہوئے، ایک طرف ان کے زمانہ اور ماحول کو اور دوسری طرف ان کے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہجاتی ہے، کہ اس دور میں اس نظر، ان خیالات، اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا، فرخ سیر، محمد شاہ رنگیلے، اور شاہ عالم کے ہندوستان کو کون نہیں جانتا، اس تاریک زمانے میں نشونما پا کر ایسا آزاد خیال مفکر ومبصر منظرِ عام پر آتا ہے جو زمانہ اور ماحول کی ساری بندشوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہے تقلیدی علم اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات کے بند توڑ کر ہر مسئلہ زندگی پر محققانہ اور مجتہدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور ایسا لٹریچر چھوڑ جاتا ہے جس کی زبان، اندازِ بیان خیالات، نظریات، موادِ تحقیق، اور نتائجِ مستخرجہ، کسی چیز پر بھی ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، حتیٰ کہ اس کے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اس جگہ لکھی گئیں تھیں جس کے گردوپیش، عیاشی، نفس پرستی قتل وغارت، جبر وظلم اور بدامنی وطوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔ شاہ صاحب تاریخِ انسانی کے ان لیڈروں میں سے ہیں جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کر کے فکر ونظر کی ایک سیدھی شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دنیا میں حالاتِ موجودہ کے خلاف ایسی بے چینی اور تعمیرِ نو کا ایسا دلآویز نقشہ پیدا کرتے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریب فاسد وتعمیرِ صالح کیلئے ایک تحریک اٹھتی ہے۔۔ شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں کو ہم دو بڑے عنوانات پر تقسیم کر سکتے ہیں ایک عنوان تنقید وتنقیح کا، اور دوسرا عنوان تعمیر کا۔ نظامِ اسلامی کے اسقدر معقول اور مرتب خاکے کا پیش ہو جانا بجائے خود اس امر کی پوری ضمانت ہے کہ وہ تمام صحیح الفطرت اور سلیم الطبع لوگوں کا

نصب العین بن جائے اور جو لوگ ان میں سے زیادہ قوتِ عمل رکھتے ہوں وہ اس نصب العین کے لئے جان وتن کی بازی لگا دیں شاہ صاحب نے جاہلی حکومت اور اسلامی حکومت کے فرق کو بالکل نمایاں کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا، اور نہ صرف اسلامی حکومت کی خصوصیات صاف صاف بیان کیں بلکہ اس مبحث کو بتکرار ایسے طریقوں سے پیش کیا جس کی وجہ سے اصحابِ ایمان کے لئے جاہلی حکومت کو اسلامی حکومت سے بدلنے کی جدوجہد کئے بغیر چین سے بیٹھنا محال ہو گیا۔ [۲۷]

تصانیف:۔ مختلف موضوعات پر پھیلی ہوئی آپ کی چند عربی تصانیف یہ ہیں:

(۱) حسن العقیدہ (عربی)

اسلام کے بنیادی عقائد کو قرآن وحدیث اور اہلِ سنت کے مسلک کی روشنی میں جامع طریقہ پر بیان کیا گیا ہے مولانا محمد اویس نگرامی ندوی مرحوم نے اس کی "شرح لعقیدۃ السنیہ" کے نام سے کی جو مکتبہ ندوۃ العلماء لکھنو سے شاہ ہوئی اور دار العلوم ندوہ میں نصاب میں شامل ہے۔

(۲) **"الخیر الکثیر"** (عربی) یہ حقیقتاً فلسفہ دینی کی کتاب ہے مجلسِ علمی ڈابھیل سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی۔

(۳) **الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ﷺ (عربی)** آنحضرت ﷺ کے مبشرات کا ایک مجموعہ جو شاہ صاحب کی ذات یا بزرگوں سے متعلق ہے ۱۳۹۱ھ میں طبع ہوا کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے بھی شائع ہوا۔

(۴) دیوانِ اشعار عربی مرتبہ شاہ عبد العزیز مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء۔

(۵) **شرح تراجم ابوابِ صحیح بخاری (عربی)** صحیح بخاری کے تراجم اور عنوانات واحادیث کے مطابق لطائف واسرار پر ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف حیدراباد سے شائع ہوا۔

(۶) **فتح الخبیر** (عربی) قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح۔ یہ الفوز الکبیر کے تتمہ کے طور پر شامل ہے

(۷) فیوض الحرمین (عربی) کتاب زیادہ تر قیام حجاز کے زمانے کے مشاہدات، حقائق باطنی، مسائل کلامی اور مسائلِ تصوف سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ کتاب بھی خواص کے مطالعہ کی ہے۔

(۸) الارشادالی مہمات علم الاسناد (عربی) اس میں اپنے اساتذہ وشیوخ حجاز کا ذکر ہے (مطبوعہ)۔

(۹) اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ﷺ (عربی) یہ شاہ صاحب کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا،

(۱۰) الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف (عربی)

(۱۱) البدور البازغہ (عربی) کتاب فلسفہ دینی کے بیان پر مشتمل ہے لیکن اس میں فلسفہ کے اصطلاحات ،فطرت وترکیب انسانی، طبقات وافراد کے خصائص پر فلسفیانہ اور اشراقی رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے

(۱۲) تاویل الاحادیث (عربی)۔ اختصار کے باوجود کتاب میں بعض بڑے قیمتی اشارات اور قرآن مجید کے عمیق فہم کے نمونے ہیں شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدراباد (پاکستان) کی جانب سے شائع ہوئی۔

(۱۳) التفہیمات الالٰہیہ (عربی وفارسی)۔ اسمیں شاہ صاحب کے وارداتِ قلبی اور وجدانی مضامین ہیں اس کی حیثیت ایک ایسی بیاض کی سی ہے جسمیں آدمی اپنے مشاہدات وتاثرات قلم بند کرتا ہے اور وہ احباب وتلامذہ کے مطالعہ میں آنے کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ مجلسِ علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۵ھ /۱۹۳۶ء میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کی۔

(۱۴) حجۃ اللہ البالغہ (عربی)۔ شاہ صاحبؒ کی سب سے معرکۃ الآراء کتاب اور عظیم علمی کارنامہ ہے جسمیں دین ونظامِ شریعت کا ایک ایسا مربوط جامع ومدلل نقشہ پیش کیا گیا ہے جس میں ایمانیات عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع وتمدن سیاست واحسان کو ایک ایسے ربط وتعلق اور صحیح تناسب کیساتھ پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہار کے موتی اور ایک زنجیر کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں اور ان میں اصول وفروع، مقاصد وسائل، اور دائمی وموقت کا فرق نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے نہیں پاتا، غرض یہ کتاب اپنی جامعیت اور عمق دین وشریعت کی وسیع لیکن مربوط ترجمانی اور صد ہا بیش قیمت نکات وتحقیقات کی

بناء پر متعدد حیثیتوں سے انفرادی شان رکھتی ہے۔آپ کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابنِ رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔جس فن میں یہ کتاب ہے آپ سے پہلے کسی نے اس کو ایک جگہ جمع نہ کیا تھا اس فن کا موضوع ''نظامِ تشریعِ محمدی من حیث المصلحۃ المفیدۃ'' ہے۔غایت اس کی یہ ہے کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسول کے احکام میں نہ کچھ تنگی ہے نہ وہ خلافِ فطرتِ سلیمہ ہیں تاکہ ان پر انسان کو پورا وثوق ہو جائے اور ان کو فطرت پر مبنی باتیں سمجھ کر ان کی طرف کھنچ آئے اور کسی مشکک کے بہکانے سے دل شبہ میں نہ پڑ جائے۔

شاہ صاحب کا علمی امتیاز: شاہ صاحب کی عربیت غلام علی آزاد بلگرامی و دیگر مصنفین کے علاوہ جن کی زندگی کا اکثر حصہ عرب فضلاء کی صحبت میں گذرا کسی سے کم نہ تھی سلاست، ادب کی پختگی سنجیدہ نگاری، اور علمی تحقیقات میں ''مقدمہ ابنِ خلدون'' بھی اس سے بالاتر نہیں۔اور یہ (حجۃ اللہ البالغہ) امام غزالی کی شہرہ آفاق ''احیاء العلوم'' سے بہتر سمجھی جاتی ہے آپ کے فصیح و بلیغ اشعار سن کر یہ تصور ہوتا ہے کہ جیسے آپ کی پرورش و پرداخت بالائی ہوازن کے بادیہ میں یا زیریں بنو تمیم کی کس خاتون کی آغوش میں ہوئی ہو'' ۲۸

آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے محدث و مفسر اور علماءِ متاخرین میں سب پر فوقیت رکھتے تھے آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے مجدد تھے اور ایسے ایسے تجدیدی کارنامے انجام دئے ہیں کہ عقل دنگ رہجاتی ہے اور آپ کے تجدیدی کارناموں کی داستان اتنی لمبی چوڑی ہے کہ اس کے لئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے'' ۲۹

كأن نجوماً أومضت في الغياهب
عيون الأفاعي او رؤس العقارب
وتشغلني عني وكل راحتي
مصائب تقفو مثلها في المصائب

إذا ما أتتني أزمة مدلهمة
تحيط بنفسي من كل جانب

---

(۱۰) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

۱۱۵۹-۱۲۳۹ھ

۱۷۷۶-۱۸۲۴ء

ولادت اور حالات:

۱۱۵۹ھ میں ۲۵ رمضان المبارک کو (مطابق ۱۱۲ اکتوبر ۱۷۷۶ء) بروز پنجشنبہ دہلی میں ولادت ہوئی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی زوجہ اولی سے ایک صاحبزادے شیخ محمد تھے اور دوسری زوجہ سے چار صاحبزادے تھے جن میں سب سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ تھے۔ حفظِ قرآن کے بعد آپ نے تعلیم زیادہ تر اپنے والد ماجد سے پائی اور کچھ تعلیم حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی اور حضرت شاہ نوراللہ بڈھانوی سے حاصل کی اپنے والد کے سامنے ہی تمام علومِ مروجہ سے فارغ ہو گئے تھے اور اسی زمانے میں پڑھانا شروع کر دیا تھا آپ نے والد ماجد کے پاس رہ کر ہی سلوک کی تمام منزلیں طے کیں اور بیعت وارشاد کی اجازت سے مشرف ہوئے ۱۶ سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تمام خلفاء کی موجودگی میں آپ ہی قائم مقام اور سجادہ نشیں بنائے گئے۔ اپنے چھوٹے بھائیوں مولانا شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، اور شاہ عبدالغنی کی تعلیم وتربیت کا کام بحسن و خوبی انجام دیا والد ماحد کے انتقال کے بعد آپ نے مسندِ درس وارشاد کو سنبھالا، آپ کا نکاح شاہ نور اللہ صدیقی بڈھانوی کی صاحبزادی سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا

ہوئیں آپ کے اجازت یافتہ تلامذہ اور خلفاء ومریدین کا حلقہ یقیناً بیحد وسیع ہے جن میں سے چند نام یہ ہیں مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلویؒ، مولانا شاہ احمد سعید مجددی، مولانا فضلِ حق خیرابادی، مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادابادی، سید آلِ حسن قنوجی، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ حضرت سید احمد شہیدؒ، وغیرہ۔

تصانیف:۔ (۱) ''تفسیرِ فتح العزیز'' جو ''تفسیرِ عزیزی'' بھی کہلاتی ہے اس تفسیر کو مرض کے شدید غلبہ کی حالت میں املا لکھوایا تھا کئی جلدوں میں تھی، ہنگامہ غدر میں اکثر حصہ ضائع ہوگیا اول وآخر کی دو جلدیں دستیاب ہیں مطبوعہ ہیں۔ (۲) تحفہ اثناعشریہ۔ علمِ کلام میں ایک زبردست علمی شاہکار ہے فرقہ امامیہ کی پوری حقیقت اوران کے اعتراضات کا مدلل جواب ہے مطالب حدیث اور تاریخ وسیرت کے بہت سے گوشے اس سے کھلتے ہیں سالِ تصنیف لفظِ ''چراغ'' سے نکلتا ہے یعنی (۱۲۰۴ھ)، مولوی اسلمی مدراسی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ (۳) بستان المحدثین۔ کتب احادیث کی فہرست، مدونین وجامعین کی سوانح، بے نظیر کتاب ہے، علاوہ ازیں میزان البلاغہ، میزان الکلام، سر الشہادتین در شہادتِ حضراتِ حسنینؓ، سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل، حواشی جو منطق وحکمۃ کی کتابوں پر ہیں۔ رسالہ فی الانساب، رسالہ فی الاسئلۃ والاجوبۃ، رسالہ فی الرویا، الفتاویٰ فی المسائل المشکلہ وغیرہ۔

اَسّی سال کی عمر میں ۷رشوال المکرم (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کو وفات پائی دہلی کے مشہور قبرستان مہندیان میں اپنے والد ماجد کے قریب مدفون ہیں۔ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی اپنی کتاب ''تذکرہ شاہ عبد العزیزؒ محدث دہلوی'' کی تمہید میں لکھتے ہیں.. ''آج میرا قلم ایک ایسی شخصیت پر کچھ لکھنے کیلئے آمادہ ہے جس کا سکہ علم وفضل چاردانگ عالم میں چل رہا ہے جو سراپا مرقعِ تحقیق، اور مجسم مخزنِ رموز ونکات تھا۔ جو اسلام کی حقانیت کی قدِ آدم روشن دلیل تھا جس نے ایک طرف درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ اور دوسری طرف سلوکِ راہِ عرفان میں طالبین کی رہنمائی کی جس نے ایک طرف وعظ وافتاء کے ذریعہ رشد وہدایت کے دریا بہائے تو دوسری طرف تصنیف وتالیف سے اسلام وزمرہ اہلِ سنت الجماعت کی حمایت وحفاظت کی جس نے ایک طرف مدرسہ کو چار چاند لگائے تو دوسری طرف خانقاہ کے در وبام کو

ذکر اللہ سے لبریز کردیا جس نے اپنی روحانیت کی بے پناہ قوت اور حمیتِ اسلامی کی بے مثال طاقت کو بروئے کار لاکر حضرت سید احمد شہید جیسا روشن دل مجاہد اور اور غازی تیار کیا، جس نے ہندوستان میں اسلام وایمان کے قیام وفروغ کیلئے ایک جانباز جماعت کی تشکیل کی اور اسلام وایمان کی بقاء واستحکام کی خاطر مع رفقاء کے شہادت سے ہم آغوش ہوکر زندگیِ جاوید سے ہم کنار ہوا اور جس کے ایمان افروز نعروں کی آواز بازگشت آج بھی گنبدِ نیلگوں کے نیچے اقصائے ہند میں سنی جارہی ہے ۳۰

آپ کی زندگی بھی عجیب وغریب زندگی تھی چونکہ آپ روافض کے سخت خلاف تھے اس لئے آپ کو بڑی سخت سزائیں پہنچائی گئیں اور آپ کے ظلم وستم میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا حتیٰ کہ آپ کے دشمنوں نے (اللہ انھیں اوندھا جہنم میں ڈالے) آپ کے دونوں ہاتھ پہونچوں تک کاوَف کردئے۔ چھپکلی کا اُبٹن آپ کے جسم پر ملا جس سے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی اور بدن مبروص ہوگیا۔

آپکی قوتِ حافظہ تعبیرِ خواب، وعظ گوئی، انشاء، نفائسِ علوم کی تحقیقات، اور مناظرہ میں اپنی آپ نظیر تھے ،تفسیر وحدیث وفقہ میں اسقدر ملکہ تھا کہ آج تک آپ کی کوئی مثال نظر نہ آئی اسی لئے آپکو خاتم المفسرین والمحدثین کہا جاتا ہے آپ عربی وفارسی کے زبردست نثر نگار اور شاعر تھے آپ کو ہر فن مین یدِ طولیٰ حاصل تھا آپ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کی نمازِ جنازہ پچپن دفعہ پڑھائی گئی۔ ۳۱

”حواشی باب دوم“

۱ نواب صدیق حسن قنوجی/ڈاکٹر رضیہ حامد۔ص ۳۹۔۴۰۔

۲ ایضاً

۳ سیرت سلطان ٹیپو شہید/محمد الیاس ندوی۔

۴ ”جب ایمان کی بہار آئی / ابوالحسن علی ندوی“۔

۵ عہدِ مغلیہ میں عربی زبان وادب / ڈاکٹر شبیر احمد ندوی، ص ۲۷۵۔۲۷۶۔

۶ عربی زبان وادب عہدِ مغلیہ میں ص ۱۳۵۔

۷ ہندوپاک میں عربی ادب / اقبال احمد سلفی ص ۲۳۔۲۴۔

۸ ابجد العلوم ص ۸۹۶۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ”نزہۃ الخواطر“ ۴/۲۹۸ تا ۳۰۱۔

۹ ہندوپاک میں عربی ادب ص ۲۹۔۳۰۔

۱۰ تجلیاتِ ربانی / مولانا نسیم احمد فریدی امروہیؒ، ص ۱۱۔

۱۱ ملتِ اسلام کی محسن شخصیات ص ۶۳۔

۱۲ ملتِ اسلام کی محسن شخصیات ص ۶۴۔

۱۳ دیکھئے: ”تذکرہ امام ربانی“ / حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، ”نزہۃ الخواطر“ ج ۵ / سید حکیم عبدالحی حسنیؒ، سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی / ابوالفضل احسان اللہ گورکھپوری، حیاتِ مجدد / پروفیسر محمد فرمان ایم اے، وغیرہ۔

۱۴ عربی ادب عہدِ مغلیہ میں ص ۱۶۷۔۱۷۰

۱۵ مقالاتِ سلیمانی جلد ۲ ص ۲۳۔

۱۶ ہندوستانی مفسرین۔ ص ۳۱۷۔۳۱۸۔

۱۷ تذکرۃ المصنفین ص ۲۹۳۔۲۹۴۔

۱۸ حدائق الحنفیہ ۴۳۶۔

۱۹ عہدِ مغلیہ میں عربی زبان وادب ص ۲۵۱۔

۲۰ حالات کے لئے دیکھیں: اخبار الاخیار ص ۳۰۰، ۔ مآثر الکرام ص ۲۰۰، ۔ سبحہ ص ۵۲، ۔ حدائق ص ۴۰۹۔ تذکرہ علماءِ ہند ص ۱۰۹، ۔ نزہہ ص ۲۰۱۔۲۱۰، ۔

۲۱ دیکھیں: نزہہ، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ،

۲۲ ہندوپاک میں عربی ادب، عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء، وغیرہ۔

۲۳ تذکرۃ المصنفین ص ۳۷، بحوالہ حدائق الحنفیہ۔

۲۴ ابجد العلوم ص ۹۲۷۔

۲۵ دیکھئے۔ رضا لائبریری جرنل نمبر ۴، ۲۰۰۰ء۔

۲۶ دیکھیں:۔ العون الکبیر شرح الفوز الکبیر۔ از مفتی سعید احمد پالنپوری۔ ص ۹-۱۲

۲۷ ''شخصیات'' / از مولانا مودودیؒ ص ۱۱۶-۱۳۵۔

۲۸ ہندو پاک میں عربی ادب ص ۴۰، اقبال احمد سلفی۔

۲۹ تذکرۃ المصنفین ۱۹۸-۱۹۹ حبیب الرحمن خیرابادی۔

۳۰ تذکرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۹-۱۰۔

۳۱ تفصیلات کے لئے ''ملتِ اسلام کی محسن شخصیات''، ''تذکرۃ المصنفین'' ''تذکرۃ الکرام'' (تاریخ امرہہ)، نزہۃ الخواطر، تذکرہ علماءِ ہند، سراج العوارف، تذکرہ مشاہیرِ کاکوروی۔

☆☆☆☆
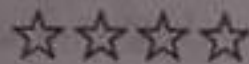
بابِ سوم:

انگریزوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان میں عربی زبان وادب:

جدوجہد اور نتائج۔

تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء:

اس کے بعد ایک بار پھر اہلِ ملک میں غلامی کا شعور بیدار ہوتا ہے اور یہ شعور بہت جلد شعلہ جوالہ بن کر پہلی جنگِ آزادی کا روپ دھار لیتا ہے مگر افسوس کہ متحدہ قیادت کے فقدان کے باعث ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کی ناکام جنگ کی آندھی مغل سلطنت کا وہ ٹمٹماتا چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل کر دیتی ہے جو برائے نام ہی سہی کسی طرح عہدِ زریں کا بھرم رکھے ہوئے تھا اور اس بھیانک اندھیرے میں اپنی گم گشتہ روشنی کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔ اب انگریزوں کا غصہ جی بھر کر مسلمانوں پر نکلنا شروع ہوتا ہے۔ وہ فریضہ جہاد کا نام لے کر اس تحریکِ آزادی کی ساری ذمہ داری مسلمانوں کے سر ڈال کر انھیں خاص طور سے ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں، ان کے خلاف روز نت نئے فتنے کھڑے کر تے ہیں طویل مقدمات قائم کرتے ہیں بے جرم سزائیں دیتے ہیں، جاگیریں اور جائدادیں ضبط کر تے ہیں، مولانا اسحاق جلیس ندوی لکھتے ہیں ...... ''اور غدر کی ایک صبح مغلیہ سلطنت کا چراغ گل تھا، آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر جلاوطن کیے گئے، شہزادوں کا قتلِ عام کیا گیا،، علماء، مشائخ، شرفاء عوام وخواص انگریزوں کی بربریت اور انتقام کا شکار ہوئے جابجا پھانسیاں گاڑ دی گئیں، اور اس پر لٹکی لاشوں اور نیم جاں انسانوں کے کرب وتکلیف کو دیکھ کر وہ قوم لطف واندوز ہو رہی تھی جو سات سمندر پار سے آج سے دو سو سال قبل انھیں ستم رسیدہ وجاں بلب انسانوں کے آباء واجداد سے تجارت کی بھیک

مانگ کر اس ملک میں داخل ہوئی تھی“۔ ۱؎

اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے سید عاشور کاظمی مصنف ”گھر کے چراغ سے/غداروں کے خطوط“ لکھتے ہیں..... ”ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو اس وقت کے انگریز حاکموں نے ”غدر“ کا نام دیا، اس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ انگریز ہندوستان کے قانونی حکمراں تھے اور ان کے خلاف کوئی بھی تحریک یا جدوجہد غدر یا بغاوت کی حیثیت رکھتی تھی ۱۸۵۷ء کی جدوجہدِ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے جو مظالم کیے وہ اتنے شدید تھے کہ پورے ہند پر خوف وہراس طاری ہو گیا اور ہندوستانی مصنفین اور وقائع نگاروں کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ بھی وہی کہیں جو حاکم چاہتے تھے، کون نہیں جانتا کہ انگریز دسمبر ۱۶۰۰ء میں تاجروں کے روپ میں ہندوستان میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ ان تاجروں نے یہ حیثیت حاصل کر لی کہ ۱۷۶۵ء کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان کے کئی علاقوں میں لگان حاصل کرنے کے اختیارات حاصل ہو گئے اور یہ نام نہاد تجارتی کمپنی ”کمپنی بہادر“ کہلانے لگی لگان حاصل کرنے کے اختیارات حکومتِ وقت کو حاصل ہوتے ہیں، انڈیا کمپنی کو یہ اختیارات کیسے ملے یہ بھی ایک دردناک داستان ہے“۔ ۱؎

اور بقول سلیم احمد قریشی..... ”ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار واستبداد کا مقابلہ کرنے کیلئے جن تحریکوں نے جنم لیا ان میں جہاں ٹیپو سلطان، شاہ اسماعیل شہید، سید احمد شہید، تانتیا ٹوپی، رانی جھانسی، اور جنرل بخت خاں جیسے جانباز موجود تھے وہاں ہر دور میں غداروں کی ایسی کھیپ بھی موجود رہی ہے جو آستین کے سانپوں کا کردار ادا کرتی رہی ہے، بالخصوص ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اگر غداروں کی ٹولی انگریزوں کی مدد نہ کرتی تو اس جنگ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا“ ۲؎

بہرحال اس افسوسناک صورتحال کا صحیح مرثیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں: ”اور یہ وہ معرکہ تھا جسمیں ملکِ ہندوستان سے شوکتِ اسلام بالکل زائل ہوگئی تھی اور مغلیہ سلطنت کے جسم کی جان ہی نکل گئی تھی اور کارخانہ اسلام تہ وبالا ہو گیا تھا، مسلمان ہونا ہی جرم ہو گیا تھا،

اکابرِ دین کا خاتمہ ہوگیا تھا، ہر مسلمان سراسیمہ حال تھا، ہر مومن شکستہ بال تھا، ہندوستان میں ایسی گہری اندھیری چھائی تھی کہ ''نہ میں تجھ اور نہ تو مجھ'' کا حال تھا، یانفسی نفسی کا مقال تھا، جتنا جو بڑا تھا اتنا ہی اس پر صدمہ تھا، اکثر اکابرِ دین جنت الفردوس کو سدھارے اور بعض جو پنجہ اجل سے بچے اس ملک سے ہجرت فرما گئے، ہندوستان میں قریب قریب اسی کے صدمہ عظیم واقع ہوا تھا جیسے حضرت رسولِ مقبول ﷺ کی وفات شریف پر کل اسلام پر، مسلمانوں کی قلت، کفار کی کثرت، کفر کی شدت، بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ دین نسیاً منسیاً ہو جائے گا''۔[۳]

تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء کی جد جہد کے نتائج:

ان ناگفتہ بہ حالات میں علماءِ کرام نے علومِ دینیہ کی حفاظت، اور مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے ساتھ ان کے سیاسی وملی تشخص کی بقاء کے لئے جو بڑے بڑے قدم اٹھائے ان میں سب سے اہم کام ''دینی مدارس کا قیام'' تھا۔ علماء نے اطرافِ ہند میں جگہ جگہ مدارس کا جال پھیلا کر سچی بات یہ ہے کہ علومِ اسلامی کی سرسبزی وشادابی کا گراں بہا کارنامہ انجام دیا۔ اور دیگر دانشورانِ قوم و ملت نے بھی اپنے اپنے طور پر تحریکات شروع کیں۔ انھیں تحریکات نے ایسے عظیم لوگوں کو جنم دیا جنھوں نے قوم وملت کے ساتھ عربی علوم وفنون خاص کر عربی زبان وادب کی بھی زبردست خدمات انجام دیں۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب ؒ لکھتے ہیں ...

''تیرھویں صدیہ ہجری کے برِصغیر میں مسلمانوں کے سامنے دواہم مسئلے تھے جن کا آغاز حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے عہد سے ہو چکا تھا۔ ایک مسئلہ مسلمانوں کے عقائد واعمال کے تحفظ کا تھا اور دوسرے کی نوعیت سیاسی تھی جس کا مقصد ہندوستان کو انگریزوں کے اقتدار سے نجات دلانا تھا، شاہ صاحب (شاہ ولی اللہؒ) کے بعد حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اسلامی قدروں کی حفاظت کی

تحریک کو آگے بڑھایا۔ یہ حضرات اقتصادی اور معاشرتی اصلاح کی زبردست جدو جہد میں مصروف رہے۔ انھوں نے تباہ کن رسم ورواج کی مخالفت کی، اسلامی عقائد ومسائل کو عقلی دلائل سے واضح کیا۔ بیواؤں کے نکاح، عورتوں کے حقِ وراثت، اور معاشرتی اونچ نیچ کو درست کرنے کی بھرپور کوشش کی اور دوسرے مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے ''دینی مدارس'' قائم کئے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی مساعی کا برِصغیر کے ہر گوشے پر بڑا اثر پڑا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد اس سے متاثر ہوئی''۔ ۴

دینی مدارس کا قیام:

اس زمانے کے علماءِ کرام جو دراصل تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد کی افراتفری کے چشم دید گواہ تھے اور وہ اکابرین جو اس خونی انقلاب سے گذر چکے تھے ان کو یہ اضطراب لاحق تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی وملی وسیاسی حیثیت کو کیسے سنبھالا جائے اس کے بعد انھوں نے دینی مدارس کا جال پھیلایا اور سب سے پہلے ۱۲۸۳/ ۱۸۶۶ میں دیوبند کی مسجد چھتہ میں ''دارالعلوم دیوبند'' کا قیام عمل میں آیا۔ اور بقول حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ..''مدرسہ دیوبند کا قیام ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کے لئے قائم کیا گیا'' ۵

دارالعلوم دیوبند:

درحقیقت یہ ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک عظیم اصلاحی تحریک تھی جس کے بانی اگر چہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے لیکن یہ تحریک دراصل تسلسل تھی تحریکِ ولی اللہی کا اور اس کے اصل روحِ رواں حضرت شاہ ولی اللہ ہی تھے۔ کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تیزی سے زوال پذیر حالات کا اندازہ کر کے حکومتی کوششوں سے قطع نظر مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر جو کوشش کی تھی اور اپنے فیضِ تربیت سے جو خلفاء وتلامذہ کی نسل تیار کی تھی اور جس نہج پر اولاد واحفاد کی تربیت فرمائی تھی انھیں تلامذہ وخلفاء اور اولاد احفاد کے فیض یافتگان اور آپ ہی کی درسگاہ سے اٹھنے والے کبارامت خاص طور پر آپ کے صاحب

زادے شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگردوں نے ہی یہ تحریک شروع کی، اور اسی نہج پر کام کو آگے بڑھایا۔ بالفاظِ دیگر عہدِ زوال میں شروع ہونے والی تحریکِ ولی اللہی کے نتیجہ میں اگرچہ ہندوستان میں اسلامی حکومت باقی نہ رہی مگر اسلام باقی رہ گیا، برخلاف اندلس کے جہاں شاداب وطویل اسلامی عہد کے باوجود جب وہاں سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا، تو ساتھ ہی اسلام کا بھی نام ونشان باقی نہ رہا۔ کیونکہ وہاں شاہ ولی اللہ جیسی کوئی ہستی پیدا نہ ہوسکی۔ اس تحریک کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

...."جہاں تک علماء کا تعلق ہے ان کو رسوخ فی الدین، زہد وتقویٰ، ایثار واخلاص، دینی غیرت وحمیت اور اس کی راہ میں قربانی کے میدان میں عالمِ اسلام کی سب سے طاقتور دینی شخصیت اور عنصر قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس ظلم وبربریت اور غیر معمولی سنگدلی اور بے رحمی کی وجہ سے جس کا مظاہرہ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کے معاملہ میں کیا تھا جن کو وہ ۱۸۵۷ء کے غدر کا اولیں رہنما اور حقیقی قائد تسلیم کر تی تھی۔ نیز عیسائیت کی ترویج واشاعت میں حکومت کی سرگرمی اور گرمجوشی اور مغربی تہذیب کی عوام میں غیر معمولی تیزی کیساتھ مقبولیت اور مسلمانوں کے عقائد اور اخلاق ومعاشرت میں اس کے اثرات کی وجہ سے ان لوگوں کو اقدام کے بجائے دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ انھوں نے اس کی فکر شروع کی کہ دینی جذبہ، اسلامی رح، اسلامی زندگی کے مظاہر اور تہذیب اسلامی کے جتنے بچے کچے آثار باقی رہ گئے ہیں ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے اور اسلامی تہذیب وثقافت کے لئے قلعہ بندیاں کرلی جائیں اور پھر ان قلعوں میں (جن کو عربی مدارس کے نام سے پکارا گیا ہے) مبلغ وداعی تیار کئے جائیں"۔ ٦

اسی سلسلہ کی عملی کوشش کا نتیجہ دارالعلوم دیوبند (قائم شدہ ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶٦ء) ہے اور اس کے کافی عرصہ بعد ندوۃ العلماء کی تحریک (۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) شامل ہے۔ یہ تمام کوششیں شاہ ولی اللہؒ کی طرزِ فکر اور عملی پروگرام ہی کے سلسلہ کی کڑیاں ہیں ایک اور جگہ مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

... " اس پیچیدہ اور نازک صورتِ حال میں دو قسم کی قیادتیں ابھر کر سامنے آئیں۔ پہلی قیادت خالص دینی تھی جس کے علمبردار علماءِ دین تھے اس تحریک اور اس کے قائدین نے ہندوستانی مسلمانوں میں دین کی محبت، شریعت کا احترام، مغربی تہذیب کے مقابلہ میں استقامت وصلابت پیدا کردی دیوبند اس رجحان کا علم بردار اور ہندوستان کی قدیم اسلامی ثقافت وتہذیب کا سب سے بڑا مرکز تھا" 7

علی گڈھ تحریک:

دوسری قیادت جس کا پرچم سرسید احمد خاں نے بلند کیا اس کا مرکز علی گڈھ تھا، یہ تحریک مغربی تہذیب اور اس کی مادی بنیادوں کی تقلید، اور جدید علوم کو اس کے عیوب ونقائص کے ساتھ بغیر کسی تنقید وترمیم کے اختیار کر لینے کی داعی تھی۔ 8

اس تفرقہ وانتشار، پریشان خیالی، اور فکری اضمحلال کے اس دور میں سب سے پہلے جو کرن افقِ دہلی سے نمودار ہوئی اور وہ مسیحا جس نے اپنی زندگی کو ملی زوال سے بچانے کے لئے وقف کر دیا تھا، وہ سرسید احمد کی شخصیت تھی، ان کی ملی خدمات یقیناً قابل قدر اور نتیجہ خیز تھیں، انھوں نے قوم کے سامنے علی گڈھ کا خواب پیش کیا۔ اور قوم کے بہترین دماغوں نے ان کا ساتھ دیا، مولانا حالی، شبلی، نذیر احمد، مولانا ذکاء اللہ، نواب محسن الملک جیسے لائق فرزندان کے دست وبازو بنے۔ اس ادارہ نے بڑے لائق نوجوان، صاحبِ فکر صحافی، اہلِ قلم، اور ایسے لیڈر پیدا کئے جنھوں نے بعد میں تحریکِ خلافت اور تحریکِ آزادی کی رہنمائی کی۔

سرسید کے حقیقی پیغام کو اور ان کے مشن کو پوری طرح سمجھنے کیلئے ہم یہاں پروفیسر آل احمد سرور کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں، وہ سہ ماہی "فکر وآگہی" کے "علی گڈھ نمبر" میں بعنوان "سرسید کا حقیقی پیغام" لکھتے ہیں:

درحقیقت سرسید ایک نہیں، بلکہ دو تھے۔ یا یوں کہئے کہ ایک ہی شخصیت کے دو پہلو تھے۔ ایک سرسید تو وہ تھے جنھوں نے آثار الصنادید لکھی، "آئینِ اکبری" کی تصحیح کی، سائنٹیفک سوسائٹی کی

اس غرض سے بنیاد ڈالی کہ اردو ادب کو علومِ مشرقیہ کے خزانوں سے مالا مال کیا جائے، گزٹ اس وجہ سے نکالا کہ اخبار کے ذریعہ سے حاکموں تک محکوموں کی بات پہونچائی جائے۔غدر میں اگرچہ فرضِ منصبی کو محسوس کر کے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچائیں، مگر صلے میں لاکھوں کا علاقہ لینے کے بجائے ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' لکھ کران کی بدگمانی مول لی۔آگرہ کے دربار میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کی الگ الگ نشستوں پر اعتراض کیا، اپنے صوبے کے گورنر سے معمولی سلام و پیام اس وجہ سے گوارانہ کیا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے اوپر بڑے نازیبا حملے کئے تھے، انگلستان جاکر ''خدا کی شان'' دیکھنے اور موم کی پتلیوں پر پگھلنے کے بجائے ''خطباتِ احمدیہ'' کی تصنیف میں وقت گذارا، جب دیکھا کہ برادرانِ وطن اردو کے خلاف جدو جہد کر رہے ہیں تو خود سینہ سپر ہوئے اور تقریر وتحریر دونوں کے ذریعہ سے اردو کی حمایت میں جان لڑادی، ایک ورنا کیولر یونیورسٹی کی اسکیم مرتب کی اور اردو کی ڈکشنری کا ڈول ڈالا۔

دوسرے سرسید وہ تھے جنھوں نے پنجاب میں دیسی زبان کے ذریعہ تعلیم کی مخالفت کی۔انتخاب کو برا کہا اور نامزدگی کو سراہا۔مسلمانوں کو کانگریس کی شرکت سے باز رکھا، اور انگریز پرنسپلوں کے ہاتھ میں مسلمانوں کی سیاست کی باگ دیدی، جنھوں نے مشرقیت کو چھوڑ کر مغربیت اختیار کی، جنھوں نے ہائی ایجوکیشن کو مسلمانوں کیلیے امرت سمجھا، جنھوں نے علی گڈھ کی خاطر بہت سے اداروں کو ویران کرنا چاہا، جنھوں نے سائنس کی روشنی میں مذہب کو دیکھا۔ان میں سے کون سے سرسید اصلی ہیں، کون سے اس قابل ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے۔کون سے ابدی ہیں، اور کون سے وقتی ہیں، کہاں اصولِ کار ہے اور کہاں طریقہ کار، سرسید کا مذہب کیا ہے اوران کی سیاست کیا؟ کہاں وہ اپنے دلی جذبات کو ظاہر کرتے ہیں اور کہاں وہ مصلحتِ وقت کے شکار ہیں، ؟اس کی پہچان ایسی مشکل تو نہیں ہے۔

سرسید سے پہلے مسلمانوں کی سیاست علماء کے ہاتھ میں تھی یا بادشاہوں کے، بادشاہوں کو اپنا تخت زیادہ عزیز تھا، علماء کو اپنی خانقاہ، اگر مسلمانوں کی سیاست کمزور اور نااہل ہاتھوں میں نہ ہوتی تو ہندوستان یوں

آسانی سے انگریزوں کے ہاتھ میں نہ چلا جاتا، انگریزوں کے خلاف صرف علماء میں سے کچھ لوگ برسر پیکار رہے، لیکن اس مخالفت سے کوئی کام نہ نکلا، غدر میں اس کی سزا خوب بھگتنی پڑی اس مقاومتِ مجہول کے بجائے سرسید نے ایک عملی پروگرام وضع کیا، یہ کہنا غلط ہے کہ سرسید انگریزوں کے آلہ کار تھے یا ان کا کام مسلمانوں کو غلامی پر راضی کرنے کا تھا، سرسید وقت کی نبض کو پہچانتے تھے۔ وہ مغرب کے تہذیبی کارناموں سے آنکھیں بند کر لینے کے بجائے ان سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، وہ مہذب دنیا میں اپنے لئے جگہ بنانا چاہتے تھے، اس لئے ان کے سامنے دوراستے تھے۔ یا تو وہ دنیا کو چھوڑ کر دینی خدمت میں مصروف ہو جاتے، درسِ نظامیہ کی گردان اور بقول علامہ اقبال ''الٰہیات کے لات و منات'' سے مسلمانوں کو آشنا کرتے رہتے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ مغرب سے جو طوفان آیا تھا اس کے راستے سے کتر جانے کے بجائے ان کا زور آزماتے۔ دین کو صرف اپنی جنت پکی کرنے کے بجائے دنیا کو سدھارنے اور سنوارنے کے لئے استعمال کرتے، اپنے حلقے میں ایک سوز، ایک آرزو، ایک ولولہ پیدا کرتے، محکوم مسلمان کو اسکی محکومی پر راضی رکھنے کے بجائے اس میں حاکمی کا جذبہ پیدا کرتے، سرسید کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اس دوسری صورت کو اختیار کیا، انھوں نے جب قدیم نظامِ تعلیم کے خلاف آواز بلند کی تھی، تو وہ انگریز پرستی کی وجہ سے نہیں۔ قدیم طلباء اور قدیم استاذ مذہبی جذبہ ضرور رکھتے تھے مگر ہندوستان نے اس مذہبی جذبہ پر رسم ورواج کی کچھ تہیں ضرور چڑھا دی تھیں، اس نظام میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ یہ محنت کا زیادہ قائل تھا، اس میں اسلام کا درد بھی تھا، مگر یہ ذہنی بیداری، وسعتِ قلب، عملی نقطہ نظر، اور لوچ دار شخصیت پیدا کرنے سے قاصر رہا تھا۔ حالات اچھے ہوں تو کامیاب تھا۔ مگر بدلتے ہوئے زمانے میں خود کو بدلنا اسے نہ آتا تھا اس میں فولاد کی صلابت تھی، شاخِ باردار کی لچک نہ تھی، یہ محض نظامِ تعلیم نہ رہا تھا مذہب بن گیا تھا۔ سرسید مغرب کے شاگرد کہے جاسکتے ہیں وہ مغرب سے مرعوب تھے انھیں عقلیت کی بازی گری میں فرزانگی اور سائنس کی قطعیت میں پیغمبرانہ شان نظر آتی تھی، لیکن یہ غلط ہے کہ انھیں مغرب کی ہر چیز اچھی اور اپنی ہر چیز بری معلوم ہوتی

تھی، انھیں اپنا مذہب عزیز تھا، اس پر حملہ ہوتا تو وہ تڑپ جاتے، ولیم میور نے جو زہر پھیلایا تھا اس کی ہمارے علماء کو کیسے خبر ہوتی وہ تو مغرب کی آواز آتے ہی اپنے کان بند کر لیتے تھے، سرسید نے اسلام کو اس کے حقیقی خط وخال میں پیش کرنے کی کوشش کی،، یہ خط وخال حقیقی نہ تھے، مگر اس کوشش کے خلوص میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ایک جدید علمِ کلام کی بنیاد ڈالی۔ قدیم علم کلام فلسفے کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا انیسویں صدی میں سائنس کی ترقی سے مذہب کو جو خطرات پیدا ہو رہے تھے ان سے وہ بالکل بے خبر تھا۔ اگر سرسید نہ ہوتے تو شبلی بھی نہ ہوتے، شبلی کو شبلی سرسید نے بنایا، انھوں نے "الکلام" لکھی اور سرسید کا نام نہ آنے دیا، مگر ان کے خیالات پر سرسید کا اثر بہت واضح ہے۔ مذہب سے تعویذ لینے کے بجائے سرسید نے دنیا کی ترقی کے لئے اسے استعمال کیا، اس کیلئے جو نیا خطرہ پیدا ہو رہا تھا اس کا سدِ باب کرنا چاہا، اور مسلمانوں کو ایک ایسا ادارہ دیا جہاں وہ اپنے مخصوص مذہبی ماحول اور تہذیبی سرمایہ کیساتھ اپنی دنیوی ضروریات کو پرکھ بھی سکیں اور پورا بھی کر سکیں۔ 9

پروفیسر آل احمد سرور صاحب کی یہ رائے سرسید کی ہشت پہلو اور متنازع شخصیت کے بارے میں انتہائی متوازن اور صائب رائے معلوم ہوتی ہے جو ایک طرف ان کے تمام اہم کارناموں کا نچوڑ ہے تو دوسری طرف ان کے تمام کاموں کو ان کے صحیح پسِ منظر میں رکھ کر سرسید کے حقیقی خط وخال کو واضح کرتی ہے۔ اور اس تحریر سے یہ بھی اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ ان کی "تحریک علی گڑھ" نے انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں مسلمانوں کی نشاۃِ ثانیہ میں کتنا اہم رول ادا کیا ہے، اور پچھلی صدی میں لگائے گئے اس درخت کے پھل بیسویں صدی کی دنیا میں مولانا محمد علی جوہر،، علامہ شبلی، عبدالماجد دریابادی، ڈاکٹر ذاکر حسین وغیرہ جیسی اہم شخصیتوں کے روپ میں ملت کو ملے۔ ان میں بہت سوں نے بیسویں صدی میں نئی تحریکات کی بنیاد ڈالی، اور تحریکِ خلافت تحریکِ آزادی، کی تکمیل درحقیقت سرسید کے شاگردوں ہی کی رہینِ منت ہے۔ اور ان میں بہت سی شخصیات نے عربی زبان وادب میں نمایاں

خدمات انجام دیں جنمیں مولانا شبلی، مولانا حمید الدین فراہی کے نام نمایاں ہیں۔

ندوۃ العلماء لکھنو:

ان دونوں (دیوبند اور علی گڈھ) قیادتوں کے نتیجہ میں مسلم معاشرہ دو متوازی طبقوں میں منقسم ہوگیا تھا۔ ایک طرف علماءِ دین تھے دوسری طرف مغربی تعلیم یافتہ حضرات۔ دونوں کے درمیان اجنبیت و بیگانگت کی وسیع خلیج حائل تھی مختلف مذہبی فرقے اور فقہی مسالک ایک دوسرے کو خوف ونفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ہر طرف مناظروں، مجادلوں کا بازار گرم تھا، تکفیر وتفسیق کا دور دورہ تھا، اس صورت حال نے ایک تیسری تحریک کو جنم دیا جس کے بانی مولانا محمد علی مونگیری تھے اس تحریک نے جس کا نام "ندوۃ العلماء" (قائم شدہ ۱۸۹۳ء) تھا اس خلیج کو پاٹنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا اس نے اہلِ دل کو اہلِ نظر کیساتھ، علماءِ دین کو جدید تعلیم یافتہ حضرات کیساتھ، احناف کو، اہلِ حدیث کے ساتھ، گوشہ نشین بزرگوں کو امراء ورؤساء کیساتھ، شانہ بشانہ لا بٹھانے میں کامیابی حاصل کی، دینی علوم کیساتھ جدید علوم، عربی کیساتھ انگریزی کی تعلیم دلاکر ایسی نسل تیار کی جو کتاب وسنت کے وسیع وعمیق علم کے ساتھ جدید خیالات سے بخوبی واقف اور زمانہ کی نبض شناس تھی۔ اور دین ودنیا، مادیت وروحانیت کے حسین امتزاج کا بہترین مرقع تھی۔ ١٠

اس تحریک نے جو گذشتہ صدی کے آخر میں قائم ہوئی تھی بیسویں صدی کو مولانا شبلی، مولانا عبدالحئی حسنی اور سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے عربی ادب کے سرتاج عطاء کئے جن کی ذات جدید وقدیم کا سنگم اور دین ودنیا کے حسین امتزاج کا حسین گلدستہ، عربی انگریزی میں بیک وقت مہارت، تصوف واخلاق اور ملی وقومی دونوں خدمات کے میدانوں میں یکساں مقبول تھی۔

برطانوی اقتدار اور علماء کی جدوجہدِ آزادی:

علماءِ کرام نے اس بات کو محسوس کرلیا تھا کہ انگریزی اقتدار اور اسلامی حکومت کا خاتمہ دین کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے لہذا انھوں نے اس خطرہ کو ٹالنے اور عوامی شعور بیدار کرنے کے لئے کمر کس لی ۱۲۱۸ھ میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ منشور نافذ کیا کہ ''خلقت اللہ کی، ملک بادشاہ کا، اور حکم کمپنی بہادر کا،'' جس کا مطلب یہ تھا کہ اصل حکومت اب انگریزوں کی ہوگی، اور بادشاہ کا وجود کٹھ پتلی کی طرح صرف علامتی ہوگا، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اس حکم کی یہ کہکر مخالفت کی کہ ''مسلمان بادشاہ کا وجود بغیر تنفیذِ حکم کے ایسا ہے جیسے سورج کا وجود بغیر روشنی کے''۔ اور انھوں نے انگریزوں کے خلاف وہ مشہور فتویٰ جاری کیا کہ اب ہندوستان دار الحرب ہو چکا ہے نہ کہ دار الاسلام کیونکہ اربابِ حل وعقد اب انگریز ہو گئے ہیں وہی ملازمین کا تقرر اور احکام کا نفاذ کرتے ہیں، اور اسلامی شعائر کی بیحرمتی اور مسجدوں کو منہدم کرتے ہیں، لہذا مسلمانوں کو اب جہاد کیلئے متحد ہو جانا چاہیئے''۔ اس فتویٰ نے سچی بات یہ ہے کہ ایک آگ لگادی گاؤں گاؤں اور شہر شہر علماء نے اس بات کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور عملی طور پر جہاد کی تیاری شروع کردی تاکہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کیا جائے اور اہلِ ہند کو اس کے پنجہ استبداد سے نجات دلائی جائے۔ یہی تخم ریزی تھی جو اس جہادِ عظیم کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جس کو سید احمد شہید اور ان کے ساتھیوں نے شروع کیا تھا۔ چونکہ انگریزوں کا ظلم اس حد تک بڑھ گیا تھا جس کو سن کر روح کانپ اٹھتی ہے اور انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے چنانچہ سید احمد شہیدؒ کے جہاد نے مسلمانوں کی سوئی ہوئی حمیت کو بیدار کیا اور ان میں ہمت وشعور پیدا کیا اور ایک عظیم جماعت تیار کی جو ملک بھر میں بغاوت کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کررہی تھی، اور عملی طور پر اس بغاوت نے ۱۸۵۷ء کی مشہور جنگ کا روپ اختیار کیا۔ اور اس طرح علماءِ کرام نے جہاد کا عظیم فرضِ کفایہ انجام دیا اگرچہ یہ بغاوت منظم نہ ہونے اور دیگر اسباب کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ !!

اور جس وقت دہلی واطراف میں یہ جنگ لڑی جارہی تھی اسی وقت علماء نے شاملی اور تھانہ بھون میں

ایک نئی لڑائی چھیڑ دی، جسکی قیادت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا علامہ رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھوں میں تھی ان جنگوں کی ناکامی کے بعد غیور علماء نے شعائرِ اسلامی کی حفاظت کیلئے دار العلوم دیوبند اور دیگر اداروں کی بنیاد ڈالی، تاکہ برطانوی استعمار کے خاتمہ کیلئے نئے طور پر مسلح ہوسکیں۔
اس سلسلہ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے اللہ تعالیٰ نے نئے انداز کا زبردست کارنامہ انجام دلوایا جس کو دنیا تحریکِ ریشمی رومال کے نام سے جانتی ہے آپ انگریزوں کے خلاف غیظ و غضب اور شوقِ جہاد میں سب سے آگے تھے، آپ کے شاگردوں نے آپ کی حیات میں اور آپکی وفات کے بعد بھی ''تحریک ریشمی رومال'' اور انگریزوں کو ملک سے نکال باہر کرنے کیلئے جدوجہد کو جاری رکھا، جن میں مولانا عبید اللہ سندھی، شیخ محمد منصور انصاری تحریک کو عملی روپ دینے کے لئے کابل ہجرت کر گئے تھے اور تیسرے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نور اللہ مرقدہٗ تھے جو شیخ العرب والعجم بھی تھے، پھر تحریکِ آزادی میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا عبدالباری وغیرہ نے بھی زبردست حصہ لیا اور بالآخران کی کوششیں رنگ لائیں اور ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کو آزادی کی نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی۔

سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد کئی وجہ سے نہایت اہم تھی وہ بیک وقت دینی، دعوتی، وسیاسی ملی تحریک تھی اور آپنے عملی طور پر پشاور میں اسلامی معاشرہ کا قیام اور اس پر اسلامی اصول وقوانین کا نفاذ کر بھی دیا تھا، مگر افسوس کہ قبائل کی بغاوت کی وجہ سے یہ کوشش ناکام ہوگئی اور آپ نے مع رفقاء کے بالاکوٹ کے میدان میں جامِ شہادت نوش کیا۔

۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد آپکے رفقاء حضرت نانوتویؒ وغیرہ نے شاملی کے جہاد کا نیا معرکہ کھول دیا تھا الغرض اسلامی تشخص کو باقی رکھنے کی یہ کوششیں بدستور چلتی رہیں یہانتک کہ انھیں کے نتیجہ میں ہمیں آزادی نصیب ہوئی، اور اسوقت کی دینی اصلاحی تحریکیں اور اسلامی مدارس کا وجود یہ سب انھیں اکابر علماء کی قربانیوں کی صدائے بازگشت کے طور پر ہماری سامنے ہیں۔

علماءِ دیوبند کی عربی خدمات: سرسری جائزہ

عربی زبان وادب کے سلسلہ میں اگر دیوبند اور اس سے متعلق اداروں کی خدمات پر نظر ڈالی جائے تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ دیوبند نے اس میدان میں کیسے کیسے جوہرِ گرانمایہ پیدا کئے اور فضلائے دارلعلوم نے کیسی زبردست عربی کی خدمات انجام دیں جو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کی جاسکتیں، کیونکہ دیوبند کا بنیادی مقصد علومِ اسلامیہ کی نشر واشاعت تھا اور اس کے لئے شریعت کے اصل مصادر وماٰخذ سے استفادہ عربی کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا چنانچہ اس نے عربی کو اپنی تعلیم کی بنیاد بنایا۔ سب سے پہلے فضلائے دار العلوم میں مولانا ذوالفقار علی کا نامِ نامی آتا ہے جو ابتدائی دور میں عربی کے بلند پایہ ادیب وشاعر تھے، عروض وقوافی، انساب وغیرہ پر زبردست عبور تھا، آپکی سب سے اہم کتاب تسہیل الدراسہ شرحِ دیوان الحماسہ مانی جاتی ہے اور ''سبعہ معلقات'' کی شرح ہے اور قصیدہ بردہ کی شرح عطر الوردہ اور الھدیۃ السنیہ ہیں۔ اسی طرح مولانا فیض الحسن سہارنپوری، ان کا عربی شاعری میں پورا مجموعہ کلام موجود ہے ساتھ ہی ساتھ حماسہ معلقات، حدیثِ ام زرع کی شرحیں بھی لکھی ہیں اور ایک کتاب علم الانساب میں ہے۔ انھیں کے نقشِ قدم پر چلنے والوں میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اعزاز علی امروہیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ وغیرہ تھے۔ جو علومِ اسلامیہ میں مکمل مہارت کیساتھ ساتھ اعلیٰ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے اور جنھوں نے عربی زبان وادب کی خدمات کے سلسلہ میں انمٹ نقوش یادگار چھوڑے ہیں، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کو عربی شاعری خصوصاً نعتیہ شاعری پر مکمل قدرت حاصل تھی ان کا قصیدہ ''لامیۃ المعجزات'' آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی جن کی کتاب ''نفحۃ العرب'' تمام علمی ادبی حلقوں سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہے اور بہت سی جامعات میں داخلِ نصاب ہے۔ انھوں نے حماسہ، دیوانِ متنبی، وغیرہ پر بھی حواشی و شروحات لکھے ہیں (جنکا ذکر آگے آیگا)۔

اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ مولانا حبیب الرحمٰن

اعظمیؒ نے علمِ حدیث اور دیگر موضوعات میں اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا۔علماءِ جامعہ نے بہت سی اہم ڈکشنریاں بھی تالیف فرمائیں جسمیں بیان اللسان، قاموس القرآن، (از قاضی زین العابدین میرٹھی) مؤلف کی عربی دانی پر شاہدِ عدل ہیں۔

ندوۃ المصنفین (جو علماءِ دیو بند ہی کی خدمات کے تسلسل کی ایک کڑی ہے) نے بھی لغات القرآن نام کی کئی ضخیم جلدیں شائع کیں جنکی تالیف میں عبد الرشید نعمانی اور عبد الدائم جلالی نے حصہ لیا ،مولانا عبد الحفیظ بلیاوی کی ''مصباح اللغات'' کو بھی اس سلسلہ میں اہم مقام حاصل ہے،موصوف مدت تک دار العلوم دیو بند اور ندوۃ العلماء لکھنو کے عربی ادب کے استاذ رہے،انھوں نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی ''مختارات'' پر حواشی بھی لکھے اور ایک مختصر اردو عربی ڈکشنری بھی تحریر کی۔عربی لغت کے سلسلہ میں مولانا وحید الزماں کیرانوی کی عربی اردو، اردو عربی [القاموس] کو جو شہرت ملی وہ شائد ہی معاصرین میں کسی کو ملی ہو یہ لغت طلبہ کیلئے خاص طور پر بیحد مفید، بیحد سہل اور کثیر الافادہ ہے آپ دار العلوم کے عربی رسالہ ''دعوۃ الحق'' اور ''الکفاح'' دہلی کے مدیر بھی رہے، نئی نسل کو جدید عربی سکھانے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا اس موضوع پر آپ کی کتاب ''القراءۃ الواضحہ'' داخلِ نصاب ہے پندرہ روزہ ''الداعی'' بھی اسی سلسلہ کی اہم کڑی ہے۔

عربی شاعری کے میدان میں اپنے دینی تقدس کو برقرار رکھتے ہوئے علماءِ دیو بند نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں ہیں بانیِ دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور انکے شاگرد حکیم رحیم اللہ بجنوری نے وصف، مدح، رثاء، ومحبت میں بہت اچھے عربی قصائد لکھے ہیں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اثباتِ حدوثِ کون پر عربی میں ۴۰۰ راشعار پر مشتمل کتاب لکھی۔ علامہ محمد یوسف بنوری، مفتی محمد شفیع دیو بندی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، علامہ حبیب الرحمن عثمانی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، قاری محمد طیبؒ، اور دیگر حضرات نے عربی شاعری میں طویل طویل قصائد یادگار چھوڑے ہیں، جنکا اپنا الگ رنگ ہے جو بعض اوقات شعراءِ مؤلدین سے آگے نظر آتے ہیں اور یہ ساری خدمات فقہ، تصوف، تفسیر، و دیگر

خالص مذہبی علوم کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ انجام دیں، یہ ایک انتہائی سرسری جائزہ تھا تفصیل حسب ضرورت اپنے اپنے مقام پر آئیگی، تاہم مندرجہ بالا تجزیہ سے یہ ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ علماءِ دیوبند نے عربی زبان وادب کے احیاء وتجدید اوراس کی ترقی ونشونما میں کسقدر بلیغ وناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں ہیں اور یہ سب کچھ غدر کے ہنگاموں، تحریکِ ریشمی رومال، معرکہ شاملی اور دیگر جد جہدِ آزادی کی بے مثال قربانیوں کیساتھ ساتھ گویا تیغوں کے سائے میں، آزادی کے نعروں کی گونج میں یہ خدمات انجام دی گئیں ان حالات کے پیش نظر ان عربی خدمات کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اب ہم اِسی پسِ منظر میں تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء سے لیکر انیسویں صدی عیسوی کے خاتمہ تک کے چیدہ چیدہ عربی ادباء کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔

----

(۱) مولانا فیض احمد بدایونی

(م ۱۸۵۷ء)

جنگِ آزادی کے نامور مجاہد مولانا فیض احمد بدایونی (۱۲۲۳ھ-۱۲۷۴ھ) جو ڈاکٹر وزیر خاں کے ہمراہ دلی کے ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے عربی فارسی اور جملہ اصنافِ سخن پر قادر تھے۔اور ہر ایک زبان میں ان کا دیوان پایا جاتا ہے، شرح ہدایۃ الحکمۃ ،صدرا شیرازی علی الخصوص الفارابی، پر حاشیہ لکھا مجموعہ نثر وقصائدِ عربیہ موسومہ ''ہدیہ قادریہ'' آپ کے ادبی کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہے جسمیں شیخ عبدالقدر جیلانیؒ کی مدح میں ایک ہزار ایک سو گیارہ عربی اشعار پر اوراسی قدر عربی نثر کے جملے ہیں ان کا سنہِ وفات ۱۲۷۴ھ بتلایا جاتا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ بدایوں اور بریلی پر انگریزوں کی لشکرکشی کے موقع پر یہ اودھ چلے گئے جس کے بعد کے حالات تاریخ بتلانے پر کلی طور پر خاموش ہے نمونہ کلام ملاحظہ ہو:۔

''لا یفزعنک انواء و ساعات = ولا یہمک ایام ولیلات''

"ولا تظن النجم سعداً او نحساً = فانها لوجود الحق آيات" ۱۲

----

(۲) علامہ فضلِ حق خیرابادی

(م ۱۸۶۱ء)

علامہ فضلِ حق خیرابادی علامہ فضلِ امام کے سب سے بڑے بیٹے تھے (۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء) میں آپ نے خیراباد ضلع سیتاپور میں آنکھ کھولی۔ تو گھر میں علم وفضل کا چرچا پایا اپنے گردو پیش پر نظر ڈالی تو امارت وریاست کے ساز وبرگ سے معمور دیکھا، قوتِ حافظہ بہت قوی تھا بچپن میں اپنے والد کے پاس دہلی چلے گئے، جملہ منقولات کی تعلیم شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء) وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) سے اور معقولات کی تحصیل والد گرامی سے کی، چار ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا، اور تیرہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی فراغتِ درس کے بعد ہی تدریسی ذمہ داریاں سنبھال لیں چنانچہ اکثر وبیشتر والد کے حکم سے اپنے سے کہیں بڑی عمر کے لوگوں کو درس دیا کرتے تھے اس سلسلہ میں تذکرہ غوثیہ کے مؤلف نے ایک دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے۔

ایک مرتبہ امرؤالقیس کے طرز پر ایک عربی قصیدہ کہکر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے پاس لائے، شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا۔ اسکے جواب میں انھوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیئے۔ مولوی فضل امام صاحب نے فرمایا "بس حدِ ادب"۔ انھوں نے جواب دیا کہ "حضرت یہ کوئی علمِ تفسیر وحدیث تو ہے نہیں، فنِ شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے" شاہ صاحب نے فرمایا "برخوردار تو سچ کہتا ہے مجھ کو سہو ہوا تھا"۔ علامہ جب تک دہلی میں رہے درس وتدریس میں مشغول رہے، لکھنو آکر بھی یہی مشغلہ جاری رکھا، تذکرہ علماء ہند کے مؤلف نے لکھا ہے کہ "میں ۱۲۶۴ھ میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ حقہ پی رہے ہیں اور شطرنج کھیل رہے ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایک شاگرد کو "الافق المبین" کا درس اس طرح دے رہے ہیں کہ حسنِ بیان کی وجہ سے کتاب مذکور کے

مطالب شاگرد کے ذہن نشین ہوتے جارہے ہیں۔

۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء میں والد کے انتقال کے بعد دہلی میں ریذیڈنٹ کے محکمہ کے سررشتہ دار ہو گئے، بعد کو لکھنو میں صدر الصدور مقرر ہوئے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کی سزا میں کالے پانی کی قید تجویز ہوئی، وہاں بڑے سخت مصائب اور روح فرسا اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور بارہ صفر ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء کو وہیں وفات پائی، اور وہیں مدفون ہوئے، علامہ نے بیش بہا علمی وادبی تخلیقات اپنی یادگار چھوڑی تھیں، ۱- الجنس الغالی، ۲- حاشیۃ تلخیص الشفاء ۳- حاشیۃ شرح السلم للقاضی مبارک، ۴- الہدیۃ السعیدیہ ۵- الرسالہ فی العلم والمعلوم، ۶- الروض المجود فی حقیقۃ الوجود، ۶- الرسالہ فی تحقیق الاجسام، ۷- الثورۃ الہندیہ، ۹- تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ۔ ۱۰- الحاشیہ علی الافق المبین وغیرہ۔

انکی تمام دستیاب شدہ تصانیف اور علمی شاہکار انکی دقتِ نظر، قوتِ فکر، اور استدلال کی شاہد ہیں، ان میں ''الحاشیہ علی الافق المبین'' ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اس میں جو مباحث درج ہیں ان میں سب سے اہم مسئلہ حدوثِ دہری کا ہے یہ مسئلہ زمان کے حل کے سلسلے میں اسلامی عبقریت کا ایک گراں بہا کارنامہ ہے یہ حاشیہ سبحان اللہ کلکشن ۸۵/۱۶۰ علی گڑھ میں محفوظ ہے بخطِ مؤلف ہے، ایک سو بیاسی صفحات پر مشتمل ہے ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں، خط خفی ہے آخری صفحات غائب ہیں اسمیں کوئی تبویب اور فصول وغیرہ کی تفصیل نہیں ہے کہیں کہیں عبارت پڑھنا بھی دشوار ہے۔ ؎

---

(۳) سید اولاد احمد بدایونی

(م ۱۸۶۴ء)

مولانا حافظ سید اولاد احمد خلفِ اکبر قدوۃ العارفین خواجہ سید آلِ احمد شاہ قدس سرہٗ۔ آپ ہنر بر پیشہ ولایت کے پوتے اور اپنے بھائیوں میں جوارکانِ اربعہ کمالاتِ صوری ومعنوی تھے سن وسال

میں بڑے تھے آپ کا سنِ ولادت تقریباً ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۷ء ہے۔ بحکم حضرت والد ماجد اپنے منجھلے بھائی مولانا سید سراج احمد کی معیت میں طلب علم کے لئے مراداباد گئے تھے اور پھر وہاں سے رامپور پہونچے اکثر کتب درسیہ ادب ومنطق، وفقہ واصول، وغیرہ علامہ مفتی شرف الدین رامپوری کے حلقہ درس میں تدبر وتحقیق کیساتھ پڑھیں، بعدہٗ لکھنو جاکر مولانا تراب علی لکھنوی وعلامہ ادیب مولوی محمد اسماعیل لندنی مرادابادی سے تکمیلِ درس فرمائی ذہنِ درّاک وطبعِ غوّاص رکھتے تھے ہر فن کے اصول وفروع پر بہت جلد حاوی ہو گئے۔

آپ خوش نویسی وانشاء پردازی عربی وفارسی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے تحقیقِ لغات ومصطلحات دقائق علوم میں بے نظیر سمجھے جاتے تھے معاصر اہلِ علم وادب آپ کو بدیع الزماں وابوالفضل کا ہمسایہ تسلیم کرتے تھے بزمانہ سلطنتِ اودھ ولکھنو بقدردانی وزیر الممالک آپ عہدہ تحصیل داری سلطان پور واودھ پر مامور فرمائے گئے، بعد چندے عدالت دیوانی ومنصفی کے حاکمِ اعلیٰ ہوئے نظامِ سلطنت میں آثارِ ابتری دیکھ کر قطعِ تعلقِ ملازمت فرمایا اور کنجِ عزلت وعبادت میں ہمیشہ متوکلانہ بسر فرمائی اسی دوران آپ نے حسبِ ارشاد حضرت والدہ ماجدہ خود سات ماہ کے اندر تمام قرآن مجید حفظ کر کے محراب وتراویح سنائی۔

آپکی مطبوعہ ومقبولہ تصانیف میں سے مفتاح اللغات ہے حجم پانچ جز، مطبوعہ آگرہ، نصاب، لغت عربی فارسی ہے۔ شمس الضحیٰ عربی لکھنو میں مترجم طبع ہوئی۔ سراج التحقیق عربی میں ضابطہ تہذیب منطق کی مبسوط شرح ہے۔ اب تک اس پایہ کی کوئی شرح نہیں دیکھی گئی، اس کے سوا بعض کتبِ درسیہ ادب ومنطق وفلسفہ پر شروح وحواشی قلمی بخط حضرت مصنف موجود ہیں۔ آخر وطن میں اپنے منجھلے بھائی کے صدمہ وفات سے مضمحل ہو کر بعمر ۵۰ سال اوائلِ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں رحلت فرمائی۔ حظیرہ میں والد بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہوئے ہے [رحمۃ اللہ علیہ وعلی من لدیہ] آپنے تین لڑکے یادگار چھوڑے ہے[1]

---

(۴) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(م ۱۸۸۰ء)

آپ کی ولادت باسعادت رمضان المبارک ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں 'نانوتہ' ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

تعلیم:۔ ابتدائی کتابیں نانوتہ میں پڑھنے کے بعد دیوبند تشریف لے گئے جہاں آپ نے علومِ متداولہ کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ، مولانا مملوک علی اور مفتی صدرالدین آزردہ تھے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت و اجازت حاصل تھی ذریعہ معاش کے طور پر آپ نے مطبع احمدی دہلی میں تصحیحِ کتب کا کام کیا اور ساتھ ہی درس وتدریس کا سلسلہ بھی شروع فرمادیا کچھ عرصہ آپ نے مطبع مجتبائی میرٹھ اور مطبع ہاشمی میرٹھ میں بھی ملازمت کی، آپ کی ذات علوم کا بحرِ ناپیدا کنار تھی۔ بقول علامہ شبیر احمد عثمانی کے کہ "سو برس تک فلسفہ کتنے ہی روپ بدل کر آئے۔ لیکن حضرتؒ کی حکمت قلعی کھول نے کے لئے کافی ہوگی، سو برس تک کوئی اسلام کا مقابلہ اور اسلام پر حجت سے حملہ نہیں کرسکتا اتنی حجتیں جمع فرمادیں ہے"۔

بنیادی طور پر آپ نے تین کارنامے انجام دئے جسمیں دارالعلوم دیوبند کا قیام (۲) خلافتِ اسلامیہ کی تائید (۳) دیوبند ونواحِ دیوبند میں عقدِ بیوگان۔ صرف تنہا دارالعلوم کی تاسیس ہی آپ کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جس کو تاریخ بھلا نہیں سکتی اور جس سے علوم کی ہزاروں نہریں پھوٹیں، ہزارہا علوم و فنون کے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے، انگریز حکومت جو علومِ اسلامیہ کی بیخ کنی کے درپے تھی اس وقت علماءِ کرام نے مدارس قائم کر کے علوم کیلئے قلعہ بندیاں کرلیں تھیں جن کا سب سے بڑا مرکز دار العلوم دیوبند تھا (۲) انگریزوں کے دور میں آپ نے دارالعلوم میں محکمہ قضا قائم کیا جس پر انگریزوں کو اعتراض ہوا تو آپ نے مناسب طریقے پر اس کا دفاع کیا (۳) آپ نے مناظرِ اسلام کی حیثیت سے ردِ عیسائیت اور ردِ قادیانیت پر بھی زبردست کام کیا۔ (۴) اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں

زبردست حصہ لیا اور اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی قیادت میں انگریزی فوج سے دست بدست مقابلہ کیا۔

مولانا سعید الرحمن اعظمی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:۔ اگر ہم سوال کریں کہ وہ کون شخص ہے جس نے گذشتہ صدی میں ہندستانی مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ مرتب کی اور ارتداد والحاد کے ہر طرف سے آنے والے طوفان کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے نئی نسل کو اس سے بچانے کی آخری کوشش صرف کی اگر ہم پوچھیں کہ اس طوفان وسیلاب کا مقابلہ پامردی سے کرنے والا بہادر سپاہی کون ہے جس نے انیسویں صدی میں باطل کو کچل کر حق کی مدد کی۔ اور اگر ہم پوچھیں کہ وہ کون شخص ہے جس پر اللہ نے ایسے دور میں علوم ومعارف کا دروازہ کھولا اور علمِ دین کی خدمت کے لئے شرحِ صدر کیا جبکہ انگریز عالمِ اسلام کو مسیحی مرکز بنانے کا خواب دیکھ رہے تھے ان سارے سوالات کا بلاشبہ ایک ہی جواب ہوگا وہ یہ کہ ''وہ شخص حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ذاتِ گرامی ہے جو تاریخ ساز بھی تھی اور ہندوستان میں ملت کی کھوئی ہوئی عظمت کو زندہ کرنیوالی اور حق کی داعی بھی''۔[1]

وفات: ۴رجمادی الاول ۱۲۹۷ھ (۱۵راپریل ۱۸۸۰ء) بروز جمعرت بعد نماز ظہر ۴۹ سال کی عمر میں آپنے داعی اجل کو لبیک کہا۔ دیوبند میں مدفون ہوئے آپ ہی کے نام پر آج وہ قبرستان ''مزارِ قاسمی'' کہلاتا ہے جو صدہا اکابر ومشائخ کا مدفن ہے۔ آپ کی سب سے اہم عربی تصنیف حاشیہ بخاری شریف، اور انتصار لاسلام، حجۃ الاسلام، ہدیۃ الشیعہ وغیرہ ہیں۔

---

(۵) صاحبزادہ علی عباس خاں

(م ۱۸۸۰ء)

صاحب زادہ علی عباس خاں ابنِ صاحب زادہ علی حسین خاں ابنِ عظیم اللہ خاں ابنِ مصطفیٰ خاں ابنِ صاحب زادہ اللہ یار خاں ابنِ نواب سید علی محمد خاں روہیلہ رامپور میں پیدا ہوئے۔ ناز ونعمت دولت و

ثروت میں پرورش پائی۔ مولوی حافظ محمد رضا خاں، مولوی ارشاد حسین اور مفتی سعد اللہ سے کتب عربی پڑھیں طب میں حکیم ابراہیم خاں لکھنوی سے استفادہ کیا، ۱۲۹۸ھ میں حج بیت اللہ کو گئے۔ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، اور حضرت حمزہؓ کے مزار کے متصل دفن ہوئے۔

بے نقط عربی زبان میں سورہ یوسف کی تفسیر لکھی، رامپور کے کتب خانے میں یہ "تفسیر سورہ یوسف" موجود ہے اس میں ۹۳ صفحات ہیں یہ نواب کلب علی خاں کے زمانے میں لکھی گئی تھی، پوری تفسیر میں کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں ہے بس اس کی جو کچھ بھی اہمیت ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسے "بے نقط" لکھا ہے، یعنی جسطرح فیضی نے "سواطع الالہام" میں اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے انھوں نے بھی اس صنعت کو اپنا کر ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن میں نقطے نہیں ہوتے، فیضی کے یہاں اس صنعت کی وجہ سے کافی اشکال ہوگیا ہے مگر ان کے یہاں ایسا نہیں ہے ان کی عبارتیں آسان ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے اطناب کے بجائے ایجاز کو مدِ نظر رکھا ہے، بہر حال اس صنعت کی وجہ سے اس تفسیر کو بھی اہم سمجھا جا سکتا ہے، اس کے دو نسخے رامپور رضا لائبریری میں موجود ہیں۔ نمبر (۵۵۸) اور (۵۵۹)۔ مخطوطہ نمبر (۵۵۹) کو نواب سید حامد علی خاں کے حکم سے مرزا محمد باقر کشمیری نے ۱۹ فروری ۱۹۱۶ء میں نقل کیا تھا جیسا کہ خود کاتب نے آخر میں لکھ دیا ہے۔ دوسرے نسخے کے کاتب حافظ حبیب اللہ خاں ہیں، دونوں ہی نسخے صاف ستھرے لکھے ہوئے ہیں اور اچھے حال میں ہیں، خاتمہ کی عبارت یوں ہے "للله و رسله والموعود علی الدوام کمل الامر والکلام"۔[1]

---

(۶) نواب صدیق حسن خاں قنوجی

(م ۱۸۸۹ء)

علامہ زماں، ترجمانِ قرآن وسنت، عربی علوم کو زندہ کرنے والے، اور آسمانِ ہند کے درخشاں چاند، سید شریف صدیق حسن، ابنِ اولاد حسن، ابنِ اولاد علی حسینی بخاری قنوجی صاحبِ تصانیفِ

کثیرہ۔ آپ کی پیدائش ۱۹ جمادی الاول ۱۲۴۸ھ کو آپ کے نانا جان مفتی محمد عوض عثمانی بریلوی کے وطن بانس بریلی میں ہوئی، پھر آپ اپنی والدہ محترمہ کیساتھ بریلی سے اپنے آبائی وطن قنوج آئے، آپکی عمر ابھی چھ سال تھی کہ والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور آپ نے یتیمی اور غربت کی حالت میں اپنی والدہ کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی۔ قرآنِ پاک کے کچھ سیپارے اور فارسی کی ابتدائی کتابیں صرف، نحو، اور بلاغت اپنے بھائی احمد حسن ابنِ اولاد حسن سے پڑھیں۔ اور کچھ مہینے فرخ آباد اور کانپور میں قیام کیا اور ان دونوں جگہوں کے اساتذہ اور شیوخ سے تعلیم پائی یہیں پر سید احمد شہیدؒ کے کسی خلیفہ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے آپ کے لئے دعاء کی۔ سید احمد شہیدؒ کے خلفاء خاص طور پر آپ کے اوپر بیحد شفقت فرماتے تھے کیونکہ آپ کے والد سید احمد شہیدؒ کے ساتھیوں میں سے تھے۔

آپ نے ۱۲۶۹ھ میں دہلی کا سفر کیا۔ جہاں مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور اور دہلی کے استاذ الاساتذہ نے آپ کی میزبانی فرمائی اور آپ کو نواب مصطفیٰ خاں کے گھر پر ٹھیرایا جو کہ ان دنوں علماء وشعراء کی آماجگاہ، اور ہر طبقہ ومیدان کے باکمالوں کا مرجع بنا ہوا تھا۔ انکی صحبتوں سے آپ کو بیحد فائدہ پہونچا، بہت کچھ علوم وآداب اور تہذیب وسلیقہ آپ نے سیکھا مفتی صدر الدین سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی پھر آپ نے روزی کی تلاش شروع کر دی اور تقدیر آپ کو مقبوضہ بھوپال لے گئی، جہاں وزیر جمال الدین صدیقی دہلوی نے آپ کو اپنے نواسوں کی تعلیم پر مقرر فرمایا، اور اسی مختصر عرصہ میں آپ نے قاضی زین العابدین ابنِ محسن انصاری یمانی قاضیِ بھوپال سے مسلم شریف ترمذی شریف ابنِ ماجہ نسائی شوکانی کی الدرر المھیئہ شرح الدرۃ البھیہ اور حدیث شریف کی اہم کتابیں پڑھیں اور ان کے بڑے بھائی شیخ حسین بن محسن سبعی انصاری یمنی اور شیخ عبد الحق بن فضل اللہ عثمانی نیوتنی سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

انھیں حالات میں اچانک وزیرِ مذکور نے آپ کو بھوپال سے جلاوطن کر دیا اور آپ ٹونک چلے گئے، اور سید احمد شہیدؒ کے بھانجے سید زین العابدین ابنِ سید احمد علی شہید نصیرابادی کے یہاں پڑاو ڈالدیا،

انھیں کی سفارش پر وہاں کے گورنر وزیر الدولہ نے آپکے لئے اسی روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کردیا، وہاں تھوڑا ہی وقت ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے موصوف وزیرِ بھوپال کے دل میں آپ کے لئے نرم گوشہ پیدا کردیا اور انھوں نے آپ کو بلانے میں مصلحت دیکھی۔ آپ ۱۲۷۶ھ میں بھوپال واپس آ گئے اور دستاویز نویسی پر مامور ہو گئے اور وزیرِ موصوف نے اپنی اسی بیٹی سے آپ کا نکاح کردیا جس کے بچوں کو آپ پہلے پڑھاتے تھے۔

آپ اپنے منصب کی وجہ سے نواب شاہجہاں بیگم ملکہ بھوپال کے پاس آجایا کرتے تھے، اور اللہ نے ان کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی۔ چنانچہ ملکہ بھوپال نے آپ کو اپنا مقرب بنالیا، اور وہ بیوہ بھی تھیں ان کے شوہر نواب باقی محمد خاں کا چند سال قبل انتقال ہو چکا تھا اور انگریز گورنمنٹ نے ان کو شادی کے لئے مجبور کیا تھا تا کہ حکومتی معاملات میں انکی مدد کر سکے تو آپ کی اعلی نسبی، شرافت اور علمی قابلیت، حسنِ کردار سے متاثر ہو کر ملکہ بھوپال موصوفہ نے ۱۲۸۷ھ میں آپ سے شادی کر لی، اور ۱۲۸۸ھ میں آپ کو معتمد المہام بنادیا اور خراج والی زمین کے کچھ ٹکڑے آپ کو مرحمت فرمادئے جنکی سالانہ آمدنی ۵۰؍ہزار روپے تھی اور انگریزی حکومت نے ۱۲۸۹ھ کو آپ کو "نواب والاجاہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خاں بہادر" کا خطاب عطاء کیا اور سترہ توپوں کی سلامی کیساتھ آپ کو پورے ہندوستان کا اک حقِ تعظیم عطاء کیا، ۱۲۹۵ھ کو سلطان عبد الحمید نے دوسرا انعام "وسامِ مجیدی" عطاء کیا۔

زندگی اسی طرح خوبصورتی کیساتھ گذر رہی تھی آپ کا علمی انہماک، مطالعہ وتصنیف وتالیف کا شغل غرض علمی وعملی دونوں سرگرمیاں جاری تھیں کہ اچانک زندگی ایسے موڑ پر لے آئی جہاں آپ کا سارا سکون درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ آپ دنیا کے حسد اور سازشوں کا شکار ہو گئے انگریزی حکومت نے آپ پر یہ الزامات لگائے کہ آپ نے اپنی تالیفات میں جہاد کی ترغیب دی ہے۔ اور آپ وہابیت کے پکے علمبردار ہیں، یہ فرقہ وہابیہ ہندوستان میں انگریزوں سے بغاوت کا حامی سمجھا جاتا ہے نیز یہ کہ آپ نے اپنی بیگم ملکہ بھوپال پر پردہ اس لئے لازم کیا ہے کہ آپ حکومتی معاملات میں مطلق العنان ہو جائیں

اور شاہی خزانہ کا فائدہ اٹھا سکیں، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض انگریز کے عطاء کردہ القاب وخطابات واپس لے لئے گئے، تعظیماً توپوں کی سلامی کا حکم منسوخ کر دیا گیا پھر اگلے سال حکومتی نظم ونسق سے آپ کو بے دخل کر دیا گیا، آپ کے لئے دنیا اندھیر ہوگئی، دشمنوں کو ہنسنے کا موقع ملا، ان تمام حالات میں آپ نے صبر و احتساب کا دامن نہیں چھوڑا اور آپ کی بیگم ملکہ بھوپال نے اپنی محبت ووفاداری میں کوہ ثبات ہونے کا پکا ثبوت دیا اور برابر آپ کی طرف سے الزامات کا دفاع اور امتحان سے نکلنے کی تدبیریں کرتی رہیں، یہ سب جب ہوا جبکہ آپ کو مرضِ استسقاء بھی لاحق ہو چکا تھا حکومت نے ''نواب'' کا خطاب ۱۳۰۷ھ میں واپس لے لیا۔

مرض الوفات کی شدت میں جب علاج ناکام ہو چکا تھا۔ آپ کو بار بار بیہوشی کے دورے پڑتے تھے اس وقت بھی آپ کی انگلیاں ایسے حرکت کرتیں گویا لکھنے میں مشغول ہوں۔ ۱۹ر جمادی الآخر ۱۳۰۷ھ/ مطابق ۱۸۸۹ء کو آپ کا انتقال ہوا۔ اسوقت آپ کی عمر ۵۹ سال تین مہینے چھ دن تھی آپ کے جنازے میں جم غفیر شریک ہوا تین بار نمازِ جنازہ پڑھی گئی انگریزی حکومت نے حکم دیا کہ آپ کی تدفین شاہانہ اعزاز کیساتھ اسی طرح ہونی چاہیے جس طرح القاب وخطاباتِ شاہی واپس نہ لئے جانے کی شکل میں ہوتی لیکن آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری تدفین خالص سنت طریقے پر ہو۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔

حکومتی ذمہ داریوں کے باوجود آپ کا مطالعۂ کتب اور لکھنا پڑھنا برابر جاری رہتا، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، تاریخ اور ادب میں آپکی مشہور اور اتنی تصنیفات ہیں جو کہ علماء میں سے شاذ ونادر ہی کسی کی ہوتی ہیں، شیریں خط، زود نویس، تھے آپ ایک ہی نشست میں دو دو کاپیاں ایک خط اور بڑے سائز پر لکھ ڈالا کرتے تھے لیکن زیادہ تر تجرید یا تلخیص ہوتی یا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ ہوتا، آپ قاضی شوکانی، ابنِ قیم، ابنِ تیمیہ، وغیرہ کی عبارتیں سب سے زیادہ نقل کرتے تھے۔ آپ نہایت شریف الطبع، کریم الاخلاق، سادگی، حیا اور تواضع کا پیکر تھے جس کو وہی شخص جان سکتا تھا جو کہ

آپ کی صحبت میں بیٹھا ہو کیونکہ آپ اپنے کو بالکل عام آدمی ہی کی طرح سمجھتے تھے۔ یہ آپ کی خداداد بہت بڑی خصوصیت تھی کیونکہ عہدہ ومنصب کیساتھ تواضع وسادگی جوہرِ کمیاب ہے اور یہ تواضع اس اعزاز ومنصب سے لاکھ درجہ بہتر ہے جسمیں کبر وگھمنڈ شامل ہو۔ اس پر مستزاد اپنے چھوٹے خادموں تک کیساتھ حسنِ اخلاق کا وہ اعلیٰ نمونہ تھے جو بہت مشکل سے دیکھنے کو کہیں ملتا ہے۔ آپ کی دوسری بڑی خصوصیت علماءِ ربانیین اور اہل اللہ سے آپ کی محبت اور بڑے کاموں کا شوق تھا، لہٰذا آپ ان کے حالات کی خبر رکھتے اور ان کے آثار کو تبرک سمجھتے، آپ کو شاہ فضل الرحمن گنج مرادابادی سے بے پناہ عقیدت تھی آپ نے ان سے بیعت ہونے کے لئے بھوپال آنے کی دعوت دی تھی مگر شیخ وہاں نہ جا سکے، غائبانہ آپ کو بیعت کرلیا۔ اور بطورِ علامت اپنا عمامہ آپ کو ارسال کردیا، برکت اور حسنِ خاتمہ کی دعاء فرمائی استغفار کی پابندی کی تاکید فرمائی اس کے بعد نواب صاحب نے استغفار کی پابندی کو اپنا دائمی معمول بنالیا تھا یہ شیخ کی زندہ کرامت تھی اس کے اثرات جلد ہی انکے چہرے پر نمایاں ہونے لگے اور آپ کے حالات میں بیحد تبدیلی آ گئی، اور آپ پر اتباعِ سنت کا غلبہ ہوگیا تھا آپ نمازِ باجماعت کے پابند تھے زکوٰۃ پابندی سے ادا کرتے جو کبھی ہزاروں سے اوپر ہوتی درود شریف اور ماثورہ دعاؤں کا اہتمام فرماتے آمد وخرچ میں حلال وحرام کا بہت زیادہ خیال کرتے۔

تالیفات:

آپ کی تصنیفات کی تعداد تقریباً دوسو بارہ تک پہونچتی ہے اور اگر چھوڑے رسائل کو بھی ملالیا جائے تو انکی تعداد تین سو تک ہوجاتی ہے آپ اپنی تالیفات میں سے فتح البیان، عون الباری، سراج الوہاج، حضرات التجلی، التاج المکلل، مسک الختام، نیل المرام، اکلیل الکرامہ، حصول المامول، الروضۃ الندیہ، نزل الابرار، افادۃ الشیوخ، بدور الاہلہ، حجج الکرامہ، دلیل الطالب، ریاض المرتاض، ضوء الشمس، خیرۃ الخبر، لسان العرفان، الدرر البہیہ، الاربعین، المعتقد المنتقد، اجوبۃ بعض اسولۃ الاعلام، رسالۃ الاحتواء، رسالۃ

الناسخ و المنسوخ واتحاف کو ترجیح دیتے تھے۔ بعض بڑی اہم کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جیسے ''ابجد العلوم''، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اور دیگر کتابیں جنکا ذکر بڑے صاحبزادے سید نور الحسن نے ''مقدمہ نیل المرام'' میں کیا ہے اور صاحب زادے علی حسن نے اپنے والد کی سیرت پر کتاب ''ماٰثرِ صدیقی'' میں انکی سب تصنیفات کا بالاستیعاب ذکر کیا ہے۔[1]

---

(۷) سید نذیر احمد شاہ بدایونی

(م ۱۸۹۱ء)

مولانا حکیم سید نذیر احمد شاہ خلفِ اصغر حضرت خواجہ سید آلِ احمد شاہ رحمہما اللہ، ولادت تقریباً (۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء) کے آخر میں ہے آپ اپنے والدین کی سب سے چھوٹی اولاد ہیں۔ اور والد بزرگوار کے وصال کے وقت ۱۵ سال کی عمر تھی اور تحصیلِ علوم درسیہ میں مشغول تھے۔ اپنے برادرانِ معظم سے لکھنو میں، اور مولوی شیخ احمد حسن مرادابادی تلمیذِ مولانا فضلِ حق خیرابادی و دیگر فضلائے عصر سے تعلیم پائی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے اور مدتِ دراز تک قیام کیا۔ کتبِ ادب و بلاغت مولوی محمد فیض الحسن سہارنپوری، وفلسفہ ومنطق مولوی فضلِ حق خیرابادی ومفتی صدر الدین خاں دہلوی سے استفادہ کر کے علومِ دینیہ تفسیر وحدیث کی تعلیم حدِ تکمیل کو پہونچائی، بعدہٗ فنِ طب مشہور طبیبِ عصر حکیم سید فیض علی تلمیذِ رشید حکیم قدرت اللہ وحکیم عزت اللہ خاں شاگردانِ حکیم محمد شریف خاں مرحوم سے حاصل کر کے وطن کو مراجعت فرمائی۔ فیض رسانیِ خلق اللہ کے مقصد سے علاج ومعالجہ شروع کیا۔ بسر اوقات جاگیر ومعافیاتِ موروثی وآبائی پر تھی اور اسکا بڑا حصہ صرفِ محتاجین وفقراء رہا۔ اسی دوران مطالعہ کتب معرفت وتصوف کا شوق ہوا۔ بعد چندے دفعتاً بحکمِ بشارتِ غیبی خیر الواصلین حضرت شاہ محمد رحیم اللہ خاں سنبھلی کی خدمت میں پہونچے اور بیعت طریقت باخذِ خرقہ وتاجِ خلافت عمل میں آئی۔ اعزہ خاندان وذوی القربیٰ میں یتامیٰ وبیوگان وبیچارگان کی سرپرستی فرماتے اور سب کی خبر گیری فرض

سمجھتے، رؤساء و حکام خود دولتکدہ پر حاضر ہوتے اور جسمانی وروحانی علاج کی درخواست کرتے۔ آپ کی مجلس میں بجز ذکرِ خدا اور رسول وعلماء وصلحاء، دنیوی باتیں نہ ہوتی تھیں۔ چند رسائل عربی وفارسی علم تصوف میں اور ایک کتاب مصطلحات حضرات صوفیہ میں ہے ۶۶ سال کی عمر میں بعارضہ استقاء ماہِ ربیع الاول (۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء) میں بعد نماز مغرب کلمہ تشہد پڑھتے ہوئے رہگذارِ عالمِ بقاء ہوئے ''تغمدہ اللہ بغفرانہ'' [1]

---

(۸) عبدالحق خیرابادی

۱۸۲۸۔۱۹۰۰ء

مولوی عبدالحق خیرابادی اپنے والد فضلِ حق خیرابادی کے شاگرد تھے علومِ عقلیہ میں اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے۔ رئیس رامپور کے دربار میں اعزاز کیساتھ ملازم تھے مولانا عبدالحق خیرابادی دہلی میں ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوئے [1]۔ اپنے والد مولانا فضلِ حق خیرابادی سے تحصیلِ علم کی اور بارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں دہلی میں قیام کیا تھا باپ کی گرفتاری پر لکھنو پہونچ کر پیروی کی کچھ عرصہ خیراباد میں گذارا، پھر نواب صاحب کی طلبی پر ٹونک چلے گئے دو سال وہیں قیام فرمایا، پھر گورنمنٹ انگریزی نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے لئے آپ کی خدمات حاصل کرلیں کلکتہ کی آب وہوا ناموافق ثابت ہوئی نواب کلبِ علی خاں کی طلبی پر رامپور پہونچے، نواب صاحب نے شاگردی اختیار کی ۱۸۶۹ سے ۱۸۸۳ء تک حاکمِ مرافعہ اور پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور رہے نواب کلبِ علی خاں کے انتقال کے بعد خیراباد چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد نظام حیدرباد نے بلایا تھوڑے دن قیام کرکے وطن واپس ہوئے۔ حامد علی خاں نے پھر رامپور بلالیا، ایک سال کے بعد پھر وطن پہونچے، شاہ اللہ بخش تونسوی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے۔ آپ کو انگریز گورنمنٹ کی طرف سے ۱۸۸۷ء میں شمس العلماء کا خطاب ملا۔

مؤلف نزہۃ الخواطر نے آپ کے حالات تفصیل سے بیان کئے ہیں اور ایک جگہ ان کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ وہ خوبصورت اور اپنے اوپر بیجا فخر کرنے والے تھے اپنے مخالفین کیلئے سخت متعصب تھے، دیگر علماء پر زبان درازی فرمایا کرتے تھے مثلاً کہتے' ہندوستان میں علماء ہیں ہی نہیں بلکہ بچوں کو پڑھانیوالے ہیں جو ضمیر اور مرجع سے آگے نہیں بڑھ سکتے ان کو علم کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ان کی تصنیفات علماء کے نزدیک مقبول ہیں ان کی عبارتوں میں قوت اور فصاحت ہے اور ایسی سلاست ہے جس سے کانوں کو لطف اور دلوں کو لذت حاصل ہوتی ہے۔آپ کی عربی تصانیف میں حاشیہ قاضی مبارک، حاشیہ حمداللہ، شرحِ مسلم الثبوت، شرحِ سلاسل الکلام، رسالہ تحقیقِ تلازم مشہور ہیں ،حاشیہ غلام یحیٰ، تسہیل الکافیہ، شرحِ ہدایۃ الحکمۃ، اور جواہرِ غالیہ، شرح میرزاھد شائع ہوچکی ہیں۔[1]

یوں تو انگریزوں کے دورِ حکومت میں عربی لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے جس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہوگی۔اس سلسلہ میں اگر مولوی رحمان علی کی ''تذکرہ علماءِ ہند''، عبدالحیؒ حسنیؒ کی ''نزہۃ الخواطر''، ڈاکٹر محمد یونس نگرامی مرحوم کی ''ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء''، احمد علی شوق کی ''تذکرہ کاملانِ رامپور'' وغیرہ کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو ابھی بیشمار ایسی شخصیات سامنے آئیں گی جنھوں نے اس کسمپرسی کے دور میں عربی ادب کے چراغ کو روشن رکھا اور لازوال تصانیف یادگار چھوڑیں۔ جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس مختصر سے عرصہ میں اور اس پریشانی کے عالم میں علماءِ کرام نے عربی کی ناقابلِ انکار خدمت انجام دی ہے۔اور مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، ملاجیون، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، وغیرہم کے کارواں کو آگے بڑھایا۔اور ہندوستان کے اندر عربی ادب کی وہ تخم ریزی کی جس بہاریں بیسویں صدی کے سر سبز وشاداب دور میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

چونکہ انیسویں صدی کا نصفِ آخر ہمارے اس تحقیقی مقالہ کا اصل موضوع نہیں ہے اس لئے ہم نے اس دور کے بہت سے بڑے نام طوالت کے خوف سے چھوڑ دئے ہیں۔ اور کچھ منتخب حضرات ہی پر اکتفاء کیا ہے۔

”حواشی باب سوم“

۱ تاریخ ندوۃ العلماء ج ۱۔ ص ۱۳۱۔

۲ گھر کے چراغ سے یا غداروں کے خطوط/ سید عاشور کاظمی ص ۱۸۔

۳ ایضاً ص ۱۹۔

۴ سوانح قاسمی دوم/ مولانا مناظر احسن گیلانی۔

۵ پیش لفظ تاریخ دار العلوم دیوبند دوم/ سید محبوب رضوی ص ۹۔

۶ ایضاً۔

۷ تاریخ ندوہ۔ ج ۱۔

۸ اسلامیت ومغربیت کی کشمکش/ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص ۷۵۔

۹ ایضاً

۱۰ ”علی گڈھ میرا چمن“/ مرتبہ:۔ رضیہ حامد ص ۹۸۳۔۹۴۱۔

۱۱ دیکھئے: تاریخ ندوۃ العلماء/ جلیس احمد ندوی وشمس تبریز خاں، کاروانِ زندگی/ ابوالحسن علی ندویؒ

۱۲ تفصیل کے لئے دیکھیں سرسید کی مشہور کتاب ”اسباب بغاوت ہند“۔

۱۳ حیاۃ العلماء ۴۱۔۴۳۔

۱۴ تفصیلات کیلئے دیکھئے ”عربی ادب میں اودھ کا حصہ/ مسعود انور علوی کاکوروی۔

۱۵ حیات العلماء ۴۱۔۴۳

۱۶ ''ملتِ اسلامیہ کی محسن شخصیات'' ص ۱۳۶

۱۷ ''الداعی'' کا اجلاسِ صد سالہ نمبر

۱۸ ہندوستانی مفسرین اور عربی تفسیریں ۱۳۵۔۱۳۷

۱۹ مزید دیکھیں: تذکرۃ المصنفین۔ ممتاز علماء۔ الاعلام ۳۶/۷۔ نزہۃ الخواطر۔

۲۰ حیات العلماء۔ ص ۵۳۔۵۶

۲۱ نزہۃ الخواطر

☆☆☆☆
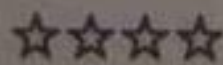
باب چہارم

بیسویں صدی کے ہندوستان میں عربی زبان وادب کا ارتقاء

سیاسی پسِ منظر اور بیسویں صدی (نصف اوّل) کے عربی ادباء:

بیسویں صدی کا سورج طلوع ہوا تو عربی زبان وادب کے چہرے پر نکھار آیا۔ بالفاظِ دیگر بیسویں صدی کو ہم عربی ادب کے شباب کا زمانہ کہہ سکتے ہیں اگرچہ انیسویں صدی کے آخر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، نواب صدیق حسن خاں قنوجی، علامہ فضلِ حق خیر آبادی جیسے عربی کے عباقرہ رجال پیدا ہوئے تو بیسویں صدی میں علامہ حمید الدین فراہی، علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبدالحیؒ حسنی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی جیسے تاجورانِ عربی ادب نمایاں ہوئے جنھوں نے وہ خدمات انجام دیں کہ اہلِ زبان کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اور قیامت تک ان کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے خود کو عربی کے لئے وقف کر دیا تھا، ان حضرات کی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک نظر ماضی پر بھی ڈالی جائے اور گذشتہ صدی کے بدلتے ہوئے حالات کا اثر نئی صدی پر کیا پڑا اس کو بھی ذہن میں رکھیں۔ تبھی بیسویں صدی میں ہونے والے عربی کارناموں کی صحیح قدر و قیمت سمجھی جاسکتی ہے۔

بیسویں صدی کا ہندوستان:

مندرجہ بالا مباحث کے پیشِ نظر یہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے کہ بیسویں صدی کے ہندوستان کا انیسویں صدی کے حالات سے کتنا گہرا ربط ہے کہ ہم اس کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے خاص طور پر غدر ۱۸۵۷ء کا واقعہ ایک ایسے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بعد تاریخ ایک نیا جنم لیتی ہے اور اس تاریک ترین دور میں جب مسلمانوں کو اپنا وجود ہی خطرہ میں نظر آ رہا تھا اس وقت اپنے

تشخص کی بقاء اور ملی سرمایہ کی حفاظت کے لئے جو کوششیں اس کسمپرسی اور عالمِ بے سروسامانی میں شروع کی گئیں اور جو تحریکات انھیں مثلاً ندوہ، دیوبند علی گڈھ اور دیگر مدارس وغیرہ، ان سب کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے والی نسل نے ہی بیسویں صدی کے تاریخی اسٹیج پر اہم رول ادا کیا اور نئی تحریکات کی داغ بیل ڈالی، کچھ نے قدیم تحریکات کو آگے بڑھایا، تحریکِ آزادی، ریشمی رومال، اور تبلیغی جماعت، خلافت وترکِ موالات، یہ وہ اہم تحریکات تھیں جو غدر کے ستائے ہوئے علماء کے ہاتھوں تربیت پانے والی نسل نے، یا گذشتہ صدی کے ہولناک حالات کے سائے میں نشو ونما پانے والے حضرات نے شروع کیں اور خوش آئند نتائج برآمد ہوئے بڑی حد تک غدر کی ناکامیوں کی تلافی ہوئی۔ اس لئے اب ہم ایک سرسری نظر بیسویں بصدی کے نصفِ اول میں رونما ہونے والی تحریکوں پر ڈالیں گے جنھوں نے ملک کے منظرنامہ کی تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا اور بساطِ تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے اور آزاد ہندوستان کو سرسبزی وشادابی عطا کی۔

تحریکِ مدارس جو غدر کے بعد شروع ہوئی تھی۔ اس کے خوش آئند نتائج کے بارے میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں .. ”تصنیف وتالیف، ارشاد وتبلیغ اور دینی خطابت وصحافت ان سارے ہی میدانوں میں جن جن شخصیتوں یا اداروں نے ہماری اس (بیسویں) صدی میں دین کی کوئی واقعی خدمت ہمارے اس ملک میں کی ہے ان میں سے ایک ایک کے بارے میں آپ تحقیق وتفتیش کریں تو یقیناً اسی نتیجہ پر پہونچیں گے کہ ان میں سے ہر ایک کا سلسلہ نسب کسی نہ کسی درسگاہ سے ملا ہوا ہے اگر بالفرض اس نے خود کسی دینی مدرسہ کا باقاعدہ طالب علم بن کر نہیں پڑھا ہے تو علمِ دین میں اس نے ایسے اساتذہ سے ضرور استفادہ کیا ہے جو ان ہی مدرسوں کی پیداوار تھے، پھر جب اس پہلو پر بھی غور کیا جاتا ہے کہ ان مدارس نے یہ سارا کام زمانہ اور فضا کی کس درجہ نامساعدت، مادی وسائل سے تہی دامنی اور کسقدر کسمپرسی کی حالت میں کیا تو ان کے اس کارنامے کی عظمت سے دل اور بھی زیادہ متاثر ہوتا ہے،“ [1]

بیسویں صدی کے ہندوستان پر نظر ڈالتے وقت ہمیں اس فرق کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا جو ان دونوں صدیوں (انیسویں اور بیسویں) کے درمیان ہے، خواہ وہ فرق تاریخی، سیاسی، معاشی، سماجی، کسی طرح کا بھی ہو۔

سفرِ حج:۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ گذشتہ صدی میں ایک طرف وسائل کی کمی تھی ہندوستان اور عربوں میں روابط بے حد کم تھے، حجاج کی تعداد بھی اتنی کم تھی کہ پانی کے جہاز سے ہی لوگ سفرِ حج کے لئے جایا کرتے تھے جس میں وقت بھی کافی لگتا تھا۔ بیسویں صدی میں حجاج کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا، ہوائی جہاز کی سہولت نے مہینوں کا فاصلہ گھنٹوں میں طے کردیا۔ اور اب چند لوگوں کے بجائے ہزاروں کی تعداد میں ہر سال ہمارے ملک سے حجاج حج کے سفر کے لئے جانے لگے۔ یہ بہت ہی اہم وسیلہ بنا عربوں سے اختلاط اور سعودی عرب سے تعلقات کی پختگی کا ہر حاجی واپسی پر اپنے ساتھ گہرے جذباتِ عقیدت ومحبت لیکر آتا اور بیان کرتا، اوران میں سے بہت سے حضرات اپنے سفر ناموں کو قلمبند کرتے اور کتابی شکل میں بھی شائع کراتے۔ مثلاً ''سفرِ حجاز''/مولانا عبد الماجد دریابادی، ''دربارِ نبوت کی حاضری''/مولانا مناظر احسن گیلانی، ''کاروانِ مدینہ''/مولانا سید ابوالحسن علی ندوی وغیرہ، اِسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

امدادِ مدارس: گذشتہ صدی میں مدارس زبوں حالی کا شکار تھے، افلاس تھا، غربت تھی، بیسویں صدی میں ذرائع آمد ورفت کی سہولت نے سعودی امداد کے دروازے کھول دئے اور اب مدارس کا عربوں سے گہرا تعلق بھی عربی لٹریچر میں اضافہ کا سبب بنا، اس سلسلہ میں رابطہ کے لئے خط وکتابت، مدارس کی عربی رپورٹیں، ملاقاتوں کے لئے اسفار، ان سب نے صورتحال پر کافی اثر ڈالا اور ہندوستان کے اندر عربی کے فروغ اور دلچسپی میں کافی اضافہ ہوا۔ یہاں کے علماء نے جدید عربی لٹریچر کا مطالعہ کیا وہاں کی اہم شخصیات سید قطب شہید، جمال الدین افغانی، احمد امین، علی طنطاوی، انور جندی، جیسے

عباقرہ عرب کے ہندوستان سے گہرے مراسم رہے۔اور ہندوستانی علماء نے ان سے کافی استفادہ کیا ،جس کے مثبت اثرات ہندوستان کے عربی ادب پر پڑے۔

عربی صحافت:۔ ایک اہم تبدیلی پریس کی ترقی ہے جو انیسویں صدی میں بہت ہی قلیل الوجود تھی اور ہندوستان میں اکا دکا جرائد ہی نکلا کرتے تھے شاذو نادر ہی کسی عربی جریدہ کا نام سننے میں آتا تھا مگر بیسویں صدی میں نشر واشاعت میں اس قدر توسیع ہوئی کہ عربی صحافت بھی ہندوستان میں کہیں سے کہیں پہونچ گئی،اور ان گنت عربی جرائد و رسائل وجود میں آگئے۔عربی اخبارات کا تبادلہ عربوں سے قربت میں بہت ہی مؤثر ثابت ہوا،عربی اخبارات کے ذریعہ عربوں نے ہندوستان کے صحیح حالات سے واقفیت حاصل کی اور عربوں کے اسلوب سے اہلِ ہند متأثر ہوئے۔ بیسویں صدی میں جرائد کی بھرمار ہوئی اور عربی صحافت کو فروغ حاصل ہوا۔یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے عربی ادب میں کافی وسعت ہوئی اور جدید عربی کا سہل اسلوب عام ہوا،عربی لکھنے پڑھنے والوں کی کثرت ہوئی اور پہلے جو اکا دکا عربی کے اہلِ قلم ملتے تھے اب عربی کے نثر نگاروں اور شاعروں کی بھی بہتات ہوگئی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں عربی ادیب دکتور عبدالرحمٰن رافت پاشا کی "صور من حیاۃ الصحابہ" سید قطب کی تفسیر "فی ظلال القرآن" احمد امین کی "زعماء الاصلاح" وغیرہ ہندوستان میں داخلِ نصاب ہوئیں،وہیں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی "الاسلام من جدید ماذا خسر" "روائع اقبال" مولانا محمد الحسنی کی "الاسلام الممتحن" وغیرہ عربوں میں کافی مقبول ہوئیں اور ان میں بہت سی داخلِ نصاب بھی ہوئیں۔علامہ شبلی نے جرجی زیدان کی "التمدن الاسلامی" کا جواب "الانتقاد علی التمدن الاسلامی" کے نام سے لکھی۔احمد شوقی نے مولانا محمد علی جوہر کا طویل منظوم عربی مرثیہ لکھا ان سب کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں ہے۔الغرض اس اختلاط کے بہت اچھے اثرات عربی ادب پر پڑے۔

اب ہم بیسویں صدی کے نصفِ اول میں شروع ہونے والی تحریکات کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) تحریکِ ریشمی رومال: آخر عمر میں جب جنگِ طرابلس و بلقان کی وجہ سے مسلمانوں میں ہیجان پھیلا ہوا تھا حضرت شیخ الہند نے ہندوستان سے برطانوی حکومت کے اقتدار کو ختم کرنے کیلئے ایک اسکیم تیار کی۔ یہ ۱۳۳۰/۱۹۱۳ء کا زمانہ تھا انھوں نے مسلح انقلاب کے ذریعہ برطانوی گورنمنٹ کا تختہ الٹ دینے کا نقشہ تیار کیا اس کے لئے انھوں نے نہایت منظم طور پر اپنا پروگرام مرتب کیا تھا ان کے شاگرد اور رفقاء کار کی ایک بڑی جماعت جو ہند و بیرونِ ہند کے اکثر ممالک میں پھیلی ہوئی تھی ان کے مجوزہ پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نہایت سرگرمی اور جانبازی کیساتھ کوشاں تھی، شاگردوں میں مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد میاں منصور انصاری، اور دوسرے بہت سے تلامذہ شامل تھے جنھوں نے حضرت شیخ الہند کے سیاسی اور انقلابی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اپنی زندگیاں وقف کردیں اسوقت عام خیال یہ تھا کہ طاقت کے بغیر ہندوستان سے انگریزوں کا نکلنا ممکن نہیں ہے اس کے لئے سپاہ اور اسلحہ کی ضرورت ہے ان چیزوں کی فراہمی کے لئے افغانستان اور ترکی کا انتخاب کیا گیا۔

حضرت شیخ الہند نے اپنی مجوزہ اسکیم کو کامیاب بنانے کیلئے پیرانہ سالی کے باوجود ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں حجاز کا سفر فرمایا اور وہاں کے ترکی گورنر غالب پاشا اور انور پاشا سے مل کر بعض اہم امور طے کئے آپ حجاز سے براہِ بغداد بلوچستان ہوتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل میں پہونچنا چاہتے تھے کہ اچانک جنگِ عظیم کے دوران شریف حسین والیِ مکہ نے انگریز حکام کے ایماء پر آپکو گرفتار کرکے ان کے حوالے کردیا، حضرت شیخ الہند کیساتھ مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل، حکیم نصرت حسین اور مولانا وحید احمد کی گرفتاری عمل میں آئی آپ کو پہلے مصر اور وہاں سے مالٹا لیجایا گیا،، جو برطانوی قلمرو میں جنگی مجرموں کے لئے محفوظ ترین مقام سمجھا جاتا تھا، جنگ کے ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی اور ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸/۱۹۲۰ کو آپ نے ۲۰ رمضان المبارک کو ساحلِ بمبئی پر قدم رنجا فرمایا، اگرچہ مالٹا سے واپسی پر صحت بگڑ چکی تھی اور قویٰ پیرانہ سالی کے باعث

نہایت ضعیف ہو چکے تھے مگر بایں ہمہ آپ نے شدومد کیساتھ سیاسی کاموں میں حصہ لیا طبیعت اس بار گراں کی متحمل نہ ہوسکی اور ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹/۱۹۲۱ کی صبح کو داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ ؎

تبلیغی جماعت:۔ یہ عالمِ انسانیت کی سب سے طویل ووسیع تحریک ہے۔ جس کو تحریکِ دعوت وتبلیغ '' کے نام سے جانا جاتا ہے، اللہ جل شانہ نے اس دینی محنت کیلئے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ کو ذریعہ بنایا، آپ نے ۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء میں اس کام کا آغاز کیا، اور ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء یعنی اپنی وفات کے وقت تک مسلسل پندرہ سال اس محنت کا حق ادا فرما کر ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ (۱۳ جون ۱۹۴۴ء) کو وصال فرمایا، آپ کے دور میں اس کام کی بنیادیں جگہ جگہ مستحکم ہوئیں۔ آپ کے بعد حضرت مولانا محمد یوسفؒ جماعتِ تبلیغ کے امیرِ دوم'' اور حضرت جی ثانی'' بنائے گئے ؎ اس دورِ ثانی'' میں یہ جڑیں اور بنیادیں خوب پختہ اور طاقتور ہو کر ایک مضبوط اور تناور درخت کی شکل و صورت اختیار کر گئیں اور مخلوقِ خدا نے اس درخت کی ہری بھری شاخوں سے بڑا نفع اٹھایا۔ مسلسل اکیس سال تک جان و مال کی پوری پوری قربانی دینے کے بعد ۲۹ رذیقعدہ ۱۳۸۴ھ (۲ راپریل ۱۹۶۵ء) میں جب حضرت موصوف راہیِ ملکِ بقاء ہوئے تو '' حضرت جی ثالث'' حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی ذاتِ گرامی پر تیسرا دور شروع ہوا۔ جو متواتر بتیس سال سرگرمِ فکر وعمل رہ کر دس محرم ۱۴۱۶ھ (۱۰ جون ۱۹۹۵ء) میں ختم ہو گیا، اس '' دورِ ثالث'' میں (جو توفیقِ الٰہی اور تقدیرِ خداوندی سے سب سے طویل اور وسیع دور ہے) اس شجرِ سایہ دار نے اس چمنستانِ عالم میں وہ وہ گل بوٹے کھلائے کہ دنیا دیکھ کر حیران ہوئی، اور اس کی ہمہ جہت وسعت وترقی اور پھیلاؤ کا یہ عالم ہوا کہ لاکھوں لاکھ انسانوں نے اس کی پر کیف صحت افزا گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر سکونِ قلبی اور راحتِ دلی حاصل کی اور اس کی خوشبوؤں سے اپنی مشامِ جاں کو معطر کیا۔ حضرت جی ثالث کے دورِ امارت میں انسانی صلاح وفلاح کی یہ تحریک ایک ایسی ہمہ گیر عہد آفریں اور انقلاب انگیز تحریک بنی کہ دنیا کے

بڑے سے بڑے رقبے اور چھوٹے سے چھوٹے خطے کو محیط ہوگئی، اور ملکوں کی حدیں اور سرحدیں اس کے سامنے گھر کا آنگن اور صحن بنتی چلی گئیں، زبانوں اور تہذیبوں کا فرق، عرب وعجم کی دوریاں، کالے اور گوروں کے درمیانی فاصلے ایک فطری اور طبعی خاموش مگر ذہنی و دماغی اعتبار سے نہایت زیرک و ہوشیار اور عمل کے اعتبار سے زبردست جذبہ صادق اور مومنانہ بصیرت کی حامل شخصیت کے سامنے زیرو زبر ہوتے چلے گئے۔ یہ وہ طویل اور وسیع ترین تحریک تھی کہ جسنے نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں ایک نقلابی جدو جہد پیدا کی۔ اور کرہ ارض کے طول وعرض میں اس کے نہایت دور رس اثرات پڑے، یہ وہی تحریک تھی جس نے ہر طرح کی مخالفتوں سے بے نیاز ہوکر، دوسری تحریکوں پر تنقید وتنقیص کے بجائے اپنے لئے خالص مثبت راہِ عمل اختیار کی، اور حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کے ہندوستان میں اس تحریک کے نہایت گہرے اور خوش آئند نتائج بر آمد ہوئے اور عربی ادب کے ان گنت حضرات بھی اس سے وابستہ رہے۔ یہاں خاص طور پر سب سے اہم نام "حضرت جی ثانی" مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ (مصنف "حیاۃ الصحابہ" و "امانی الاحبار") اور "حضرت جی ثالث" مولانا انعام الحسن کاندھلوی (محشی حیاۃ الصحابہ وابواب وتراجم بخاری وغیرہ) کے لینا ضروری ہے جن کے علمی کام کی تفصیل ان کے تذکرہ میں آئیگی۔ اس کام پر زبردست لٹریچر وجود میں آیا۔ [۳]

تحریکِ آزادی:۔ کسی بھی قوم کی تہذیب اور اس کا کلچر اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب وہ قوم اپنی آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو، جب جب جابر وسفاک حکومتوں نے انسانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوششیں کیں ہیں تو اس ظلم وستم سے نجات حاصل کرنے کیلئے مفکر، دانشور، فلسفی، سائنسداں، بہادر و جانباز سپاہی، سب نے شانہ بشانہ ملکر دار ورسن کی پروا کیے بغیر اس نعمت کو حاصل کرنے کی انتھک کوشش کی ہے، ہماری مادرِ وطن پر بھی ایسا دور گذرا جب کہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑتا چلا گیا، اس افسوسناک کہانی کی ابتداء اٹھارویں صدی عیسویں سے ہوتی ہے جب اس صدی کے

آغاز ہی سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوتا ہے جب کہ اورنگ زیبؒ (آخری عظیم شہنشاہ) کی وفات ہو چکی تھی اور ہندوستان افراتفری کے دور سے گذر رہا تھا۔ کہ اچانک دو غیر ملکی طاقتیں ہندوستان میں داخل ہوئیں، اور آہستہ آہستہ ہمارے ملک پر قبضہ کرنا شروع کر دیا، مذہب زبان علاقہ جیسی بنیادوں پر نفرت کے بیج بوئے، مغل حکومت کمزور ہوتی چلی گئی اور صوبائی بنیادوں پر ہندوستان تقسیم ہوتا چلا گیا، آخر کار آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر قید کر لئے گئے، اور ہندوستان غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا۔ اس ملک کے باشندے ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک غلامی کی مصائب وصعوبتیں جھیلتے رہے، دھیرے دھیرے جذبہ آزادی نے ہر ہندوستانی کے دل میں کروٹ لینی شروع کی اور انیسوی صدی کا آغاز ہوتے ہی آزادی کی مشعل روشن ہوگئی، اور بتدریج ملک گیر سطح پر پہونچ گئی، جھانسی سے مہارانی لکشمی بائی، دکن میں ٹیپو سلطان، بنگال سے بنکم چٹرجی، نے انگریزوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور اپنی جان کی بازی لگادی۔ مگر آپسی انتشار اور عدمِ اتحاد کی وجہ سے انگریز کامیاب ہوگئے، اور یہ کوششیں ناکام ہوگئیں، جس کو انگریزوں نے ''غدر'' کا نام دیا۔ اور نتیجہ کے طور پر جی بھر کر ظلم وستم کرنا شروع کیا۔

بالآخر اہلِ ہند نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی کہ انسان کی عظمت آزادی ومساوات میں ہے سوئے ہوئے خاموش ملک کو پھر سے زبان مل گئی، چراغ سے چراغ جلا، اور ایک بار پھر تحریکِ آزادی نے زور پکڑا۔ جس کا آغاز بیسویں صدی کے آغاز کیساتھ ہوا، اور ہندوستان کی آزادی کی یہ تحریک ایک ایسے دور میں داخل ہوئی جب ہماری تہذیبیں مسخ اور پامال ہوتی جارہی تھیں۔ ذہنوں پر پہرے لگائے جارہے تھے، قوموں فرقوں اور رشتوں کے درمیان دراڑیں پڑتی جارہی تھیں اور فرنگی سامراج ہماری گفتار وکردار اور عملی قوتوں کو یکسر سلب کر دینا چاہتے تھے۔ یہ ایک ایسا لمحہ تھا جب سنجیدگی سے ہمارے ملک کے دانشوروں سیاسی رہنماؤں اور وطن پرست جانبازوں نے غور کیا۔ اور مختلف تحریکوں کے سہارے ہندوستانی عوام کو اس احساس سے باور کرایا کہ جو حکومت ہماری آزادی کو ہم سے چھین

لے ، ہمارے قلم ، ہمارے ذہن وفکر پر پہرے لگادے ہماری تہذیب ہمارے مذہب، اور ہماری مشترکہ روایات کونیست ونابود کرنے لگے، ایسی ظالم حکومت کے خونخوار پنجوں سے ہر ہندوستانی کو آزادی دلانی ہی ہوگی۔ جب لاکھوں اور کروڑوں دلوں میں ایک ہی جذبہ گھر کرلے تو وہ ایک قوت بن جاتی ہے جس کے سامنے طاقتور سے طاقتور فوج بھی ٹھہر نہیں سکتی، اور اس جذبہ کو بیدار کرنے میں ڈاکٹر راجندر پرساد، اور لالہ لاجپت رائے، سی، آر داس، موتی لال نہرو، اینی بیسنٹ، مولانا آزاد، محمد علی جوہر، پٹیل، بابو جگجیون رام، جواہر لال نہرو، اور بہت سے دوسرے وطن پرست مجاہدوں نے مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں آزادی کے سفر پر تیز قدمی کیساتھ آگے بڑھنا شروع کردیا۔

یہ مجاہدینِ آزادی بے سروسامان تھے، ان کے پاس نہ فوج تھی نہ تلوار، انھوں نے جن ہتھیاروں کا استعمال کیا وہ تھے ستیہ گرہ، عدمِ تشدد، ڈانڈی مارچ، نمک آندولن، اور عدمِ تعاون، اور ان سب کے سرخیلِ کارواں تھے موہن داس کرم چند گاندھی، (عرف مہاتما گاندھی) جن کی اس ملک کے لاتعداد باشندوں کے دلوں پر حکمرانی تھی اس تحریکلے نتیجہ میں پورے ہندوستان میں انگریز حکومت کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی، اتحاد واتفاق، وطن سے محبت، جمہوری طرزِ نظام، اور سوراجیہ کی خواہش ہر ہندوستانی کے دل میں اجاگر ہونے لگی، اور ایک ایسے آزاد ہندوستان کی فضا قائم ہونے لگی جس کی بنیادیں جمہوریت پر مبنی تھیں، وہ سورج جو انگریز سرکار پر کبھی ڈوبتا نہ تھا، اب غروب ہونے والا تھا، اور اسطرح آزادی کا وہ آفتاب جو کچھ عرصہ کیلئے دلی کے لال قلعہ کی اونچی فصیلوں کے نیچے چھپ گیا تھا آخر کار اُس کے محرابی کنگوروں سے جھانکتا ہوا ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پھر نمودار ہوگیا۔ [۴]

مولانا محمد علی جوہر اور تحریکِ خلافت:

مولانا محمد علی جوہر ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء مطابق ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۲۵ھ کو رامپور میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں آپ کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا تھا، بیوہ ماں نے تعلیم وتربیت کا انتظام کیا، اور کسی بھی طرح والد ماجد کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے دیا، مولانا کو ابتداء قرآن شریف پڑھایا گیا، اسی کیساتھ

فارسی کی کچھ کتابیں بھی، پھر رامپور ہی کے ایک اسکول میں ان کا داخلہ کرایا گیا، کچھ عرصہ کے بعد آپ کو بریلی حصولِ تعلیم کے لئے بھیجا گیا، آپ نے وہاں رہ کر انگریزی کے علاوہ دیگر مضامین میں بھی دلچسپی لی، اور کامیابی حاصل کی، ۱۱سال کی عمر میں آپ کا داخلہ علی کالج میں کرایا گیا، اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے آپ علمی وادبی فضا پر چھاگئے، آپ انگریزی کے ایسے مایہ ناز ادیب تھے کہ انگریزوں میں تو کیا دوسری قوموں میں بھی ایسا ادیب پیدا نہ ہوسکا، آپ نے باوجود تنگدستی کے انگلستان کا سفر کیا، اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۹سال تھی خوش قسمتی سے اجنبی ملک میں بھی آپ کسی سے پیچھے نہ رہے آپ آکسفورڈ سوسائٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ مولانا محمد علی جوہر ایک سچے محب وطن تھے اس لئے ہر بات صاف اور بیباکی سے کہتے تھے، ملک کے حق میں باطل کے خلاف بے جھجک لکھتے تھے،، انگریزوں کے مظالم کا کھل کر تذکرہ کرتے، اور آزادی کے لئے لوگوں کو آمادہ کرتے تھے مولانا کی اس جرئت کو دیکھ کر انگریزی حکومت کو ان سے خطرہ محسوس ہونے لگا، اور وہ ان کی گرفتاری کے بہانے تلاش کرنے لگی چنانچہ جیسے ہی مولانا نے نومبر۱۹۱۴ء میں ایک مضمون ''Choice of the Turk'' شائع کیا، فوراً کامریڈ ضبط کرلیا گیا، اور مولانا کونظر بند کردیا گیا، آپ کو مہرولی کے قریب رکھا گیا، پھر نجیب آباد کے آگے لینس ڈاون کی پہاڑی پر منتقل کیا گیا، بعدازاں 1915ء میں چھنڈواڑا جیل بھیج دیا گیا، ۱۹۱۶ء میں بھی مولانا نظر بند تھے دسمبر ۱۹۱۹ء میں رہائی کا حکم ملا، مگر رہائی کے بعد بھی آپ کے لہجہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔

۱۹۲۳ء میں کراچی جیل سے رہائی کے بعد محمد علی کانگریس کے صدر منتخب ہوئے یہ زمانہ کانگریس کیلیے بڑا صبر آزما تھا کیونکہ کانگریس میں پھوٹ پڑچکی تھی ایسے نازک وقت میں محمد علی جوہر نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور کانگریس کو ٹوٹنے سے بچالیا، یہ آپ کا بڑا کارنامہ تھا۔ الغرض مولانا نے پوری زندگی حصولِ آزادی کی جدوجہد میں گذاردی، اورتحریکِ آزادی کو اپنے خون سے سینچ کر اتنا مضبوط بنادیا کہ بالآخر ۱۵اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا ملک آزاد ہوگیا۔

آپ نے یورپ میں اپنی تقریروں میں کہا کہ:۔

یورپ کے جغرافیہ دانوں کے لئے عرب محض ایک جزیرہ نما ہے جو چاروں طرف سے زمین سے گھرا ہوا ہے لیکن مسلمانوں کے لئے یہ ایک ایسا جزیرہ ہے جس کی سرحد دجلہ وفرات سے ملتی ہے اسمیں حجاز ،یمن ،اور عرب کے صوبوں کے علاوہ شام فلسطین اور ملحق علاقے بھی شامل ہیں ۔ یہ ہمارے رسول ﷺ کا صریح حکم ہے کہ ان علاقوں میں غیر مسلموں کا تسلط نہ ہو، یہ خیال کیا جارہا ہے کہ امریکہ فرانس برطانیہ کے عیسائیوں کو ان علاقوں کا اقتدار سپرد کردیا جائے ،ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے ہم ہندوستان کی حکومت پھر برطانیہ کی حکومت پر یہ واضح کردیں کہ کوئی مسلمان اس کیلئے رضامند نہ ہوگا۔ ہمارا خیال ہے کہ بلقان کی جنگ کے بعد خلیفہ کے اقتدار کو اتنا کم کردیا گیا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو برقرار نہیں رکھ سکتا اور نہ مؤثر طریقہ دین کا حامی بن سکتا ہے، ہم اسے پہلے جیسی پوزیشن پر واپس دیکھنا چاہتے ہیں۔[۵]

اب ہم آئندہ صفحات میں عربی کے ان چند اہم ادباء کا تذکرہ کرتے ہیں جنھوں نے بیسویں صدی کے نصفِ اول میں عربی زبان وادب کی نمایاں خدمات انجام دیں۔

بیسویں صدی نصفِ اول کے عربی ادباء:

(۱) علامہ رشید احمد گنگوہیؒ

۱۲۴۴۔۔۱۳۲۳ھ

۱۸۲۸۔۔۱۹۰۵ء

شیخ امام علامہ محدث رشید الدین احمد بن ہدایت احمد بن پیر بخش ابنِ غلام حسن ابنِ غلام علی ابنِ علی اکبر ابنِ قاضی محمد اسلم انصاری حنفی رامپوری گنگوہی علماءِ محققین میں سے تھے صداقت و

وپاکدامنی توکل وتفقہ قربانی ومجاہدات دین پر پختگی میں ان کے زمانے میں کوئی انکا ثانی نہیں تھا۔

۶/ذیقعدہ ۱۲۴۴ کو گنگوہ میں پیدا ہوئے اپنے نانیہال میں پرورش پائی آپکے آباء واجداد سہارنپور کے ایک موضع ''رامپور'' سے تعلق رکھتے تھے آپ نے فارسی اپنے ماموں محمد تقی سے اور صرف و نحو مولوی محمد بخش رامپوری سے پڑھیں پھر دہلی گئے اور قاضی احمد الدین جہلمی سے عربی پڑھی، پھر مولانا مملوک علی نانوتوی کی صحبت اختیار کی اور ان سے اکثر درسی کتب پڑھیں اور کچھ درسی کتب مفتی صدر الدین دہلوی سے پڑھیں حدیث وتفسیر کی زیادہ تر تعلیم شیخ عبدالغنی سے حاصل کی اور کچھ مولانا احمد سعید بن ابی سعید عمری دہلوی سے حاصل کی یہاں تک کہ آپ معقول ومنقول میں کمال حاصل کر کے گنگوہ لوٹے اور اپنے ماموں محمد تقی کی صاحبزادی خدیجہ سے شادی کی پھر ایک سال کے اندر قرآن پاک حفظ کرلیا اور حضرت حاجی امداداللہ تھانوی مہاجر مکی سے بیعت ہوئے اور عرصہ تک انکی صحبت میں رہے پھر گنگوہ میں صدر مدرس ہو گئے، ۱۲۷۶ھ میں انگریزی حکومت سے بغاوت کے الزام میں جیل بھیج دیے گئے، چھ ماہ تک آپ مظفر نگر جیل میں رہے پھر آپ کی برائت ظاہر ہونے کے بعد رہا کر دیے گئے اور کچھ عرصہ تک درس وافادہ میں مشغول رہنے کے بعد ۱۲۸۰ میں اہلِ رامپور میں سے کسی صاحب خیر کے صرفہ سے حجاز تشریف لے گئے آپ کے شیخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ ۱۲۷۶ھ میں وہاں جا چکے تھے دونوں کی مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی اور آپ نے حج کیا اور پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اپنے شیخ عبدالغنیؒ سے ملاقات کی پھر ہندوستان آ کر عرصہ دراز تک تدریسی خدمات انجام دیں ۱۲۹۴ھ میں دوبارہ اکابرین کیساتھ حجاز کا سفر کیا جسمیں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد مظہر، مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا محمد رفیع الدین، اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ شامل تھے اور اپنے والدین میں سے ایک کی طرف سے حج کیا اور مدینہ منورہ میں بیس دن قیام کیا اپنے شیخ عبدالغنی کے ساتھ رہے اور پھر مکہ مکرمہ میں ایک مہینہ قیام رہا، اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے فیض حاصل کیا پھر ہندوستان واپس آ کر گنگوہ میں تدریس میں مشغول ہو گئے پھر ۱۲۹۹ھ میں تیسری بار حجاز تشریف لے

گئے اور اپنے والدین میں سے ایک کی طرف سے حج کیا اور مدینہ منورہ کے شیوخ وعلماء سے ملاقات کرنے کے بعد ملک لوٹے اور پھر اپنے گھر پر مستقل قیام کرلیا چنانچہ سال میں ایک یا دو بار ہی دار العلوم کے معاملات کی دیکھ بھال کے لئے نکلتے آپ نظام الاوقات کے بہت پابند تھے، فجر کی نماز کے بعد اشراق تک ذکر وخلوت میں رہتے اس کے بعد طلباء علماء سے ملاقات کرتے ان کو فقہ وحدیث صحاح وغیرہ کی کتابوں کا درس دیتے آخر عمر میں بینائی چلے جانے کے باعث تدریس چھوڑ دی تھی ۔آپ بدعات کا رد پوری قوت سے فرماتے اور سنت وشعائرِ اسلام کی اشاعت آپکا عزیز مشن تھا آپ حق بات اور حکمِ شرعی کو بے لاگ ولپٹ کہتے اور اس سلسلہ میں کسی لومۃ لایم کی پرواہ نہ کرتے آپ کو دین کے معاملات میں مداہنت ،انحراف ذرا بھی برداشت نہ تھا اس کیساتھ ساتھ آپ نہایت متواضع نرم خو تھے، حق واضح ہونے پر اپنی غلطی کا اعتراف بھی فرماتے آپ علم وعمل تربیتِ مریدین، تزکیہ نفوس ،دعاء، احیاءِ سنت ،ردِ بدعت میں امام سمجھے جاتے ہیں۔

تصنیفات:۔ آپ کی تصانیف قلیل تعداد میں ہیں ۔انمیں سے تصفیۃ القلوب و امداد السلوک ،ہدایۃ الشیعہ ،زبدۃ المناسک ،ہدایۃ المعتدی وسبیل الرشاد، براہینِ قاطعہ اور ردِّ بدعت اور اختلافی مباحث پر بعض رسائل ہیں ۔آپ کے تلامذہ نے آپ کے رسائل کو مجموعہ کی شکل میں شائع کیا ہے، نیز آپ کے فتاویٰ تین جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

عربی میں درسِ ترمذی کے افادات ہیں جن کو آپکے شاگرد مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ نے ''الکوکب الدری'' کے نام سے شائع کروایا ہے اور اسی طرح آپ کے افادات درسِ بخاری کو مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے اپنے حواشی کیساتھ ''لامع الدراری'' کے نام سے طبع فرمایا ہے ۔آپکی وفات جمعہ کی اذان کے بعد ۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو ہوئی۔ [۶]

---

(۲) مولوی محمد اعجاز احمد معجز

۱۲۹۴-۱۳۲۳ھ

۱۸۷۷-۱۹۰۵ء

مولوی سید محمد اعجاز بن حاجی محمد عبد الباری محدث سہوانی بدایونی ۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر تھی تو اپنے والد کے پاس بھوپال گئے، وہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی، لیکن افسوس کہ دو سال بعد ۱۳۰۲ھ میں والد کا انتقال ہوگیا۔ پھر واپس بدایوں آئے، یہاں آپ کی تعلیم وتربیت حکیم سید محمد نذیر احمد شاہ نے فرمائی، جو آپ کے دادا کے چھوٹے بھائی تھے، پھر علوم کی تکمیل کے لئے ۱۲۳۱ میں بھوپال گئے، وہاں مولانا محمد بشیر، مولانا محمد شاہ، مولانا عبد الحق قاضی ریاست اور دیگر علماء سے علوم و فنون حاصل کئے۔ پھر گھر واپس آئے، آپ نہایت ذہین قوی الحافظہ تھے، تمام علوم وفنون میں دسترس تھی عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں نظم ونثر پر قدرت حاصل تھی، عربی ادب منطق فلسفہ حکمت کے ماہر تھے۔ عربی شاعری میں ہندوستان میں بہت ہی کم لوگ ان کے ہم پلہ ہونگے، تمام جاہلی ومخضرمی شعراء کے اشعار یاد تھے اوران کے تتبع میں شعر کہتے تھے۔ عربی فارسی میں انکی انشاپردازی دیکھ کر اہلِ زبان تعجب کرتے تھے۔ تخلص معجز تھا، زیادہ تر درس وتدریس اور مطالعہ کتب میں مشغول رہتے، ابنِ تیمیہ، ابنِ قیم اور امام وہبی کی کتابوں سے خاص شغف تھا۔ دیوانِ متنبی، دیوانِ حماسہ، اور مقاماتِ حریری کے درس دیتے وقت حاشیہ کی مطلق ضرورت نہیں محسوس کرتے، بلکہ عربی محاورہ، اور مشکل الفاظ، اور مشکل اشعار کو منٹوں میں حل کردیتے۔ مولانا محمد طیب مکی، مولانا محمد صاحب بھوپالی، اور سید ذوالفقار نقوی وغیرہ نے ان کے اشعار سنکر بارہا تعریف کی۔ ان کو عربی شاعری کی وجہ سے کافی شہرت ملی۔ اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز فیض آباد سے کیا، پھر آگرہ گئے، دو سال تک سینٹ جونس کالج میں عربی کے استاد رہے، ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء میں قصبہ بسولی ضلع بدایوں آگئے، یہاں خود کو خدمتِ خلق کے لئے وقف کردیا۔ آپ خوش اخلاق باذوق بامروت نیک سیرت بذلہ سنج انسان تھے۔

آپ کثیر التصانیف ہیں۔ رشحات الکرم، فی شرح فصوص الحکم، توقیع الفرند فی تذکار ادباء الہند (عربی میں ادباء کا تذکرہ ہے۔) براءۃ التحقیق (عربی میں مسئلہ اجتہاد وتحقیق پر کتاب ہے) تعلیقات علی الحمیات (طب پر عربی میں کتاب ہے)۔ ۷

---

(۳) مولانا محمد بشیر فاروقی سہسوانی

۱۲۴۵۔۱۳۳۳ھ

۱۸۲۹۔ ۱۹۱۴ء

مولانا محمد بشیر سہسوانی ۱۲۴۵ھ میں سہسوان میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان ایک علمی گھرانہ تھا، آپ کے والد حکیم محمد بدر الدین کو شاہانِ اودھ کے دربار سے ''خان'' کا خطاب ملا تھا، دس برس کی عمر میں والد کا سایہ اٹھ گیا، ابتدائی تعلیم شہر کے علماء سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے لکھنو گئے۔ وہاں مفتی واحد علی بن ابراہیم اور دیگر علماء سے علم حاصل کیا۔ متھرا جا کر حاکم نور الحسن سہوانی، پھر دہلی جا کر محدث میاں نذیر حسین دہلوی سے استفادہ کیا۔ درس وتدریس کی وساطت سے سلہٹ سہرام اکبراباد ہوکر بھوپال پہنچے۔ وہاں دس سال تک درس وتدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ نواب صدیق حسن آپ کا بے حد لحاظ رکھتے تھے۔ آپ نہایت متقی وپرہیز گار تھے۔ اصول فقہ میں پوری مہارت تھی۔ حسین بن محسن انصاری سے حدیث میں تلمذ تھا۔ نواب سلطان جہاں بیگم کے عہد میں دہلی آ گئے اور ۱۲ سال تک مسجد حوض والی پر حدیث تفسیر وافتاء کا کام کرتے رہے۔ دہلی میں ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں وفات پائی۔ آپ کی تصنیفات کی تعداد طویل ہے عربی میں ایک رسالہ'' صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان'' شیخ دحلان کے رد میں لکھا ہے۔ ۸

---

(۵) سید مظفر علی

۱۳۰۳-۱۳۳۲ھ

۱۸۸۶-۱۹۱۴ء

مولوی حکیم سید مظفر علی ابنِ منشی سید امتیاز علی صالحی رحمہما اللہ تعالیٰ۔آپ کی ولادت ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء بماہِ شعبان وطن مالوف میں ہوئی قوتِ ذکاء وسرعتِ فہم بوراثتِ خاندانی پائی مولانا سید اعجاز احمد سے کتب صرف ونحو ومنطق وادب وفلسفہ وحکمت وغیرہ بحث وتحقیق کیساتھ پڑھیں،اور حکیم سید محمود عالم صاحب کے حلقۂ درس میں بھی بعض علومِ عقلیہ سے استفادہ کیا بعدۂ بشوقِ طلبِ علم بھوپال گئے وبقیہ علوم وفنون دینیہ اساتذہ سے حاصل کر کے دہلی کا سفر کیا اور حضرت مولانا بشیر صاحب محدث کے چشمہ فیضِ علوم سے خوب سیراب ومستفید ہوئے پھر لکھنو جا کر مدرسہ تکمیل الطب میں داخل ہوئے بعد فراغ تحصیلِ علم وحصولِ سند وطن واپس آ کر مطب شروع کیا مصنف حیاۃ العلماء لکھتے ہیں۔''ذہانت وطباعی میں یگانہ عصر تھے تصنیف وتالیف کا ملکہ خداداد تھا آپ کی متعدد تصانیف محققانہ وقابلانہ ہیں،بایں حداثتِ سنی ایسی قوتِ تصنیف حیرت انگیز تھی''

آپ کی اہم عربی تصنیف (۱)''البرھان فی امتناع کون النار من الارکان''بعبارتِ عربی فصیح ہے دوبار طبع ہو چکی ہے تربیعِ عناصر وجزئیتِ نار کا ابطال کمالِ تحقیق کیساتھ کیا ہے تصنیف نہایت قابلِ قدر ہے، (۲) اسی کیساتھ''الغلواء فی الحلواء'' وترویۃ الظماء'' اور (بعض مسائلِ طبیہ میں) رسائلِ مناظرانہ ہیں ان میں سے ہر ایک بجائے خود وسعتِ نظر ورسائے ذہن وتحقیق کا شاہد ہے۔عین عنفوانِ شباب میں چہارم ماہِ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء کو بعمر ۲۸ سال بمرضِ سل اس دارِ محن سے جنت الفردوس کو رحلت کی۔ 9

---

(۶) علامہ شبلی نعمانی

۱۲۷۴ھ۔۔۱۳۳۲ھ

۱۸۵۷ء۔۔۱۹۱۴ء

آپ ۱۲۷۴ھ میں موضع بندول ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے، اور کچھ دنوں مولانا فاروق ابنِ علی عباس چریا کوٹی سے عربی کی تعلیم حاصل کی، پھر منطق وحکمت کی طرف متوجہ ہوئے اور اسمیں مہارت حاصل کی آپ مولانا فاروق کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے۔ پھر رامپور کا سفر کیا اور فقہ واصول کی تعلیم مولانا ارشاد حسین رامپوری سے حاصل کی، پھر لاہور گئے اور وہاں مولانا فیض الحسن سہارنپوری شارحِ حماسہ سے ادبی علوم حاصل کئے۔ اور سہارنپور جاکر حدیث شیخ احمد علی بن لطف اللہ ماتریدی سے پڑھی، حتیٰ کہ انشاء شعروادب تاریخ اور بہت سے علوم وفنون میں معاصرین پر سبقت حاصل کی، آپ نے اہلِ حدیث سے مناظرہ بھی کیا اور اس سلسلہ میں اسکات المعتدی (رسالہ فی قراءۃ الفاتحہ خلف الامام) لکھا۔ مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں مدرس ہوئے اور مغربی اساتذہ کی صحبت حاصل کی، سرسید کی صحبت نے ان پر کافی اثر ڈالا، اور مناظرہ ومباحثہ سے مکمل نفرت ہوگئی اور تاریخ وسیرت سے متعلق کتابیں لکھنا شروع کیں۔ مثلاً سیرتِ خلیفہ مامون ''المامون'' سیرتِ امام اعظم ''سیرۃ النعمان'' اور ''کتاب الجزیہ وحقوق الذمیین'' لکھی۔ یہ تصانیف بیحد مشہور ومقبول ہوئیں۔ آپ نے شام ومصر وروم کا سفر کیا اور واپسی پر ''سفرنامہ روم ومصر وشام لکھا۔ انگریزی حکومت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب عطاء کیا۔ پھر آپ مدرسۃ العلوم علی گڈھ سے الگ ہوکر حیدراباد چلے گئے۔ جہاں سید علی بلگرامی نے آپ کو دائرۃ المعارف کی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ وہاں پانچ سال کا کام مکمل کیا۔ پھر اس کو چھوڑ کر لکھنو آگئے۔ اور ندوۃ العلماء (قیام ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) سے وابستہ ہوگئے اور ندوہ کے اہم ترین رکن معتمد تعلیمات مقرر ہوئے، آپ کا حافظہ بیحد قوی تھا، تاریخ وادب پر گہری نظر تھی بحث میں دلائل کا انبار لگادیتے تھے۔ مطالعہ کا ایسا ذوق تھا کہ تاریخِ امم، فلسفہ واخلاق وغیرہ پر لکھی ہوئی کوئی بھی

کتاب ہاتھ لگ جاتی تو پڑھے بغیر نہ چھوڑتے، آپ نے فنِ کلام اور تاریخ کلام پر بھی کتابیں لکھیں، مقالاتِ شبلی کے علاوہ سیرۃ الغزالی، سیرۃ الرومی، سیرۃ الفاروق پر مشہور تصانیف چھوڑیں۔ آپ کی کتابوں میں شعرالعجم (۵ جلدیں) اور موازنہ انیس ودبیر کو خاص مقام حاصل ہے۔ عربی میں آپنے جرجی زیدان کی مشہور کتاب ''التمدن الاسلامی'' پر تنقید کی، جو ''الانتقاد علی التمدن الاسلامی'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اور ایک کتاب ''بدء التاریخ'' تالیف فرمائی۔ آپ کا فارسی دیوان بھی ہے اور سیرۃ النبی جلد اول ودوم سیرتِ پاک پر لکھی گئی بے مثال کتاب ہے جسکی سات جلدوں تک تکمیل آپ کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے کی اور ان کی یاد میں ''دارالمصنفین اعظم گڈھ'' قائم کیا گیا۔ آپ نے مرضِ اسہال میں مبتلاء ہوکر ۲۹ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء بروز بدھ اعظم گڈھ میں وصال فرمایا''۔ [10]

عربی کی اپنی مایہ ناز تصنیف ''الانتقاد علی التمدن الاسلامی'' کے مقدمہ میں جرجی زیدان کی کتاب پر سخت جرح کرتے ہوئے مولانا شبلی افسوسناک لہجہ میں کہتے ہیں:۔

''ان الدهر من العجائب ومن احدیٰ عجائبه ان رجلاً من رجال العصر یؤلف فی تاریخ الاسلام کتاباً یرتکب فیه تحریف الکلم و تمویه الباطل و قلب الحکایة و الخیانة فی النقل، و تعمد الکذب ما یفوق الحد ویتجاوز النهایة - و ینتشر هذا الکتاب فی مصر و هی غرة البلاد و قبة الاسلام و مغرس العلوم ثم یزداد انتشاراً فی العرب و العجم و مع هذا کله لا یتفطن احد دسائسه . ان هذا لشیء عجاب، لم یکن المرء لیجترأ علی مثل هذه الفظیعة فی مبتدأ الامر و لکن تدرج الیٰ ذلک شیئاً فشیئاً فإنه أصدر الجزء الثانی من الکتاب و ذکر فیه مثالب العرب دسیسة یتطلع بها علی إحساس الامة و عواطفها و لما لم یتنبه لذلک احد ولم ینبض لأحد عرق ووجد الجو صافیاً أرخیٰ العنان و تمادیٰ فی الغی و أسرف فی النکایة فی العرب عموماً و خلفاء بنی امیة خصوصاً'' [11]

ترجمہ: (حمد وصلوٰۃ کے بعد)

بیشک زمانہ عجائبات کا گھر ہے اور اس کی عجائبات میں سے یہ بھی ہے کہ موجودہ دور کا ایک مصنف تاریخِ تمدنِ اسلام پر قلم اٹھاتا ہے اور اس میں حقائق کو توڑ مروڑ کر باطل ومزین کر کے پیش کرتا ہے اور اصل واقعہ کو بدل کر نقل میں خیانت کرتا ہے، قصداً جھوٹ بولتا ہے اور اس میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے۔ اور یہ کتاب مصر میں جو کہ چمنستانِ علوم مرکزِ اسلام اور خوبصورت شہر ہے میں شائع ہوتی ہے اور عرب وعجم میں پھیل جاتی ہے اس سب کے باوجود اس کی ریشہ دوانیوں کو کوئی بھانپ نہیں پاتا یہ اور بھی زیادہ حیرت وافسوس کی بات ہے۔

مصنف مذکور ابتداء میں تو اس حرکت کی جرأت نہ کر پائے لیکن بتدریج آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھے چنانچہ جب کتاب کے جزءِ ثانی میں عربوں کی کچھ کمزوریوں کو اس طرح ذکر کیا کہ امت کے احساس وشعور کا اندازہ کر سکیں اور دیکھا کہ اس پر کسی کو احساس تک نہیں ہوا۔ اور میدان صاف نظر آیا تو پھر زمامِ تنقید ڈھیلی چھوڑ دی اور گمراہی میں بڑھتے چلے گئے عربوں کی شبیہ حد سے زیادہ مسخ کرنے کی کوشش کی اور خاص طور پر خلفاءِ بنی امیہ کو نشانہ بنایا۔

----

(۷) محمد طیب بن صالح مکی رامپوری

(م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء)

شیخ محمد طیب مکی، مولانا عبدالحق بن مولانا فضلِ حق خیرابادی مولانا حسین بن محسن انصاری یمانی کے تلامذہ میں سے تھے ان کا شمار اذکیاء میں ہوتا ہے ادب وحکمت کے مسلم الثبوت استاد تھے آپ کو عرب کے اخبار وانساب اور ان کے اشعار بکثرت حفظ تھے، اپنی روشن خیالی کی بناء پر مسئلہ حقہ کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کرتے تھے یوں تو انکی کل تیرہ تصنیفات ہیں جن میں "ریاض الادب، النفحۃ الاجملیہ فی الصلات الفعلیہ، کتاب القبصہ فی الفنون الخمسہ، کتاب الملاطفہ فی رد المقلدین، اور

المکالمہ فی اللغۃ العربیہ، قابل ذکر ہیں مفصل شرح ''السعد علی القطبیہ'' پر حواشی بھی لکھے، انکی عربی شاعری میں زبان باوقار، شیرنی اور نازک خیالی کا امتزاج تھا اپنے استاد محمد بن حسین یمانی کی خدمت میں لکھا تھا۔ ماس الجبین و الاجزعۃ الحدق

ابہی من الورد لولا لؤلؤ العرق

اور شیخ نے اس کے جواب میں لکھا تھا:

فیروزج الحسن ام ذا فیلق الفلق

ام بدر تبهم یحاکی طلعۃ الافق ۱۲

----

(۸) مولوی عبداللہ بن محسن عرب یمانی

(م۱۳۳۵ھ/۱۹۱۵ء)

مولوی عبداللہ ولد محسن عرب یمانی کے والد مکہ سے رامپور آئے، نواب خلد آشیاں نے جامع مسجد کا مؤذن مقرر کردیا۔ ان سے مولوی عبداللہ پیدا ہوئے، مولوی عبداللہ نے تعلیم مولوی طیب عرب مکی اور دیگر رامپور کے عالموں سے حاصل کی، نہایت ذہین اور محنتی تھے، کم عمر میں فاضل ہوئے، ادب میں کامل عبور حاصل کیا، محمد طیب عرب مکی نے اپنی لڑکی سے ان کی شادی کردی تھی، حاذق الملک حکیم اجمل خاں کے ہاں ملازم رہے، غالباً ۲۵ رسال کی عمر میں ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۵ء میں طاعون کی وبا میں رامپور میں انتقال ہوا۔

عربی میں ایک کتاب ''تقویم الاود'' نام کی فنِ طب میں تحریر کی ہے، جو مطبع حامی الاسلام دہلی سے ۱۳۱۳ میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ رسالہ ''رموز الاطباء'' مرتبہ فیروز الدین جو لاہور سے شائع ہوتا تھا، اسمیں حکیم اجمل خاں کا ایک مضمون ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا تھا جسمیں موصوف نے کچھ مسئلوں میں جمہور اطباء سے اختلاف کیا تھا، اس مضمون کے رد میں حکیم عبدالمجید لکھنوی

نے ''اہانۃ الحجۃ'' رسالہ تالیف کر کے طبع کرایا تھا، مولوی عبداللہ نے اس رسالہ کے رد میں اوراپنے استاد حکیم اجمل خاں کے دفاع میں یہ کتاب ''تقویم الاود'' تحریر کی تھی۔ ۱۳

---

(۹) مولوی حافظ شاہ محمد جان الفاروقی بحری آبادیؒ

۱۸۶۷ء۔۔ ۱۹۲۰ء

۱۲۸۳۔۔ ۱۳۳۸ھ

مولانا شاہ محمد جان الفاروقی بحری آبادی ابن شاہ محمد یعقوب الفاروقی عمری حنفی علوم دینیہ و ادبیہ میں ممتاز علماء میں سے تھے ضلع (غازی پور) کے قصبہ بحری آباد میں ولادت و پرورش ہوئی اور قرآنِ پاک حفظ کیا، اسی علاقہ کے علماء سے مختصرات پڑھیں پھر مولانا محمد فاروق ابن علی اکبر عباسی چریاکوٹی سے ادب پڑھا۔ پھر مولانا عین القضاۃ ابنِ محمد وزیر حیدرابادی کے حلقہ درس میں شامل ہوکر فقہ اصولِ کلام وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور دیوبند جاکر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے تکمیل حدیث کی مہابت خانہ کے مدرسہ میں مدرس بنائے گئے، اور وہاں ایک طویل مدت رتک رہے۔ غالباً ۱۹۱۰ء کے آس پاس آپ کو آپ کے شیخ مولانا عین القضاۃ نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو میں صدر مدرس بنادیا۔ عربی اردو، اور فاسی میں آپ نے شاعری کی ہے۔'' ۱۴

قصبہ بحری آباد کی جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیتوں میں مولانا حافظ شاہ محمد جان ادیبؔ بحری آبادی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جو اپنے دور کے جید علماء نادرہ روزگار ادباء اور ممتاز شاعروں میں شمار ہوتے ہیں آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروقؓ تک منتہی ہوتا ہے۔

پروفیسر مشیر الحق ندوی مرحوم لکھتے ہیں :۔ مولانا عبدالعزیز کے بعد بحری آباد کے جید علماء میں مولانا شاہ محمد جان کا نام آتا ہے جو مولانا عبدالعزیز کے چچا شاہ محمد یعقوب کے صاحبزادے تھے شاہ محمد جان کا تاریخی نام ''غلام باری'' تھا۔ فراغت کے بعد چند سال بھوپال میں رہے آخرش لکھنو میں مولانا عبد

العلی آسی مدراسی کے اصح المطابع میں جو آسی پریس کے نام سے معروف تھا۔ تصحیح کتب کے کام پر ملازم ہوئے اس مطبع سے شائع ہونے والی اکثر کتابوں پر عربی فارسی اور اردو میں لکھی ہوئی ان کی منظوم تقریظیں ملتی ہیں۔

آسی پریس سے مولانا عبداللہ عمادی جونپوری کی ادارت میں عربی ماہنامہ ''البیان'' شائع ہوتا تھا، اس میں بھی آپ برابر کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔آپ کے ممتاز شاگردوں میں قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، مولانا اسباط مرحوم سابق استاد ندۃ العلماء لکھنو اور قاضی حبیب اللہ مظفر نگری ہیں۔آپ نے حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب کی فرمائش پر علامہ ابنِ جوزی کے رسالۃ المیلاد کو اردو میں منتقل کیا۔آپ ہر سال حضرت مجدد الف ثانی کے عرس کے موقع پر عربی میں ایک قصیدہ حضرت مجدد الفِ ثانی کی شان میں لکھا کرتے تھے۔اور حفاظ کے گروہ کی سرپرستی کرتے تھے جو ہر سال حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب کی فرمائش پر سرہند جاتا تھا۔اور خراجِ عقیدت پیش کرتا تھا۔یہ تین قصائد ''الجذبۃ الشوقیہ الی الحضرۃ المجددیہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

آپ کے آخری دنوں میں ایک کتاب آپ کے استاد مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کے فکری موقف کے خلاف شائع ہوئی تھی، آپ نے اس کے جواب میں 'الاصطبار علی شرور الاشرار'' لکھی۔اس کے علاوہ آپ نے عربی فارسی میں کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی چھوڑا ہے۔لکھنو میں مرضِ فالج کے حملہ میں ۲۱راپریل ۱۹۲۰ء کو وفات پائی اور عیش باغ قبرستان کے پرانے چمن میں گیٹ کے فوراً بعد بائیں طرف مدفون ہوئے۔

آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولوی حافظ شاہ ابوالقاسم الفاروقی (ولادت ۱۹۱۶ء) (والد شاہ عبدالسلام صاحب فاروقی پروفیسر شعبہ عربی لکھنو یونیورسٹی) عربی کے ایک جید عالم تھے جن کا ذکر اگلے باب میں آئیگا۔ مولانا کے علمی کارناموں کا دائرہ بیحد وسیع تھا تصنیف وتالیف درس وتدریس مطالعہ وتحقیق ان کے محبوب مشاغل تھے اس کی ساتھ ساتھ عربی وفارسی میں شعروشاعری بھی ان کا

دلچسپ مشغلہ تھا۔

ان کے بارے میں دانش اختر لکھتے ہیں... مولانا شاہ محمد جان ادیب بحری آبادی کا شمار اپنے عہد کے وسیع النظر وسیع المطالعہ کثیر الحافظہ اور متشنیٰ دل ودماغ کے حامل علماء وفضلاء میں ہوتا ہے۔ وہ بیک وقت عالمِ اسلام کے ایک متبحر عالم جلیل القدر محدث مایہ ناز فقیہ دیدہ ور مؤرخ کامیاب مترجم عربی وفارسی وار دوزبانوں کے بے مثل ادیب وقادر الکلام شاعر وبلند پایہ مصنف تھے وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر علم وعمل کی ساری خوبیاں جمع کردی تھیں۔

مولانا کے علمی شاہکاروں میں میلاد ابن الجوزی کا اردو ترجمہ ہے جو ان کی عربی واردو دونوں زبانوں پر قدرت اور فنِ ترجمہ کی مہارت کا بین ثبوت ہے۔ ''الاصطبار علی شرور الاشرور'' یہ کتاب ''ذوالفقار حیدر کرار'' نامی کتاب کا جواب ہے ''ذوالفقار حیدرِ کرار'' آپ کے استاذ مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی پر تنقید واتہامات کے طور پر لکھی گئی تھی، آپ نے اپنے استادِ محترم مولانا فرنگی محلی کے دفاع میں سیر حاصل بحث کی اور ایک ایک اتہام کا دنداں شکن جواب دیا۔ اور ان کے علاوہ مجموعہ فتاویٰ اردو، تنقید الفاروق (شبلی) بھی آپ کے رسوخ فی العلم پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ کی عربی شاعری کے سلسلہ میں آپ کے صاحب زادے مولانا شاہ ابو القاسمؒ فرماتے ہیں کہ.. ''پچاسوں منظومات عربی، فارسی، اور اردو میں انکی یادگار ہیں جن کا زیادہ تر حصہ ماہنامہ ''البیان'' اور مطبع اصح المطابع کی کتابوں پر بطور تقریظ شائع ہوا، اور آخر میں تین قصائد حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی شان میں ۔ ۱۵

حضرت مجدد الف ثانی کی شان میں لکھے گئے عربی قصائد کو خاص اہمیت حاصل ہے جو آپ ہر سال سرہند کے عرس کے موقع پر حضرت مولانا شاہ عین القضاۃ صاحبؒ کی فرمائش پر تصنیف کر کے حفاظ طلبہ کے ساتھ سرہند کا سفر کرتے تھے اور مولانا شیخ سرہندیؒ کے مزار پر فاتحہ اور قرآن خوانی کا اہتمام کرتے تھے وہ تمام قصائد ''الجذبۃ الشوقیۃ الی الحضرۃ المجددیۃ'' کے نام سے

شائع ہو چکے ہیں یہ قصائد عام طور پر دستیاب نہیں ہیں ان کا ایک مجموعہ آپ کے اہل خاندان کے پاس ہے اور ندوۃ العلماء کی لائبریری میں قصیدہ دوم موجود ہے قصیدہ سوم کا کچھ حصہ نزہۃ الخواطر ہشتم میں موجود ہے۔ غزل کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:....."

شاهدت اهل الود قد قتلوا به　　كانوا اسوداً قبل ذالك تجلدا

هجر الحبيب وحق نفسك صارم　　ومن الصوارم ما يكون مهندا

كيف الحياة تطول بي يا راحتي　　وكوى فراقك قلبي المتجلدا

وضرام عشقك في حشاى مشعّل　　ولهيب وجدك لم يزل متوقدا

يا باخلاً بالوصل كن مترحّما　　سمعاً كريماً باذلا متفقدا

ترجمہ:۔

(۱) میں نے اہلِ محبت کو دیکھا ہے کہ وہ اس سے شہید ہو گئے ہیں حالانکہ وہ پہلے بہادر اور جری تھے

(۲) محبوب کی جدائی تیری ذات کی قسم تلوار کی طرح کاٹنے والی ہے، اور بعض تلواریں ہندی ہوتی ہیں (یعنی آپ کی جدائی بھی ہندی تلوار کی طرح ہے)

(۳) اے راحتِ جان میری زندگی طویل کیوں ہوتی جارہی ہے جبکہ آپ کی جدائی نے میرے شیر جیسے دل کو جلا ڈالا ہے۔

(۴) اور آپکی جدائی کی آگ میرے اندر بھڑکی ہوئی ہے اور آپ کی محبت کی آگ (میرے دل میں) ہمیشہ روشن رہتی ہے۔

(۵) اے وصال میں کنجوسی کرنے والے میرے اوپر ترس کھا اور میری بات کو سننے والا سخی اور میرا متلاشی بن۔

(۶) مجھے کب تک اپنی جدائی کی آگ سے جلاوگے اور کب تک میرے بیمار دل میں شان سے رہوگے۔

اور ایک غزل میں کہتے ہیں......''

لو زاره یوماً لاصبح مظهرا	ندماً علیٰ ما بان منه و ماظهر
قلق الفؤاد فماله من مصطبر	لحمامة الصحراء ناحت بالسحر
غردت فهیج لی البکاء بکائها	حتیٰ همیٰ جفنی بدمع و انفجر
لحمائم وجد ولی ولکنه	شتان ما بین الجبال و بین ذر
قلب به سکن الهویٰ فکأنما	نار تأجج فیه ترمی بالشرر
سفحت دموع منه وهی لربما	باحت بسر العاشقین فما استتر
لو لم تکن عبراته منهلة	سر الهویٰ ما ذاع منه و ما انتشر

ترجمہ:۔

(۱) اگر حاسدین ایک دن بھی عاشق کے احوال کا صحیح معائنہ کرلیں تو یقیناً اپنے کیے پران کوندامت ہوگی۔

(۲) دل بیچین ہوا ٹھا اور قابو سے باہر ہوگیا جنگل کی فاختہ کی آواز پر جب اس نے سحر کے وقت نوحہ شروع کردیا۔

(۳) اس نے چہچہانا شروع کیا تو اس کے رونے نے مجھے بھی رلادیا حتیٰ کہ میرے آنسوؤں کا سیلاب پھٹ پڑا۔

۴) غم واندوہ تو فاختاؤں کے اندر بھی ہے اور میرے اندر بھی ہے لیکن دونوں کے غم میں وہی فرق ہے جو پہاڑ اور ذرہ کے درمیان ہوتا ہے۔

(۵) وہ دل جس میں محبت نے اپنا مسکن بنایا ہے وہ گویا ایسی دہکتی ہوئی آگ ہے جس سے شعلے نکل رہے ہیں

(۶) اس کے آنسو اس طرح بہتے ہیں کہ عاشقوں کا راز افشاء کردیتے ہیں اب وہ چھپا نہیں رہ سکتا۔

(۷) اگر یہ آنسو نہ بہتے ہوتے تو محبت کا راز کبھی نہ کھلتا اور نہ پھیلتا۔

---

(۱۰) مولانا احمد رضا خاں بریلوی

۱۲۷۲۔۔۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶۔۔۱۹۲۱ء

مولانا احمد رضا خاں ابن مولوی نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خاں متوطن بریلی روہیلکھنڈ ۱۰ رشوال بروز ہفتہ (۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء) میں پیدا ہوئے، چار سال کی عمر میں قرآن کی تعلیم سے فراغت حاصل کی اور چھ سال کی عمر میں مجمع کثیر کے سامنے ربیع الاول کے مہینے میں میلاد شریف پڑھا تمام درسی علوم معقول ومنقول کی تحصیل اپنے والد ماجد سے کی ۱۴ رشعبان ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں فارغ التحصیل ہو گئے اور اسی دن رضاعت کے استفتاء کا جواب لکھا ان کے والد نے فتویٰ نویسی کا کام ان کے سپرد کر دیا ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء کو شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے اور تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت اور سندِ حدیث حاصل کی، ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء کو اپنے والد ماجد کے ہمراہ زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے وہاں کے اکابر علماء یعنی سید احمد دحلان، مفتی شافعیہ اور اور عبد الرحمٰن سراج مفتی حنفیہ سے حدیث، فقہ، اصول، تفسیر، اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ انکی تصانیف بہت ہیں جن میں عربی کی درج ذیل ہیں۔

(۱) (علمِ فقہ میں) شمائم العنبر فی ادب النداء امام العنبر ۔۲۔ منورِ عینی فی الانتصار للامام عینی، ۔۳۔ تبویب الاشباہ والنظائر، ۔۴۔ (ریاضی میں) مبحث المعادلہ ذات الدرجۃ الثانیہ، ۔۵۔ (ہیئت میں) الکسر العشری، ۶۔ (توقیت میں) حاشیہ زبدۃ المنتخب فی العمل بالربع۔ ۔۷۔ (جفر میں) الجداول الرضویہ للاعمال الجفر، ۔۸۔ اسہل الکتب فی جمیع المنازل۔

آپ کے نام پر بہت سی اکیڈمیاں وجود میں آئیں مثلاً ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی، رضا پبلیکیشنز لاہور، ادارہ تصنیفات رضا بریلی وغیرہ، مؤلف حیاتِ احمد رضا نے ۱۲ اداروں کے نام لکھے ہیں جنھوں نے آپ کی سوانح اور علمی وادبی خدمات سے متعلق کافی مواد اکٹھا کر دیا ہے، بہت سے رسائل نے خاص نمبرات نکالے جن میں سب سے ضخیم نمبر "المیزان" بمبئی کا ہے، آپ نے فرقہ بریلویت کی بنیاد ڈالی اور ندوہ کی مخالفت میں مؤلف نزہہ کے مطابق سو سے اوپر رسالے لکھے ہیں، بہر حال اسمیں کوئی شک نہیں کہ آپ علم کا بحرِ ذخار تھے اور اردو عربی فارسی تینوں زبانوں میں بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔ [16]

---

(۱۱) مولوی نجم الغنی خاں

۱۲۷۶-۱۳۴۱ھ

۱۸۵۹ -۱۹۲۲ء

مولوی نجم الغنی خاں ابن مولوی عبد الغنی خاں ابنِ مولوی عبد العلی خاں، ابنِ مولوی عبد الرحمٰن خاں ابنِ مولوی محمد سعید خاں۔ ان کے اسلاف میں سے سید محمد سعید خاں جن کا نسب چنگیز خاں سے ملتا ہے، علم کے شوق میں وطن تراہ سے دہلی آئے تھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے فنونِ تفسیر وحدیث کی تکمیل کی، اور ان کی رفاقت میں حج کیا۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد بریلی آئے، حافظ رحمت خاں نے اپنے بیٹے عنایت خاں کی تعلیم پر مقرر کیا، مولوی محمد سعید کے انتقال اور حافظ رحمت خاں کی شہادت کے بعد ان کے بیٹوں کو نواب فیض اللہ خاں نے رامپور بلا لیا۔ نجم الغنی خاں کی ولادت ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں رامپور میں ہوئی، ان کی ماں رضی خاں عرف روزی خاں اکوزئی مشہور روہیلہ سردار کی پوتی تھیں۔ اوائلِ عمر میں اپنے والد کے پاس اودے پور چلے گئے، اور عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، ۱۳۰۱ میں رامپور آکر علومِ عربیہ کی تکمیل کی، شمس العلماء مولانا عبد الحق، مولوی محمد طیب مکی اور مدرسہ عالیہ کے اساتذہ سے فیض پایا۔ ۱۸۸۹ء کے امتحان سالانہ مدرسہ عالیہ سے درجہ اول سے پاس ہوئے، طب یونانی لکھنو کے حکماء اور اپنے ماموں حکیم محمد اعظم خاں سے حاصل کی، کچھ دنوں تک رامپور

میں ریاست کی ملازمت کی، ۱۹۰۱ سے ۱۹۲۲ تک اودے پور کے ہائی اسکول میں ملازم رہے، وہاں سے ترکِ تعلق کر کے تمام توجہ تصنیف وتالیف پر صرف کی، ان کی تصنیف کا سلسلہ بہت وسیع ہے، اور اہلِ رامپور کوان کی ذات پر بجا طور پر فخر ہے۔ باوجود قلتِ معاش اپنے سرمایہ سے اپنی تالیفات کو مشتہر کراتے تھے۔ اپنی صحت اور اپنی تن آسانی کا مطلق خیال نہیں کرتے۔ شب وروز تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہتا، اوران کے قلم سے رامپور اور اہلِ رامپور کی علمی شہرت کا پورے ہندوستان میں چرچا ہے۔ مخصوص علم دوست احباب کے سواکسی سے نہیں ملتے۔ اور استغناء ایسا کہ کسی دولت مند سے کبھی حاجت بیان نہیں کی۔ تصانیف میں دستور الفصاحت، بحر الفصاحت، دبستانِ مذاہب، مشہور ہیں۔ اخبار الصنادید میں جلد دوم ص ۲۰ پر ایک عربی کتاب'' القول الفیصل فی تحقیق الطہر المتخلل'' کا ذکر ہے۔ ۱۷

----

(۱۲) مولانا عبدالحیٔ حسنیؒ

۱۸۶۹ـ۱۹۲۳

۱۲۸۶ـ۱۳۴۱ھ

مولانا سید عبدالحیٔ حسنی ۱۸ رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ/ ۱۲ ردسمبر ۱۸۶۹ میں دائرہ شاہ علم اللہ بیرونِ شہر رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان ہندوستان کا مشہور حسنی سادات خاندان ہے۔ اس خاندان میں بڑے بڑے مشائخ وصلحاء وعلماء اور مجاہدین پیدا ہوئے جن میں سے گیارھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عارف وشیخِ وقت حضرت شاہ علم اللہ (جو بیک واسطہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ تھے) اور تیرھویں صدی کے مشہور مجاہد ومصلح حضرت سید احمد شہیدؒ خاص طور پر نامور وممتاز ہیں۔

آپ طبعیتاً نہایت خوددار اور کم آمیز تھے۔ نمود ونمائش سے آپ کو سخت نفرت تھی، آپ نے جو کچھ تصنیفی یا علمی کام کیا نہایت خاموشی وگمنامی میں کیا بہت سے قریبی احباب کو آپ کے انتقال کے بعد آپ کے کارناموں کا علم ہوا۔ اردو فارسی عربی میں بلند پایہ رکھتے تھے ہندوستان میں ایسی

سلیس عربی لکھنے والے مشکل سے گذرے ہونگے، مولانا سید سلیمان ندوی ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں ''باوجود مستقل مطب وفرائضِ ندوہ، اور مذہبی رجوعِ عام کے وہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھا کرتے تھے، اسلامی ہندوستان کے پورے ہزار سالہ عہد میں شعراء، مشائخ وسلاطین کے سینکڑوں کے تذکرے اور تاریخیں لکھی گئیں ہیں۔ لیکن آزاد بلگرامی کی تصنیفات کو چھوڑ کر کوئی مختصر رسالہ بھی یہاں کے علماء و فضلاء کے حالات میں نہیں لکھا گیا۔ مولانا مرحوم نے اس نقص کو محسوس کیا اور پورے بیس برس اس کام پر صرف کئے اس عرصہ میں ہندوستان کی اس سرحد سے اس سرحد تک کوئی کتب خانہ نہیں چھوڑا جہاں ان کو ذوقِ طلب کھینچ کر نہ لے گیا ہو، اور بالآخر آٹھ جلدوں میں علماءِ ہند کی پوری سوانح عمریاں جمع کیں [نزہۃ الخواطر]۔ اس کا مقدمہ لکھا جس میں ہندوستان کے علوم وفنون کی تاریخ مرتب کی ،[معارف العوارف] عربی میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ایک صفحہ بھی نہیں۔ جو کچھ معلوم ہے وہ انگریزی کی زبانی۔ مرحوم نے ہندوستان کی اسلامی تاریخ، سلاطینِ اسلام، یہاں کے اسلامی تمدن، مساجد، مدارس شفاخانے اور دیگر خصوصیات پر ایک پوری کتاب تیار کی'' [جنۃ المشرق]۔

ان کی مایہ ناز وشہرہ آفاق تصنیف ''نزہۃ الخواطر'' جو آٹھ جلدوں میں ہے اس کتاب میں ساڑھے پار ہزار سے زیادہ اعیانِ ہندوستان کا تذکرہ ہے۔۔ کتاب سوانح نگاری کا ایک جیتا جاگتا مرقع ہے جس میں اصحابِ سوانح کے حقیقی خط وخال نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب مشرق ومغرب کے علمی حلقوں میں یکساں طور پر اس موضوع پر سب سے بڑے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی آٹھ جلدیں دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد کی طرف سے شائع ہوکر دور دراز ملکوں میں پہونچ چکی ہیں۔ [18]

(۲) معارف العوارف:۔ یہ ہندوستان میں علم وتعلیم کی تاریخ اور ہزار سالہ اسلامی عہد کے مصنفین و تصنیفات کی ڈائرکٹری ہے وہ اس سلسلہ میں ہندوستان سے متعلق مستند معلومات کا سب سے بہتر ماخذ اور ذخیرہ ہے۔ شرقِ اوسط عالمِ اسلام میں ہندوستان کو اس حیثیت سے متعارف اور مسلمانوں کی علمی و دینی خدمات سے واقف کرانے کا اس سے بہتر ذریعہ کوئی نہیں۔ معارف العوارف کو دمشق کی مشہور

سرکاری اکیڈمی ''المجمع العلمی العربی'' نے ۱۹۵۸ء میں ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند'' کے نام سے بڑے آب وتاب کے ساتھ شائع کیا اسی کا ترجمہ ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' کے نام سے دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا ہے۔

وفات: ۱۵ر جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ/ ۲ر فروری ۱۹۲۳ء جمعہ اور پنجشنبہ کی درمیانی شب میں چند گھنٹوں کی ناسازی طبع کے بعد انتقال کیا۔ جنازہ رائے بریلی لیجایا گیا جہاں اپنے آباء واجدادِ کرام کے پہلو اور حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی کے جوار میں مدفون ہوئے رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعہ۔

تاریخ وادب کے میدان میں ان کے کارنامے ہمیشہ یادگار رہیں گے اور جادہ علم وادب کے مسافروں کے لئے سنگِ میل ونشانِ منزل بنے رہیں گے ہندوستانی مسلمانوں کی اسلامی تاریخ پر مستند کتابیں موجود ہیں مگر ایک ہزار سال کے اشخاص ورجال کے احوال وآثار اور ان کے علمی وتمدنی کارناموں کی تفصیل یکجا طور پر نہیں ملتی۔ نزہۃ الخواطر، اور الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، اور الہند فی العہد الاسلامی، اسلامی اور علمی ذخیرے میں تاریخی اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں اور انکی اہمیت اور افادیت کو بقاءِ دوام حاصل ہے۔

---

(۱۳) مولانا شاہ عین القضاۃ لکھنوی

۱۲۷۴-۱۳۴۳ھ

۱۸۵۷-۱۹۲۴ء

مولانا عین القضاۃ بن محمد وزیر بن محمد جعفر حسینی حنفی نقشبندی، حیدرابادی، ثم لکھنوی ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں حیدراباد میں پیدا ہوئے۔ یہیں پر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر لکھنو آ گئے۔ اور علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی، اور اُن کے تلامذہ سے علومِ درسیہ کی تکمیل کی، اور حکمت وفلسفہ میں کمال حاصل کیا۔ میبذی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ پر طویل حاشیہ لکھا۔ پھر طبیعت پر تصوف کا غلبہ ہوا۔ اور

سورت (گجرات) جاکر شیخ موسیٰ جی ترکیسری سے سلوک کے منازل طے کئے۔ پھر واپس لکھنو آکر
اپنے استاذ مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے مکان واقع فرنگی محل میں اپنے والد کے ساتھ سکونت اختیار کی۔
اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ طویل عرصہ کے بعد حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں دو
سال قیام کر کے واپس لکھنو آگئے۔ اس مدت میں والدصاحب نے آپ کے لئے ایک مکان لکھنو میں
تعمیر کرادیا تھا جس میں آپ نے باقی عمر بسر کی۔ ۱۳۲۷ھ میں والدصاحب کے ساتھ دوبارہ حج کا سفر
کیا۔ واپسی پر آپ کے والد ماجد نے قرآنِ پاک کی تعلیم کے لئے مدرسہ فرقانیہ کی بنیاد رکھی۔ جس میں
آپ نے تاعمر تجوید وقراءت اور درسی علوم کی تدریس انجام دی۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں والد ماجد کے
وصال کے بعد مدرسہ کی تمام انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ کو سنبھالنا پڑیں، اور آپ کی سرپرستی میں
مدرسہ نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ آج بھی یہ مدرسہ اپنے اُسی اعتبار اور شان وشوکت کے ساتھ
خدمت انجام دے رہا ہے۔

وفات:۔ آپ نے ۲؍رجب ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں وفات پائی۔ ایران سے آپ کی ملاقات کیلئے
آنے والے کسی شخص نے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اشعار پڑھ کر سنائے تو آپ پر وجد کی ایسی
کیفیت طاری ہوئی کہ فی الفور سجدہ میں گر پڑے۔ اور اِسی حالت میں جان جاں آفریں کے سپرد کردی
۱۹

---

(۱۴) حکیم شفیق الرحمٰن رامپوری

(م ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء)

حکیم شفیق الرحمٰن رامپوری ریاست رامپور کے کوچہ لنگر خانہ میں رہتے تھے، ان کے والد کا نام
بندہ علی تھا جو نواب کلب علی خاں کے عہد میں کسی اعلیٰ عہدے پر ملازم تھے۔ حکیم شفیق رامپوری نے

مدرسہ عالیہ میں تعلیم حاصل کی تھی تمام مضامین میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتے تھے انگریزی عربی فارسی تینوں زبانوں سے واقفیت تھی۔نثر و نظم پر یکساں عبور تھا۔ ۸راگست ۱۸۹۰ میں محکمہ تعلیمات ریاست رامپور کی جانب سے جلسہ تقسیمِ انعامات میں نواب صفدر علی خاں و جنرل اعظم الدین خاں نے کتابیں اور کپڑے تحفے میں دئے ،تو اس کے شکریہ میں ایک قصیدہ پڑھا تھا۔مدرسہ عالیہ میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے لاہور گئے ،وہاں بھی پنجاب یونیورسٹی کے ہر تعلیمی مقابلہ میں امتیازی پوزیشن حاصل کی ۱۸۹۲ء میں آپ کو ریاست کے مڈل اسکول میں پڑھانے کی پیش کش کی گئی ،لیکن آپ نے نامنظور کردیا۔

حکیم شفیق الرحمن کا شمار انگریزوں کے خلاف جد و جہد کرنے والے باغیوں اور جنگِ آزادی کے مجاہدین میں ہوتا ہے ،ان کی سیاسی و سماجی سرگرمیاں ملک و بیرونِ ملک میں پھیلی ہوئی تھیں بیرونِ ریاست تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے آپ کے روابط اس عہد کے تمام آزادی پسند علماء و مجاہدین سے تھے ۱۸۹۴ء میں جب نواب حامد علی خاں کو ریاست کا مکمل اختیار حاصل ہوا ،تو اس وقت ان کی سیاسی سرگرمیاں شباب پر تھیں ،اور پھر کسی بات پر نواب حامد علی خاں سے رنجش ہوگئی ،اور انھیں قید کرنا چاہا۔حالات کی نزاکت دیکھ کر وہ بمبئی چلے گئے ،پھر وہاں سے مدینہ منورہ چلے گئے ،اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔وہاں بھی انگریزوں کے خلاف ان کی جد و جہد جاری رہی ،اور اسی سلسلہ میں ''الجیش الخمیس'' کے نام سے ''اخبار الاخوان'' میں مضامین لکھے ،جسمیں مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم کرنے اور انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے پر زور دیا تھا ،۱۹۱۴ء کی عالمی جنگ کے موقع پر انگریزوں کی مدد سے شریف حسین امیرِ حجاز نے ترکی سے آزادی کا اعلان کردیا۔چونکہ شفیق الرحمن انگریزی حکومت کی نگاہ میں باغی تھے۔اس لئے وہ اس موقع پر مدینہ سے نکل کر شام چلے گئے۔پھر جنگ ختم ہونے کے بعد مدینہ واپس آنا چاہا۔لیکن آپ کو معلوم ہوا کہ شریف حسین آپ کو گرفتار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔تو پھر ہندوستان کا رخ کیا۔اور ۱۹۲۰ئمیں بمبئی آگئے ،وہاں اپنے ایک دوست کے

پاس مقیم ہوئے، ۱۹۲۲ء میں خلافت کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں جب حجاز میں شریف حسین کا اقتدار ختم ہوگیا اور سعودی حکومت برسرِ اقتدار آ گئی تو آپ ۱۹۲۵ء میں پھر حجاز گئے۔ آخری وقت میں آپ کو ناسور ہوگیا تھا، اس کے علاج کے لئے بمبئی آئے اور یہیں انتقال کیا۔ رضالائبریری میں ''ایقاظ النعسان'' نام کی عربی کتاب موجود ہے۔[۲۰]

(۱۵) حکیم محمد اجمل خاں بن حکیم محمود خاں دہلوی

۱۲۸۴-۱۳۴۶ھ

۱۸۶۷-۱۹۲۷ء

ایک زمانہ تک ریاست رامپور کے نواب کی ملازمت کی۔ خاص سرکاری طبیب تھے، رامپور رضالائبریری کی پہلی عربی فہرست آپ کی نگرانی میں شائع ہوئی تھی، ۱۲۸۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، رشد وہدایت اور ذکاوت وفطانت کے آثار بچپن ہی سے تھے، قرآنِ پاک حفظ کیا، پھر بقدرِ ضرورت فارسی پڑھنے کے بعد عربی علوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ صرف ونحو معانی، بیان، ادب، منطق فلسفہ وحدیث تمام علوم میں تکمیل کی۔ درسی علوم سے فارغ ہونے کے بعد خاندانی فنِ طب کی طرف توجہ کی، ابتدائی کتابیں اپنے والد محمود خاں صاحب سے پڑھیں۔ مزید تعلیم حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے حاصل کی۔ جب اس فن پر پوری مہارت ہوگئی تو متقدمین کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، اس فن میں اتنی دسترس حاصل کرلی کہ جس کی مثال متقدمین ومتاخرین میں نہیں ملتی۔ طب کے علاوہ فنِ ادب سے بھی بے حد دلچسپی تھی۔ ادب عربی فارسی اور اردو پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ تینوں زبانوں میں منظوم ومنثور کلام کثرت سے موجود ہے نظم میں ان کا تخلص شیدا تھا، متعدد کتابیں عربی اردو میں موجود ہیں، کچھ چھپ چکی ہیں کچھ غیر مطبوعہ ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں ۶۳ سال کی عمر میں رامپور میں انتقال کیا، جنازہ دلی لے جایا گیا، جہاں اپنے آباءواجداد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

عربی تصانیف:- ۱-ازالة المحن ، ۲-التحفة الحامدیه فی الصناعة التکلیبه ، ۳-تدارك الخطاء ، ۳-حاشیه شرح اسباب بحث سرسام ، ۴-الساعاتیه ، ۵-القول المرغوب فی الماء المشروب ، ۶-مقدمة السلفات الطبیه ، ۷-الوجیزه ، ۸-ایقاظ النعمان فی اغالیط الامتحان - [۲۱]

----

(۱۶) مولانا خلیل احمد انبیٹھوی

۱۲۶۹-۱۳۴۶ھ

۱۸۵۲-۱۹۲۷ء

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری بن مجید علی، بن احمد علی، بن قطب علی، بن غلام محمد انصاری حنفی، انبیٹھوی، صفر ۱۲۶۹ھ کو اپنے نانیہال نانوتہ، (ضلع سہارنپور) میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے ماموں مولانا یعقوب بن مملوک علی نانوتوی، اور مولانا محمد مظہر نانوتوی، اور دیگر علماءِ کرام سے تعلیم حاصل کی۔ اور دار العلوم دیوبند، اور مظاہر علوم سہارنپور میں علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد اولاً مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں معین المدرسین بنائے گئے۔ اور ایک مدت تک بھوپال، سکندرآباد، بھاولپور، بریلی، میں تدریسی فرائض انجام دئے،۔ پھر ۱۳۰۸ھ میں دار العلوم دیوبند میں استاذ مقرر ہوئے۔ اور چھ سال تک حدیث شریف کا درس دینے کے بعد ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں صدر مدرس بنائے گئے۔ اور یہاں پر تقریباً تیس سال کی طویل مدت تک درس وافادہ میں مشغول رہے۔ ۱۳۲۵ھ میں مظاہر علوم کے ناظم بنائے گئے۔ اور آپ کے دورِ اہتمام میں مظاہر علوم نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ حتی کہ علمی مرتبہ میں "دار العلوم ثانی" کہلانے لگا۔ ۱۳۴۴ھ میں آپ حرم شریف تشریف لے گئے۔ اور پھر واپس نہیں لوٹے۔ آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، اور حضرت

مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، سے بیعت وتربیت، اور اجازت وخلافت کا شرف حاصل کیا۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ سنن ابی داؤد، کی شرح ''بذل المجہود'' کی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے اپنی عمر کے دس سال صرف کیے۔ ۱۳۴۵ھ میں کتاب کی تالیف سے فارغ ہوئے۔ یہ کتاب دراصل آپ کے زندگی بھر کے اشتغال فی الحدیث کا نچوڑ ہے۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد الیاسؒ، (بانی تبلیغ)، مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی (صاحب اوجز المسالک وغیرہ)، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی وغیرہ شامل ہیں۔ بذل المجہود کے علاوہ آپ کی دیگر تصنیفات میں ''المہند علی المفند'' ''اتمام النعم علی تبویب الحکم'' ''مطرقۃ الکرامۃ علی مرآۃ الامامہ'' ''ہدایات الرشید الی افحام العنید'' یادگار ہیں۔ آپ نے بروز بدھ عصر کے بعد ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع، اہلِ بیتؓ کے جوار میں مدفون ہوئے۔ ۲۲

---

(۱۷) ریاست علی شاہجہانپوری

(م ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

عالمِ فقیہ ریاست علی شاہجہانپوری کا شمار نقشبندیہ مشائخ میں ہوتا ہے۔ شاہجہانپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے شہر کے علماء سے بعض درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر رامپور تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا ارشاد حسین سے واسطہ رہا۔ ان سے فقہ، اصولِ کلام، منطق فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ ایک زمانہ تک اصحابِ طریقت کی صحبت میں رہے۔ پھر اپنے شہر واپس آئے۔ اور درس وتدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۴۹ء میں وفات پائی، علمِ تفسیر میں جواہر التنزیل نام کی ایک عربی کتاب ہے جس کے دو نسخے ندوۃ العلماء لکھنو کے کتب خانہ میں ہیں یہ کتاب ۱۳۲۵ھ میں شیاما پریس شاہجہانپور سے شائع ہو چکی ہے۔ ۲۳

---

(۱۸) علامہ حمید الدین فراہیؒ

۱۲۸۰۔۱۳۴۹ھ

۱۸۶۳۔۱۹۳۰ء

مولانا حمید الدین فراہی صاحب ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں پھریہہ میں ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے، مولانا کا خاندان ضلع اعظم گڈھ کے معزز خاندانوں میں شمار ہوتا ہے آپ مولانا شبلی نعمانی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی، سب سے پہلے انھوں نے قرآن حفظ کیا، اس کے بعد فارسی زبان کی تحصیل کی۔ عربی زبان کی تحصیل زیادہ تر مولانا شبلی سے کی۔ مولانا شبلی سے کسب فیض کے بعد مولانا نے وقت کے مشہور اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ چنانچہ علمِ فقہ کی تحصیل کے لئے مولانا نے کچھ مدت تک مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے حلقہ درس میں شرکت کی لکھنو چھوڑ نے کے بعد لاہور کا سفر کیا، اور مشہور ادیب مولانا فیض الحسن سے ادب عربی کی تکمیل کی، عربی زبان اور دینی علوم کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد بیس سال کی عمر میں مولانا انگریزی زبان کی تحصیل کیلئے علی گڑھ کالج میں داخل ہوئے علی گڑھ میں مولانا نے انگریزی اور دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ فلسفہ جدیدہ کی تحصیل کی، اس زمانہ میں علی گڈھ میں فلسفہ کے مشہور انگریزی پروفیسر آرنلڈ تھے۔ بی اے کی ڈگری مولانا نے الہ آباد یونیورسٹی سے حاصل کی۔ مولانا سب سے پہلے مدرسۃ الاسلام کراچی میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے اور یہاں انھوں نے کئی سال بسر کئے اسی دوران ۱۹۰۰ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن کے ساتھ ساحلِ عرب اور خلیج فارس کا سفر بہ حیثیت مترجم کیا، اسی سفر سے واپسی کے بعد علی گڑھ میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، چند سال علی گڑھ میں قیام کے بعد مولانا الہ آباد یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے وہیں سے ان کی خدمات حیدراباد نے دار العلوم حیدراباد کی پرنسپلی کے لئے حاصل کیں، حیدراباد کے زمانہ قیام میں مولانا کے سامنے ایک ایسی یونیورسٹی کا تخیل آیا جسمیں تمام دینی وعصری علوم کی تعلیم اردو میں دی جائے چنانچہ مولانا کا یہی تخیل

بالآخر جامعہ عثمانیہ کی شکل میں عملی صورت میں ظاہر ہوا۔ مولانا کا قیام حیدراباد میں ۱۹۱۹ء تک رہا، حیدراباد سے استعفاء دینے کے بعد مولانا اپنے وطن میں آگئے اور اب ان کو ذرا فرصت ملی کہ وہ مدرسۃ الاصلاح اور دارالمصنفین کی طرف متوجہ ہوں، جن کے انتظامی اور علمی اور تعلیمی معاملات میں وہ ابتداء ہی سے شریک تھے لیکن حیدراباد کے تعلق کے سبب کما حقہ ان کی طرف توجہ نہیں دے سکتے تھے۔

مدرسۃ الاصلاح ایک عربی و دینی درسگاہ ہے جو مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا شبلی نعمانی کے تعلیمی نظریات پر قائم ہے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۰ء تک انھوں نے اپنے وقت اور محنت کا بڑا حصہ مدرسہ ہی کی خدمت میں صرف فرمایا۔ مولانا کے رجحانات ابتداء ہی سے نہایت پاکیزہ تھے سچائی اور صبر کی عادت نہایت پختہ تھی۔ معاملات میں حد درجہ کھرے اور نہایت انصاف پسند تھے، انھوں نے اپنی زندگی کا معیار وہی بنالیا تھا جو مدرسۃ الاصلاح کے غریب اساتذہ اور طلباء کا تھا۔ یوں تو مولانا کی صحت بہت اچھی تھی لیکن دو بیماریاں ان کو بری طرح لاحق تھیں ایک دردِ سر جسکا حملہ اکثر ہوتا رہتا تھا۔ اور دوسری شکایت ان کو کبھی کبھی پیشاب رک جانے کی تھی اور یہ تکلیف ان کو کئی بار ہوئی۔ آخری بار جب ان کو یہ تکلیف ہوئی تو ان کو آپریشن کرانا پڑا جس کے لئے وہ اپنے ایک ہموطن ڈاکٹر کے پاس اعظم گڑھ سے متھرا گئے، وہیں آپریشن ہوا جو ناکام رہا۔ بالآخر وہیں ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء کو انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ [۲۴]

آپ کے متعلق مولانا مودودی لکھتے ہیں..

"عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ متأخرین میں قرآن مجید کے فہم و تدبر کے لحاظ سے بہت کم لوگ اس مرتبہ پر پہونچے ہیں جس پر اللہ تعالی نے مولانا حمید الدین فراہیؒ مرحوم کو سرفراز فرمایا تھا۔ انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ کلام اللہ کے معانی کی تحقیق میں صرف کیا۔ اور عربی زبان میں ایک ایسی محققانہ تفسیر لکھی جسکی نظیر متقدمین کی تصنیفات میں بھی کم ملتی ہے۔ مولانا فراہیؒ کا تفسیرِ قرآن میں ایک خاص اسلوب ہے جو اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہے وہ قرآنِ کریم پر روایات اور اسرائیلیات سے الگ

ہو کر غور کرتے ہیں جس میں نظمِ کلام پر خاص توجہ رہتی ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کلام نظم وترتیب سے خالی نہیں ہوسکتا۔ آیات کی تاویل اور الفاظ کی تشریح میں ان کا اعتماد خود قرآنِ کریم اور اس کے بعد کلامِ عرب پر ہے اور خاص کر کلامِ جاہلیت پر ان کی نگاہ اتنی دقیق اور وسیع ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، یہ بات پورے اطمینان کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شاید ہی عربی کا کوئی اچھا شعر ہو جو ان کے پیشِ نظر نہ ہو، ''فاتحہ تفسیرِ نظام القرآن'' علامہ مرحوم کی مشہور تفسیر کا مقدمہ ہے جسمیں انھوں نے اپنے مدۃ العمر کے تدبر فی القرآن کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ نہ صرف ان کے طریقِ تفسیر کو سمجھنے کے لئے اس حصہ کا مطالعہ ضروری ہے بلکہ جو شخص قرآن مجید کو محققانہ طریقے پر سمجھنا چاہتا ہو اس کے لئے یہ مقدمہ ایک اچھ رہنما ثابت ہوگا کیونکہ اس میں ایک فاضل محقق نے ان مہماتِ مسائل پر روشنی ڈالی ہے جو قرآن مجید کا تحقیقی مطالعہ کرنیوالے ہر شخص کو پیش آتے ہیں تفسیر قرآن کے اہم ترین مسائل میں سے ایک مسئلہ آیات اور سورتوں کے درمیان ربط نظام کا ہے اور یہ ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے کہ بہت سے مفسرین نے سرے سے ربط ونظام کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے، لیکن علامہ مرحوم اس کے قائل ہیں اور انھوں نے اس کے وجوہ ودلائل بیان کئے ہیں جو ہر محقق کے لئے لائقِ غور ہیں اسی طرح انھوں نے ان سوالات پر بھی اصولی بحث کی ہے کہ تفسیرِ قرآن میں خود قرآن سے، شانِ نزول سے، احادیث اور اقوالِ صحابہؓ سے، کلامِ عرب سے، کتبِ سابقہ سے کس طرح مدد لینی چاہیئے۔ یہ سب اہم مباحث ہیں اور ان میں طالبِ علم کے لئے بہت کچھ فوائد ہیں۔

مصنف علام نے عموماً قرآنِ مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے اسرار ومعارف بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں، اور ان کے عمود، نظمِ کلام، موقع ومحل، اور جامع الفاظ پر اسقدر پھیل کر نگاہ ڈالی ہے کہ ہر سورت اکثر وبیشتر مضامینِ قرآن کا ایک جامع خلاصہ نظر آنے لگتی ہے۔ غرض یہ کہ کتاب کا ہر صفحہ اعلیٰ درجہ کی تحقیق سے لبریز ہے۔ اور قرآن مجید کے معانی میں غور وخوض کرنے والوں کو تدبر کی نئی نئی راہیں دکھاتا ہے۔ آثارِ فطرت، اور تاریخ سے قرآن کے استدلال کو علامہ مرحوم جس بالغ نظری

کے ساتھ کھول کر واضح کرتے ہیں اور اس ضمن میں جیسے جیسے لطیف نکات بیان کرتے ہیں وہ ان کا ہی خاص حصہ ہے۔ وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء'' ۲۵

---

(۱۹) علامہ انور شاہ کشمیری

۱۲۹۲ھ۔۱۳۵۲ھ

۱۸۷۵۔۱۹۳۳ء

شیخ فاضل علامہ انور شاہ کشمیریؒ ابنِ معظم شاہ حسینی حنفی کشمیری، اکابر فقہاءِ حنفیہ میں تھے۔ اور حدیث کے زبردست عالم تھے، کشمیر کے گاؤں ''دودھوان'' میں ۲۷ر شوال ۱۲۹۲ھ کو پیدا ہوئے مختصرات کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر ''ہزارہ'' کا سفر کیا اور وہاں کے اساتذہ سے فقہ، اصول، منطق کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ۱۳۱۰ھ میں دیوبند کا سفر کیا، اور علومِ متداولہ کی تعلیم مولانا اسحاق امرتسری، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی علامہ محمود حسن (شیخ الہندؒ) دیوبندی سے حاصل کی، پھر مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس ہوئے اور ایک زمانے تک درس وافادہ کا کام انجام دیتے رہے اس کے بعد ۱۳۱۳ھ میں حجاز تشریف لے گئے، اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اور وہیں پر شیخ حسین بن محمد طرابلسی ''صاحبِ حمیدیہ'' سے سندِ حدیث حاصل کی اور ہندوستان واپس آکر دیوبند میں مستقل قیام فرمایا، اور ابتغاء لوجہِ اللہ درس دیتے رہے۔

۱۳۳۳ھ میں جب ان کے شیخ علامہ محمود حسن دیوبندیؒ نے لمبے قیام کے ارادے سے حجاز کا سفر کیا تو آپ کو اپنی جگہ سندِ حدیث پر فائز فرمایا، نیز دار العلوم دیوبند کا صدر مدرس بھی بنا دیا، چنانچہ آپ عرصہ تک ترمذی شریف، بخاری شریف، پڑھاتے رہے ہندوستان میں حدیث شریف کی صدارتِ تدریس آپ ہی پر ختم ہوتی ہے جس میں آپ مسلسل تیرہ سال تک یکسوئی کیساتھ ساتھ مشغول رہے۔ آپ کو مختلف مذاہب اور ان کے دلائل پر کافی دسترس تھی، دواوینِ سنت، شروحِ حدیث، اور متقدمین

کی کتابوں کا بڑا گہرا مطالعہ تھا۔ آپ کا سب سے بڑا شوق فقہ وحدیث کے درمیان مطابقت پیدا کرنا تھا۔ آپ حنفی مسلک کے زبردست حامی تھے، اس کی صحت وراجحیت پر دلائل کا انبار لگا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے درس سے بہت بڑی خلقت کو فیض بخشا۔ آپ کے ہاتھوں فضلاء کی بڑی تعداد فارغ التحصیل ہوئی جنھوں نے تدریسِ حدیث اور علم کی اشاعت کو اپنا مشغلہ بنایا، آپ ایک زمانہ تک یکسوئی کیساتھ درس وتدریس اور مطالعہ کتب میں منہمک رہے، اس کے علاوہ آپ کو کسی چیز میں لذت نہ ملتی، یہاں تک کہ ۱۳۴۶ھ میں مدرسہ میں ایک ایسا فتنہ پیدا ہوگیا جس نے آپ کو صدر مدرسی اور شیخ الحدیثی کے منصب سے ہٹنے پر مجبور کردیا۔ اور آپ بعض تلامذہ کے اصرار پر دیوبند چھوڑ کر قصبہ ڈابھیل (سورت گجرات) چلے گئے، وہاں آپ کے لئے وہاں کے تجار نے ایک مدرسہ قائم کردیا جس کا نام جامعہ اسلامیہ رکھا۔ اسمیں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ آپ کے ذریعے یہاں کے لوگوں کو بہت فیض پہونچا، اور اطراف واکناف سے علمِ حدیث کے طالبین اپنی تشنگی دور کرنے کے لئے آنے لگے۔ آپ وہاں پر تدریسی واصلاحی ذمہ داریاں بخوبی انجام دے رہے تھے کہ آپ کو بواسیر جیسی مہلک بیماری ایسی لاحق ہوئی کہ آپ کے قویٰ کو بیحد کمزور کردیا، چنانچہ آپ نے دوبارہ دیوبند کا رخ فرمایا۔ اور یہاں پہونچ کر ۱۳۵۲ھ میں آپ کا وصال ہوگیا، طلبہ اور علماء ومحبین کے جمِ غفیر نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی، آپ عیدگاہ سے اپنے گھر کے قریب ہی دفن ہوئے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ زبردست قوتِ حافظہ کے مالک تھے، متقدمین کے علوم پر گہری نظر، فقہ واصول میں کامل دسترس، اور عربی دینی تفسیری علوم اور علومِ حکمت میں نادرہ روزگار تھے نوعمری کا پڑھا ہوا سب ازبریاد تھا اور کتب خانے میں مطالعہ کردہ کتابوں کی ایسی ہو بہو عبارات سناتے کہ ذرا بھی فرق نہ ہوتا تھا۔ علم ومطالعہ کے حریص تھے، نئی تحقیقات کی بے پناہ لگن تھی، فقہاء ومحدثین کے طبقات اور ان کی تصانیف پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور ان پر حکم لگانے میں منصفانہ رائے قائم کرتے تھے۔ آپ علامہ ابنِ تیمیہ کے فضل ونبوغ کے بیحد معترف تھے۔ آپ ان کے کچھ امتیازات کو چھوڑ کر ان کو "بحرِ

ذخار'' سے موسوم کرتے تھے۔ اور حافظ ابنِ حجرؒ کے رسوخ فی العلم اور فنِ حدیث میں ان کے مقام کے بھی قائل تھے۔ نیز انکی کتاب ''فتح الباری'' پر آپ کو عبور تھا اور ہمیشہ اس کی تعریف کرتے تھے، اسی طرح شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی کے حقائق ومعارفِ الٰہیہ کے بیان کرنے میں ان کی مدح وتوصیف کر تے تھے، صاف ذہن، سلیم الفکر، کشادہ دل تھے۔ آپ کے اندر زبردست اسلامی حمیت تھی اور پوری قوت سے عقیدہ اہلِ سنت کا دفاع کرتے تھے آپ نے قادیانیت کے خلاف سخت معرکہ آرائی کی، ان کے کفر وضلال کو خوب کھول کھول کر بیان فرماتے۔ اور اپنے اصحاب وتلامذہ کو بھی اس کی تاکید کرتے، اسی مقصد سے اسفار اور تصنیف وتالیف اور تقریریں بھی کرتے تھے۔ درمیانی قد، خوبصورت، باوقار، پست آواز لایعنی سے دور رہنے والے تھے علم ودین ہی سے متعلق بات کرتے۔ آپ کی مجلس علم وافادہ کی مجلس ہوتی تھی آخر عمر میں آپ پر رقت اور غلبہ بکاء بہت زیادہ ہو گیا تھا، بات بات پر آنسو رواں ہو جاتے، اور حقائقِ الٰہیہ اور علومِ دقیقہ کا شغف بڑھ گیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں ابنِ ہمام کی ''فتح القدیر'' پر تعلیقات کتاب الحج تک ہیں اور'' الاشباہ والنظائر'' پر تعلیقات ہیں، اور مسلم شریف کا حاشیہ اور'' عقیدۃ الاسلام فی حیاۃِ عیسیٰ'' اکفار الملحدین فی ضروریات الدین'' ''نیل الفرقدین فی مسائلِ رفع الیدین'' اور مشکلات القرآن'' ہیں۔ آپ کے شاگردوں نے درسِ ترمذی کو'' العرف الشذی'' (عربی) کے نام سے مرتب کیا ہے اور اسی طرح آپ کے درسِ بخاری کو بھی آپ کے احباب نے'' فیض الباری'' (عربی) کے نام سے چار جلدوں میں مرتب کیا۔ جس کو مولانا بدر عالم میرٹھی نے شائع کروایا۔ آپ ''عربی کے شاعر'' بھی تھے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو اپنے شیخ حضرت گنگوہیؒ کی مدح میں فرماتے ہیں:

۲۶

قفا یا صاحبی عن السفار بمر أی من عرار أو بہار

یبیر بنشرھا نفحات انس وریا عندمحی من قطار

یفیض لروحہا نحات قدس حیاۃ للبراری والقفار

وقد عادت صباها من رباها — بأنفاس يطيب بها الصحار
فيرى في قلوب الصحب وجد — باطراف الحديث لدى اعتبار
اطيب لنشره نفساً ونفسا — فأروى من روايات الكبار
اتابعهم ويسلبني دموعي — حديثي من شيوخي في الادكار
اجلهم واجلهم مقاما — ابو مسعودهم جبل الوقار
لقد فرع الورى عملاً وعلماً — كارم ساعدت كرم النجار

---

(۲۰) مولانا اشرف علی تھانوی

۱۲۸۰ـ۱۳۶۲ھ

۱۸۶۳ـ۱۹۴۳ء

شیخِ فقیہ عالم، اشرف علی بن عبدالحق حنفی تھانوی واعظ، علم وفضل میں صاحب شہرت۔ ولادت تھانہ بھون (مظفر نگر) میں ۵/ ربیع الآخر ۱۲۸۰ھ کو ہوئی۔ مختصرات مولانا فتح محمد تھانوی، اور مولوی منفعت علی دیوبندی سے پڑھیں، منطق وفلسفہ کی اکثر کتب اور فقہ واصول کی بعض کتب شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے پڑھیں۔ فنونِ ریاضیہ، مواریث سید احمد دہلویؒ سے حدیث وتفسیر مولانا یعقوب بن مملوک علی نانوتوی سے دار العلوم دیوبند میں پڑھیں۔ پھر حجاز کا سفر کیا اور حج وزیارت کی سعادت کے بعد شیخِ کبیر حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ مہاجر مکہ مبارکہ سے سلوک کی تربیت حاصل کی اور ایک طویل مدت تک ن کی صحبت سے مستفیض ہونے کے بعد ہندوستان واپس لوٹے۔ اور کافی دنوں تک جامع العلوم کانپور میں مدرس رہے، ساتھ ہی اذکار واشغال کا اتنا انہماک تھا کہ آپ نے غلبہ حال کی وجہ سے تدریس چھوڑ دی، اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کا اور دوبارہ حجاز کا سفر کیا۔ اور ایک مدت تک اپنے شیخ کیساتھ رہے پھر ہندوستان میں واپس لوٹے اور اپنے وطن میں ۱۳۱۵ھ میں مستقل قیام

فرمایا۔ چنانچہ علاج معالجہ یا کسی اضطراری حالت کے بغیر آپ وطن سے باہر تشریف نہ لے جاتے اور بہت جلد آپ کی ذات بابرکت تربیت وارشاد، اصلاحِ قلوب، تزکیہ اخلاق میں مرجع خلائق بن گئی۔ اور مذکورہ مقاصد کے لئے لوگ ملک کے کونے کونے سے حاضر ہوتے۔ یہاں تک کہ تربیتِ مریدین، ارشادِ طالبین، نفس کی کھوٹ، شیطان کی دراندازی کے راستوں، باطنی امراض اور نفسانی بیماریوں کے علاج میں سیادت و سرداری آپ ہی پر ختم ہوتی ہے۔ آپ اپنی جگہ سے کہیں نہ جاتے، لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور آپ کی خانقاہ میں قیام واستفادہ کی کچھ قیود وشرائط تھیں، جن کو اہلِ طلب بخوشی گوارا کرتے۔ آپ کے یہاں دیگر خانقاہوں کی طرح مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام نہ تھا، بلکہ واردین اس کا بوجھ خود اٹھاتے۔ بعض فضلاء کچھ خصوصی مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام کرتے تھے۔ اس کے باوجود اہلِ طلب دور دراز سے آتے تھے اور اپنا خرچ خود برداشت کرتے

آپ کے اوقات بیحد منظم تھے نظام الاوقات کی پابندی وقت کی قدر و قیمت آپ کی بڑی خصوصیت تھی، جس پر سوائے اضطرار و ناگزیر حالات کے معمول میں کبھی فرق نہ آتا، آپ کی ذاتِ بابرکت ان عظیم علماءِ ربانیین میں سے تھی جس کے مواعظ وتالیفات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو فیض عظیم پہونچایا اور آپ کی مجالسِ وعظ کی تعداد چار سو مجلسوں تک پہونچتی ہے آپ کی کتابوں اور مجالس وعظ سے لوگوں کے عقائد واعمال کی زبردست اصلاح ہوئی۔ ہزاروں لوگ مستفید ہوئے اور ایک بڑی تعداد (جسکا علم اللہ ہی کو ہے) نے جاہلانہ رسوم و بدعات سے توبہ کی۔ جو مسلم سماج میں اہلِ ہنود کے طویل اختلاط کے سبب مسلمانوں کی خوشی وغمی کے مواقع میں شامل ہو گئیں تھیں تصوف و طریقت کو آسان بنا کر پیش کرنے وسائل ومقاصد اور صورت وحقیقت کے فرق کو واضح کرنے میں آپ کا بڑا ہاتھ ہے۔ آپ کو معارف الٰہیہ کا گہرا علم تھا، تصنیف وتذکیر میں مہارت تھی۔ آپ کو اللہ نے وہ مقبولیتِ عام عطاء فرمائی تھی جو عصرِ حاضر میں کسی عالم وشیخ کو میسر نہیں ہوئی۔

آپ کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد آٹھ سو تک پہونچتی ہے جن میں سے بارہ کتابیں عربی

میں ہیں ان میں ''انوار الوجود فی اطوار الشہود'' (۲) ''التجلی العظیم فی احسن تقویم'' (۳) ''سبق الغایات فی نسق الآیات'' زیادہ مشہور ہیں۔ حقوق کی ادائیگی میں سخت محاسبہ کرتے، معاملات کی درستگی پر سب سے زیادہ زور تھا۔ اس سلسلہ میں آپ کسی تساہل یا کوتاہی کو برداشت نہ کرتے۔ آپ ۱۶/رجب ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو اللہ کے جوار رحمت میں پہنچ گئے، اسوقت آپ کی عمر ۸۲ سال تھی، تھانہ بھون میں مدفون ہوئے۔[۲]

''حواشی باب چہارم''

۱ ''میری طالب علمی'' / حضرت مولانا محمد منظور نعمانی (الفرقان۔ لکھنو)

۲ تاریخ دار العلوم دیوبند / سید محبوب رضوی، ص ۳۵، ۳۶۔

۳ تحریک کی تفصیلات کیلئے دیکھیں:۔ سوانح حضرت جی ثالث / سید محمد شاہد سہارنپوری، ص ۶۔ ۷۔ ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس / محمد منظور نعمانیؒ۔ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت / سید ابوالحسن علی ندویؒ، تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ / محمد منظور نعمانیؒ، فضائل اعمال /، مولانا محمد زکریا شیخ الحدیثؒ۔

۴ ہندوستان، تاریخ ثقافت وفنون لطیفہ / عتیق انور صدیقی ص ۲۹۵۔ ۲۹۷۔

۵ 'تاریخ آزادی کا ایک روشن باب'' / محمد یوسف رامپوری، (راشٹریہ سہارا، دہلی ۱۵/اگست ۲۰۰۱ء)۔ '' مولانا محمد علی جوہر اور جنگ آزادی'' / ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی (رامپور ۱۹۹۸ء) ص ۳۳ '' مولانا محمد علی کی یاد میں'' / صباح الدین عبدالرحمن (اعظم گڈھ ۱۹۷۷ء) ص ۱۱۔

۶ تاریخ دار العلوم دیوبند / سید محبوب رضوی۔

۷ حیات العلماء / عبدالباقی سہوانی ص ۱۲۷۔

۸ حیات العلماء ص ۱۳۷۔

۹ حیات العلماء/عبدالباقی سمووانی ص ۱۳۸۔

۱۰ نزہہ ۸/۱۷۶

۱۱ مقدمۃ الانتقاد علی التمدن الاسلامی للعلامہ شبلی النعمانی

۱۲ تذکرہ کاملانِ رامپور ص ۸۴

۱۳ تذکرہ کاملانِ رامپور ص ۲۴۴

۱۴ نزہہ ۸/۲۲۲۔۲۲۴

۱۵ دیکھیں مضمون ''بانگ درا'' از دانش اختر (لکھنو مارچ ۱۹۹۴ء) ص ۲۹۔اور نزہۃ الخواطر ج ۸/۲۲۲۔۲۲۴

۱۶ دیکھئے نزہہ ۸/ ۳۸۔۴۱۔مزید تفصیلات کیلئے دیکھیں: ''حیات احمد رضا'' /پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد علوی المیزان بمبئی کا خاص نمبر۔اور تذکرہ علماءِ ہند وغیرہ۔

۱۷ دیکھئے: نزہہ ۸/۴۹۲

۱۸ تاریخ ندوہ، دوم ص ۱۳۴۔۱۳۶۔

۱۹ (نزہہ ۸/۳۳۸۔۳۳۹)

۲۰ حالات کے لئے دیکھیں ماہنامہ ''آج کل'' نئی دہلی۔شمارہ اگست ۱۹۷۹ء۔

۲۱ نزہہ ۸/۱۱۔۱۴

۲۲ نزہہ ۸/۱۳۳۔۱۳۶

۲۳ نزہہ ۸/۱۵۴

۲۴ ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء/ یونس نگرامی مرحوم۔

۲۵ ''شخصیات'' /سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ص ۱۹۴۔۱۹۶۔

۲۶ نزہۃ الخواطر ج ۸/ص ۸۰۔۸۴۔

۲۷ نزہہ ۸/۵۶۔۵۹

☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب پنجم:

آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب

عربی ادب آزادی کے بعد:

گذشتہ طویل بحث وتحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان (غیر عرب ملک ہوتے ہوئے بھی) عربی زبان وادب کی خدمت میں سب سے آگے ہے، اور ہندوستانی علماء نے شروع سے ہی اسلامی علوم وفنون کو عربی سے ہندوستانی زبانوں میں منتقل کرنے اور انھیں رواج دینے کی کوشش کی ہے۔ بہت کچھ وقت کے ہاتھوں ضائع ہونے، یا تاریخ کے صفحات میں گم ہونے کے باوجود جو کچھ ہمارے ہاتھوں تک پہونچا ہے۔ وہ ہندوستان کو غیر عرب مما لک میں عربی زبان وادب کی خدمت کے سلسلہ میں پہلا مقام دینے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ یہ ہندوستانی علماء کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کہ قرآنِ کریم کے ہزاروں ترجمے، وتفاسیر، اور کتبِ حدیث کی بیشمار شروحات، اور فقہی کتابوں کے ان گنت ترتیب وتدوین کے نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ اور ادب وتاریخ ودیگر موضوعات پر لکھی گئی امہات الکتب اِن کے علاوہ ہیں۔ نیز ہندوستان میں لاتعداد ادارے، بورڈز، آرگنائزیشنز، وجود میں آئے جنھوں نے عربی ترجمہ وتالیف کے میدان میں انقلاب پیدا کیا۔ جن میں ا۔ فورٹ ولیم کالج، جمعیۃ سرسید احمد خاں، دار الترجمہ ملک رنبیر سنگھ، دار الترجمۃ العثمانیہ حیدر اباد۔ دار المصنفین اعظم گڈھ، المجمع العلمی العربی ندوۃ العلماء شامل ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں علومِ اسلامیہ کی حفاظت واشاعت کی ایک لہر چلی تھی جس میں مسلمانوں کی غیرتِ اسلامی نے پورے ہندوستان میں دینی مدارس کا ایک جال بچھادیا تھا۔ ان مدارس نے دینی تعلیمات وعقائد کی حفاظت، کتاب وسنت کی اشاعت، کے سلسلہ میں

کلیدی رول ادا کیا تھا۔ اور لاتعداد علماءِ کرام کی ایک ایسی نسل تیار کردی جنھوں نے تعلیم وتالیف، کتابت وخطابت، صحافت وادارت، بحث وتحقیق، ترجمہ وتصنیف وغیرہ بہت سے میدانوں میں نمایاں کارنامے انجام دئے۔ اور عہدِ حاضر میں یہ مدارس اپنی خدمات کے لئے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

اِن مدارس میں چار مدرسوں کو خاص طور پر اوّلیں مقام حاصل ہے۔ جن میں سب سے پہلے دار العلوم دیوبند کا نام آتا ہے۔ جس نے درسی کتابوں کی شروحات وترجمہ پر سب سے زیادہ زور دیا۔ اور قرآن وحدیث، فقہ، نحو، منطق، وغیرہ میں سب سے زیادہ کتابیں بڑی تعداد میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ دوسرا ادارہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو ہے۔ جس کے فارغ التحصیل طلباء نے عربی زبان و ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، اور اپنی عربی تصانیف کے لئے عربوں سے لوہا منوایا۔ ان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا مسعود عالم ندوی کے اسماءِ گرامی نمایاں ہیں۔ اور تیسرے ادارے جامعہ سلفیہ بنارس کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جس نے کم مدت میں عربی کتابوں، وترجموں، کی ایک معتبر تعداد پیش کی۔ اور مقتدیٰ حسن ازہری، نور عظیم ندوی، صلاح الدین سلفی جیسی شخصیات پیدا کیں۔ اسی طرح جامعہ دار السلام عمر آباد نے بھی بڑا کام کیا ہے۔ خاص طور پر مولانا محمد یوسف کوکن عمری کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

جہاں تک یونیورسٹیوں کا تعلق ہے تو دورِ حاضر میں تقریباً دس بارہ یونیورسٹیوں میں عربی زبان وادب کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مؤلفین ومترجمین کی ایک بڑی تعداد وہاں سے نکل کر تیار ہوئی ہے۔ جنھوں نے بعد میں ادب وتاریخ، فلسفہ واجتماع، سیاست واقتصادیات، ودیگر علوم میں بھی لازوال شاہکار پیش کئے ہیں۔ ان میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، دہلی یونیورسٹی دہلی، لکھنو یونیورسٹی لکھنو، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، الہٰ آباد یونیورسٹی الہ آباد، بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس، جامعہ عثمانیہ حیدراباد، سینٹرل انسٹی ٹیوٹ فار انگلش اینڈ فارن لنگویجز حیدراباد، وہ ہیں جنھوں نے خاص

طور پر عربی شعبوں میں نمایاں ترقی کی۔اور عہد حاضر کے عبقری ادباء کو جنم دیا۔اور ہر میدان میں عربی نگارشات یادگار چھوڑیں۔جن کا ذکر اپنی جگہ پر آئیگا۔

مدارس وجامعات کے علاوہ ایسی منفرد شخصیات بھی ہیں۔جو کسی ادارے کی طرف منسوب نہیں ہیں۔لیکن انفرادی طور پر انھوں نے اکیڈمیوں کی برابر کام کیا۔قابلِ قدر عربی تحریریں، ترجمے دنیا کو دئے۔۔الغرض ہندوستان نے غیر عربی ملک ہوتے ہوئے بھی عرب ممالک کی طرح عربی خدمات انجام دیں اور غیر عربی ممالک میں اپنی عربی خدمات کے سلسلہ میں ممتاز درجہ حاصل کیا اور رہتی دنیا تک اس کی ناقابلِ فراموش خدمات سنہری حرفوں میں لکھی جائیں گی۔

☆☆☆☆☆

"آزاد ہندوستان کے عربی ادباء"

گذشتہ ابواب میں قرنِ اوّل سے لیکر عہدِ حاضر تک ہندوستان میں عربی زبان وادب کے ارتقاء کا جائزہ لیا گیا تھا۔اور ہندوستان میں عربوں کی آمد،اور ہندوستان میں عربی زبان کے ظہور سے لیکر بیسویں صدی تک تاریخی، سیاسی وسماجی، پسِ منظر،اور عہد بہ عہد عربی زبان وادب کے ارتقاء کا مجمل جائزہ لینے کی کوشش کی گئی تھی۔بابِ چہارم بیسویں صدی کے نصفِ اوّل سے متعلق ہے۔اس لئے اس میں بیسویں صدی کے تاریخی وسماجی حالات کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔اور اُن عربی ادباء کے سوانحی وادبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے جنھوں نے آزادی سے پہلے وفات پائی۔

موجودہ بابِ پنجم چونکہ مقالہ کی اصل روح ہے اور آزادی کے بعد کے عربی ادب سے متعلق ہے۔اس لئے ذیل میں اُن عربی ادباء کے سوانحی حالات وادبی خدمات کا مفصل ذکر کیا جارہا ہے جنھوں نے آزادی کے بعد ہندوستان میں عربی میں خدمات انجام دیں۔اُن میں ماشاء اللہ بڑی تعداداُن اربابِ قلم کی ہے جو ابھی بقیدِ حیات ہیں،اور مشغولِ خدمت ہیں۔اور ایسے ادباء بھی بکثرت

ہیں جو بیسویں صدی نصفِ ثانی کے درمیانی حصہ میں انتقال کر گئے ۔ اسی کے ساتھ ہم نے اُن ادباء کو بھی اس باب میں شامل کیا ہے جن کا اصل دورِ عروج آزادی سے قبل رہا ہے لیکن پھر بھی وہ آزادی کا سورج طلوع ہونے کے بعد ابتدائی چند برسوں تک موجود رہے۔ جیسے مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، اور مولانا ابوالکلام آزادؒ، وغیرہ۔

اور اِسی طرح اُن ادباء کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو آزادی کے بعد پروان چڑھے، لیکن کسبِ معاش کے سلسلہ میں بیرونِ ملک ہجرت کر گئے، اور عرب ممالک وغیرہ میں اپنے وطن سے دور رہ کر بھی اپنے قلم کے جوہر دکھاتے رہے۔ جیسے مولانا غازی عزیر، مولانا محمد لقمان ندوی، مولانا تقی الدین ندوی، مولانا عزیر شمس وغیرہ۔

۱۔ علامہ ابراہیم بلیاویؒ

(م ۱۹۶۷ء)

آپ یوپی کے شہر بلیا میں ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان پنجاب سے جونپور آکر آباد ہوا تھا، پھر بلیا منتقل ہو گیا۔ جونپور ہی میں آپ نے فارسی، عربی، معقولات، دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی، مولانا فاروق احمد چریاکوٹی، مولانا ہدایۃ اللہ خاں (تلمیذِ فضل حق خیرابادی) وغیرہ تھے۔ آپ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذِ رشید مولانا عبد الغفار کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ۱۳۲۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۳۲۷ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی سال مدرسہ عالیہ فتح پوری میں مدرس ہوئے۔ آپ نے عمری ضلع مراداباد، مدرسہ دار العلوم مئو، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، اور دار العلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ کچھ دنوں بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، پاٹ ہزاری چاٹ گام (بنگال) میں بھی پڑھایا۔ اور پھر ۱۳۶۶ھ میں دار العلوم دیوبند میں واپسی ہوئی اور حضرت مدنیؒ کی وفات ۱۳۷۷ھ کے بعد دار العلوم کے صدر مدرس بنائے گئے۔ اور تاحیات اس پر فائز رہے۔ آپ نے تفسیر وحدیث، عقائد

وکلام میں بے مثل خدمات انجام دیں، عرصہ تدریس ۶۰ رسال سے متجاوز ہے۔ طلبہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ آپ کی تدریسی مہارت اور علمی کمال کے ثبوت کے لئے دار العلوم دیو بند کی روداد کے یہ الفاظ کافی ہیں:۔ ''مولوی محمد ابراہیم صاحب تمام علوم میں کامل الاستعداد ہیں، معقول وفلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے ہیں۔ فلسفہ ومنطق اور کلام کے انتہائی اسباق، صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک، حمد اللہ، امور عامہ کے علاوہ شرح مطالع، شرح اشارات، وغیرہ پڑھاتے ہیں۔ طلبہ کا زیادہ میلان ان کی طرف رہتا ہے۔ نہایت خوش تقریر ہیں، غرض یہ ایک نہایت قابل قدر اور شہرت و وقعت حاصل کرنے والے مدرس ہیں۔

حضرت شیخ الہند ؒ سے آپ کو بیعت وتلمذ دونوں کا شرف حاصل تھا۔ عربی تصانیف میں سلم العلوم پر عربی حاشیہ ضیاء النجوم ہے، اور میبذی وخیالی پر بھی آپ کے حواشی تھے جو محفوظ نہ رہ سکے۔ ترمذی شریف کا حاشیہ جو آخری عمر میں زیرِ قلم تھا، پایہ تکمیل کو نہ پہونچ سکا۔

۲۴ ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء کو ۸۴ رسال کی عمر میں وفات پائی۔ اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔ [1]

۲۔ (مولانا) ابوبکر حسنی ندوی

(م ۲۰۰۲ء)

عربی زبان وادب کے اسکالر اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ کے ہم عصر جمعیۃ العلماء۔ تبلیغی جماعت، دار العلوم دیو بند اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے وابستہ لوگوں میں تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم میسور میں ہوئی، اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے فراغت حاصل کی اور پھر لکھنو یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد حلیم ڈگری کالج کانپور میں عربی کے لیکچرر رہے۔ اس کے بعد آل انڈیا ریڈیو دہلی کے شعبہ عربی سے وابستہ ہوئے پھر جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے غیر ملکی زبان کے

شعبہ میں نو سال تک استاد رہے۔ ہاکی کے بہترین کھلاڑی تھے ریاستی سطح پر کھیلوں میں حصہ لیتے تھے۔
ان کے والد مولانا عزیز الرحمن حسنی بھی ایک معروف عالمِ دین تھے جو دار العلوم ندوۃ العلماء سے وابستہ تھے۔ مولانا ابوبکر حسنی نے ۹۰ سال کی عمر پائی اور ۱۴؍ دسمبر ۲۰۰۲ء کو انتقال فرمایا۔ ناظمِ ندوۃ العلماء مولانا محمد رابع حسنی ندوی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کو عربی زبان واصطلاحات پر عبور حاصل تھا۔ متعدد مضامین ''البعث الاسلامی، الرائد، ثقافۃ الہند'' میں شائع ہوئے۔ [۲]

۳۔ (حضرت مولانا سید) ابوالحسن علی ندویؒ

(۱۹۱۴۔۱۹۹۹ء)

۲۳ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ کو بیسویں صدی کے آخری دن (۱۹۹۹ء کے آخری دن) میں عالمِ اسلامی ایک زبردست بلند پایہ شخصیت سے محروم ہوا یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ذاتِ گرامی جو تین چوتھائی صدی سے قوم کی خدمت کے لئے وقف تھی، اور ایک عالم انکے فیوض، تقاریر، تالیفات، لیکچرز، دینی و روحانی تربیت سے مستفید ہو رہا تھا۔ جو حرکت و نشاط، حمیت و غیرت، کا پیکر تھے، دائم الفکر، زود نویس، کثیر الاسفار، تھے اور وہ شہرت پائی کہ معاصرین میں شاید ہی کسی داعی یا عالم کو ملی ہو۔

آپ کی پیدائش ۱۹۱۴ء کو خالص دینی وعلمی گھرانے میں ہوئی جنکا نسب حضرت حسنؓ ابن علیؓ سے ملتا ہے اور دین وادب کے باکمالوں کی گود میں آپ کی پرورش ہوئی۔ چنانچہ پہلے والد مرحوم پھر بڑے بھائی کی تربیت پائی اور اپنے اساتذہ ومشائخ کی صحیح رہنمائی ملی۔ آپنے علوم کے اصلی سرچشموں دیوبند، لکھنو، لاہور، سے بھی علمی پیاس بجھائی اور رائے پور، بھوپال، سہارنپور، کے روحانی مراکز سے بھی کسبِ فیض کیا، تکمیلِ علوم وفنون اور تربیت وتزکیہ کے بعد آپ کی صلاحیتوں کا دریائے فیض رواں ہوا، تو بہت جلد معاصرین میں داعی، ادیب، مصنف کی حیثیت سے ممتاز ہوئے۔ اور آپ کی تالیفات،

محاضرات، رسائل کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ عالمِ عربی کے دورے کئے اور اپنا سفرنامہ "مذکرات سائح فی الشرق العربی" کے نام سے لکھا۔ اور مشہور کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" تصنیف فرمائی جو پہلے احمد امین اور پھر سید قطب کے مقدمہ کیساتھ شائع ہوئی، نشاۃِ ثانیہ کے شائقین، اخوان المسلمین اور تحریکِ اسلامی کے حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ اور عربوں میں آپ کے تعارف اور مقبولیت کا سبب بنی۔ پھر مختلف ممالک کو خطاب کرتے ہوئے مختلف رسائل سامنے آئے: (۱) "اسمعی یا ایران" (۲) "اسمعی یا مصر" (۳) "اسمعی یا سوریا" (٤) "اسمعی یا زھرۃ الخلیج" وغیرہ۔

ایک منفرد داعی کی حیثیت سے ابھرنے کے کچھ خاص اسباب تھے۔ مثلاً:

ا۔ عربی زبان پر بے پناہ قدرت،

(۲) طاقتور حرکتِ اسلامی، اور دینی بیداری، اور شرقِ عربی کے متعلق فکر مندی۔

(۳) اپنی کتابوں کی نشر واشاعت اور تقسیم وتوزیع کا اہتمام۔

(۴) عالمِ عربی کی اہم شخصیات سے مضبوط تعلقات قائم رکھنے کا جذبہ۔

(۵) انگریزی، اردو، عربی میں اپنی کتابوں کے ترجمہ کا اہتمام۔

(۶) بڑی تنخواہوں کے قبول سے انکار۔ اور دعوت وتربیت، تصنیف وتالیف کیلئے خود کو وقف کردینا۔

(۷) حساس سیاسی، دینی مسائل پر اپنا خاص موقف اور صحیح کوششیں۔

(۸) کسرِ نفسی، تواضع، لباس وآرائش کی سادگی، زہد واستغناء، حرصِ دنیا سے بے نیازی۔

آپ کی کتابیں تقریباً ۱۷۶ منظرِ عام پر آئیں۔ جسمیں بہت سے دعوتی رسائل، محاضرات، ٹیپ شدہ لیکچررز بھی ہیں۔ لیکن سب میں جو چیز مشترک ہے وہ طاقتور اسلوب، سلیس عبارت، بے پناہ تاثیر، ان کے علاوہ وہ بڑی تصنیفات، جن میں مؤلف کی شخصیت، اور قدرتِ بیان وقوتِ تالیف، پورے طور پر

سامنے آئی ہے وہ یہ ہیں:

۱- ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، ۲- الارکان الاربعه، ۳- الصراع بین الفکرة الاسلامیه و الفکرة الغربیه، ۴- رجال الفکر والدعوه، ۵- الطریق الی المدینه، ۶- اذا هبت ریح الایمان، ۷- السیرة النبویه، ۸- روائع اقبال، وغیره

آپ کی یہ کتابیں فہمِ عمیق، قدرتِ تعبیر اور ایمانی افکار وجذبات کا زندہ ثبوت ہیں اور قارئین کے دلوں پر عجیب وغریب تاثیر چھوڑتی ہیں اور ادبی موضوعات پر تو آپ کا قلم عام نثر سے ہٹ کر شعرِ منثور کی شکل ختیار کر لیتا ہے اور دلوں کو مسحور کر دیتا ہے۔ حضرت مولانا ایک عام مفسّر، محدّث، یا فقیہ نہیں تھے۔ بلکہ ساتھ ہی ایک پر جوش داعی، ماہر ادیب اور ایسے مؤرخ تھے جنکی قوموں کے امراض، ان کے عروج و زوال کے اسباب پر گہری نظر تھی۔ اور قدرتِ بیان و تالیف کیساتھ ساتھ اشتراکیت، جمہوریت، سامراجیت اور تمام مصنوعی باطل نظاموں کا وسیع مطالعہ اور ان کی کمزوریوں کا بھرپور علم تھا۔ اسلام کو انسانیت کا سب سے اچھا نعم البدل نظام مانتے تھے اور اپنی پوری قوتِ ایمان وبیان کے ساتھ بتکرار واصرار اپنے خیالات کا اظہار فرماتے تھے۔ آپ خاص طور پر عالمِ عرب میں تحریک اسلامی کے علم بردار تھے۔ اور حضرت مولانا محمد الیاس بانیِ تبلیغ اور امام حسن بنّاء اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے اخلاص و پاکیزگی، سوزِ دروں، دعوت وغیرتِ دینی کے معترف تھے۔ آپ کو طویل ملی تاریخ پر اعتماد، اور زمانے کے رموزِ تجدید سے واقفیت تھی، نیز آپ تنظیم وامارت سے زیادہ روحانی تربیت پر زور دیتے تھے۔ اور خود بھی تمام عمر مربیانِ کبار کیساتھ رہے۔ اور ان کی سوانح حیات اور تذکرے بھی لکھے۔ جیسے سوانح شیخ عبد القادر رائپوری، تذکرہ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادابادی۔ سوانح شیخ مولانا زکریا کاندھلوی، اور ملفوظاتِ مولانا محمد یعقوب مجددی بھوپالی، تصنیف فرمائیں۔ آپ عربوں کو اسلام کی بنیاد مانتے تھے۔ اور ان کی دعوت وتربیت پر پورا زور صرف فرماتے تھے۔ چنانچہ چھوٹے بڑے بہت سے رسالے آپ نے صرف عربوں کو مخاطب کرنے کے لئے لکھے ہیں۔ جنمیں انکو اسلام کی طرف واپسی اور فریضہ دعوت

کی ادائیگی پر ابھارا ہے۔ مثلاً:۔١-الیٰ الرایة المحمدیہ ایہا العرب-٢-بین العالم وجزیرة العرب-٣-اکبر خطر علی العالم العربی-٤-العرب والاسلام-٥-العرب یکتشفون انفسہم-٦-الفتح للعرب و المسلمین-٧-کیف یستعید العرب مکانتہم اللائقة بہم-٨-کیف ینظر المسلمون الیٰ الحجاز والجزیرة العربیة-٩-مستقبل الامة بعد حرب الخلیج-١٠-نفحات الایمان بین صنعاء وعمان-١١-موقف العالم العربی تجاہ الحضارة الغربیة-١٢-العوامل الاساسیہ فی کارثة فلسطین-١٣-اسمعوا منی صریحةً ایہا العرب-١٤-احادیث صریحہ مع اخواننا العرب المسلمین-

ان ''اسمعیات'' کے علاوہ بھی جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے آپ نے بہت سے رسائل لکھے۔ ان سبھی رسالوں میں عربوں کو ان کی حیثیت یاد دلانے، ان کی ہمتوں کو بلند کرنے، اور نبی پاک ﷺ سے وفاداری اور آپ کی شریعت ورسالت کو تھامنے پر زور دیا ہے۔ ٣

آپ کو اپنی زندگی میں ہی وہ مقام ملا جس کے مستحق تھے۔۔ دکتور مصطفیٰ سباعی نے دمشق یونیورسٹی میں استاذ زائر کی حیثیت سے مدعو کیا۔ دمشق کے المجمع العلمی العربی نے آپ کو اپنا اعزازی رکن منتخب کیا۔ نیز مدینہ یونیورسٹی کی مجلسِ شوریٰ اور رابطہ عالم سلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن منتخب ہوئے۔ اور شاہ فیصل عالمی ایوارڈ بھی آپ کو دیا گیا۔ اس کے علاوہ بیسوں اداروں اور صدہا مراکزِ اسلامی کے ممبر رہے۔ ٢٣ رمضان المبارک ١٤٢٠ھ کو ١٩٩٩ء کے آخری دن وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً وامطر علیہ شآبیب رضوانہ۔

مقام:۔

مولانا کی مقبولیت، محبوبیت شہرت وعظمت اور عام قلوب میں عقیدت ایک نادر مثال ہے جس کی نظیر ہندوستان میں اس صدی میں اگر ہے تو شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی ذاتِ گرامی ہے۔ جن کو برِ صغیر کے تمام حلقوں نے قبول کیا تھا۔ مولانا کو عالم عربی میں جو مقام کئی دہائیوں تک

حاصل تھا،موجودہ دور کی اسلامی نشاۃِ ثانیہ کے بانیوں میں ایک مخلص ترین صاحب علم وادب،اور صاحبِ بصیرت داعی الی اللہ کا تھا۔جسمیں سرِ فہرست شیخ حسن بناءؒ کو تسلیم کیا جاتا ہے۔عالم اسلام میں مولانا کی شخصیت یکتا اور منفرد تھی۔جن کی سطح کی کوئی دوسری شخصیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔یہ کہنا بالکل برحق ہوگا کہ اپنے آخری دور میں امام العرب والعجم تھے مولانا کو یہ مقام انکے اخلاص،علم وفضل ،کمالِ دینی بصیرت عربی زبان وادب پر نہایت اعلیٰ اور استادانہ قدرت،داعیانہ جذبہ،سوزِ دروں، اور ایمانی حرارت،حمیت وغیرت،زہد واتقاء،استغناء وترفع،تواضع ومرحمت،نجابت وشرافت،رقت ورافت،علم ودوراندیشی،وضع داری وخاکساری اور اسطرح کے نہ جانے کتنے اوصاف کی وجہ سے ملا جو مولانا میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔

شخصیت کے تکمیلی عناصر اور خاندانی خصوصیات:

مولانا جس خاندان میں پیدا ہوئے وہ محمد ذوالنفس الذکیہ الشہیدؒ کے توسط سے نواسہ رسول ﷺ حضرت حسنؓ سے ملتا ہے۔اور بارہویں پشت میں سید قطب الدین محمد المدنی جو سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے بھانجے تھے اور پندرھویں پشت میں حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ (۱۰۳۳۔۱۰۹۶) خلیفہ سید آدم بنوریؒ،خلیفہ مجدد الف ثانیؒ ہیں جنھوں نے تکیہ کی بستی آباد کی۔اور انھیں کی چوتھی پشت میں سید احمد شہیدؒ ہیں جن کی تحریک اصلاح وجہاد سے برِ صغیر میں ایمان کی بادِ بہاری چلی۔مولانا کے والد ماجد بلند پایہ ادیب ومؤرخ،اور محدثانہ رسوخِ علمی رکھنے والے خاموش مصنف وانشاء پرداز تھے وہ ندوۃ العلماء کے ناظم اور اور اپنی خاندانی روایات کے امین تھے،اویسِ زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادا بادی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے تصوف وسلوک کا ربط رکھتے تھے۔مولانا میں ان کا ذوقِ تصنیف اور زبان وبیان پر قدرت اور سوانح نگاری کی میراث منتقل ہوئی۔ساتھ ساتھ تصوف وسلوک کا تعلق بھی۔والدہ ماجدہ ایک نہایت متقیہ،عابدہ زاہدہ،اوراد واذکار،تلاوت ونوافل،کی بہت پابند اور دعاء ومناجات کا بہت زیادہ ذوق رکھنے والی خاتون تھیں۔ان کو دیکھ کر یہ خیال آتا کہ یہ اپنے دور کی

رابعہ بصریہ" ہیں۔نرمی مروت، دوسرے کا پاس ولحاظ کسی کو ادنیٰ تکلیف دینے سے گریز، بے انتہا شرم و حیاء، اور انقطاع وتبتل الی اللہ، وہ اوصاف تھے جنمیں مولانا کی والدہ خیر النساء، بہتر صاحبہ اپنے دور کی فرد فرید تھیں۔اوران سب پر مستزاد ادبی ذوق اور شعروشاعری جو اسی للّٰہیت اور انابت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔مولانا کی شخصیت کی تکمیل میں والدین کے اثرات سب سے زیادہ نمایاں تھے۔

مولانا کے خاندان نے اپنے نسب کی حفاظت غلو ومبالغہ کی حد تک کی۔اور یہ خاندان ہمیشہ خالص عقیدہ توحید پر قائم، مشرکانہ اثرات سے محفوظ اور بدعات سے مجتنب اور تشیع کے اثرات سے دور رہا۔توحید و اتباع سنت کی دعوت عام طور پر اسکا شعار رہی۔حمیت دینی اور جذبہ جہاد بھی خاندان کا امتیازی وصف تھا۔اوراس میں چالاکی اور سیاسی ذہانت کے بجائے سادہ دلی اور بھولا پن پایا جاتا تھا۔یعنی ظالم بننے سے زیادہ مظلوم بننے، کسی کو نقصان پہونچا کر نفع حاصل کرنے سے زیادہ کھونے اور نقصان اٹھالینے کی صلاحیت زیادہ تھی۔اس میں ایک طرف علمائے ربانی پیدا ہوتے رہے تو دوسری طرف مشائخِ روحانی۔اسمیں کبھی دولت کی فراوانی نہیں رہی۔زیادہ تر مجاہدہ اور عسرت کا دور گذرا۔زیادہ سے زیادہ بقدرِ کفاف لوگوں کو حاصل ہوا۔[۲]

ولادت:۔

۶رمحرم ۱۳۳۲ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۱۳ء بروز جمعہ بمقام تکیہ کلاں، رائے بریلی۔یوپی۔

والدین:

والد کا نام حکیم سید عبدالحئی حسنی اور والدہ کا نام خیر النساء تھا، بہتر تخلص رکھتی تھیں۔ڈاکٹر سید عبد العلی (م ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) آپ کے بڑے بھائی، اور امۃ اللہ تسنیم صاحبہ (۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) اور امۃ العزیز آپ کی بڑی بہن تھیں۔مولانا مرحوم کی والدہ محترمہ حافظ قرآن تھیں، اور آپ کی خالہ زاد بہن، ممانی، پھوپی، سب کی سب حفظِ قرآن کیئے ہوئے تھیں۔۹رسال کی عمر میں آپ کے والد ماجد (م

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) اور ۵۶ سال کی عمر میں آپ کی والدہ (م ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء) کا انتقال ہوا۔

تعلیم:۔

ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ سے حاصل کی اس کے بعد مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی اور مولانا محمود علی سے قرآن مجید، اردو، فارسی، پڑھی۔ باقاعدہ عربی کی تعلیم کا آغاز شیخ خلیل عرب محمد انصاری یمانی سے ہوا۔ اور ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ اور ان ہی کی تربیت میں عربی زبان وادب کی تکمیل بھی کی۔ دار العلوم دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب سے علم فقہ کا درس لیا۔ قاری اصغر علی صاحب سے روایت حفص کے مطابق تجوید پڑھی۔

نکاح:۔

شادی نومبر ۱۹۳۴ء میں حقیقی ماموں زاد بہن سید احمد سعیدؒ کی صاحب زادی، حضرت شاہ ضیاء النبیؒ کی پوتی، اور مفتی عبد الرزاق صاحب ''صاحبِ صمصام الاسلام منظوم ترجمہ فتوح الشام'' کی نواسی سے ہوئی اور مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا سید حیدر حسن خاںؒ نے نکاح پڑھایا۔ آپ کی کوئی صلبی اولاد نہیں ہے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ سے فلسفہ پڑھا۔ اور سید صاحب کے عزیز شاگرد رہے۔ ۱۹۳۱ء میں مولانا احمد علی لاہوری کے شیخ مولانا غلام احمد بھاولپوری سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۹۴۶ء میں اپنے شیخ کے اشارے پر مولانا عبد الرحیم رائے پوری کے خلیفہ مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری سے بیعت ہوئے۔ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان انگریزی زبان سیکھنے پر توجہ دی۔ جس سے اسلامی موضوعات اور عربی تہذیب و تاریخ وغیرہ پر انگریزی کی کتابوں سے براہِ راست استفادہ کرنے کے لائق ہوئے۔

حلیہ ولباس:

درمیانہ قد، بلندی تقریباً ساڑھے پانچ فٹ، گول چہرہ، صبیح رنگ ہاتھ مخمل جیسا نرم و ملائم۔ حساس طبیعت، ہمیشہ سفید کپڑے زیب تن فرماتے، کرتا اور چوڑی مہری کا پاجامہ جو ٹخنوں سے

اوپر رہتا۔ٹوپی کبھی کھڑی دیوار،کبھی پلے دار،عیدین وتقریبات سفر میں شیروانی پہنتے تھے۔اور عیدین کے موقع پر سر پر رومال اور جبہ،چھڑی،تسبیح،اور جیب گھڑی ساتھ رہتی۔آپ کی خوشی کا سب سے بڑا لمحہ وہ تھا جب ۱۹۹۸ء میں حرم شریف حاضری کے وقت کلید بردار نے کلید کعبہ شریف کی چوکھٹ پر رکھتے ہوئے تالہ کھولنے کا اشارہ کیا،اور دخول کعبہ کا شرف حاصل ہوا۔

علمی ودعوتی زندگی کا آغاز:۔

۱۹۳۴ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرس بنائے گئے۔اور تفسیر وحدیث اور عربی ادب،تاریخ و منطق کے مضامین پڑھائے۔۱۹۴۵ میں ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن کی حیثیت سے منتخب کئے گئے۔۱۹۵۱ میں علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد بالاتفاق معتمد تعلیم متعین کئے گئے۔۱۹۵۱ میں تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی۔۱۹۵۴ء میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام قائم کی ۱۹۶۱ء میں برادر بزرگ ڈاکٹر عبدالعلی حسنی صاحب کی وفات کے بعد ناظم ندوۃ العلماء منتخب ہوئے۔۱۹۸۵ء میں دمشق سے نکلنے والے پرچے ''المسلمون'' کے لئے پہلا اداریہ "ردۃ ولا ابابکر لہا" لکھا۔اور ۱۹۵۵ء میں ندوہ سے نکلنے والے عربی رسالہ ''البعث الاسلامی'' اور ۱۹۵۹ء میں نکلنے والے عربی پندرہ روزہ ''الرائد'' کے سرپرستِ اعلیٰ رہے۔۱۹۲۹ء میں لاہور کا سفر کیا۔ جو دور دراز کا سب سے پہلا سفر تھا۔جہاں لاہور کے علمی ودینی بزرگوں سے ملاقاتیں کیں اور شاعرِ اسلام ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملے۔جن کی نظم ''چاند'' کا عربی ترجمہ کیا تھا۔اسے پیش کیا۔

وفات:

۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کی کڑکڑاتی سردی اور کہرے کی دبیز چادر میں لپٹی سیاہ رات جب دوپہر سے اپنے گھروں سے کار،اسکوٹر،موٹر سائیکل،ٹرین،غرض ہر دستیاب سواری سے روانہ ہونے والوں کا سلسلہ رات تک جاری رہا تھا۔رات کے کسی بھی حصہ میں سڑک کے کسی بھی حصہ پر روشنی کی کمی نہیں تھی۔۔تکیہ

کلاں پر ایسا انسانی سمندر کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ان سواریوں پر ارباب اقتدار، اوران کے نمائندے بھی تھے۔علماءِ حق بھی تھے، اکابرینِ ملت بھی تھے، وکلاء تھے، صحافی تھے، کاروباری تھے، دانشور تھے، سیاسی سماجی اور ملی رہنما تھے عورتیں تھیں، بچے تھے۔اور دلوں کی اِس بھیڑ میں ہر دل رو رہا تھا۔حضرت مولانا کے آخری دیدار کے لئے لمبی قطار لگی ہوئی تھی۔تدفین کا وقت آیا تو کاندھا دینے کے لئے ہر شخص بچین تھا۔مولانا کے گھر سے ان کے آبائی قبرستان تک چند منٹوں کا راستہ کئی گھنٹے میں طے ہوا۔۔لاکھوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور تدفین کے بعد مٹی دینے کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہا۔متعدد بار قبر سے مٹی زیادہ ہوجانے کی وجہ سے ہٹائی گئی۔ ۵

اہم تصانیف:۔ تعداد کے لحاظ سے ۱۷۶ عربی کتابوں کی فہرست ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں مولانا محمد طارق زبیری ندوی نے شائع کی ہے، اور اردو کتابیں اس کے علاوہ ہیں۔جمیں اکثر وہ جو آپ کی عربی تصنیفات کا ترجمہ ہیں اور چند کتابیں ایسی ہیں جو اصلاً اردو میں لکھی گئی تھیں بعد کو ان کے عربی ترجمے ہوئے۔ایسی کتابیں جو ایک ہی زبان میں ہوں بہت کم ہیں مولانا نے سیرت سید احمد شہید کے عنوان پر عربی میں ایک مقالہ ۱۶ سال کی عمر میں لکھا تھا۔جس کو پسند کرنے والے علامہ تقی الدین ہلالی اور علامہ رشید رضا مصری تھے علامہ رشید رضا نے اس کو کتابی شکل میں شائع کیا۔جب عربی میں ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین " لکھی تو مصر وشام کی یونیورسٹیز کے ماہرین نے اور تاریخِ امم کے بڑے بڑے اسکالرس نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔علامہ شام شیخ محمد المبارک جو زبان و بیان اور فنِ تاریخ میں اتھارٹی تسلیم کئے گئے تھے انھوں نے اس کتاب کو اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا۔بچوں کی تعلیم کے لئے جب عربی ریڈریں قصص النبیین اور القراءۃ الراشدہ لکھی تھیں تو اس کی قدر دانی کرنے والوں میں سید قطب شہیدؒ تھے جنھوں نے خود اسی مقصد سے چند ریڈریں لکھی تھیں۔ثانویہ درجات کے طلبہ کیلئے "مختارات"، لکھی تو سعودی وزارت تعلیم کے ماہر فضلاء نے اس کو نصاب مطالعہ میں جگہ دی۔اور چالیس ہزار نسخے طلب کئے، جس کو کویت کے دار القلم نے فراہم کیا۔مختارات نے ایک سنگ میل کا

درجہ حاصل کیا ہے۔ یہی بنیاد بنا ہے ادب اسلامی کی تحریک کا۔ ادب صرف نظم ونثر کے ان مجموعات میں محصور نہیں ہے جن پر ادب کا ٹھپہ لگا ہے۔ یا جو ادب کے نام پر لکھی گئی ہیں۔ ادب اپنے مقصد کو بھر پور مقتضاءِ حال کے مطابق، اچھے الفاظ، طبعی و بیساختہ ترکیبوں سے ادا ہونے والی بات کو کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے بڑھ کر ادب کہیں نہیں مل سکتا۔ ادب اسلامی کی عالمی تحریک کا یہ سنگ بنیاد اسی کتاب نے رکھا۔ اور الجزائر مراکش سے لیکر خلیج تک ادباء وعلماء نے اس کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ [۶]

(۱) ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین:

کتاب کا پہلا باب "جاہلیت عالمہ" کی تصویر کشی پر مشتمل ہے سیرت نگار علماء کا روایتی اسلوب یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہلِ مکہ یا بعض اہلِ عرب قبائل کی اعتقادی وعملی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں مثلاً معاشی بے انصافی، اخلاقی بدعنوانی، اور انارکی کو شرح وبسط سے بیان کرتے ہیں جسمیں دختر کشی، سرقہ و رہزنی، شراب نوشی، اور قمار بازی، آپس کی جنگیں، اور طویل مدت تک انتقام کا سلسلہ قائم ہونا وغیرہ۔ "ماذا خسر" کے مصنف نے صرف عربوں کے نہیں بلکہ تمام انسانی آبادی کا سروے پیش کیا ہے۔ اور عرب کے باہر ساری دنیا میں جو جاہلی نظام رائج تھا اس کی واقعات وحقائق کی روشنی میں تصویر پیش کی ہے تا کہ معلوم ہو کہ انسانیت عالمگیر پیمانے پر کس پستی بلکہ خودکشی اور خودسوزی کی منزل پر پہونچ گئی تھی۔ اس زاویہ سے پہلے کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ جاہلیت کا مسکن صرف عرب کے علاقے ہی نہیں، بلکہ سارا عالم اس شکنجہ میں تھا، اس کتاب کا یہ نادر باب ہے کہ یہ مضمون یکجا پہلے کہیں نہیں دیکھا گیا۔

کتاب کا دوسرا باب رسول اللہ ﷺ کی سیرت سازی کے تابناک نمونوں پر مشتمل ہے۔ اس باب میں دکھایا گیا ہے کہ درس گاہِ نبوت سے جو نسل تعلیم پا کر نکلی اس کی زندگی ایمان لانے سے پہلے کی زندگی سے کس درجہ مختلف تھی اور یہ کہ آپ نے تربیتِ نفوس میں کس کو اولیت کا درجہ دیا ہے۔ کام کہاں

سے شروع ہوا اور کہاں ختم ہوا ہے اور یہی طریقہ قیامت تک کے لئے کامیابی کا ضامن اور انقلاب حال کا ذریعہ ہے۔

تیسرے باب میں مسلمانوں کے زوال کی المناک داستان پیش کی گئی ہے اور اس کے تاریخی انحطاط، اور انحطاط کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کا چوتھا باب یورپ کی نشاۃِ ثانیہ پر مشتمل ہے، جس میں دکھایا گیا ہے کہ یورپ کے منصب قیادت پر آنے اور دنیا کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لینے کے کیا محرکات تھے۔ اور اس کے مادّی اسباب کیا تھے۔ اور یورپ نے کس طرح اور کیوں عیسائیت سے انحراف کیا۔ اور خالص مادیت کے راستہ پر پڑ گیا۔ یورپ میں مذہب و سائنس کی آویزش، ریاست وحکومت کی رقابت اور یورپ کے اخلاقی زوال اور نئے اخلاقی تصورات، اقدار، قوم ونسل پرستی کے ارتقاء کے سلسلہ میں مصنف کی وسعتِ مطالعہ نظر آتی ہے۔ اس کتاب کا بڑا طاقتور اور مؤثر حصہ وہ ہے جس کا عنوان ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم روح العالم العربی'' ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عربوں کو جو کچھ نصیب ہوا وہ سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے صدقے اور آپؐ کے طفیل میں ہوا۔'' یہ کتاب مسلمانوں سے احساسِ کمتری کو دور کرنا چاہتی ہے جو انحطاط سے اور اپنی کمزوریوں کے احساس سے، اور مغربی تہذیب کو وہ درجہ دینے کی وجہ سے جسکی وہ مستحق نہیں ہے پیدا ہو گیا ہے۔

(۲) رجال الفکر و الدعوہ:

یہ کتاب اردو میں پانچ جلدوں اور عربی میں چار اجزاء پر مشتمل ہے یہ ان بزرگانِ سلف کی انفرادی خصوصیات اور جہادی کارناموں کی تفصیل ہے جنھوں نے مصنف کی ذہنی تشکیل، اور ذوق و رجحان کی تعمیر میں اپنا گہرا نقش ڈالا ہے۔ دمشق یونیورسٹی میں جو خطبات پڑھے گئے وہ ظاہر ہے عربی ہی میں تھے۔ لیکن بعد میں مصنفؒ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا، جن مردانِ فکر وعمل کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور جنھوں نے ایک سوانحی سانچہ اختیار کیا اُن میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ امام حسن بصریؒ، اور ان کے خلفاء، امام احمد بن حنبلؒ، شیخ ابوالحسن اشعریؒ، اور ان کے رفقاء، امام غزالی، شیخ

اکبر عبد القادر جیلانیؒ، اور مولانا جلال الدین رومیؒ تھے، دین کی تجدید واصلاح کرنے والی ہستیوں کیساتھ ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جو مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کے محافظ ہوئے، جن کے کارناموں نے ساری دنیا میں مسلمانوں کی ایک دھاک بٹھادی۔ اور ہمیں حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، اور حضرت عمر بن ابی العاصؓ جیسے مجاہدین کی طرح ایک نام دوسرے ناموں کے ساتھ نظر آتا ہے جسکی عظمت کے آگے ساری مسیحی دنیا نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ مرا مطلب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ سے ہے۔ مذہب کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام کی تاریخ میں کوئی مختصر مدت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی دعوت بالکل بند ہو چکی ہو۔ ایسے طاقتور اشخاص ہمیشہ پیدا ہوتے رہے۔ جو ہر فتنہ کا مقابلہ کرتے رہے، قدریت، جہمیت، اعتزال، خلقِ قرآن، وحدۃ الوجود، بڑے اہم عقائد تھے، لیکن اسلام نے اُن پر فتح پائی۔ اور اب ان کی تفصیل صرف تاریخ عقائد میں محفوظ ہے۔ تجدید وانقلاب، دعوت واصلاح، اسلام ہی کی طرح مسلسل ہے۔ یہ تاریخ زیادہ تر ان کتابوں میں محفوظ ہے جسمیں شاگردوں اور مریدوں نے اپنے اساتذہ اور شیوخ کے نصائح، ملفوظات، حقائق اور معارف قلم بند کیے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ مجددین اور مصلحین کے مکتوبات اور مواعظ کے مجموعے ہیں، دعوت وعزیمت اس امت کے ہر دور میں اپنا کام کرتی رہی۔ یہ کتاب ان لوگوں کا بیان ہے جنھوں نے جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا۔ امت میں ایمانی روح پیدا کی۔ امت کو نئے فتنوں میں پڑنے سے باز رکھا، اجتہاد کا دروازہ کھولا۔ معاشرہ میں احتساب کا فرض ادا کیا۔ اور ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔

(۳) الصراع بين الفكرة الاسلاميه و الفكرة الغربيه فى الاقطار الاسلاميه :-

اصلاً یہ کتاب عربی میں لکھی تھی اس کتاب میں بہت سے ایسے عوامل و موثرات، ذہنی شورشوں اور اصلاحِ حال کے لئے ابھرنے والی شخصیات، تنظیموں، انجمنوں کی انفرادی واجتماعی کاوشوں کا ذکر علمی وعقلی بنیادوں پر کیا گیا ہے، یہ کتاب ایک سوالیہ نشان ہے، ان سازشوں اور چوطرفی حملوں کا مسلمانوں کے پاس کیا علاج ہے؟۔ کیا منفی اثرات قبول کر کے بیٹھ جانا، اور اسلامی مورچہ کو چھوڑ کر

الگ ہو جانا، یا ان حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہئے۔ یہ کتاب اپنی گونا گوں خصوصیات کی بناء پر مصنف کو معاصر علماء کی صف میں ایک ممتاز مقام عطاء کرتی ہے جس کی کاوش کا علمی محور دین کی سلامتی، اور ایمان کی قوت ہے۔ اور بقول علامہ احمد محمد طحان: اس کتاب کے مصنف کے متعدد امتیازی اوصاف جو اس کتاب میں جھلکتے ہیں ایسے ہیں جنھوں نے اسلامی امور کی گتھیاں سلجھانے میں اور علمی وعقلی بنیادوں پر مسائل کا حل بتانے میں اپنے تمام معاصر علماء میں تحقیق کے سب سے بلند مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔

(۴) اسلام کا تمدن پر اثر اور انسانیت پر اس کے احسانات:

یہ کتاب اصلاً عربی میں لکھی گئی تھی اور اردو و انگریزی میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں یہ کتاب ایک غیر جانب دارانہ جائزہ ہے کہ اسلام نے دنیا کو کیا دیا۔ کتاب داعیانہ خطابت اور علمی استدلال کا مجموعہ ہے انسانی تمدن کا ایک جائزہ بھی ہے، اور ادیان و مذاہب کا تعارف بھی۔ یہ کتاب دمشق اور بیروت کے دار ابن کثیر نے شائع کی ہے۔

(۵) اذا ھبت ریح الایمان

سید احمد شہیدؒ کی زندگی اور جہادی کارناموں کے درمیان جو عجائب وغرائب دنیا نے دیکھے ہیں اس کی جھلکیاں اس کتاب میں پیش کی گئی ہیں، جسکا نام مصنف نے اذا ھبت ریح الایمان - رکھا، اور اس کا اردو ترجمہ "جب ایمان کی بہار آئی" کے نام سے کیا گیا ہے، اس کے کئی ایڈیشن مختلف سائزوں میں شائع ہو چکے ہیں اور بہت سے اہلِ علم نے اس کتاب کو پڑھ کر سید احمد شہید کی پوری سیرت وسوانح پڑھنے کی آمادگی محسوس کی۔

(۶) المرتضیٰ

حضرت مولانا مرحوم کی کتاب "المرتضیٰ" جو عربی میں لکھی گئی تھی اپنے طرز کی واحد کتاب ہے

جو سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات ہے۔اوران کے خصائص وکمالات پر روشنی ڈالتی ہے یہ ایک ایسے نادرہ روزگار عبقری شخصیت کی سوانح ہے جن کی اصلی شخصیت افراط وتفریط اور اختلافات کے پردے کے پیچھے چلی گئی ہے۔ مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے ان کو اپنے افکارو نظریات اور روایتی عقائد کے تحت دیکھا ہے، المرتضیٰ کے مصنف نے ان کی پاک اور بے داغ زندگی ،ان کی شخصی خصوصیات ،ان کی اعلیٰ اسلامی قدروں کو جس پر وہ کاربند تھے اس انداز سے لکھا ہے کہ ان کے عہد کی پوری تصویر سامنے آگئی ہے اور عہدِ خلافت میں جن مسائل اور مشکلات سے وہ گذرے اور جو نازک مرحلے ان کی زندگی میں پیش آئے سب کا مؤرخانہ بیان بھی ہے۔ان کی بے نظیر زاہدنہ زندگی، صحیح فیصلے اور اقدامات ،فرزندانِ والا مرتبت اور ساداتِ کرام وآلِ رسول ﷺ کے اعلیٰ اخلاق و شمائل سب کا بیان مستند تاریخ کی کتابوں سے اخذ کیا ہے اور تجزیہ کیا ہے۔

(۷) بصائر:

یہ کتاب ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور علمی تاریخ کا ایک منصفانہ جائزہ ہے کتاب میں ذکر کردہ قدسی صفات ،عالی نفوس حضرات جو احیائے دین کے بانی مبانی تھے انھوں نے مذہب کی تجدید کے ساتھ معاشرے کی تجدید بھی کی ہے۔حضرت مولانا نے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سے ابتداء کی ہے اور علامہ سید سلیمان ندوی پر خاتمہ کیا ہے۔ایک طبقہ نے جماعتی مفادی یا شخصی مصلحت یا ایک خاص مشرب اور طریقہ کو فائدہ پہونچانے کے لئے ان بزرگوں کے بناء کردہ دینی تحریکوں ،دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش شروع کی ہے یہ کتاب اس کے ازالہ کے لئے لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب عربی میں لکھی گئی تھی۔اس کا اردو ترجمہ میاں جعفر مسعود حسنی نے کیا ہے۔

عربی اسلوب:

ہندوستان میں عربی کے سب سے بڑے اسکالر عبدالعزیز میمنی نے متعدد بار اپنی مجلسوں میں

اس کا اظہار کیا ہے کہ عربی زبان لکھنے پر جو قدرت علی میاں کو ہے وہ اس ملک میں کسی کو حاصل نہیں۔تحریر میں کاتب کا سب سے بڑا کمال کسی واقعہ کا تجزیہ کرنا اور وصف نگاری ہے یہ بات خداداد حضرت مولانا کو اس وقت حاصل تھی جب ان کی عمر صرف سولہ سال کی تھی۔ایک پختہ کار اہلِ قلم بننے کے آپ کی تحریروں کے سینکڑوں بلکہ ہزار ہا فقرے ادبی تحفے کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔حضرت مولانا کی عربی تحریر میں عجمیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔یہ راقم کا تجزیہ نہیں بلکہ عرب علماء وادباء کی رائے ہے اس کا سبب معلوم ہے کہ انھوں نے عربی عرب اساتذہ سے پڑھی ہے اور مطالعہ خاص عربی نژاد ادباء اور اہلِ قلم کی تحریروں کا رہا۔عنفوانِ شباب میں وہ ''الضیاء'' کے معاون ایڈیٹر تھے۔علامہ شکیب ارسلان (امیر البیان) نے مولانا کے مضمون کے حسنِ انشاء اور حسنِ ترجمانی کی داد دی جو''الضیاء'' میں چھپتے تھے۔ ۷

۴۔ابوسحبان روح القدس ندوی

(و۔۱۹۵۴ء)

ابوسحبان ولد عبدالحلیم روح القدس ولد حافظ حکیم نصیر الحق ولد جناب علی شجا علپوری مونگیری، دینی و دنیاوی تعلیم میں ممتاز گھرانے میں پیدا ہوئے۔والدہ کا اسمِ گرامی سیدہ طیبہ تھا جو قاضی محمد ظفر پورنوی مونگیری کی صاحب زادی تھیں،۔آپ کی تاریخ پیدائش ۱۵ر فروری ۱۹۵۴ء ہے ابتدائی اردو، فارسی، انگریزی حساب وغیرہ کی تعلیم گھر پر ہی حافظ خلیل الرحمن، اپنی بہن عصمہ اور والد ماجد سے حاصل کی اس کے بعد آپ کے ماموں شیخ ابو محمد شبلی آپ کو لکھنو لائے اور ندوۃ العلماء لکھنو میں ۱۹۶۴ء میں داخل کرادیا جہاں سے آپ نے عالمیت (۱۹۷۲ء) اور فضیلت (۱۹۷۴ء) میں تکمیل کی۔پھر ندوہ نے جلاء کی غرض سے مدینہ یونیورسٹی تعلیم کے لئے بھیجا۔جہاں سے آپ نے ۱۹۷۹ء میں لیسانس کی ڈگری

حاصل کی۔ ۱۴۰۰ھ کو لکھنو واپس ہوئے اور ندوۃ العلماء میں تدریس پر مامور ہوئے۔ اور ساتھ ہی ''الرائد'' میں مستقل کالم ''درس من السنہ'' اور ''علی مائدۃ القرآن'' لکھنا شروع کیا، جو تا حال جاری ہے۔ ۱۹۸۱ء میں ندوہ ہی کے مشہور استاذ مولانا محبوب الرحمن ازہری کی صاحب زادی ''رفعت محبوب'' سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ ۱۹۹۰ء میں لکھنو یونیورسٹی سے عربی ادب میں ایم اے کیا۔ ''روائق الاعلاق'' نام کی ایک ضخیم عربی تالیف یادگار ہے جو علامہ عبدالحیٔ حسنیؒ کی تہذیب الاخلاق کی عربی ہی میں شرح ہے۔ اس میں آپ نے بہت ہی سہل اسلوب اور آسان زبان اختیار کی ہے۔

ضخامت لگ بھگ ۷۵۵ صفحات ہے۔ ۳ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ کو تالیف سے فراغت ہوئی اور ۱۹۹۸ء میں مجلسِ تحقیقات ونشریاتِ اسلام نے اس کو بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ کتاب پر ابو محفوظ کریمی معصومی صاحب نے نظرِ ثانی کی ہے اور حضرت مولانا علی میاںؒ نے مقدمہ لکھا ہے۔ ۸

۵۔ (ڈاکٹر) ابوسفیان اصلاحی

نام ابوسفیان اصلاحی، ولدیت حاجی محمد امین خاں، علی گڈھ یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں تقریباً ۱۲ سال سے تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مستقل رہائش موضع طویٰ، اعظم گڈھ ہے، آپ نے ۱۹۸۱ء میں مدرسۃ الاصلاح سے فضیلت کیا۔ پھر ۱۹۸۴ء میں بی اے۔ اور ۱۹۸۵ء میں ایم اے کیا نیز ۱۹۸۸ء میں ایم فل کیا۔ تدریس کے علاوہ ۱۵ سال سے تحقیق کے میدان میں سرگرم ہیں۔ تقریباً ۱۴۰ مضامین لکھے جو مختلف جرائد میں شائع ہوئے اور تقریباً ۱۵ سیمناروں میں شرکت فرمائی۔ متعدد کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

تصانیف: مصر میں مقالہ نگاری کا ارتقاء۔ ۲۔ ابنِ ماجہ و بخاری، ۳۔ ''نقوشِ عقاد''، ۴۔ ''مباحث قرآن''، ۵۔ ''ابنِ حسن شیبانی''، ۶۔ ''مولانا اسلم جیراجپوری''۔ ان کے علاوہ بھی ابھی ''مولانا

فراہی کی تصانیف میں کلامِ عرب'' ۔۲۔ '' جدید مصری مفسرین کا مطالعہ، جیسی اہم کتابیں زیرِ قلم ہیں۔ ۹

۶۔ (مولانا) ابوالطیب محمد یعقوب بخش راغب بدایونی۔

۱۳۰۸۔۱۳۶۷ھ

۱۸۹۰۔۱۹۴۸ء

مولانا ابوالطیب محمد یعقوب ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے، عربی زبان وادب اور دیگر علوم وفنون کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کا سلسلہ تلمذ فنِ حدیث میں مولانا یونس علی بدایونی کے توسط سے شاہ ولی اللہؒ تک اور معقولات میں محمد احمد صاحب بدایونی کے توسط سے علماءِ خیرآباد تک پہونچتا ہے۔ ۱۹۳۸ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبہ دینیات میں استاد ہوئے اور آخر عمر تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں حرکتِ قلب بند ہوجانے کی وجہ سے انتقال ہوا۔ جنازہ علی گڈھ سے لاکر بدایوں میں درگاہِ قبرستان میں دفن کیا گیا۔ مولانا بڑے اچھے قصیدہ گو تھے ۔قصیدہ دالیہ من الہائیات کے چند اشعار جو امام حسینؓ کے مرثیہ میں کہے ہیں۔ اس طرح ہیں۔ ۱۰

الم الطیف بی حسین الرقاد　　فاتخذنی سہاداً من نعاد

سری لیلانا عقبہ نہار　　کلیل مدلھم فی السواد

۷۔ (سید) ابوالعلاء نظر احمد سہسوانی

۱۳۰۴۔۱۳۸۰ھ

۱۸۸۶۔۱۹۶۱ء

سنہ ولادت ۱۳۰۴ھ ہے سید نذیر احمد فاضل کے پوتے ہیں، سید اعجاز احمد۔ سید محمود عالم سے

ابتدائی درسیات منطق فلسفہ وادب کی تعلیم حاصل کی۔ پھر مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض درس شمس العلماء مولانا عبداللہ ٹونکی اور شیخ محمد طیب عرب مکی سے بھی لئے ہیں۔ اس کے علاوہ کثرتِ مطالعہ سے علم میں اضافہ کیا، عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ نہایت خلیق متواضع صائب الرائے تھے، تقریر وتحریر میں یکساں ملکہ تھا۔ فقہ حدیث کی اچھی معلومات رکھتے تھے۔ عربی میں ایک دیوان ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے ۱۹۵۵ء میں شاہ سعود بن عبدالعزیز کی ہندوستان آمد کے موقع پر ایک قصیدہ لکھا تھا۔

احن الیٰ لیلی لوجد علی بعد — اذا ما سریٰ وهناً نسیم صبا نجد

تحیرت من زهر الریاض شممتهٗ — اذا ما أریٰ عزماً لها فاح فی الورد

واذا ما تغنت فی الغصون حمامة — تزید کآبة الفؤاد من الوجد

ولما اری الورقاء تندب شجرها قد — اضطرمت نار الصبابة فی کبد

۱۳۸۰ ـ مطابق ۱۹۶۱ء کو انتقال ہوا۔ [11]

---

۸ ـ (سید) ابوالفاروق محمد عسکری

۱۳۰۰ـ۱۳۸۱ھ

۱۸۸۲ـ۱۹۶۲ء

سید ابوالفاروق، ولدیت سید عابد حسین، سکونت محلہ جعفری امروہہ، ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ قدیم طرز پر فارسی، عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول باندا، اور پھر کرائسٹ چرچ کانپور میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔

آپ کو علم وکلام وعقائد سے خاص ذوق تھا، عیسائیوں، آریوں، اور قادیانیوں، کا تعاقب کیا اور ان کے رد میں کتابیں لکھیں۔ جیسے تحفہ محمدیہ (رد عیسائیت)، القول المتین فی قطع الوتین (رد

قادیانیت) وغیرہ۔ 1918ء میں مسوری میں مرزائی مبلغین سے زبردست مناظرہ کیا۔اور دو کتابیں ''السیف الیمانی علی المسیح القادیانی'' اور ''ابطال التناسخ'' مولانا سید محمد ہارون زنگی پوری سے لکھوائیں۔
۱۹۳۵ء میں آپ کے قلم سے ''القول الجمیل فی التوراۃ والانجیل'' منظر عام پر آئی جو موجودہ توریت و انجیل کے اثباتِ تحریف کے بارے میں ہے، مدرسۃ الواعظین لکھنو سے شائع ہوئیں۔

آپ نے لمبی عمر پائی۔اور ۲۱؍رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ/ ۲۷؍فروری ۱۹۶۲ء انتقال فرمایا، اولاد میں سید محمد عباس، سید علی عباس، یادگار چھوڑے۔ [۱۲]

۹۔(مولانا) شاہ ''ابوالقاسم الفاروقی بحری آبادیؒ''

۱۳۳۴۔۱۴۱۱ھ

۱۹۱۵ء۔۱۹۹۰ء

مولانا شاہ ابوالقاسم کا آبائی وطن بحری آباد ضلع غازی پور تھا لیکن سکونت مستقل طور پر لکھنو میں اختیار کی۔آپ کا خاندان بحری آباد کے معزز خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔اور علم وفضل کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔اس خاندان کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔مذہب ومسلک کے اعتبار سے امام اعظم حضرت ابوحنیفہؒ کا پیرو ہے۔اس خاندان میں ہر زمانہ میں مختلف علوم وفنون کے اصحابِ کمال اور اربابِ علم وفضل پیدا ہوتے رہے۔جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی برتری، عظمت، انفرادیت کے لازوال نقوش ثبت کئے ہیں۔

مولانا شاہ ابوالقاسمؒ کے والد ماجد ''مولانا شاہ محمد جان بحری آبادی'' اپنے عہد کے نامور عالم وفاضل اور سلسلہ بحری آباد کی ممتاز کڑی تھے۔شعروسخن، سیرت وتاریخ، اور اسلامی علوم وفنون کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔مولانا محمد فاروق چریاکوٹی، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی، مولانا محمد عین القضاۃ حیدرابادی، اور علامہ رشید احمد گنگوہیؒ جیسے اکابر علماء ان کے اساتذہ میں شامل ہیں۔اُن کی عربی خدمات کے بارے

میں باب چہارم میں تفصیل سے آچکا ہے۔

مولانا شاہ محمد جان بحری آبادی مرحوم نے اپنی معنوی یادگاروں کے علاوہ ظاہری یادگار یعنی اولادیں بھی چھوڑیں۔آپ نے دوشادیاں کی تھیں۔زوجہ اولی کا ایک بچی کی ولادت کے سلسلہ میں وصال ہوگیا تھا۔تو آپ نے دوسرا نکاح کیا۔اور یہ دونوں نکاح ضلع اعظم گڈھ کے موضع ولید پور، بھیرہ، میں ہوئے تھے۔زوجہ ثانیہ سے ایک لڑکی، اور دولڑکے یادگار رہوئے۔لڑکی ضروری دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ حافظِ قرآن بھی تھیں۔وہ اپنی عمرِ طبعی کو پہونچ کر اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔بڑے لڑکے "محمد" کا پانچ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا تھا۔اور چھوٹے صاحب زادے مولانا شاہ ابوالقاسم فاروقیؒ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے، لیکن بچپن ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

ایسے نازک حالات میں جب کہ کوئی وجہ کفاف موجود نہ تھی۔ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کیلئے خداوندِ قدوس کی غیبی مدد نے مولانا عین القضاةؒ کی کفالت کا سہارا بخشا۔اور آپ کی والدہ ماجدہ نے بے مثال صبر واستقلال، اور ہمت وجرئت کا مظاہرہ کیا۔ورنہ آپ کی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت کی راہ میں سخت مشکلات حائل ہو جاتیں۔مولانا عین القضاة آپ کو اولاً پچاس روپے بعد ازاں چالیس روپے ماہانہ عنایت فرماتے رہے۔حفظِ قرآن کے دور ہی میں مولانا عین القضاة صاحب کا ۲۸رجنوری ۱۹۲۵ء کو انتقال ہوگیا۔جس کی وجہ سے وظیفہ بند ہوگیا۔اس کے بعد ریاست جونا گڑھ سے آپ کے والد ماجد کے بعض شاگردوں کی کوششوں سے ۱۵ر روپے ماہوار وظیفہ جاری ہوا۔جو کل چھ ماہ جاری رہ کر بند ہوگیا۔ابھی آپ متوسطات عربی میں تھے، یہ نہایت عسرت کا زمانہ تھا۔پھر جب متوسطات سے متجاوز ہوئے تو مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو میں عربی میں معین المدرسی کی عارضی ملازمت مل گئی، جس کی بدولت تعلیم کی تکمیل ممکن ہوسکی۔اور ماہِ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ (۱۹۴۰ء) میں علومِ متداولہ اور تجوید وقراءت (سبعہ عشرہ، حفص) وغیرہ سے فراغت پائی۔آپ کے اساتذہ میں مولانا مفتی ظہور

احمد بہاری دربھنگوی، اور قاری عبدالرحمٰن مکی ثم الہ آبادی وغیرہ شامل ہیں۔

آپ (مولانا شاہ ابو القاسم صاحب) فطرۃً نہایت ذہین وطباع تھے۔ اور ایک ایسے خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ جو علم وادب کے ساتھ تصوف وسلوک کا بھی دلداہ تھا۔ جیسا کہ والد ماجد، اور چچا صاحب سلوک وطریقت میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں رہ کر منازلِ تصوف طے کئے۔ اور حضرت حکیم الامۃؒ کی عقیدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے حضرتؒ کے ۶۰۔۷۰ مواعظ، اور ''تربیۃ السالک'' ''قصد السبیل'' اور ''اشرف السوانح'' ''تذکرۃ الرشید'' وغیرہ کا بار بار مطالعہ کیا۔ لیکن جہاں تک بیعت کا سوال ہے تو قیاس یہ ہے کہ علالت کے باعث بیعت نہیں ہوسکے تھے۔ حکیم الامتؒ کے وصال فرمانے کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ تھانوی، اور اُن کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، سے بیعت واجازت حاصل کی۔ اور خود بھی بندگانِ خدا کی اصلاح وتربیت میں مصروف ہوگئے۔ آپ کے بہت سے عقیدتمند اور مریدین ضلع بنارس کے نینڈھی، اور دھراؤں میں، اور دیگر قرب وجوار کے قصبات میں بکثرت موجود ہیں۔

آپ نے اپنی زندگی علمِ دین کی خدمت کے لئے وقف کردی تھی۔ درس وتدریس، مطالعہ وکتب بینی، عبادت وریاضت، اور ارشاد وہدایت سے روزانہ مشاغل میں اس قدر انہماک تھا کہ تصنیف وتالیف کے میدان میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع نہ مل سکا۔ آپ عربی درس گاہوں کی قدیم تعلیم کا بہترین نمونہ تھے۔ اور تعلیم وتدریس میں ملکہ تامہ رکھتے تھے۔ درس وافادہ سے خاص دل چسپی تھی۔ اپنی عمر کا بڑا حصہ عربی زبان وادب اور علومِ اسلامیہ کی تدریس میں صرف کیا۔ ۱۹۵۶ء میں ندوۃ العلماء لکھنو سے بحیثیت ایک مدرس کے وابستہ ہوئے۔ اور مسلسل ۲۸ سال تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ندوہ میں انھوں نے اپنے فرائضِ منصبی نہایت خوش اسلوبی سے انجام دئے۔ اور طلبہ کو آپ کی ذات سے ایک خاص لگاؤ اور عقیدت ومحبت تھی۔ آپ کے ارشد تلامذہ میں مولانا سید سلمان حسنی

ندوی،، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، مولانا حافظ محمد رضوان، مولانا ابوسحبان روح القدس، مولانا اقبال احمد (اساتذہ ندوۃ العلماء)، مولانا خطیب عالم (حال مقیم قطر)، ڈاکٹر نعیم صدیقی (حال مقیم ابو ظبی)، ڈاکٹر محمد فہیم الدین الٰہ آبادی (مقیم پاکستان)، مولوی عمیر الصدیق دریابادی (رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ)، مولوی منظور احمد نیپالی، مولوی انکشاف احمد (مقیم دبئ)، مولوی منصور عالم (ساکن بہار)، مولوی مشہود السلام (مغل سرائے)، مولوی صدر الاسلام (مغل سرائے)، مولوی عبد الباسط (بہار)، مولوی رشید احمد (مئو)، مولوی شاہد علی (لکھنو)، مولوی آفاق منظر (کٹیہار)، مولوی بدر احمد (پٹنہ)، وغیرہ شامل ہیں۔اور بہت سے حضرات ہندوستان اور بیرونِ ہند مختلف میدانوں میں گراں قدر علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔آپ کی صلبی اولاد میں پروفیسر شاہ عبد السلام صاحب صدر شعبۂ عربی لکھنو یونیورسٹی ہیں جنکا ذکر آگے آرہا ہے۔

آپ (شاہ ابوالقاسم صاحبؒ) نے ندوۃ العلماء کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنے استاد مولانا عین القضاۃؒ کے قائم کردہ مدرسہ فرقانیہ لکھنو کے مہتمم کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔لیکن صرف دیڑھ سال بعد مستقل علالت کے باعث استعفی دے کر احاطہ سنگی بیگ، محلہ شاہ گنج لکھنو میں عزلت نشینی اختیار کی اور وہیں ۸۷ برس کی عمر میں ۵ رجون ۱۹۹۰ءکو اس دنیا سے دارِ فانی کو رحلت کی اور عیش باغ قبرستان کے پرانے چمن میں بائیں جانب اپنے والد ماجد کی قبر سے ذرا آگے مدفون ہوئے۔ ۱۳

۱۰۔(مولانا) ابوالکلام آزاد

۱۳۰۵۔۱۳۷۷ھ

۱۸۸۸۔۱۹۵۸ء

آپ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔مکہ کے محلہ قدوہ (متصل باب السلام)

میں آپ کے والد ماجد رہائش پذیر تھے، تاریخی نام ''فیروز بخت'' تھا۔ ہندوستانی سیاست اور دنیائے اردو ادب میں مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے مشہور ہوئے۔ قرآنِ پاک کی قراءت اپنی خالہ سے سیکھی، عربی ان کی مادری زبان تھی۔ ۱۸۹۵ء میں اپنے والد کے ساتھ کلکتہ پہنچے۔ جہاں آپ کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ قدرت نے آپ کو بلا کا حافظہ اور ذہانت عطاء فرمائی تھی تیرہ چودہ برس کی عمر میں فقہ، حدیث، منطق، اور ادبیات وغیرہ پر عبور حاصل کرلیا۔ درسِ نظامی کی تعلیم مولوی محمد ابراہیم، مولوی محمد عمر، مولانا سعادت حسن مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مولانا محمد شاہ رامپوری سے حاصل کی، عربی کی بدولت فارسی، اور اردو ادب پر بآسانی قدرت حاصل کرلی تھی۔ طب میں آپ کے استاذ حکیم باقر حسین تھے، نجوم، جفر اور رمل کی بھی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ کو موسیقی سے بھی فطری لگاؤ تھا اور اس فن میں آپ نے مرزا ہادی رسوا سے استفادہ کیا تھا، شعر و ادب، خطابت و صحافت، موسیقی اور مصوری و دیگر فنونِ لطیفہ پر کامل دسترس تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے خاندان میں درس و تدریس و وعظ و ہدایت سلوک و معرفت خیر و برکت اور شرف و شرافت کی روایت تسلسل اور تواتر کی ساتھ چلی آرہی تھی گھریلو ماحول پر تنقید اور جمود کی حکمرانی تھی۔ اس قلعہ کی چہار دیواری میں تازہ ہواؤں کا گذر ممکن نہ تھا۔ اور روایتی تعلیم اور گھر کا جامد ماحول انھیں کٹر ملاّ بنانے کے علاوہ کچھ نہ دے سکتا تھا۔ اور مولانا کا مزاج اس پر قانع نہ ہوسکتا تھا یہ حدود و قیود ان کے مضطرب دل و دماغ اور بے چین روح کے لئے گھٹن پیدا کرتے تھے۔ ان کیلئے ایک راستہ تو یہ تھا کہ وہ اپنے ماحول اور اسلاف سے بغاوت کا اعلان کردیں لیکن ان کی پرورش و تربیت جن اقدار کے تحت ہوئی تھی ان میں اسلاف سے بغاوت کی گنجائش ممکن نہ تھی۔ اس کے علاوہ بغاوت کر کے وہ اپنے مقاصد کو بھی حاصل نہ کرسکتے تھے۔ بغاوت کر کے باغی خاک و خون کی ہولی کھیل سکتا ہے ایک مصلحِ دین ایک مدبر سیاست داں، ایک عظیم قائد، اور بے مثال ادیب نہیں بن سکتا تھا۔ اور ان کی منزلیں یہی تھیں اس لئے بغاوت ان کے لئے ممکن نہ تھی، بغاوت کو ان کے مزاج سے ہم آہنگی بھی نہ

تھی۔مولانا آزاد نے دوسرا راستہ اپنایا یعنی خاموش مطالعہ اور غور وفکر میں مشغول ہو گئے۔ [۱۴]

آپ نے اردو میں بہت سے اہم رسائل جاری کیے جنھوں نے تحریکِ آزادی میں بھی اہم رول ادا کیا۔اور ہندوستان کے علمی حلقوں میں اپنے منفرد اسلوبِ نگارش کی بنیاد پر ایک ہلچل مچادی جمیں ''پیام'' (۱۹۲۷ء کلکتہ) ''الہلال'' (۱۹۲۷ء کلکتہ) ماہانہ لسان الصدق (۱۹۰۳ء) پندرہ روزہ ''البلاغ'' مشہور ہیں لسان الصدق میں سیاسی تحریریں نہیں ہوتی تھیں وہ سرسید کے مقاصد کیلئے وقف تھا۔الہلال خالص سیاسی پرچہ تھا۔اور البلاغ مولانا کے ایک اور ذہنی انقلاب کا مظہر تھا۔رانچی میں نظر بندی کے زمانے میں آپ کا رجحان مذہب کی طرف ہو گیا۔انھیں عربی، قرآن، تفسیر، فقہ، و دیگر مذہبی علوم پر غیر معمولی قدرت تھی رانچی میں آپ کی علمی صلاحیتوں کواور چمکنے کا موقع ملا۔

۱۹/فروری ۱۹۵۸ء کی صبح اچانک فالج کا حملہ ہوا، تین دن بیہوش رہے اور بالآخر اسی مرض میں اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

عربی میں آپ نے ''الجامعہ'' نام کا ایک رسالہ جاری کیا تھا۔اس کا پہلا شمارہ یکم اپریل ۱۹۲۳ء اور آخری شمارہ مارچ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔اس کی ادارت عبد الرزاق ملیح آبادی کے سپرد تھی اور آپ بحیثیت نگراں تھے۔اس کا مقصد اتحاد اسلامی اور اتحادِ مشرق تھا اور فوری طور سے شریف حسین کے خلاف بغاوت تھا۔اور گویا خلافت تحریک کے سلسلہ میں نکالا گیا تھا۔محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:۔ ۱۵/اپریل ۱۹۲۳ء کو مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے عبد الرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں پندرہ روزہ ''الجامعہ'' جاری کیا تھا اس کا آخری شمارہ ۱۹۲۴ء کے مئی جون کا مشترک شمارہ شائع ہوا تھا۔یہ اخبار ایک سال سے زائد عرصہ سے جاری رہا۔اور اسی سلسلہ میں ڈاکٹر ابوسلمان لکھتے ہیں:۔

میں الجامعہ کی ورق گردانی کررہا تھا کہ اس کے ایک شمارے میں علامہ اقبال کے مشہور ''ترانہ ملی'' کا عربی نظم میں ترجمہ کیا گیا تھا شروع میں ایک طویل نوٹ تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ ''ترانہ ملی'' کا شمار عمدہ ترین نغموں میں ہوتا ہے اور یہ قارۂ ہند کے ممتاز شاعر اور نامور فلسفی علامہ اقبال کے زورِ قلم کا نتیجہ

ہے۔اقبال یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ اور سند یافتہ ہیں۔ہندوستان کی اس بلند پایہ شخصیت کو جدید علوم پر عبور حاصل ہے اور اپنے اقران ومعاصرین میں ان کو نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ان کی شاعری خدمتِ اسلام اور احیاء دین کا بہترین ذریعہ ہے باشندگانِ وطن انتہائی شوق سے ان کا کلام سنتے ہیں اور اس سے بیحد متاثر ہوتے ہیں۔انگلستان میں ان کے اشعار کا اچھا خاصہ حصہ انگریزی میں منتقل ہو چکا ہے جو وہاں کے اصحاب علم کے مطالعہ میں آرہا ہے اور وہ لوگ ان کے افکار کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔یہ 1985 کی بات ہے، بیٹھے بیٹھے دو مرتبہ میں عربی کا یہ نوٹ پڑھا اور بحمد اللہ اس کا ترجمہ ذہن کی گرفت میں آگیا جو آ کر ایک کاپی میں لکھ لیا گیا۔لاہور میں مولانا کے اس عربی رسالہ "الجامعہ" کی مکمل فائل ہمارے قابلِ احترام دوست جناب محمد عالم مختار حق کے کتب خانے میں موجود ہے۔الجامعہ کا پہلا شمارہ اپریل ۱۹۲۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔آخری شمارہ ۱۹۲۴ء کے مئی جون کا مشترک شمارہ ہے یہ رسالہ ۱۴ مہینے جاری رہا۔ [۱۵]

آپ کی تفسیر ترجمان القرآن بیحد مقبول ہوئی اور خاص طور پر اس کی تفسیر سورہ کہف کا حصہ، آپ کا وہ لافانی کارنامہ ہے جس نے تمام مفسرین کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔اور اس کے سلسلہ میں آپ کی تحقیق وتفسیر کو بالاتفاق تسلیم کیا گیا ہے۔ [۱۶]

۱۱۔(مولانا) ابواللیث اصلاحی ندوی

۱۹۱۳۔۱۹۹۰ء

۷رفروری ۱۹۱۳ء کو چاند پٹی، اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔اصلی نام شیر محمد تھا۔اور والد ماجد کا نام توجہ حسین تھا۔عالمیت مدرسۃ الاصلاح اعظم گڈھ سے اور فضیلت ندوۃ العلماء لکھنو سے کی۔فراغت کے بعد ۱۹۳۳ء میں ندوہ میں مدرس ہوئے۔اس کے بعد کچھ سال ماہنامہ "فاران" وسہ روزہ "مدینہ" بجنور کی ادارت سنبھالی۔۱۹۴۱ء میں مدرسۃ الاصلاح میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔۱۹۴۸ء

سے ۱۹۷۲ء تک امیر جماعت اسلامی ہند دہلی رہے۔ 1981ء میں دوبارہ امیر بنائے گئے۔اور پھر تا وفات (۱۹۹۰ء) اس منصب پر فائز رہے۔ جماعت اسلامی کے امیر کی حیثیت سے لگ بھگ ۴۰ سال بے لوث دینی وملی خدمات انجا دیں۔اور اردو میں قومی وملی مسائل پر تقریبا ۱۴ چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں (مسلمانانِ ہند کا لائحۂ عمل، (۲) ملک وملت کے مسائل اور ان کا حل، (۳) بھارت کی نئی تعمیر اور ہم، (۴) حالاتِ حاضرہ اور ہماری ذمہ داریاں، (۵) مغرب میں اسلام کی دعوت۔ جیسی اہم کتابیں شامل ہیں۔ متعدد کتابوں کے ہندی انگریزی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ مختلف تنظیموں کی دعوت پر سعودی عرب، انگلینڈ، امریکہ، کناڈا، و دیگر ممالک کے متعدد دعوتی اسفار کیے۔اور اسلامی موضوعات پر خطبات پیش کئے، جن کو کافی سراہا گیا۔

آپ نے علامہ شیخ تقی الدین ہلالی المراکشی (امام عربیت) سے ندوہ میں عربی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی تھی، آپ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی "عربی رسالہ "الضیاء") کے خاص مضمون نگاروں میں تھے، اسی مناسبت اور ضرورت سے مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تجویز وہدایت پر ان کا نام شیر محمد کی جگہ ابواللیث لکھا جانے لگا۔اور پھر وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ علامہ تقی الدین ہلالی کی سرپرستی میں دارالعلوم کے ممتاز طلبہ کے ممتاز مضامین کا مجموعہ "الباکورۃ الجنیہ لطلبۃ دار العلوم الندویہ" کے نام سے شائع ہوا جس میں مولانا ابواللیث صاحب کا مضمون "العضو الاشل" کے عنوان سے شامل ہے۔ جس کے لکھنے والے کا نام "شیر محمد المکنّیٰ بابی اللیث" درج ہے اور تاریخ ۲۰ راگست ۱۹۳۱ء ہے۔ [۱۷]

آپ نے ایک عظیم وموقر جماعت کے امیر ہونے کے باوجود اپنی سادگی، تواضع، اور عالمانہ و مدرسانہ طرزِ زندگی میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ مشائخ و علماء سے بھی ان کے روابط قائم رہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جماعت اسلامی جیسی جماعت کی ذمہ داری سنبھالنا جس کے خاص سیاسی نظریات بھی تھے، کانٹوں بھرا تاج سر پر رکھنا، یا ہتھیلی میں انگارہ رکھنے کے مترادف تھا۔ لیکن انھوں نے

اس نازک منصب کو صبر واستقامت اور حکمت وفراست سے نبھایا۔ چونکہ جماعت کی قیادت ایک مستند عالم اور خالص دینی وعلمی حلقہ کے پروردہ اور ساختہ پرداختہ فرد کے ہاتھ میں تھی اس لئے پاکستان کی جماعتِ اسلامی کی قیادت کے مقابلہ میں جماعت اسلامی ہند نے زیادہ توازن، اعتدال، دینی پہلو کی رعایت، اور علماء ومراکزِ دین سے تعلق کا ثبوت دیا۔ اور وہ بعض ان غلطیوں وبے اعتدالیوں سے محفوظ رہی جن کی پاکستان میں وہاں کے قدیم علماء اور دوسرا نقطہ نظر رکھنے والوں کو جماعت سے شکایت ہے۔

۱۸

۱۲۔ (مولانا) ابو محفوظ الکریم معصومی

مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی بہار شریف (نالندہ) کے رہنے والے ہیں۔ طویل عرصہ تک مدرسہ عالیہ کلکتہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آزاد ہندوستان کے صاحب دیوان عربی شاعر ہیں۔ آپ کے عربی قصائد "ثقافۃ الہند" "الرائد" "معارف" "برہان" "البعث الاسلامی" وغیرہ میں شایع ہوتے رہے ہیں۔ الرائد کچھ شماروں میں بعض عربی مراثی مخمسات، یا مسدسات چھپے ہیں۔ معارف ۱۹۴۸ کے ایک شمارہ میں عربی میں مرثیہ شائع ہوا ہے۔ برہان ۱۹۵۰۔۱۹۵۱ء کے کسی شمارہ میں ایک عربی مرثیہ چھپا تھا جس کا تعلق مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، اور علامہ موسیٰ جار اللہ مرحوم سے تھا۔ البعث الاسلامی کے شماروں میں دو نظمیں طبع ہوئیں، اور مقالات بھی چھپے۔ مولانا محبوب الرحمٰن ازھری، مولانا امتیاز علی عرشی مرحوم، مولانا عبد السلام خاں رامپوری وغیرہ آپ کے حلقہ احباب میں شامل ہیں۔ فی الحال مدرسہ عالیہ کلکتہ سے ریٹائر ہو کر خانہ نشیں ہو گئے ہیں۔ عربی شاعری کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ۱۹

آپ نے مشہور عرب محقق محمود محمد شاکر کی مرتبہ تاریخ وتفسیر طبری کی اغلاط کی نشاندہی کی اور

مجلہ المجمع العلمی دمشق میں کئی عربی مضامین لکھے جنھیں دو جلدوں میں ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی نے مرتب اور شائع کیا ہے۔

معصومی صاحب المجمع العلمی دمشق کے رکن بھی ہیں۔اسی طرح آپ کا نام ماہنامہ 'معارف' اعظم گڈھ کی مجلس ادارت میں بھی شامل ہے۔

۱۳۔(ڈاکٹر سید) احسان الرحمٰن

(و۔۱۹۴۵ء)

ولادت ۱۹۴۵ء، ابتدائی تعلیم مختلف اسکولوں میں پانے کے بعد ذاکر حسین کالج دہلی سے بی اے، ایم اے۔اور فرانسیسی اور فارسی زبانوں میں ڈپلوما کیا۔فراغت کے بعد سے ہی تدریسی فرائض انجام دئے۔پھر تامل ناڈو چلے گئے وہاں ''حاجی کاروٹار اوٹر کالج'' میں ۴ سال پڑھانے کے بعد پھر دہلی واپس آئے۔اور ۱۹۷۴ء سے تا حال جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں تدریسی خدمات میں مشغول ہیں۔آپ نے بنارس ہندو یونیورسٹی سے ''نہج البلاغہ'' پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

آپ نے عربی سکھانے کے لئے ابتدائی کتب کی تالیف پر زور دیا اور اس مقصد کے پیشِ نظر ''الجدید فی العربیہ'' مشہور کتاب لکھی، جو بہت سی یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب ہے۔اور مشہور ادیب کشاف ملک کی مرتب کردہ ۲۱ کہانیوں (جو بہت سی مختلف ہندوستانی زبانوں سے منتخب کی گئی تھیں) کو عربی کا جامہ پہنایا، یہ کتاب ''المجلس الہندی للعلاقات الثقافیہ'' دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ان کے علاوہ ''مہاتما گاندھی کی حیات وخدمات'' پر رضیہ اسماعیل کی انگریزی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا۔جو المجلس الہندی سے شائع ہو چکا ہے۔

اسی کی ساتھ ایک اور اہم کتاب انگریزی میں بچوں کے لئے لکھی گئی ''رامائن'' کا عربی میں ترجمہ وتلخیص بھی آپ کا اہم کارنامہ ہے۔جو ثقافۃ الہند کے شماروں میں بالاقساط شائع ہوئی۔اور ہندی بولنے والوں

کو عربی سکھانے کے مقصد سے ''تعلیم اللغۃ العربیۃ الحدیثۃ بالخط الہندی'' نام سے ایک اچھی کتاب لکھی، جو اپنی نوعیت کی ایک منفرد تحریر ہے اور ۹۰ صفحات پر مشتمل ایک مختصر ''عربی ہندی ڈکشنری'' بھی مرتب کی جو اس طرح کی پہلی کاوش ہے۔ [۲۰]

۱۴۔ علامہ ارشد القادری

۱۹۲۵ـ۲۰۰۲ء

نام ارشد القادری، ولدیت مولانا عبد اللطیف قدس سرہ، ولادت موضع سید پورہ ضلع بلیا، یوپی، میں ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ پہلے نام غلام رشید رکھا گیا۔ مگر بعد میں ''ارشد القادری'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

ابتدائی تعلیم بلیا ہی میں ہوئی، اور دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں اعلیٰ تعلیم مکمل کی۔ جہاں پر حافظ الملت عبد العزیز محدث مرادابادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور مروجہ علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے کے بعد قومی ودینی میدانوں میں قدم رکھا۔ جن میں سب سے اہم میدانِ مناظرہ تھا جس کے آپ شہسوار مانے جاتے ہیں۔ مناظرہ ایک نہایت ہی خاردار وادی ہے اس کے لئے جن صفات کی ضرورت ہوتی ہے وہ قدرت نے آپ کو بھرپور ودیعت فرمائی تھیں۔

محمد احمد قادری علیمی لکھتے ہیں:۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مدارس اسلامیہ اسلامی تہذیب وتمدن اور اعلیٰ اسلامی اقدار کی حفاظت وصیانت کا مضبوط قلعہ ہیں۔ اور اصلاحِ معاشرہ میں ان کا اہم کردار ہے، دورِ حاضر میں تو ان کی اہمیت وافادیت محتاجِ بیان نہیں۔ علامہ ارشد القادری قوم کے عظیم مفکر اور قوم کا درد رکھنے والے سچے رہنما ہیں اسی لئے آپ نے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا اور مدارس ودانشگاہوں کا قیام ایک ناگزیر امر قرار دیا۔ اس ضمن میں آپ کی جو گرانقدر خدمات ہیں وہ یقیناً رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن کریں گی۔

چنانچہ آپ نے جامعہ فیض العلوم جمشید پور بہار، ادارہ شرعیہ پٹنہ، جامعہ حضرت نظام الدین دہلی، دار العلوم مخدومیہ گوہاٹی آسام، اور نہ جانے کتنے مدارس قائم کیے جو آج بھی علوم کی اشاعت کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ نیز امت کے فلاحی کاموں مثلاً امداد فسادزدگان وغیرہ میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

۳۔ آپ نے تبلیغی خدمات کے مقصد سے ورلڈ اسلامک مشن کی ۱۹۷۲ء میں بنیاد ڈالی، اور اس مشن کے سلسلہ

میں بہت سے ممالک کا دورہ کیا اور کرساو جزیرہ، بحرِ اوقیانوس میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں آپ نے عربی میں شاندار تقریر کی۔

تصانیف:

عربی میں ''لسان الفردوس'' نام کی ایک کتاب لکھی ہے جو بہت مقبول ہوئی اور تفسیر ام القرآن سورہ فاتحہ سے متعلق ہے اور منہاج القرآن کے ۴ حصے بھی عربی میں قرآن فہمی کیلئے بہت اہم ہیں۔ اردو میں تقریباً ۳۰ تصانیف یادگار ہیں جن میں زلزلہ، زیروزبر، تعزیراتِ قلم، تفسیرِ ام القرآن نقشِ کربلا، منہاج القرآن، ۴ حصے، فنِ تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام، مشہور ہیں۔ آپ نے ۲۹، اپریل ۲۰۰۲ء کو وفات پائی۔ [۲۱]

۱۵۔ (مولانا) اسلام الحق کوپاگنجوی

(م ۱۹۷۲ء)

مولانا اسلام الحق بن شیخ اسد اللہ بن حاجی یعقوب بن ولی محمد، ولادت گوپاگنج، ضلع اعظم گڈھ ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ قرآن مجید، اردو، اور مکتبی تعلیم والد ماجد اور محلہ کے ایک میاں صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ مصباح العلوم گوپاگنج میں داخلہ لیا۔ اور مولانا عبد الصمد

کوپا گنجؒ سے اردو، اور فارسی گلستاں، بوستاں تک پڑھی۔ اس کے بعد مولانا محمد اسحاق مرحوم (تلمیذ مولانا سید نذیر حسین دہلوی) سے ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں پڑھیں۔ پھر کوپا گنج سے جونپور چلے آئے۔ اور مولانا عبدالاحد مرحوم سے کچھ دن کافیہ پڑھنے کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم کانپور میں داخلہ لیا۔ اور مولانا عبدالستار وغیرہ سے کافیہ، اور شرح تہذیب کا درس لیا۔ ایک سال پورا ہونے کے بعد شعبان میں تعطیلات میں گھر آئے تو گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے پھر نہ جاسکے اور وطن میں مدرسہ مصباح العلوم میں دوسال تعلیم حاصل کی پھر ۱۳۴۱ھ میں دوبارہ طلب علم کا سفر کیا اور ریاست مینڈھو کے مدرسہ یوسفیہ پہونچ گئے جہاں مولانا عبدالوحید سنبھلی مرحوم سے ہدایہ اخیرین، مشکوۃ شریف، جلالین شریف، اور شرحِ عقائد نسفی وغیرہ پڑھیں۔ اور ۱۳۴۲ھ دار العلوم دیوبند چلے آئے جہاں تین سال رہ کر حدیث شریف اور بقیہ علوم کی تکمیل کی۔

دیوبند میں آپ کے اساتذہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا غلام رسول خانصاحب، مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا اعزاز علی امروہویؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، وغیرہم رہے۔ ۱۳۵۴ھ میں فراغت پاکر اپنے وطن تشریف لائے۔ اور دار العلوم مئو میں مدرس ہوگئے اور فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دی۔ کچھ عرصہ اپنی مادرِ علمی مدرسہ مصباح العلوم میں بھی پڑھایا، اور مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی خواہش پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بھی مدرس رہے۔ جمعیۃ العلماء کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا۔ اپنی اہلیہ کے انتقال کے بعد تدریس ترک کردی۔ اور گھر پر رہ کر تجارتی مشغلہ شروع کردیا۔ تین سال کے بعد زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار اعظمیؒ کے مشورہ سے تعلیم الاسلام آنند گجرات میں مدرس ہوگئے۔ جہاں چھ برس تک تدریس و افتاء کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد ۱۳۷۹ھ میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور آگئے۔ اور دار العلوم دیوبند کی پیش کش پر وہاں طبقہ وسطیٰ کے مدرس ہوکر چلے گئے اور تاوفات وہیں پر رہے۔ آپ کا درس قدماء کے انداز پر ہوتا تھا۔ متعلقہ مباحث پر جچی تلی، حشو وزوائد سے پاک، مختصر اور جامع تشریح ہوتی

تھی۔امام طحاوی کے طرز استدلال کو اسطرح ذہن نشین کراتے تھے کہ طلبہ کو بیساختہ علمی مہارت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا۔آپ نہایت سادہ مزاج ،کم آمیز،اور متواضع تھے۔تقریبا نصف صدی تک تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دینے کے بعد ۷۰ برس کی عمر میں بروز بدھ ۲۴ر ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ/ ۷رجون ۱۹۷۲ء کو انتقال فرمایا۔اوراپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

تصانیف:۔التوضیح الاحسن شرح ملاحسن،شرح قطبی،(دوجلدوں میں)اور''فیض الملہم شرح مقدمہ صحیح م تالیف فرمائیں۔یہ تینوں کتابیں مطبوعہ ہیں اور مکتبہ نعمانیہ دیوبند سے شائع ہوئی ہیں۔ان کے علاوہ ''نبراس'' ترجمہ شرح عقائد نسفی اردو غیر مطبوعہ ہے۔ ۲۲

۱۶۔ڈاکٹر اشفاق احمد ندوی

آپ لکھنو کے رہنے والے ہیں۔لکھنو یونیورسٹی سے اعلی تعلیم مکمل کی۔گورنمنٹ سے کئی بار جونیئر ریسرچ فیلوشپ،اور سینئر ریسرچ فیلوشپ بھی حاصل کی۔عربی ادب میں پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ ہیں اور پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہیں۔طویل عرصہ سے لکھنو یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں سینئر مؤقر استاد کی حیثیت سے عربی ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔آپ کی کتاب اردو میں ''جبران خلیل جبران'' اور ''اسپین میں عرب کلچر''اور''مہجری ادب'' بیحد مقبول ہوئیں۔اس کے علاوہ بھی کئی تصانیف یادگار ہیں۔احقر کو شرف تلمذ حاصل ہے۔

۱۷۔اشفاق الرحمن سلفی

(و۔۱۹۶۲ء)

ولادت ۱۹۶۲ء۔ابتدائی تعلیم سے فضیلت تک جامعہ سلفیہ بنارس میں پڑھا۔۱۹۸۲ء میں

فراغت کے بعد شعبہ دینیات سے MTH کی سند حاصل کی۔ پھر مدرسہ ریاض العلوم میں کچھ دن مدرّس رہنے کے بعد قطر کے سفارت خانے میں مترجم کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ اور تا حال یہیں پر فائز ہیں۔ استاذ ضیاء الرحمٰن کی ایک کتاب "سر سید احمد اور تحریکِ علی گڈھ" کو عربی میں منتقل کیا اور یہ کتاب "سر سيد احمد و حركة علي غرة" کے نام سے ثقافۃ الہند میں ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد لگ بھگ ۱۵ر مقالے اردو، یا انگریزی سے عربی میں ترجمہ کر کے ثقافۃ الہند میں لکھے جو ۸۸۔۱۹۹۲ء کے درمیان ثقافہ میں شائع ہوئے۔ [۲۳]

۱۸۔ (مولانا قاضی) اطہر مبارکپوری

(م۱۹۹۶ء)

آپ زبردست عالم، مؤرخ، محقق، مصنف، بلند پایہ ادیب اور صاحبِ قلم شخصیت ہیں جن کے اشہبِ قلم نے علم وتحقیق کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں اس پر ہمیشہ آپ کو خراج تحسین پیش کیا جاتا رہے گا۔ آپ کا نام عبدالحفیظ اور تخلص اطہر ہے اور اسی نام سے آپ کو شہرت ملی۔ والد صاحب کا نام شیخ محمد حسن ہے۔ ۷ مئی ۱۹۱۶ء مطابق ۱۴ر رجب ۱۳۳۶ھ بروز دوشنبہ صبح ۵ بجے ولادت ہوئی۔ آپ کا آبائی وطن کٹرہ مالک پور تھا۔ جد امجد اب سے تقریباً پونے پانچ سو سال پہلے سلطان محمد نصیر الدین محمد ہمایوں کے عہدِ سلطنت میں خانوادہ حامدیہ چشتیہ کے ایک بزرگ راجہ سید مبارک، ابنِ راجہ سید احمد، ابنِ راجہ سید نور، بن راجہ سید حامد شاہ، (متوفی ۲ شوال ۹۶۵ھ) بانی مبارک پور کے ہمراہ کٹرہ مانک پور سے آکر آباد ہو گئے تھے۔ اور انھیں کے خاندان میں مبارکپور کی نیابتِ قضاء کا عہدہ رہا۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی جس میں والدہ کا کافی حصہ رہا۔ اس کے بعد قصبہ کے

مشہور دینی ادارہ مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخل ہوئے اور یہیں پہ آپ نے اردو فارسی وعربی کی تعلیم حاصل کی ۔ ۱۳۵۴ھ میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں پہلی بار داخلہ لیا۔ اور درمیان سال میں بعض وجوہات کی بنا پر واپس چلے گئے ۔ پھر دوبارہ ۱۳۵۸ھ میں دورہ حدیث شریف پڑھنے کیلئے مدرسہ شاہی تشریف لائے ۔ آپ نے جن اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں فخر المحد ثین مولانا سید فخر الدین احمد، مولانا سید محمد میاں، مولانا محمد اسماعیل، مولانا عبدالحق مدنی، وغیرھم کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنے ماموں مولانا محمد یحیٰ رسول پوری سے عروض وقوافی اور ھیئت کی تعلیم حاصل کی ۔

بچپن ہی سے مطالعہ، کتب بینی، اور مضمون نگاری وانشاء پردازی، کا ذوق تھا، زمانہ طالب علمی میں مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کے قلمی رسالہ ''الاحیاء'' اور انجمن اصلاح البیان مدرسہ شاہی کے دیواری پرچہ ''البیان'' کے مدیر بھی رہے ۔ آپ کے اس شوق وذوق کو مہمیز لگانے میں حضرت مولانا سید محمد میاںؒ کا بڑا ہاتھ ہے ۔ قاضی صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ تصنیف و تالیف میں مولانا میرے اولیں محسن ومربی ہیں اگر ان کی توجہ نہ ہوتی اور رسالہ '' قائد'' میں میرے مضامین شائع نہ ہوئے ہوتے تو شاید میں تصنیف وتالیف کے لائق نہ ہوتا ۔

۱۳۵۹ھ میں تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں حسبۃً للّٰہ تدریس کے فرائض انجام دیۓ لیکن اس کے بعد معاشی دشواریوں کے سبب حالات کے پیشِ نظر آپ نے باتنخواہ کام کیا ۔ یہاں پر آپ نے صرف ونحو کے علاوہ شرح نقایہ، ملا حسن، مقاماتِ حریری، دیوانِ حماسہ، سبعہ معلقہ، مقدمہ ابنِ خلدون، وغیرہ کتابیں پڑھائیں ۔ ۱۳۶۴ھ تک مدرسہ احیاء العلوم سے آپ کا تعلق رہا، ۱۳۶۷ھ ۱۳۶۶ھ تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) میں عربی ادب کی تعلیم دی ۔ وہاں پر آپ نے شرح جامی، مقاماتِ حریری،، دیوانِ حماسہ، دیوانِ متنبی، اور مختصر المعانی کا درس دیا ۔ اس کے علاوہ بمبئی کے دورانِ قیام جس کی مدت تقریباً ۴۲ سال ہے تصنیف وتالیف کے

ساتھ تدریسی فرائض بھی انجام دئے۔

تصنیف وتالیف:۔ تصنیف آپ کا فطری ذوق تھا۔منفرد اندازِ نگارش، چھوٹے چھوٹے سادہ جملے جن میں جادو کی سی تاثیر ہوتی تھی۔اور قاری کو ایک لمحہ کی بھی اکتاہٹ نہیں ہوتی۔۱۹۴۵ء میں سہ روزہ ''زمزم'' لاہور سے منسلک ہوئے اور یہیں سے باضابطہ صحافت، تصنیف وتالیف، کے میدان میں قدم رکھا۔منتخب التفاسیر کے نام سے ساڑھے نوسو سے زائد صفحات کی ایک تفسیر لکھی۔اور ''الصالحات''، ''ائمہ اربعہ''، علماءِ اسلام کی خونی داستان، وغیرہ تصنیف کیں۔مگر افسوس کہ تقسیم کے المیہ میں یہ سب ضائع ہوگئیں۔

تقسیم کے بعد ایک سال بہرائچ میں مولانا محفوظ الرحمٰن نامی کی سرپرستی میں نکلنے والا ہفت روزہ ''الانصار'' کی ادارت کی۔۱۳۶۶ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے قیام کے دوران اپنی مشہور کتاب ''رجال السند والہند'' تحریر کی۔

۱۹۴۹ء کے بعد کچھ دنوں بمبئی میں قیام رہا اور اس دوران ''جمہوریت'' ''البلاغ'' اور ''انقلاب'' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔آپ کی عربی اور اردو میں منصۂ شہود پر آنے والی کتابوں کی تعداد چالیس سے متجاوز ہے اور ان میں سے ہر ایک علم وتحقیق کا شاہکار ہے۔جن میں سے کچھ درجِ ذیل ہیں۔

۱۔''رجال السند والہند''۔(۲)''الفتوحات الاسلامیہ فی الہند''۔(۳) شرح وتعلیق جواھر الاصول فی علم حدیث الرسول (٤) الہند فی عہد العباسیین۔(٥) خیر الزاد شرح بانت سعاد۔(٦) مرآۃ العلم۔(٧) دروس النبی۔

اور اردو میں (۸) تاریخ وتدوین سیر ومغازی، (۹) سوانح مختصر ائمہ اربعہ۔(۱۰) خلافت راشدہ اور ہندوستان۔(۱۱) عرب اور ہند عہدِ رسالت میں۔(۱۲) ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔(۱۳) اسلامی ہند کی عظمت۔ان میں سے ''عرب وہند عہد رسالت میں'' کا عربی ترجمہ ڈاکٹر عبدالعزیز

عزت مصری کے قلم سے قاہرہ میں" العرب والہند فی عہد الرسالۃ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

دوسری کتاب "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں"" الدول العربیہ فی الہند" ڈاکٹر عزت مصری ہی کے ترجمہ سے قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ آپ کو صدر جمہوریہ ایوارڈ" انڈین عظیم عربی اسکالر " سے نوازا گیا۔ آپ صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ پاکیزہ اوصاف کے بھی حامل تھے۔ انتہائی متواضع ،اور منکسر المزاج انسان تھے۔" ۲۴

۱۹۔ اظہر غوری ندوی۔ ابو مسعود

آپ ایک علمی ودینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسۃ الاصلاح اعظم گڈھ میں پانے کے بعد پھر ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۶۸ء میں فراغت پائی۔ اس کے بعد لکھنو یونیورسٹی سے بی اے ،اور ۱۹۷۵ء میں ایم اے کرنے کے بعد روزنامہ "دعوت" کی ادارت سے ادبی وصحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد ہفتہ وار" قائد" لکھنو، ہفتہ وار" ندائے ملت" لکھنو وغیرہ میں کام کیا۔ اور عربی تحریروں کا اردو میں ترجمہ کر کے ان جرائد میں شائع کرتے رہے۔ اس طرح ترجمہ نگاری پر مکمل عبور حاصل کرنے کے بعد یمنی سفارت خانہ نئی دہلی میں دو سال ترجمہ کا کام کیا۔ پھر سعودی سفارت خانہ میں بھی ملازمت کی۔ ندوۃ کے ممتاز طالب علم تھے۔ علمی حلقوں میں عربی اشعار کا اردو میں ترجمہ کر کے خاص شہرت حاصل کی۔ آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ عربی دواوین کا ترجمہ منظوم اردو شاعری ہی میں کرتے تھے جو فی الواقع بڑا سخت کام ہے۔ اور متنبی، سہیلی، امیہ بن ابی الصلت ،ابوالحسن عسکری ،شوقی وغیرہ سے اس قدر متاثر تھے کہ ان کی اکثر شاعری کا ترجمہ" اردو اشعار" میں کر کے چھپوایا۔ جس سے آپ کی شہرت دور دور تک پہونچی۔ اور معاصرین میں ترجمہ وتالیف ،وانشا پردازی میں ایک ریکارڈ قائم کیا۔ آپ نے تقریباً ۵۰۰ عربی اشعار کا منظوم ترجمہ کیا جو آپ کے دیوان" خار وگل" میں شائع ہوا۔

ان کے علاوہ درج ذیل کتابیں عربی سے اردو میں منتقل کیں:

ا۔سید قطب شہید کی "ھٰذا الدین" بعنوان "اسلام ایک ضرورت" (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)۔۲۔ڈاکٹر موسیٰ موسوی کی "الشیعۃ و التشیع" بعنوان "مسلکِ شیعہ حضرت علیؓ کے اقوال کی روشنی میں" (مطبوعہ اسلامک فاؤنڈیشن نئی دہلی ۱۹۷۸ء)۔۳۔یوسف قرضاوی کی "غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی" کا ترجمہ: "سلام، مسلمان، اور غیر مسلم" نام سے کیا۔یہ کتاب ہندی اور انگریزی میں بھی ترجمہ کی گئی۔اس کے دو ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔۴۔اور بیروت سے چھپنے والی کتاب "الاحادیث القدسیہ" کا اردو ترجمہ جو اسلامک فاؤنڈیشن دہلی سے اسی نام سے ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا ہے۔۵۔شیخ محمد قطب کی "قبسات من الرسول" بعنوان "روشنی کی لکیریں" (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی ۱۹۹۵ء)۔۶۔یوسف قرضاوی کی "این الخلل" بعنوان "خرابی کہاں ہے" (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی ۱۹۹۶ء)۔۷۔حافظ ابنِ رجب کی "جامع العلوم والحکم" بعنوان "گنجینہ حکمت" (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔۸۔امام محمد غزالی کی "دستور الوحدۃ و الثقافیۃ بین المسلمین" بعنوان "شاہراہِ اعتدال" (اسامہ پبلیکیشنز نئی دہلی ۱۹۹۵ء)۔۹۔شیخ غزالی کی "ھٰذا دیننا" بعنوان "اسلام یہ ہے" (اسلامک فاؤنڈیشن نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔۱۰۔شیخ غزالی ہی کی "الجانب العاطفی من الاسلام" بعنوان "اسلام کا جذباتی پہلو" (اسلامک فاؤنڈیشن نئی دہلی) وغیرہ۔ ان کے علاوہ کچھ کتابیں اردو میں ایڈٹ کیں، جیسے: ا۔"آپ ذکر و دعا کیسے کریں" ۲۔"ذات پات اور اسلام" ۳۔"کامیابی و ناکامی کے اسباب" (مجموعہ احادیثِ نبویہ) نیکی و بدی کی راہیں" [25]

۲۰۔(مولانا) اعزاز علی امروہوی

۱۳۰۰۔۱۳۷۴ھ

۱۸۸۲۔۱۹۵۴ء

مولانا اعزاز علی امروہوی ابنِ مزاج علی بن حسن بن خیر اللہ، "شیخ الادب اور "شیخ الحدیث"

کے لقب سے مشہور ہوئے۔ امروہہ ضلع مرادآباد کے باشندہ تھے۔ اس لئے امروہی لکھے جاتے ہیں۔ ۱۳۰۰ھ میں شہر بدایوں میں پیدا ہوئے۔ نانا جان نے اعزاز علی نام رکھا۔

آپ کے آباء واجداد شاہی لشکر میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ آپ کے والدِ محترم کا بسلسلہ ملازمت شاہجہانپور میں تبادلہ ہوگیا۔ وہیں آپ نے حفظ کی تکمیل کی۔ فارسی والدِ محترم سے پڑھی۔ پھر تلہر کے مدرسہ گلشنِ فیض میں جبکہ آپکے والدِ صاحب تلہر میں تشریف فرما تھے۔ ابتدائی عربی شرح جامی تک پڑھی۔ اس کے بعد والد نے پنشن پا کر شاہجہانپور میں مستقل قیام کرلیا۔ تو وہاں مدرسہ عین العلم میں مفتی کفایۃ اللہ صاحب سے شرحِ وقایہ اور مولانا بشیر احمد صاحب سے کنز الدقائق، شرحِ جامی، وغیرہ پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم سے ہدایہ اولین، اور مولانا محمد سہول بھاگلپوری سے میر قطبی، اور دیگر اساتذہ سے دوسری کتابیں پڑھیں۔ ابھی دارالعلوم میں ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ اپنی ہمشیرہ سے ملاقات کرنے میرٹھ گئے وہاں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے اصرار پر مدرسہ قومی خیر نگر میرٹھ میں پڑھنے لگے۔ اور بخاری شریف کے علاوہ ساری کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اب مولانا میرٹھی کی اجازت سے دوبارہ دارالعلوم دیوبند آئے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ سے بخاری، ترمذی، ابو داؤد، ہدایہ اخیرین، بیضاوی، اور توضیح وتلویح پڑھیں۔ فنون کی بعض کتابیں مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی سے، ادب کی اکثر کتابیں مولانا معز الدین صاحب سے اور فتویٰ نویسی مفتی عزیز الرحمن صاحب سے حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ الہندؒ کے حکم سے مدرسہ نعمانیہ پورینی، ضلع بھاگلپور میں مدرس ہوئے اور آپ کی وجہ سے وہاں کی تعلیم بہت ٹھوس ہونے لگی۔ وہاں کچھ اختلاف ہوا تو مستعفی ہو کر شاہجہانپور آگئے۔ یہاں والد صاحب کے حکم سے مدرسہ افضل المدارس میں تدریسی کام کرنے لگے۔ اس کے بعد مولانا سہول بھاگلپوری کی سعی سے ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں پچیس روپیہ مشاہرہ پر تقرر ہوا۔ اور علم الصیغہ، مفید الطالبین، نور الایضاح وغیرہ پڑھانے کو ملیں۔ تقریباً نو سال درس

دیا۔ کہ حافظ احمد صاحب، معاون مفتی بنا کر اپنے ساتھ ریاست حیدراباد لے گئے۔ ۱۳۴۰ھ میں حافظ صاحب کی وفات ہوگئی۔ تو صدر مفتی کی حیثیت سے آپ کو دارالعلوم دیوبند میں بلالیا گیا۔ اور یہیں تا عمر افتاء وتدریس کی خدمت انجام دیں۔ اور ہر فن کی چھوٹی بڑی کتابیں ۴۱ برس تک پڑھائیں۔ ادب کی کتابوں اور شمائلِ ترمذی کے پڑھانے میں بیانِ لغت، ترکیبِ نحوی، علمِ صرف، علمِ اشتقاق، علمِ معانی، علمِ بیان کا ایسا کامیاب اضافہ فرمایا جو پہلے کسی کے درس میں نہ تھا۔ وقت کی پابندی آپ کا طغرائے امتیاز تھی۔ سردی، گرمی، برسات، بیماری، تندرستی، شادی، غمی، ہر حال میں ٹھیک وقت پر سبق شروع ہوجانا ضروری تھا۔ اور گھنٹہ بجنے پر فوراً کتاب بند کردیتے۔ مزاج میں فروتنی وانکساری حد سے زیادہ تھی۔ رعب وجلال ایسا کہ بڑے سے بڑا آدمی آنکھ نہیں ملاسکتا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے سے سلام میں پہل کرتے تھے پوری زندگی شب وروز گوناگوں کاموں میں مصروف رہتے، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی سے "اجازت وخلافت اور حضرت گنگوہیؒ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔

استغناء واحساسِ ذمہ داری ایسی کہ ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں سے گرانقدر مشاہرہ پر آپ کو بار بار بلایا گیا مگر دارالعلوم کی قلیل تنخواہ چھوڑ کر کہیں نہ گئے۔ شعر وسخن کا ذوق تھا عربی اردو دونوں زبانوں میں شعر گوئی پر قدرت حاصل تھی۔ "قصائدِ مدح محمد" کے نام سے آپ کے عربی قصائد کا ایک مجموعہ دیوبند سے شائع ہوچکا ہے۔ اسی طرح ماہنامہ "القاسم" اور "الرشید" میں آپ کے بہت سے عربی قصائد طبع ہوچکے ہیں۔

آپ کی تالیفات میں "نفحۃ العرب" عربی ادب میں آپکے انتخاب کا بہترین نمونہ ہے۔ نور الایضاح، دیوانِ حماسہ، کنز الدقائق، شرحِ نقایہ، مفید الطالبین، اور نفحۃ الیمن پر عربی میں نہایت مفید حواشی لکھے۔ جو شروح سے بے نیاز کردیتے ہیں۔ تدریسی ایام میں اساتذہ اور طلبہ کی سہولت کیلئے حاشیہ نور الایضاح، حاشیہ مفید الطالبین، حاشیہ کنز الدقائق، اور شرح نقایہ (ہر دو مؤلفہ ملا علی قاری اور علامہ شمسی) جیسے اہم حواشی لکھے۔ آپ عربی لغت کا ذوق بھی کچھ کم نہیں رکھتے تھے۔ حاشیہ دیوان الحماسہ

کی تکمیل کر کے غریب الفاظ کو آسان و سہل بنادیا۔اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔حاشیہ متنبی لکھ کر ہر ہر شعر کی مختلف توجیہات کی ہیں، جنھیں ادباء اعلام نے کافی پسند کیا ہے۔قصائدِ شیخ محمد کے نام سے آپ کے عربی قصائد کا ایک مجموعہ دیوبند سے شائع ہو چکا ہے۔ اسی طرح رسالہ "القاسم" اور "الرشید" میں آپ کے بہت سے "عربی قصائد" طبع ہو چکے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۳ ررجب ۱۳۷۴ کو دیوبند میں ہوئی۔اور وہیں پر مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔

(۱) نمونہ تحریر ملاحظہ ہو:۔ حمداً لقادر جعل علم الادب شمساً منیراً آمنة من الافول و الکسوف، و قمراً مضیئاً لا یدرکه المحاق و لا الخسوف، وفلکاً بریئاً من الخرق و الالتئام، و وارضاً تربی اهلها و تصونهم من قطوب الانام و خطوب الایام و صلوٰۃ علی فصیح بلیغ ادیب کأنه فحویٰ قول ابی الطیب فی ممدوحه:-

بابی و امی ناطق فی لفظه = ثمن تباع به القلوب و تشتریٰ

جاء بالبینات الواضحة البادیة حین دهمت الدنیا مصائب الکفر السود الداهیه- و أتیٰ بالبراهین القاطعة و الحجج الراجحة و حمیٰ حمیٰ الدین و محا آثار جموع لانیابها غیظاً علی المسلمین جارحه-وبمکائدها التی تزیل الجبال الراسیات لافئدتهم جارحه- الخ ۲۶

۲۱۔اقبال احمد عمری اعظمی

(م ۱۹۷۱ء)

آپ مضافاتِ اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے۔دار العلوم دیو بند میں تعلیم حاصل کی پھر کچھ دنوں تک دار العلوم ندوۃ العلماء میں درس و تدریس کے فرائض انجام دئے اور اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم کی غرض سے تشریف لے گئے اور کچھ دنوں سعودی حکومت کی طرف سے

مختلف ممالک میں تبلیغی مشن پر بھی مامور ہوئے۔ آپ نہایت ظریف الطبع، ملنسار، اور برجستہ گوشاعرد ادیب اور ماہرِ لغت تھے، آپ نے تعلیمی دور ہی میں اردو عربی اور فارسی میں طبع آزمائی شروع کردی تھی۔ میگزین دار السلام میں آپ کے عربی مضامین واشعار برابر شائع ہوتے رہے، اور عربی کے بہت سے مجلات آپ کے مدحیہ قصائد و مراثی سے آراستہ ہیں۔

تصانیف:۔ آپ کی مشہور تصنیف ''تفسیرات شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ'' ہے بقول یونس نگرامی مرحوم حافظ ابنِ قیمؒ کی مختلف کتابوں سے ان کی تفسیر جمع کر کے ''تفسیر ابنِ قیم'' کے نام سے شائع کی گئی ہے اسی انداز پر ابنِ تیمیہ کے استاذ حافظ ابنِ تیمیہؒ کی کتابوں سے جمع کی ہوئی تفسیروں کا مجموعہ ہے جو ۴۶۷ صفحات پر مشتمل ہے جس کی ترتیب قرآنی سورتوں پر ہے یہ تفسیر مطبع علمی پریس مالیگاؤں سے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ ۲۷

۲۲۔ (مولانا) امتیاز علی عرشیؔ

۱۹۰۴-۱۹۸۱ء

نام محمد امتیاز علی خاں، تخلص عرشیؔ، والد ماجد کا نام محمد مختار علی خاں، والدہ ماجدہ کا نام چھمی بیگم۔ دادا کا نام محمد اکبر علی خاں (محدّث رامپوری) تھا۔ آپ برِ صغیر پاک وہند کے نامور محقق، معروف اہلِ قلم، ممتاز مصنف، اور رامپور رضا لائبریری کے ڈائریکٹر تھے۔ پیدائش پنجشنبہ ۲۹ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ مطابق ۸ر دسمبر ۱۹۰۴ء۔ جائے پیدائش: مکان آبائی محلہ پھلواڑ، رامپور (جانب غربی قلعہ معلیٰ رامپور)۔

مولانا امتیاز علی عرشی مرحوم کا تعلق پاکستان کے علاقہ سوات سے تھا اور وہاں کے قبیلے حاجی خیل کے فرد فرید تھے۔ ان کے خاندان کے کچھ لوگوں نے اٹھارویں صدی کے نصفِ آخر میں ترکِ

وطن کر کے ہندوستان کا عزم کیا،اور رامپور اور اس کے قرب وجوار میں اقامت اختیار کی،در حقیقت ان لوگوں کا پیشہ سپاہ گری تھا،عرشی صاحب کے دادا مولانا اکبر علی خاں تھے،جنھوں نے اس پیشہ کو خیر باد کہہ کر علم وفضل کی وادی میں قدم رکھا،اور اپنے علاقہ کے مشہور محدّث ہوئے۔ان کے ایک بیٹے مولانا جعفر علی خاں تھے جو فضل وکمال میں باپ کے صحیح جانشین تھے سب سے چھوٹے بیٹے کا نام مختار علی خاں تھا وہ علم وفضل سے زیادہ تعلق نہ رکھتے تھے۔اور عمر بھی زیادہ نہیں پائی،امتیاز علی عرشی مرحوم انھیں کے فرزند تھے۔جنھوں نے علوم ومعارف کے بہت سے گوشوں میں شہرت حاصل کی۔

مولانا امتیاز علی عرشی نے ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی،صرف ونحو اور عربی فارسی کی مروّجہ کتابیں مدرسہ مطلع العلوم میں پڑھیں۔۱۹۲۳ء میں لاہور آکر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی عالم کا امتحان پاس کیا اس کے بعد مولوی فاضل کی تیاری کیلیے اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا،اس زمانہ میں اورینٹل کالج لاہور کے اساتذہ میں مولانا عبدالعزیز میمن،مولانا سید طلحہ،اور مولانا نجم الدین بھی شامل تھے۔جو وسعتِ علم میں ملک گیر شہرت رکھتے تھے مولانا سید طلحہ کا تعلق حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ کے خاندانِ عالی مقام سے تھا۔عرشی صاحب کا خاندان بھی سید صاحب کا عقید تمند تھا،اور رامپور اور اس کے نواح میں ''وہابی'' کہا جاتا تھا،لہذا قدرتی طور پر عرشی صاحب مولانا سید طلحہ سے زیادہ قرب وتعلق رکھتے تھے۔خود سید صاحب ممدوح بھی ان سے شفقت ومہربانی سے پیش آتے تھے۔عرشی صاحب نہایت ذہین،محنتی،طالب علم تھے انھوں نے ۱۹۲۳ء مولوی عالم کا امتحان پاس کیا،۱۹۲۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل،اور ۱۹۲۵ء میں منشی فاضل کے امتحان میں کامیاب ہوئے،اور عربی،فارسی،دونوں علوم کی سرکاری اسناد سے بہرہ ور ہوئے۔انھوں نے طب کی کتابیں بھی پڑھیں،اس زمانے میں رامپور کے مدرسہ عالیہ میں مولانا فضلِ حق رامپوری کا سلسلہ تدریس جاری تھا۔ان سے معقولات کی تکمیل کی۔۱۹۲۶ء میں صرف انگریزی میں میٹرک کا امتحان دیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد عرشی صاحب ندوۃ العلماء لکھنو سے منسلک ہوئے،وہاں

سفارت کی خدمت ان کے سپرد کی گئی، کچھ عرصہ بعد وہاں سے الگ ہوئے ندوۃ العلماء کے اصحاب اہتمام ان کے کام سے مطمئن تھے اور چاہتے تھے کہ وہ یہ خدمت انجام دیتے رہیں لیکن وہ نہیں مانے، اور علیحدگی اختیار کرلی، کچھ عرصہ تجارت بھی کرتے رہے رامپور کا کتب خانہ جو آجکل ''رضا لائبریری'' کے نام سے موسوم ہے برِ صغیر کے مشہور اور شاندار کتب خانوں میں سے ہے۔ عرشی صاحب ۳۱ر جولائی ۱۹۳۲ء کو اس قابلِ فخر کتب خانے کے ناظم اور لائبریرین مقرر ہوئے، اور وہاں جا کر ان کے علمی وتحقیقی جوہرِ نمایاں ہوئے اور اللہ نے ان سے وہ خدمت لی، جس کے لئے انھیں پیدا کیا گیا تھا، اس کتب خانے کی توسیع وترقی کے لئے انھوں نے اپنے آپ کو وقف کردیا تھا، اور نئے انداز سے اس کو مرتب ومنظم کیا، پھر ان کی شب وروز کی محنت اور تگ ودو سے یہ ایک ایسا علمی ادارہ بن گیا، جس سے بے شمار اہلِ علم وارباب تحقیق نے استفادہ کیا، اور کررہے ہیں۔ اس کتب خانے سے انھیں اس درجہ تعلقِ خاطر پیدا ہوگیا کہ انھوں نے اس کو اپنے لئے اس طرح لازم وملزوم قراردے لیا کہ پھر اسی کے ہوکر رہ گئے اور دوسری طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا، اس کتب خانے کیلئے انھوں نے جو بے مثال قربانی دی اس کی وجہ سے ان کی شہرت پرِ پرواز لگا کر دور دور تک پہونچ گئی اور ان کی اس پر خلوص خدمت کو بیرونِ ملک کے اربابِ فضل وکمال نے بھی احترام کی نگاہ سے دیکھا اور خود ان کے اپنے ملک ہندوستان میں اسے بڑی اہمیت دی گئی، اُن کو انعام واعزاز کا مستحق ٹھہرایا گیا،، ساہتیہ اکیڈمی نے ان کو خاص اعزاز عطاء کیا، اور پریزیڈینٹ ایوارڈ بھی ملا، ان کی گونا گوں علمی خدمات کے اعتراف میں یادگاری مجلّے بھی پیش کئے گئے، ملک کی بڑی بڑی علمی کانفرنسوں میں انھیں خاص طور پر دعوت دی گئی اور بیرون ملک کے اہل تحقیق نے بھی ان کو مدعو کیا، کئی انجمنوں اور اداروں کی طرف سے ان کی بصیرتِ علمی اور تحقیق وکاوش کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

ریاست رامپور کا ادبی انعام مبلغ ایک ہزار (۱۹۴۶ء)، حکومت ہند کا ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ مبلغ ۵ر ہزار روپئے، دیوانِ غالب نسخہ عرشی پر (۱۹۶۱ء)، صدر جمہوریہ ہند کی سندِ اعزاز برائے اعلیٰ خدمات

ادبیات عربی مبلغ ۵ ہزار سالانہ تاحیات (۱۹۷۲ء)، حکومت ہند اتر پردیش کا مجموعی خدمت ادب کیلئے انعام مبلغ ۵ ہزار (۱۹۷۴ء) اور غالب اکیڈمی ایوارڈ بعد وفات مبلغ تین ہزار، اردو نثر پر (۱۹۸۱ء) عطاء ہوئے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں وغیرہ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے صدر ذاکر حسین خاں مرحوم (صدر جمہوریہ ہند) تھے۔ کمیٹی کی جانب سے ایک یادگار توصیفی کتاب ''نذر عرشی'' عرشی صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی (۱۹۶۶ء)۔ عرشی صاحب سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے ''نذر عرشی'' معتبر وسیلہ ہے۔ عرشی صاحب نے ۲۴، ۲۵ فروری ۱۹۸۱ء کی درمیان شب میں ڈھائی بجے وفات پائی۔ ۲۵ر فروری کی شام کو بعد مغرب قلعہ معلیٰ رامپور کے شمال مغربی گوشے اور رامپور رضا لائبریری رامپور کے زیر سایہ مدفون ہوئے۔

علمی و تصنیفی خدمات:۔

عرشی مرحوم بحر علم کے غواص اور جادہ تحقیق کے نامور مسافر تھے انھوں نے عربی فارسی اردو انگریزی ہر زبان میں داد تحقیق دی اور ہر وادی فن کی سیاحت کی۔ مختلف اصناف علوم پر ان کی گہری نظر تھی اور تحقیق و تفتیش کے میدان میں ان کا راہوار قلم رواں دواں رہتا تھا ان کی چند تصنیفات و تالیفات اور مرتبات درج ذیل ہیں:۔

(۱) تفسیر القرآن الکریم:

امام سفیان ثوریؒ (م شوال ۱۶۱ھ) کی تفسیر قرآن مجید ہے۔ جس کا قلمی نسخہ انھیں رامپور کے کتب خانے سے دستیاب ہوا، ان کے خیال کے مطابق یہ نسخہ چھٹی صدی ہجری سے پہلے کا مکتوبہ ہے، اس کے شروع میں عرشی مرحوم نے سفیان ثوریؒ کے مفصل حالات تحریر کئے ہیں، اور بہترین انداز میں اسے مرتب کیا ہے یہ ان کی قابل قدر خدمت ہے۔ جو ۱۹۶۵ء میں معرض اشاعت میں آئی، یہ عربی زبان میں ہے۔۔ امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء) کی تفسیر کی اشاعت علمی دنیا کا قابل فخر کارنامہ

ہے مولانا عرشی ہی نے اس تفسیر کا سورہ بقرہ سے سورہ طور تک نامکمل مخطوطہ رضا لائبریری میں دریافت کیا ۔اوراب اسے پورے اہتمام اور حواشی کیساتھ شائع کر دیا ہے، یہ کتاب وزارت تعلیم حکومت ہند کے تعاون سے شائع ہوئی ہے۔۔

(۲) فصل الخطاب لعمر بن الخطاب۔

یہ حضرت عمر فاروقؓ کے حالات وسوانح پر مشتمل ہے یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے اور مصنف کی کم وبیش پچاس برس کی محنت وکاوش کا نتیجہ ہے۔ یہ ابھی غیر مطبوعہ ہے اس کی اشاعت سے امید ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی زندگی کے بہت سے نئے گوشے سامنے آئیں گے۔

۳۔کتاب الاجناس لابی عبید القاسم بن سلام الہروی البغدادی:۔

۱۹۳۸ء ص ۷۶، خط نسخ مطبع قیمہ بمبئی۔ یہ کتاب الاموال کے مصنف ابوعبید قاسم ہروی (م ۲۲۴ھ/ ۸۳۸ء) کا رسالہ ہے جو عرشی مرحوم نے ایڈٹ کر کے شائع کیا، ان کی یہ خدمتِ علم بھی عربی زبان میں ہے۔ابوعبید قاسم نے اس میں ایسے الفاظ جمع کئے ہیں جن کے کئی مختلف معنی ہیں مولانا عرشی نے تصحیحِ الفاظ کے علاوہ آخر میں غریب الحدیث کے رامپوری نسخے سے اسی انداز کے اور بھی بہت سے الفاظ کا اضافہ کردیا ہے۔۔

(۴) دیوان الحادرہ لقطبہ بن اوس بن محصن المازی الفزاری الغطفانی:

(۱۹۴۹ء)۔ص ۳۸۔ خط نسخ مطبع قیمہ بمبئی۔قطبہ جاہلی شاعر ہے دیوان پچھلی صدی میں ایک جرمن مستشرق ڈاکٹر انگلمن نے شائع کیا تھا، مولانا امتیاز علی عرشی نے رامپور لندن اور قاہرہ کے نسخوں کو سامنے رکھ کر اس کی تصحیح کی ہے اور بعض دوسرے مآخذ سے اس میں کچھ اشعار کا اضافہ کیا ہے۔

(۵) لامیۃ الہند- للقاضی عبد المقتدر بن محمود بن سلیمان الشریحی الکندی الدھلوی : (مشمولہ مجلّہ "ثقافۃ الہند" دہلی، ستمبر ۱۹۵۰ء) ضخامت ۹ صفحات، خط نسخ، مطبع قیمہ بمبئی۔

(٦)الامثال السائرہ من شعر المتنبی لابی القاسم الصاحب بن عباد الطالقانی وزیر فخر الدولہ: مشمولہ مجلّہ ''ثقافۃ الہند'' دہلی، دسمبر ۱۹۵۳ء و مارچ، جون، ستمبر ۱۹۵۴ء۔ حجم ۸۵ صفحات، خط نسخ۔ مطبع قیمہ بمبئی)

یہ متنبی کے ان اشعار کا مجموعہ ہے جو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں مرتب پہلے متنبی کا مخالف تھا پھر اتنا مداح بن گیا کہ اس نے یہ کتاب تالیف کی۔ وہ متنبی کا معاصر بھی ہے۔ جس سے متنبی کے کلام کی شہرت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فہرست مخطوطات عربی:

یہ رضا لائبریری کے کم وبیش چھ ہزار عربی مخطوطات کی فہرست ہے جو چھ جلدوں میں مرتب ہوئی۔ اور انگریزی زبان میں ہے اس میں ہر کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ فہرست بھی اشاعت پذیر ہو چکی ہے.

(۸)الدالیہ - لشیخ احمد التھا نیسری:

(مشمولہ مجلّہ ثقافۃ الہند، دھلی، جون ۱۹۵۲ء صفحات ۳ نسخ ٹائپ، مطبع ممبئی) شیخ الھند تھانیسری عربی کے قادر الکلام شاعر تھے تیمور نے جب ۸۰۱ھ/ ۱۳۸۹ء میں دلی فتح کی تو ان سے ملاقات کی، اور تعظیم و تکریم سے پیش آیا، تیمور کے جانے کے بعد انھوں نے کالپی میں سکونت اختیار کی، اور ساری عمر عبادت الٰہی، اور درس وتدریس میں گزاردی بعد انتقال وہیں دفن بھی ہوئے، انھیں کا یہ والیہ قصیدہ اختلاف نسخ کیساتھ پیش کیا گیا ھے،۔

(۹) دیوان ابی محجن: لعمر و بن حبیب الثقفی:

مطبوعہ ستمبر ۱۹۲۵ء۔ حجم ۸ صفحات (مشمولہ مجلّہ ثقافۃ الھند دھلی) نسخ ٹائپ، مطبع قیمہ، ممبئی۔ عمر و بن حبیب صدر اسلام کا شاعر ہے، ۳۰ھ میں فوت ہوا۔ وہ خمریات کا بلند پایہ شاعر تسلیم کیا گیا ہے،

مولانا عرشی نے تمام قدیم نسخوں کو سامنے رکھ کر اسے مرتب کیا ہے، اور کچھ مزید اشعار نئے ماخذوں سے بہم پہنچائے ہیں۔ ۲۸

۲۳۔ مولانا انظر شاہ کشمیری

(و۔ ۱۹۲۹ء)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے صاحب زادے ہیں۔ ولادت ۱۹۲۹ء، تعلیم و تربیت والد ماجدؒ کے آغوشِ شفقت میں دار العلوم دیوبند کے اساتذہ کبار سے پائی۔ دار العلوم دیوبند سے ۱۹۵۲ء میں فراغت پانے کے بعد جدید علوم منشی، ادیب، عالم اور ادیب فاضل کے کورسیز اردو میں پنجاب یونیورسٹی سے مکمل کئے۔ اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں ابتدائی کتب کی تدریس کے لئے مقرر ہوئے۔ اور جلد ہی صحیح بخاری شریف تک پہونچ گئے اور آج تک یہیں پر درس حدیث میں مشغول ہیں، تفسیر سے متعلق قدیم امہات التفاسیر جیسی کتب کو عربی سے اردو میں منتقل کیا۔ مثلاً ترجمہ تفسیر ابنِ کثیر بعنوان ''تفسیر ابنِ کثیر'' دو ہزار صفحات پر مشتمل دو ضخیم جلدیں مکتبہ فیض القرآن دیوبند سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئیں اسی طرح تفسیر مدارک کا ترجمہ بھی اسی نام سے چھ جلدوں میں مکمل کیا۔ چھ سو صفحات پر مشتمل یہ جلدیں بیت الحکمۃ دیوبند سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئیں۔ اور ساتھ ہی چار جلدوں میں تفسیرِ مظہری للقاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا ترجمہ عربی سے اردو میں ''تفسیرِ مظہری'' کے نام سے کیا۔ ان کے علاوہ ''تفسیرِ الجواہر'' اور شرحِ تفسیرِ بیضاوی''، زیرِ تالیف ہیں۔ اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی ''تکمیل الایمان'' کو فارسی سے عربی میں بعنوان ''اسلامی عقیدے''، مکمل کیا۔ احقر کو دار العلوم کی طالب علمی میں شرف تلمذ حاصل ہے ۔ ۲۹

۲۴۔مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ (حضرت جی ثالث)

۱۹۱۸۔۱۹۹۵ء

آپ ۸؍ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ/ ۲۰؍فروری ۱۹۱۸ء کو بروز بدھ نو بجے صبح قصبہ کاندھلہ مظفرنگر میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام مولانا اکرام الحسن تھا۔ والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب مولانا کلیم قطب الدین جھنجھانوی اور والد ماجد کی طرف سے حضرت مولانا الحاج مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ بانی دعوت وتبلیغ کے حقیقی بھانجے تھے اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (صاحب اوجز المسالک) کے پھوپازاد بھائی تھے۔ چنانچہ آپ انتہائی پاکیزہ اور علمی ماحول کے پروردہ تھے اور آپ کا پورا خاندان ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا پورا مصداق تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ (حضرت جی دومؒ) کے وصال کے بعد بالاتفاق ''حضرت جی ثالث'' بنائے گئے۔ دس سال کی عمر میں آپنے حفظِ کلامِ پاک مکمل کرلیا تھا۔ اردو فارسی تعلیم کا آغاز اپنے نانا مولانا حکیم عبدالحمید (م ۱۹۳۳ء) کے پاس کیا۔ پھر مولانا محمد الیاسؒ صاحب آپ کو اپنے ہمراہ ۱۱؍اگست ۱۹۳۰ء کو دہلی لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۳ سال تھی۔ یہاں پر آپ کی عربی تعلیم کا آغاز ہوا۔ فروری ۱۹۳۳ء میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ آپ کے رفیق درس اور سب سے گہرے دوست تھے۔ دونوں میں گہری محبت تھی۔ فراغت کے بعد آپ نے مرکز نظام الدین کے مدرسہ کاشف العلوم میں کم وبیش بارہ سال بخاری شریف کا درس دیا۔ اس زمانے میں مختلف مدارس کے علماء، اساتذہ حدیث، آپ کے درسِ حدیث میں شرکت کیلئے آتے اور علمی تحقیقات قلم بند کرکے لیجاتے۔ علم ومطالعہ کا لگاؤ وتعلق آپ کو آخر تک قائم رہا، لیکن موہبتِ خداوندی سے مزاج وطبیعت پر دعوت وتبلیغ کا ذوق ہر ذوق پر غالب آگیا تھا۔ اور مسلمانانِ عالم کے دینی زوال کے دور ہونے کا جذبہ ہر جذبہ پر چھا گیا تھا۔

تصانیف:۔ آپ نے عربی ادب میں نہایت قابلِ قدر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔جن میں سب سے اہم ''ابواب وتراجمِ بخاری'' ہے جوان یادداشتوں کا مجموعہ ہے جوآپ نے مدرسہ کاشف العلوم میں بخاری شریف کی تدریس کے دوران تراجم وابوابِ بخاری پر محققانہ ومحدثانہ حیثیت سے قلمبند فرمائی تھیں۔حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب ''الابواب والتراجم للبخاری'' کی تالیف کے دوران ان یادداشتوں کا مطالعہ فرمایا تھا۔

(۲) حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے خود اہلِ عرب اور اہلِ علم حضرات کے تعلیمی حلقوں کیلئے ''مشکوٰۃ المصابیح'' سے آٹھ عنوانات پر مشتمل ایک مجموعہ احادیث منتخب فرمایا تھا۔جس کا نام ''الابواب المنتخبہ من مشکوٰۃ المصابیح'' ہےاور درجِ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے۔۱-کتاب الایمان، ۲-کتاب العلم،۳-کتاب فضائل القرآن،۴-کتاب الجہاد،۶-کتاب الآداب،۷-کتاب الرقاق، ۸-کتاب الفتن،۔

آپ نے اس کی تحقیقات وتعلیقات کا کام شروع بھی کیا تھا۔جو کثرتِ مشاغل کی وجہ سے پورا نہ ہوسکا۔لیکن بعد میں مرکز کے ایک سرگرم رکن ''مولانا محمد الیاس بارہ بنکوی نے اس مجموعہ کو غریب الفاظ کی تحقیق،قیمتی حواشی،اعراب،اور شرحِ نصوص کے ساتھ مزین فرماکر ملت' پریس دودھ پور علی گڈھ سے شائع کرایا۔

آپ کو مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے راہِ سلوک کی رہنمائی فرمائی۔آپ متواتر بتیس سال حضرت جی سوم کی حیثیت سے عالمی سطح پر دعوت وتبلیغ کے کام کی رہنمائی فرمانے کے بعد ۱۰رجون ۱۹۹۵ءکو راہیِ ملکِ بقاء ہوئے۔ ۳۰

۲۵۔ بدر الحسن قاسمی۔ (سابق مدیر "الداعی" دیوبند)

(و۔۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء)

مولانا بدر الحسن قاسمی، ولد نظیر الحق ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۴ء کو بہار میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم جامعہ رحمانیہ مونگیر بہار میں پائی۔ پھر دیوبند کا سفر کیا۔ اور دار العلوم دیوبند سے ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء کو فراغت حاصل کی۔ اور پھر اسی جامعہ میں شعبہ افتاء میں داخلہ لے کر تخصص فی الفقہ الافتاء کی سند حاصل کی۔

اس کے بعد ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۶ء دیوبند کے ترجمان پندرہ روزہ عربی مجلّہ "الداعی" کے اڈیٹر بنائے گئے اور ایک سال بعد دار العلوم میں الداعی کی ادارت کے ساتھ ساتھ فقہ وادب کے استاذ کی حیثیت سے مدرس مقرر ہوئے۔

تدریس وادارتی فرائض کے علاوہ آپ نے ملکی وغیر ملکی دعوتی کانفرنسوں، سیمیناروں میں شرکت کی۔ جیسے کہ ریاض میں ۱۹۷۷ء میں منعقد ہونے والی "المؤتمر الاسلامی الجغرافی"، جس میں آپ نے اپنا مقالہ "فلسطین وابعادها السیاسیة والجغرافیة" پیش کیا تھا۔ اور طرابلس لیبیا میں منعقد ہونے والی سیرت نبوی کانفرنس میں "الاسلام والسلم العالمی" کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔ اسی طرح آپ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بعض کتابوں کو بھی عربی میں منتقل کیا۔

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء میں دار العلوم سے علیحدگی اختیار کی۔ اور کویت چلے گئے، جہاں پر وزارت اوقاف وشئون اسلامیہ میں تاحال مصروف عمل ہیں۔

اور آپ کے عربی واردو مضامین ومقالات اب بھی بکثرت ہندوستانی اخبارات وجرائد میں شائع ہوتے ہیں جیسے: "الداعی" "ثقافۃ الہند" "ترجمانِ دار العلوم جدید" "راشٹریہ سہارا" دہلی، وغیرہ۔

دار العلوم دیوبند کی طالب علمی میں احقر کو شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ اور طویل عرصہ تک مغرب اور عشاء کے درمیان مولانا کی رہائش گاہ پر عربی تمرین وانشاء کی تعلیم حاصل کرنے کا شرف بھی

حاصل ہوا ہے۔ جس میں چند مخصوص طلبہ ہی مولانا کے کمرے پر مغرب بعد حاضر ہو کر آپ کی دی ہوئی انشاء چیک کراتے۔ اور جملے بنانے کی مشق کرتے۔ یقیناً وہ نہایت قیمتی وقت تھا جس میں عربی ترجمہ و تعریب، اور انشاء پردازی کی باریکیاں مولانا سے سیکھنے کا موقع ملا۔ کاش کہ یہ حسین سلسلہ کچھ مدت اور جاری رہتا اور دارالعلوم کے بدلتے حالات اس سعادت سے جلد محروم نہ کرتے۔

۲۶۔ (ڈاکٹر) بدرالدین الحافظ (دہلی)

۱۹۴۴ تا ۱۹۵۲ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراداباد میں کلامِ پاک حفظ کیا اور درسِ نظامی کی بیشتر کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں درسِ نظامی کی تعلیم مکمل کر کے فاضلِ دار العلوم دیوبند کی سند حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ایم اے عربی ادب میں فرسٹ ڈویژن، فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر گولڈ میڈل عطا کیا گیا۔ ایم اے کی تعلیم کے دوران مقابلہ کے امتحان میں فرسٹ پوزیشن حاصل کر نے پر نیشنل اسکالرشپ ملی۔ ۱۹۸۵ء میں دلی یونیورسٹی سے مصری ناول نگاری کے مقالہ پر ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۸ء اور ۱۹۷۲ء کے درمیان فقہی مسائل اور اخلاقی تعلیمات سے متعلق اسلامی معلومات کے عنوان پر چار حصوں میں ایک نصاب لکھا جو مڈل اسکول جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ،صوبہ بہار کے مسلم مدارس اور ملک کے بہت سے اسکولوں میں داخلِ نصاب ہے۔ فی الحال جامعہ ملیہ اسلامیہ شعبہ اسلامیات وعرب اسٹڈیز میں عربی کے لیکچرر ہیں۔

آپ نے عربی کہانیوں کا اردو ترجمہ کیا تھا جو ''انوکھی شرطیں'' کے نام سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا، نیز عرب شعراء ادباء، عربی نظموں کے اردو تراجم، اور اسلامی موضوعات پر متعدد مضامین معیاری رسائل اور جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حال ہی میں ''چند مصری ناول اور افسانے'' کے نام سے ایک کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔ آپ کو صدرِ جمہوریہ ہند کی طرف سے مجموعی عربی زبان وادب کی خدمات

پرائیوارڈ سے نوازا گیا۔ ۳۱

۲۷۔(مولانا) بدر عالم میرٹھی (مرتب فیض الباری)

۱۳۱۶۔۱۳۸۵ھ

۱۸۹۸۔۱۹۶۵ء

ولادت بدایوں میں ۱۳۱۶ھ کو ہوئی۔ والد ماجد کا اسمِ گرامی حاجی تہور علی تھا، بسلسلہ ملازمت بدایوں میں مقیم تھے۔ ابتدائی تعلیم الہ آباد کے ایک انگریزی اسکول میں ہوئی۔ ۱۳۳۰ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ جہاں پر آپ نے مسلسل آٹھ سال رہ کر مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ اور ۱۳۳۶ھ میں فراغت پائی۔ مظاہر علوم کا دور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا عہدِ زرّیں تھا۔ مزید طلبِ علم کیلئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے دوبارہ حدیث پڑھی۔ ۱۳۴۰ھ میں آپ کو دارالعلوم میں بحیثیت استاد مقرر کیا گیا۔ ۱۳۴۶ھ میں حضرت شاہ صاحب کے ہمراہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ یہاں سترہ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اور آخر میں مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ جہاں ۵/رجب ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء کو وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

تالیفات:۔ آپ کے دو اہم علمی کارنامے یادگار ہیں۔ ۱۔ فیض الباری علیٰ صحیح البخاری کی ترتیب جو چار جلدوں میں ہے اور اپنے استاد حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم ومعارف کا مجموعہ ہے۔ شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ نے یہ کارنامہ انجام دیا۔ ۲۔ نیز اردو میں ترجمان السنہ کے نام سے ایک حدیث کی کتاب مرتب فرمائی۔ ۳۲

۲۸۔(مولانا) ثناء اللہ امرتسریؒ

(م ۱۹۴۷ء)

شیخِ فاضل مولانا ثناء اللہ بن محمد خضر کشمیری ثم امرتسری مناظرہ کے مشہور مردِ میدان تھے ۔۱۲۸۷ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے۔امرتسر پنجاب میں پرورش پائی۔آپ کے آباء واجداد قدیم کشمیری مسلمان تھے ۔کچھ عرصہ آپ نے مولانا احمد اللہ امرتسریؒ سے تعلیم پائی۔پھر شیخ عبد المنان الضریر الوزیر ابادی سے حدیث پڑھی،اور پھر دیو بند جا کر منطق وحکمت ،اصول وفقہ کی تعلیم اساتذہ دار العلوم دیو بند سے حاصل کی پھر کانپور آئے اور مولانا احمد حسن کانپوری سے بڑی بڑی کتبِ درسیہ پڑھیں۔اور ۱۳۱۱ھ میں فراغت پائی۔اس کے بعد امرتسر واپس جا کر تصنیف وتالیف ،وعظ ومناظرہ ، میں مشغول ہو گئے۔آپ نے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا اور ۱۳۲۱ھ میں ہفتہ واری پرچہ ’’اہلِ حدیث‘‘ کے نام سے نکالا۔جو ۴۴ سال برابر نکلتا رہا۔آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی اور آریہ فرقہ کے رد میں کافی کتابیں لکھیں۔آریہ سماج اس وقت ہندوؤں کی وہ طرفہ جماعت تھی جس نے بظاہر بت پرستی چھوڑ کر توحید کا اقرار کرلیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ نفیِ صفات ،قدومِ عالم،عقیدہ تناسخ کا بھی قائل تھا اور رسالت کا منکر تھا۔

آپ نہایت ذہین ،تیز دماغ ،حاضر جواب تھے ،مناظرہ کے مردِ میدان تھے۔فرقِ باطلہ کی تردید،اور دشمن کو خاموش کرنے پر آپ کو قدرت تھی۔شیریں لسان اور زود نویس تھے ،تصنیف وتالیف سے انہماک رکھتے تھے۔عقیدۂ حق کے دفاع ،اور مناظرہ کے مقصد سے بکثرت اسفار کرتے تھے ،آپ نے سب سے زیادہ مقابلہ آریہ فرقہ اور قادیانیت سے کیا۔اسماء وصفات میں شاہ ولی اللہؒ دہلوی کے مسلک پر عمل پیرا تھے۔قومی سیاسی تحریکات میں بھی حصہ لیتے تھے۔انڈین نیشنل کانگریس کی سرگرمیوں میں بھی شامل رہے۔جمعیۃ العلماء کی سیاست وتائید میں آپ نے بڑا اہم رول ادا کیا اور ندوۃ العلماء کے بھی تا عمر ممبر شوریٰ رہے اور اس کو تقویت پہونچائی۔آپ کو ۱۳۲۶ھ میں مرزا غلام احمد قادیانیؔ نے چیلنج کیا

تھا کہ دونوں میں سے جو بھی جھوٹا اور باطل ہوگا وہ پہلے مریگا اور اللہ اسکو ہیضہ اور طاعون میں مبتلا کرے گا" چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے مرزا کو ہی کچھ دنوں بعد اس بیماری میں مبتلاء کردیا اور اسی میں اس کا انتقال ہوگیا۔لیکن مولانا امرتسریؒ اس کے بعد بھی چالیس سال اور حیات رہے۔آپ تقسیم ہند کے بعد گجرانوالہ پاکستان چلے گئے۔اور وہیں ایک سال قیام کے بعد ۴ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ کو سرگودھا میں وفات پائی۔اسوقت آپ کی عمر اسی سال تھی۔

تصانیف:۔ آپ کی تصنیفات میں سب سے مشہور عربی تفسیر ہے جس کا نام "تفسیر القرآن الکریم بکلام الرحمن" ہے جس میں آپ نے نئے انداز پر قرآن پاک کی تفسیر قرآنِ پاک ہی سے کی ہے ۔ ۳۳

۲۹۔(مولانا) جلیل احسن ندوی مرحوم

مولانا اعظم گڈھ ضلع کے ایک گاؤں کرمینی کے رہنے والے تھے لیکن پھر وہ موضع طوئی، ضلع اعظم گڈھ میں رہنے لگے تھے۔شروع کی تعلیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ہوئی۔پھر انھوں نے دار العلوم دیوبند میں علومِ عربیہ ودینیہ کی تحصیل کی۔فراغت کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے عربی ادب کی تحصیل کی۔وہ اپنے جن استاذوں کا خاص طور پر ذکر کرتے تھے ان میں دیوبند کے مولانا اعزاز علی،اور علامہ ابراہیم خاص طور پر شامل ہیں۔ندوہ کے لوگوں میں مولانا محمد ناظم ندوی کا خاص طور پر تذکرہ کرتے تھے۔ممکن ہے مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی سے بھی شرف تلمذ رہا ہو۔جس زمانہ میں مدرسۃ الاصلاح میں درس دیتے تھے اس میں عصر بعد سے مغرب تک کا سارا وقت مولانا اختر احسن اصلاحی مرحوم کی صحبت میں گذارتے۔اور ان سے قرآن مجید اور جاہلی اشعارِ عرب کی مشکلات میں رہنمائی کے طالب ہوتے تھے۔مدرسۃ الاصلاح میں دو بار بحیثیت معلم رہے جامعہ مصباح العلوم بریلی، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اور جامعۃ الصالحات رامپور

میں بھی تعلیمی خدمات انجام دیں۔وہ جماعتِ اسلامی کے پر جوش رکن تھے،کوثر،لاہور(ایڈیٹرنصراللہ خاں عزیز)الانصاف،اوردعوت وغیرہ میں جماعت اسلامی پراعتراض کرنے والوں،مولانا عبدالماجد دریابادی،اورحیات اللہ انصاری،اوراپنے اساتذہ مولانا اعزازعلی وغیرہ کا جواب دیا کرتے تھے۔

مولانا مودودی کی بعض کتابوں کے عربی ترجمے کئے۔اردو میں حدیث کا مجموعہ ''زادِ راہ'' مرتب کیا۔آپ کی وفات کے بعد ماہنامہ ''حیاتِ نو'' اعظم گڈھ نے ''خصوصی نمبر'' نکالا تھا جواب نایاب ہے۔ [۳۴]

۳۰۔جمیل احمد قاسمی (وقف دارالعلوم دیوبند)

(و۔۱۹۵۰ء)

مولانا جمیل احمد قاسمی ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ کاشف العلوم،پھر مظاہر علوم سہارنپور میں پائی۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔اور ۱۹۷۰ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔پھر دارالعلوم میں ہی مدرس ہوئے۔اورتا حال علیاء درجات میں حدیث وتفسیر کی کتابیں پڑھاتے ہیں۔

آپ نے درسِ نظامی میں پڑھائی جانے والی فقہ کی اہم کتابوں کے ترجمہ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔اوراس سلسلہ کا سب سے بڑااہم کارنامہ درسِ نظامی کی مشہور کتاب علی مرغینانی کی ''ھدایہ'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔جودس جلدوں میں تقریباً ۴ رہزار صفحات پر مکمل ہوا۔اور ''اشرف الہدایہ'' کے نام سے مکتبہ تھانوی دیوبند سے شائع ہوچکا ہے۔اِسی طرح ملاجیون کی اصولِ فقہ کی مشہور کتاب ''نور الانوار'' کا ترجمہ ''قوت الاخیار'' کے نام سے ۹۴۸ صفحات پر دو جلدوں میں کیا ہے۔جو مکتبہ البلاغ دیوبند سے شائع ہوچکا ہے۔اور آج کل اصولِ فقہ کی کتاب ''حسامی'' کا ترجمہ ''فیضِ سبحانی'' کے نام سے کررہے ہیں۔اس کے علاوہ مفتی شکیل احمد قاسمی سیتاپوری کے ساتھ مل کرآپ نے ''تفسیر بیضاوی''

کا ترجمہ ''التقریر الحاوی'' کے نام سے کیا ہے۔ جس کو مکتبہ فخریہ دیوبند نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے

۔ ۳۵

۳۱۔(ڈاکٹر) جویریہ جمیل النساء

(و۔۱۹۳۹ء)

ڈاکٹر جویریہ جمیل النساء ۱۱ر ستمبر ۱۹۳۹ء کو حیدراباد میں پیدا ہوئیں۔ والد ماجد کا نام سید صابر علی ہاشمی ہے۔ اور والدہ کا نام حفیظ النساء بیگم ہے۔ محمد قادر الزماں صاحب کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ آپ نے تمام تعلیمی مراحل حیدراباد میں مکمل کئے اور جامعہ عثمانیہ حیدراباد سے ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی کی ''غریب الحدیث'' پر تحقیقی کام کیلئے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے اس کی پہلی جلد کو ایڈٹ کیا تھا۔ جو دائرۃ المعارف حیدراباد سے شائع ہو چکی ہے۔ ۲۔ اس کے علاوہ ایک اور مخطوطہ ''اصلاح الغلط فی غریب الحدیث'' کو بھی آپ نے ایڈٹ کیا ہے۔ جو دائرۃ المعارف سے چھپ چکا ہے۔ ۳۔ ''قصیدۃ البردۃ'' کا منظوم ترجمہ معید خاں صاحب کے والد عبد الغفور خاں نے کیا تھا۔ آپ نے اس کا تعارف کرایا ہے۔ یہ کتاب بھی مطبوعہ ہے۔ ۴۔ نیز بنت الشاطی کے مشہور عربی ناول ''بطلۃ الکربلاء'' کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ عربی کا ناول ''حضرت زینبؓ'' سے متعلق ہے۔ یہ کتاب ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ ۳۶

۳۲۔(ڈاکٹر) حبیب اللہ خاں

(و۔۱۹۶۳ء)

ڈاکٹر حبیب اللہ خاں، ولد احسان اللہ خاں، ۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ نے لکھنو یونیورسٹی سے ۱۹۷۸ء میں عربی اور انگلش سے عالم، اور ۱۹۷۹ء میں یہیں سے فاضل کیا۔ اس کے بعد دہلی میں

جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے ۱۹۸۴ء میں ایم اے (عربی) کیا۔ اور ۱۹۹۶ء میں لکھنو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ اور ۱۹۹۱ء میں یو جی سی سے نیٹ کوالیفائی کیا۔ آپ کی پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م" دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔ مئی ۱۹۸۴ء سے اپریل ۱۹۸۵ء کے دوران دہلی میں یمن ایمبیسی میں عربی/ انگلش ترجمہ کا کام انجام دیا۔ اور اس کے بعد ۱۹۸۵ سے ۱۹۹۰ء تک عراق کی مختلف کمپنیوں میں بحیثیت مترجم ملازمت کی۔ اور ۱۹۹۵ء/۱۹۹۶ء کے دوران جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں گیسٹ لیکچرار رہے۔ اور فی الحال جامعہ ملیہ میں عربی کے لیکچرار کی حیثیت سے تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی، سینٹرل انسٹی ٹیوٹ فار انگلش اینڈ فارن لنگویجز حیدرآباد وغیرہ کے مختلف علمی سیمیناروں میں بھی شرکت کی۔ نیز اکیڈمی اسٹاف کالج جامعہ ملیہ اسلامیہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، اور مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ، وغیرہ کی طرف سے منعقد کی جانے والی بہت سی ورکشاپز میں بھی شرکت کی۔ اور لیکچرز دئے۔ اس کے علاوہ آپ کی نگرانی میں مقالہ مکمل کرنے پر مامون آفندی کو مارچ ۲۰۰۲ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ اور بھی کئی طلباء آپ کی نگرانی میں ریسرچ کر رہے ہیں۔ اور مختلف جامعات کے تحقیقی مقالات کے ممتحن بھی رہ چکے ہیں۔

عربی تالیفات:۔ عربی میں درج ذیل کتابیں طبع ہو چکی ہیں:۔

۱۔ "الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م" (سلمان پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ۱۹۹۸ء)، ۲۔ "تعلّم اللغة العربية" (اسٹارلنگ پبلشرز، نئی دہلی ۱۹۹۸ء)، ۳۔ "اللغة العربية الوظيفية" ج ۱-۲-۳ "(قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۲ء)۔ ۵۔ "تاریخ الهند للأطفال" (پین گن بکس انڈیا، نئی دہلی)۔

اس کے علاوہ "ثقافة الهند" نئی دہلی، "الرائد" البعث الاسلامی" لکھنو، ودیگر مجلات میں تقریباً ۳۰ مضامین ومقالات عربی میں شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے ۱۔ "لجنة التاليف والترجمة بالجامعة العثمانية" (ثقافة الهند ج ۵۳ (۲۰۰۲ء)، ۲۔ "القصة القصيرة فی الكويت وشيخ

القصاصين فهد الدوسرى" (مطبوعہ سی آئی ای ایف ایل، حیدراباد)، ۳۔"تاریخ الادب التونسى" (مطبوعہ سی، آئی، ای ایف ایل، حیدراباد)۴۔"تقرير عن الندوة الدولية حول الادب المغاربى فى القرن العشرين" (ایضاً)۔۵۔"دراسة فى كتاب المسلمون فى الهند" (ثقافۃ الہند ج۵۲ ۲۰۰۱ء)، ۶۔"ترات الهند فى القرون الوسطى والبحث عن التقاليد العلمية"، ۷۔"أسرة خان خانان" (ثقافۃ الہند ج۵۲۔۲۰۰۱ء)، ۸۔"سفر راماننا: جنوب شرقى آسيا" (ثقافۃ الہند ج۵۱۔۲۰۰۰ء)، ۹۔"فن الترجمة" (البعث الاسلامی ۱۹۹۲ء)، ۱۰۔"الفرق بين الترجمة و التعريب" (البعث الاسلامی ج ۳۷۔۱۹۹۲ء)، ۱۱۔"مؤتمر القمة يندد بالمظالم المرتكبة فى البوسنة" (الرائد ۱۹۹۲ء)، ۱۲۔"انقذوا الجمهورية الهندية" (الرائد ۱۹۹۲ء)، ۱۳۔"زيارة ياسر عرفات للهند: المحك الحقيقى للهند" (الرائد ۱۹۹۲ء)، ۱۴۔"البرلمان الهندى التاسع فى الميزان" (الرائد ۱۹۹۱ء)، وغیرہ۔

ان کے علاوہ ہند و بیرونِ ہند کی تقریباً ایک درجن کانفرنسوں میں عربی ترجمان کی حیثیت سے شرکت کی۔فی الحال جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں عربی کے لیکچرار کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور مختلف اخبارات ورسائل میں عربی مضامین ومقالات کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ ۳۷

۳۳۔ (حضرت مولانا) حبیب الرحمن اعظمیؒ (محدِّث)

۱۳۱۴۔۱۴۱۵ھ

۱۸۹۶۔۱۹۹۴ء

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی اسوقت دنیائے اسلام میں علم حدیث کے بلند پایہ عالم تسلیم کئے جاتے ہیں۔ان کی پیدائش تقریباً ۱۳۱۴ھ کی ہے۔ابتدائی عربی تعلیم اپنے وطن مؤ ضلع اعظم

گڈھ کے مشہور مدرسہ دار العلوم میں ہوئی۔ پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مشہور شاگردِ رشید حضرت مولانا عبد الغفار صاحب سے گورکھپور اور بنارس میں رہ کر متوسطات تک تعلیم حاصل کی۔ اسی کے ساتھ علوم مشرقیہ کے مختلف عربی کے امتحانوں میں شریک ہوکر کامیابی حاصل کی۔ فاضلِ ادب کا امتحان الہٰ آباد سے پاس کر کے ۱۳۳۴ھ میں دار العلوم دیوبند کے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۳۹ھ کے اواخر میں دوبارہ دار العلوم دیوبند کے دورہ حدیث میں شرکت کر کے سماعت کی۔ ۱۳۴۰ھ میں دار العلوم مئو میں آپ کا تقرر بحیثیت صدر مدرس ہوگیا۔ جہاں آپ دو سال تک دورہ حدیث اور دوسرے فنون کی دوسری اونچی کتابیں پڑھاتے رہے۔ دار العلوم مئو سے علیحدہ ہوکر پھر بحیثیت صدر مدرس مظہر العلوم بنارس آگئے، یہاں کئی سال تک انھوں نے درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ وہاں سے دوبارہ ۱۳۴۷ھ میں پھر اپنے وطن مئو آگئے۔ یہاں ان کو مفتاح العلوم مئو کا شیخ الحدیث اور صدر مدرس بنادیا گیا۔ ۱۳۶۹ھ تک وہ مفتاح العلوم مئو کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس رہے۔ آخر میں تصنیفی شغف کی وجہ سے آپ نے مفتاح العلوم سے علیحدگی اختیار کرلی۔ البتہ بحیثیت سرپرست نگرانی فرماتے رہے۔ آپ نے دینی علوم کی گراں قدر خدمت انجام دی۔ اور ساتھ ہی تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی برابر قائم رکھا۔ بہت سے علماء کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

تصانیف:۔ آپ کی عربی تصانیف کی تفصیل یہ ہے۔ ۱۔ استدراک وتعلیق شرح مسند امام احمد بن حنبلؒ۔ ۲۔ تعلیق وتحقیق سنن سعید بن منصورؒ (دو جلد)۔ ۳۔ تحقیق وتعلیق مسند حمیدی (دو جلدیں)۔ ۴۔ تحقیق وتعلیق کتاب الزہد والرقاق لعبد اللہ بن مبارکؒ۔ ۵۔ تحقیق وتعلیق المطالب العالیہ (۴ جلدوں میں)۔ ۶۔ تحقیق وتعلیق مختصر کتاب الترغیب والترھیب لابنِ حجر عسقلانی۔ ۷۔ تحقیق وتعلیق مصنف عبد الرزاق (گیارہ ضخیم جلدیں)۔

یہ سب عربی میں لکھی گئی ہیں۔ اردو تصانیف ان کے علاوہ ہیں۔ آپ کی اور بھی متعدد تصانیف ہیں جو

ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں۔ اس وقت فنِ حدیث، رجالِ حدیث، اور متعلقاتِ حدیث میں آپ کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے جس کو اہلِ علم تسلیم کرتے ہیں۔ کئی سال تک حکومت کویت کی خواہش رہی کہ آپ وہاں جائیں مگر اپنے علمی مشاغل کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ جامعہ ازہر قاہرہ کے شیخ الجامعہ کا تقاضہ بھی رہا کہ آپ مصر تشریف لائیں۔ ۱۳۷۳ھ سے دار العلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔ ۱۹۹۴ء میں اعظم گڈھ (مئو) میں وفات پائی۔ اور یہیں مدفون ہوئے۔ ۳۸

۳۴۔ (حکیم) حبیب الرحمن کانپوری۔

(و۔ ۱۹۵۴ء)

پورا نام حکیم حافظ سید حبیب الرحمن، ولدیت حکیم حافظ علی احمد صاحب مرحوم۔ ولادت: ۹ جنوری ۱۹۵۴ء بمقام کانپور ہوئی۔ آپ نے ایم اے اردو، ایم اے انگریزی، پھر پی ایچ ڈی، بی یو ایم ایس (کانپور) آئی ایم بی (ہریانہ) تک اعلیٰ تعلیم مکمل کی۔ یونانی میڈیکل کالج کانپور میں پرنسپل ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں پروفیسر شبیہ الحسن نونہروی، پروفیسر ملک زادہ منظور احمد، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد شامل ہیں۔ طب کی تعلیم حکیم حافظ علی احمد اور حکیم منو میاں سے حاصل کی۔ قومی آواز لکھنو دہلی، اور ہندستان کے بھی اخباروں میں مضامین شائع ہوئے ہیں۔

آپ کا قیام "دہلی ہاسپٹل، ڈبل پلیا، جی ٹی روڈ، منڈھنا، کانپور یوپی" میں ہے۔ اور مطب 'دہلی دواخانہ' کے نام سے "9/128 طلاق محل کانپور" میں واقع ہے۔ آپ بہت سی سرکاری وغیر سرکاری طبی اکیڈمیوں کے ممبر بھی ہیں، جیسے یوپی سی منسٹری آف ہیلتھ اینڈ ویلفیر وغیرہ۔ اور مسیح الملک حکیم اجمل خاں میموریل اکیڈمی کے چیرمین، اور انجمن اطباءِ ہند کے جنرل سکریٹری، قومی کونسل برائے فروغ اردو، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، اور یوپی اردو اکیڈمی کے ممبر بھی بنائے گئے۔ آپ آل انڈیا مسلم گریجویٹ ایسوسی ایشن کے کنوینر ہیں۔

عربی کیلئے ''عربی قواعد حصہ اول یعنی علم النحو'' اور ''عربی قواعد حصہ دوم یعنی علم الصرف'' یادگار تصانیف ہیں۔ آج کے اسلوب میں سہل انداز سے علمِ صرف ونحو اس طرح پیش کرنا کہ مبتدی کیلئے کم سے کم وقت میں تمام بنیادی قواعد پختہ ہو جائیں۔ عربی زبان کی ایک بڑی خدمت ہے۔

اردو تصانیف میں ''یونانی ذرائع تشخیص، ۱۹۷۶ء، (بہت سی یونیورسٹیوں میں یونانی ڈگری کیلئے لازم ہے) (۲) کلیاتِ نبض وبول وبراز، مطبوعہ ۱۹۸۶۔۱۹۹۹ء)، مجرباتِ احمدی، اور ادبی کتب میں حیاتِ ازدواج، دیوانِ شیدا (اردو اکیڈمی لکھنو) اور '' ہندوستان کے مشہور اطباء'' شامل ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں آل انڈیا میر اکیڈمی کی طرف سے امتیازِ میر ایوارڈ، اور ۱۹۹۸ء میں ویسٹ بنگال گورنمنٹ کی طرف سے ویسٹ بنگال اردو اکیڈمی ایوارڈ، اور ۲۰۰۰ء میں یوپی اردو اکیڈمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ زیرِ طبع کتابوں میں حکیم اجمل خاں حیات و خدمات، حکیم میران حیات و شاعری، حفیظ جالندھری حیات وخدمات، کلیاتِ ولی (کانپوری شاعر) حیات وتاریخ، تذکرہ اطباءِ یوپی، ۵ جلدیں وغیرہ۔ شامل ہیں۔ ۳۹

۳۵۔ (مولانا) حبیب ریحان خاں ندوی، ازہری

(و۔ ۱۹۳۶ء)

مولانا حبیب ریحان خاں ندوی، ازہری، مولانا محمد عمران خاں ندوی ازہریؒ کے صاحب زادے ہیں۔ ۱۳؍اگست ۱۹۳۶ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ رہائش ''دار الترجمہ والتصنیف'' ۲۷۔ رفیقیہ اسکول روڈ، بھوپال میں ہے۔ آپ نے ۱۹۵۱ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے عالم کی سند حاصل کی۔ اور ۱۹۵۳ء میں ندوۃ العلماء سے فاضل کیا۔ اور ۱۹۵۵ء میں اعلیٰ درجات کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مصر چلے گئے۔ اور ۱۹۶۰ء میں جامعہ ازہر، قاہرہ (مصر) کلیۃ اصول الدین (تھیالوجی کالج) سے عالمیت مع اجازۃ التخصص فی الوعظ والارشاد کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ ازہر کے

عربک کالج سے تخصص فی التدریس (کلیۃ اللغۃ العربیۃ) کی سند حاصل کی۔ اور پھر ۱۹۶۲ء میں آرٹس کالج قاہرہ یونیورسٹی (مصر) سے لیسانس کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے بھوپال، لکھنو، اور قاہرہ کے بے شمار اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:۔ اساتذۂ بھوپال میں مولانا عبدالرحمن علامہ وقت، مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی، مولانا عبدالرشید مسکین، مولانا سید حشمت علیؒ، اور اساتذۂ لکھنو میں مولانا عبد الحفیظ بلیاوی (مؤلف مصباح اللغات)، مولانا محمد اویس ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، اور والد ماجد مولانا محمد عمران خاں ندوی، ازہری مرحوم، اور اساتذۂ مصر میں ڈاکٹر محمد فتح اللہ بدرانؒ، شیخ کبیر محمد الغزالی، شیخ احمد غزلان، دکتورہ سہیر قلماوی، ڈاکٹر محمد شوقی ضیف، ڈاکٹر محمد مندور، ڈاکٹر ناصر الدین نشاشیبی (اردنی)، ڈاکٹر عزالدین فرید عمید الکلیۃ وغیرہ جلیل القدر اساتذہ شامل ہیں۔

مصر میں تعلیم کے دوران جن عظیم عربی ادباء کی صحبتوں سے فیض اٹھایا اُن میں شہرۂ آفاق ادباء عباس محمود عقاد، احمد حسن زیات، ڈاکٹر محمد شاکر، ڈاکٹر عبدالمنعم خفاجی، شیخ محمد ابوزہرہ، ڈاکٹر عبدالحلیم محمود شیخ الازہر، شیخ محمد شرباصی وغیرہ شامل ہیں۔ دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد وہیں پر تکمیلی درجات میں دو سال (۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۵ء) طلباء کو پڑھایا۔ اس کے بعد دار العلوم تاج المساجد بھوپال میں تدریسی خدمات (جولائی ۱۹۵۵ء تا دسمبر ۱۹۵۸ء) انجام دیں۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۷ء تک ۲۵ سال لیبیاء کے معہد البحوث الاسلامیہ اور معہد الامام مالک میں ادب عربی وعلومِ اسلامیہ کے موضوعات پڑھائے۔ اور دسمبر ۱۹۸۷ء سے تا حال دار العلوم تاج المساجد بھوپال میں دینی موضوعات پڑھا رہے ہیں۔ ۱۹۵۰ء سے مضامین لکھنا شروع کیے۔ ۱۹۵۳ء میں باقاعدہ مضامین چھپنے لگے۔

نشان منزل بھوپال، ماہنامہ ریاض کراچی، روزنامہ ندیم کراچی، روزنامہ ندیم بھوپال، روزنامہ افکار بھوپال، نئی دنیا، سہارا، دعوت (نئی دہلی)، صدقِ جدید لکھنو، برہان دہلی، معارف اعظم گڈھ، وغیرہ میں برابر چھپتے ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں ایک ماہوار قلمی مجلّہ فردوس نکالا، اور ۱۹۵۵ء تا ۱۹۵۸ء نشانِ منزل

بھوپال کی ادارت کی ۔ نیز بھوپال سے ایک اخبار بھوپال ٹائمز نکلا جو ڈیڑھ سال چلا۔(۱۹۸۸ء تا ۱۹۸۹ء آپ اس کے چیف ایڈیٹر تھے۔ تصنیفی کاموں کو اچھے انداز پر جاری رکھنے کے لئے ایک ادارہ ۱۹۷۲ء میں قائم کیا۔ جس کا نام ''دار التصنیف والترجمہ'' رکھا گیا۔ یہ دراصل ایک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ہے۔ جس میں منتہی طلبہ تحقیق وتحریر کا کام کرتے ہیں۔

آپ دار العلوم تاج المساجد بھوپال کے معتمد تعلیم ،دار التصنیف والترجمہ بھوپال کے مؤسس وناظم ،عالمی رابطہ ادب اسلامی کے اعزازی ممبر ،اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے رکن مجلس اعلی مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ برطانیہ کے ممبر ،فیکلٹی آف اسلامیات علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ممبر، آل انڈیا ملی کونسل کے ممبر ،مدھیہ پردیش حج کمیٹی کے ممبر ،اور مدھیہ پردیش وقف بورڈ بھوپال کے ممبر ،جیسے اعلی عہدوں پر فائز رہے۔

آپ کے علمی کاموں کا دائرہ اسلامی علوم قرآن وسنت وفقہ کی شرح ،عربی وارد وادب ،اور تاریخ وغیرہ ہے۔ تحقیق وتصنیف ومضمون نگاری اردو اور عربی زبان میں کرتے ہیں۔ مجلات میں علمی مضامین کی عربی زبان میں نشر واشاعت ،غیر ملکی اور ہندوستانی سیمیناروں میں شرکت ،خصوصیات میں سے ہیں۔ تقریباً تین سو سے زیادہ مضامین سپردِ قلم فرمائے۔ اور نو کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

آپ کے بے شمار عربی مقالات میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:۔

۱۔محمود سامی البارودی رائد النهضة الشعرية الحديثة ۲۔محمد بن علي السنوسي وجهاد السنوسيين ضد الاستعمار الايطالي الى استقلال البلاد ۳۔موجز تاريخ ليبياء من العصور القديمة الى استقلال البلاد ۴۔ابو العتاهية :حياته ،حبه وغزله ۵۔عبد الرحمن الشكري شاعر الديوان :حياته وميزاته ۶۔انتهاك حرمة الشهر الحرام يعتبر انتهاكاً للقرآن العظيم ۷۔الاسهام الهندي في ترجمة الكتب والمؤلفات العربية من اللغة الاردية ۸۔نظرية التعليم العربي الجديد في المدارس

الحديثة والجامعات والمعاهد الدينية-٩-مساهمة ندوة العلماء في تعلم اللغة العربية، ١٠-تدوين القرآن الكريم وتطور التفاسير في العهد الاموي والعباسي، ١١-تدوين الحديث الشريف في العهد الاموي والعباسي، ١٢-تدوين الفقه الاسلامي في العهد الاموي والعباسي، ١٣-تطور الشعر العربي والاندلسي في العصر الذهبي (عصر الخلافة) الى نهاية حكم المسلمين، ١٤-لمحة موجزة عن تاريخ دخول العرب الى الاندلس وبداية الشعر الاموي، ١٥-مقومات النهضة العلمية الحديثة: احياء التراث القديم ونشرهٔ وترجمتهٔ، ١٦- دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد، ١٧- الجامع الازهر ومكانته الاجتماعية والادبية- ١٨-اهمية التقويم القمري الاسلامي وضرورتهٔ، ١٩-اهمية اللغة العربية العالمية -٢٠-ابو العتاهية وحياته العلمية والسياسية -وغيره- ۳۵

۳۶۔(شیخ الاسلام حضرت مولانا) حسین احمد مدنیؒ

۱۲۹۶۔۱۳۷۷ھ

۱۸۷۸۔۱۹۵۷ء

پیدائش:۔

۱۲۹۶ھ کو ضلع اناؤ کے قصبہ بانگر مئو میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس سے قدرت کو مستقبل میں دین کا دفاع اور حفاظت کا کام لینا تھا۔اور جس نے تاریخ میں غیرت مند اسلامی مجاہد کی حیثیت سے اپنا نام روشن کیا۔

تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم ٹانڈہ میں پائی، اور ۱۳۰۹ھ میں دار العلوم دیو بند میں داخلہ لیا، جہاں

سات سال تک تعلیم حاصل کی اوراس وقت کے باکمال اساتذہ مثلاً مولانا ذوالفقارعلی،مولانا خلیل احمد سہارنپوری (صاحب بذل المجھود)،مفتی عزیز الرحمن ،مولانا حبیب الرحمن عثمانی وغیرہم سے فیض حاصل کیا۔اورخاص طور پر حضرت مولانا محمود حسن دیو بندیؒ کی طویل صحبت میں رہ کرعلوم ومعارف میں کمال پیدا کیا۔

درس حدیث:۔

۱۳۱۶ھ میں اپنے خاندان کیساتھ مدینہ منورہ کا سفر کیا،اور وہاں شیخ آفندی عبدالجلیل بردہ سے ادبی علوم حاصل کئے۔اس وقت حجاز کے ادبی وعلمی حلقوں میں شیخ بردہ کی کافی شہرت تھی۔پھر حرمِ نبوی میں درس کا سلسلہ شروع کیا،اور ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان واپس آئے۔دوسری بار ۱۳۲۰ھ کو مدینہ منورہ تشریف لے گئے اوراب کی بار آپ کے درس نے وہ قبولِ عام حاصل کیا کہ حجاز کے کونے کونے سے علم کی پیاس بجھانے کیلئے لوگ ٹوٹ پڑے،اور آپ کی شہرت شرقِ اوسط،افریقہ،اور چین،اور دور دراز ممالک تک پہونچ گئی۔

آپ نے کتبِ متداولہ کیساتھ ساتھ وہ کتابیں بھی پڑھائیں جو عرب ومصر کی یونیورسٹیوں میں داخلِ نصاب تھیں۔جیسے"الاجرومیہ" ابنِ عقیل،شرحِ عقود الجمان،بدیعیہ بن حجر،ملتقی الابحر،وغیرہ۔آپ کے ممتاز شاگردوں میں عبدالحفیظ کردی،ممبر عدالتِ عالیہ،شیخ احمد بساطی،وکیل قاضیِ مدینہ،شیخ محمود عبد الجواد حاکم مدینہ منورہ،اور شیخ بشیر ابراہیمی،جزائری شامل تھے۔

آپ نے ۱۷ سال کتب اسلامیہ کا درس دیا۔اور ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں ناظمِ تعلیمات مقرر ہوئے۔اور علامہ انورشاہ کشمیریؒ کے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ صدر مدرس ہوئے۔اور اپنی وفات ۱۳۷۷ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔آپ کا حدیث پڑھانے کا انداز عجیب وغریب تھا۔۔لغوی مشکلات کو حل کرنے کے بعد حدیث کی صحت وضعف پر بحث کرتے،پھر متنِ حدیث کو اس طرح سمجھاتے کہ کوئی اشکال باقی نہ رہے۔پھر مختلف روایات کے درمیان نظر آنے والے تضاد کو دور

کرتے۔ اور مختلف ائمہ کے مذاہب، اوران کے دلائل پر روشنی ڈالتے۔ فقہی مذہب کی راجحیت دلائل قطعیہ سے ثابت کرتے۔ آپ کے درس کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کثرتِ سوالات سے ذرانہ گھبراتے۔ اور تمام ہی سوالات کے جوابات خندہ پیشانی سے دیتے۔ تاکہ طالب علم پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ اور اگر استشہاد کیلئے ضرورت پڑتی تو کلامِ عرب سے بھی ثبوت پیش کرتے۔ آپ کی زندگی پیہم عمل، مثالی زہد وتقویٰ کا نمونہ تھی۔ اور اپنی تمام سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ طلبہ عزیز کی علمی تشنگی دور فرماتے۔

قومی خدمات:

حالات نے آپ کو سیاست اور خدمتِ انسانی کے میدان میں اترنے پر مجبور کیا۔ تو آپ نے قوم کی گردن سے طوقِ غلامی اتروانے کیلئے شیخ الہند کے ساتھ تحریکِ ریشمی رومال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلمانوں میں غیرتِ ایمانی کی نئی روح پھونک دی۔ نیز اس راہ میں مالٹا کی اسیری میں جہاد و قربانی کی وہ مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک زندہ رہیگی۔ ۲۲ر جمادی الثانیہ ۱۹۱۹ کو جزیرہ مالٹا سے رہائی کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی۔ تو آپ کی سیاسی اور دینی مشغولیات بڑھ گئیں۔ اور آزادی ہند کے لئے آپ نے اپنے کاموں کی رفتار تیز کردی۔ یہاں تک کہ آپ کی جدوجہد رنگ لائی۔ اور ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا۔

آپ کی سب سے بڑی خصوصیت اخلاص وتواضع، رحم وشفقت اور اعداءِ اسلام کیلئے غیرت وشدت تھی۔ چنانچہ دین کی حرمت پر آنچ آنے والا کوئی بھی واقعہ رونما ہوتا تو آپ اس فتنہ کے استیصال کے لئے کمر باندھ لیتے۔

بیعت:

عنفوانِ شباب میں ہی حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی تھی اور اپنے روحانی مرشد حضرت حاجی

امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی کسبِ فیض کیا۔ الغرض آپ عالمِ ربانی، محدثِ جلیل، اور قائد ومجاہد تھے۔ آپ کی زندگی صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نمونہ تھی۔

تصنیفات:

آپ کے درسِ ترمذی کو آپ کے ایک شاگرد مولانا محمد طاہر نے قلمبند کیا تھا، جو "المعارف المدنیہ" کے نام سے شائع ہوئے۔ نیز درسِ بخاری کے افادات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اور ایک عربی کتاب "الرد علیٰ من استحال المعراج الجسمانی" ہے جس میں شبِ معراج میں حضور علیہ صلی اللہ کے جسمانی ارتقاء کے منکرین کا رد کیا ہے۔

عربی نمونہ تحریر:۔ "الرد علی من استحال المعراج الجسمانی" میں منکرین جسمانی معراج کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ انک اذا تعمقت النظر فی ھذا الامر مع مالک من نقصان عقلیّ و ضآلة فی العلم و نظرت فی الحوادث و الوقائع التی ترىٰ صباحاً و مساءً علی مرأیٰ منک فلا بد من أن یزول عنک الوھم و الشک و تدرک خطأ العلم الطبیعی، و فشل الفلسفة العقلیة مما یعتمد علیه الجاھدون للمعراج الانسانی، و اذا ترىٰ وأیّ انسان نال نصیباً من العقل و النصفة و له رغبة الی قبول الحق فی الکلام التی سیاتی فینجلی له الحق و ینکشف الغطاء من الحقیقة الساطعه"

ثبوت المعراج الجسمانی بالآثار النبویة:

و اذا القینا النظر علی جملة ما وقع فی ھذه القصة و ما ذکرته الآثار و الاحادیث الواضحة الصریحة الصحیحة لادرکنا ان الامور التی اعترضت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلة المعراج و الا کتشافات اللتی تحققت کلھا تدل علی ......الخ۔

وفات:۔ ۱۲ جمادی الاولیٰ کو ۳ر بجے کے قریب حضرت مدنیؒ واصل بحق ہو گئے جنازہ دار الحدیث دار

العلوم دیوبند میں لاکر رکھا گیا مظاہر علوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ۱۲/۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ (۵/۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب میں اس خزینہ علم و معرفت کو مزارِ قاسمی میں سپردِ خاک کیا گیا۔ [۴۱]

مزید حالات کیلئے ملاحظہ ہو الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ از رشید الوحیدی وغیرہ۔

۳۷۔ (سید) حفاظت حسین (بہار)

(م ۱۹۶۴ء)

مولانا سید حفاظت حسین ابنِ مولوی سید محمد ابراہیم (وکیل) وطن بھیک پور (پٹنہ)۔ ولادت ۱۳۰۹ھ۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پانے کے بعد مظفر پور اور پھر عظیم آباد پٹنہ کے مدرسہ سلیمانیہ میں تین سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد سلطان المدارس لکھنو سے صدر الافاضل کی اعلیٰ سند حاصل کی ،پھر پٹنہ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی ،فاضل، (آنرس) کی اعزازی ڈگری اور فیلو آف پٹنہ یونیورسٹی حاصل کی۔ فقہ واصولِ فقہ میں مولانا سید محمد باقر مجتہد، (لکھنو) فقہ میں مولانا سید محمد ہادی مجتہد، منطق ،معانی، وبیان، میں مولانا سید محمد رضا صاحب قبلہ ،صدرا میں مولانا سید محمد امین صاحب کابلی ،حمد اللہ وتفسیرِ بیضاوی ،وہدایہ میں مولانا فضلِ حق آپ کے استاد رہے۔ ۱۹۲۰ء میں بہار کے ایک سرکاری اسکول میں ہیڈ مولوی مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول مظفر پور سے سبکدوش ہوئے۔ آپ ایک عالم باعمل تھے۔ نہایت ذاکر وشاغل تھے۔ ۱۹۶۴ء میں وطن ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ اولاد میں دو صاحب زادے الحاج سید رضا امام ریٹائرڈ ڈی ایس پی، سید آلِ ابراہیم ریٹائرڈ آڈٹ آفیسر، اور پانچ صاحب زادیاں ہیں۔

تصانیف :۔ تصانیف میں ''تفسیرِ آیہ تطہیر''، مطبوعہ اصلاح کھجوہ، ''تفسیر معارف القرآن''، (غیر

مطبوعہ) مواعظ القرآن (غیر مطبوعہ)۔ ۴۲

۳۸۔ خالد سیف اللہ رحمانی قاسمی

(و۔ ۱۹۵۷ء)

ولادت ۱۹۵۷ء۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے اپنے گھر میں پائی۔ پھر جامعہ رحمانیہ مونگیر میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۵ء میں فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد علمِ حدیث کیلئے دار العلوم دیوبند گئے اور ۱۹۷۶ء میں فضیلت کرنے کے بعد امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پٹنہ میں دو سال تدریبی کورس کیا۔ اور عائلی قوانین و پرسنل لاء کے مسائل میں مہارت حاصل کی۔ اس کے بعد دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد میں صدر مدرس بنائے گئے۔ فقہ میں غیر معمولی دسترس تھی۔ عربی ترجمہ نگاری کا خاص ذوق تھا۔ سیرت ابنِ ھشام جیسی عظیم کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا جو اسلامک اسٹڈیز حیدرآباد سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہو کر مقبول ہوا۔ جو بعض مدارس میں داخلِ نصاب بھی ہے۔ ۴۳

۳۹۔ خالد قاسمی

(و۔ ۱۹۶۶ء)

ولادت ۱۹۶۶ء۔ ابتدائی تعلیم بنگال میں حاصل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۸۳ء میں فراغت پائی۔ تعلیمی سلسلہ اس کے بعد بھی جاری رکھا۔ اور دار العلوم دیوبند سے ۱۹۸۴ء میں تکمیلِ ادب عربی، ۱۹۸۵ء میں تخصص ادب عربی کی سندیں حاصل کیں۔ پھر روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی سے اردو میں ایم اے کیا۔

اپنی عملی زندگی کا آغاز قطر کے سفارت خانے میں مترجم کی حیثیت سے کیا۔ اس کے بعد سعودی سفارت

خانے میں ملازم ہو گئے۔

مجلّہ ''الداعی'' میں آپکے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔اس وقت ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' (مصنفہ سید محبوب رضوی) کو اردو سے عربی میں منتقل کرنے کا بیحد اہم کام انجام دے رہے ہیں۔یہ کام شیخ الہند اکیڈمی کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ ۴۴

۴۰۔خورشید احمد اعظمی

(و۔۱۹۶۰ء)

نام خورشید احمد اعظمی ،والد ماجد کا نام حافظ سعید اختر بن محمد سلیمان بن عبدالشکور بن محمد یعقوب ابنِ منصور دلال ہے۔

خاندانی پسِ منظر:۔

بہادر گنج ضلع غازیپور آبائی وطن ہے دادیہال اور نانیہال دونوں علم دوست گھرانے رہے ہیں۔اجداد میں سے عبدالشکور مئو ہجرت کر کے آئے ، ان کے ایک لڑکے مولانا محمد یحیٰی برادر حاجی محمد سلیمان عربی ادب اور فنِ بلاغت کے ماہر اور استاذ تھے۔انھوں نے ایک ہفتہ تک مفتاح العلوم مئو میں درسی خدمات انجام دیں ،نانیہال میں حکیم مولانا عبدالرحمن استاذ محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی ،والدین کے نانا،اوران کے والد ولی محمد اسم با مسمیٰ ولی گذرے ہیں۔جد اعلیٰ منصور دلال بہادر گنج کے رئیس اور بزرگ تھے۔جامع مسجد وغیرہ انھیں کی تعمیر کردہ ہے،ان کے نام سے منسوب ایک منصوری عید بھی گذری ہے جو انھیں کی شہادت اور گواہی پر منائی گئی تھی۔انھوں نے ایامِ منہیہ کے علاوہ سال بہ سال کا روزہ بھی رکھا ہے۔

ولادت:

اسی خاندان میں ۲۵/دسمبر ۱۹۶۰ء کو مئوناتھ بھنجن یوپی میں آپ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم تا ششم دار العلوم مئو میں ہوئی۔ یہیں سے منشی، مولوی، اور عالم کا امتحان عربی و فارسی بورڈ پاس کیا، اس کے بعد درسِ نظامی کی تکمیل دار العلوم دیوبند سے ۱۹۷۸ء میں کی۔ اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے عربی ادب میں ۱۹۸۰ء میں تخصص کیا۔ اور پھر ۱۹۸۵ء میں الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ سے تخصص فی علوم الحدیث کا چار سالہ کورس کیا۔ اور ۱۹۸۸ء میں عربی فارسی الہ آباد سے فاضل ادب کا امتحان پاس کیا۔

تدریسی خدمات:

مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں ابتدائی عربی، کتاب الصرف، کتاب النحو، ہدایۃ النحو، قصص النبیین، القراءۃ الراشدہ، پڑھائیں۔

۲۔ الجامعۃ العربیہ تعلیم الدین مئو میں کتبِ حدیث مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف، آثار السنن پڑھائیں، اور آپکی تدریسی خدمات میں ہدایۃ، نزھۃ النظر، مقاماتِ حریری، مختارات، منثورات، ترجمۃ معانی القرآن مع تفسیر بھی شامل ہے۔ آپ اعزازی طور پر پڑھاتے ہیں، آپ کو محدثِ جلیل مولانا حبیب الرحمن اعظمی، شیخ ابو الفتاح ابو غدہ، مولانا قاری محمد طیب رحمہم اللہ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے۔

اور آپ کے اساتذہ میں شیخ عمر محمد فلاتہ، بابکر دشین، ضیاء الرحمن اعظمی، عبد الفتاح عشاوی، عبد الفتاح عاشور، مولانا سعید الرحمن اعظمی، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا ابو العرفان ندوی، مولانا انظر شاہ کشمیری وغیرہ شامل ہیں۔ تدریسِ کتبِ عربیہ کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے سیمیناروں میں مقالات لکھ کر شرکت کرتے رہتے ہیں۔ رہائش "رگھوناتھ پورا، مئوناتھ بھنجن، ۲۷۵۱۰۱ یوپی" میں ہے۔

تصانیف:۔ آپ کا اہم عربی مضمون "موقف المشرکین من محمد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قبل

بعثتہ" ہے۔اور دواہم عربی تصانیف (۱) "الدعوة الاسلامیہ فی عصر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم"، اور (۲) "توحید الربوبیۃ فی القرآن الکریم" یادگار ہیں۔

"الدعوة الاسلامیہ فی سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" میں مختصراً سیرتِ رسول کے ساتھ ساتھ دعوت کے مراحل، مشکلات، مناہج اور طریقِ دعوت کا ذکر کیا گیا ہے۔اور "توحید الربوبیہ" میں ان آیاتِ قرآنیہ سے متعلق تفصیلات ہیں جو ربوبیتِ باری تعالیٰ کا ذکر کرتی ہیں اور کس طرح یہ آیات وحدانیتِ باری تعالیٰ کی دعوت دیتی ہیں۔جبکہ اس ربوبیت کا انکار کفار بھی نہ کر سکے۔ ۳۵

۴۱۔(ڈاکٹر) خورشید احمد فارق

۱۹۱۶_۲۰۰۱ء

ولادت بریلی میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی۔عربی وفارسی کی متداول کتابیں گھر پر ہی والد ماجد سے پڑھیں، کالج کی تعلیم بریلی میں حاصل کرنے کے بعد ایم اے اور پی ایچ ڈی علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے کیا۔۱۹۴۳ میں دہلی کے اینگلو عربک کالج میں لیکچرر مقرر ہوئے۔اور ۱۹۵۳ء میں دہلی یونیورسٹی میں ریڈر مقرر ہو گئے۔اکتوبر ۱۹۵۶ء میں حکومتِ ہند کے ایک وظیفہ پر ایک سال کیلئے مصر گئے۔فروری ۱۹۶۹ء میں دہلی یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدرِ شعبہ مقرر ہوئے۔جولائی ۱۹۸۵ء میں ریٹائر ہو کر علی گڈھ آگئے اور اپنے مکان بانس گلی، سرسید نگر، میں مقیم ہو کر علمی وادبی کام انجام دیتے رہے آخر عمر میں اپنے بچوں کے پاس دہلی چلے گئے وہیں پر دوشنبہ کے دن ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ مطابق ۵ رنومبر ۲۰۰۱ء کی صبح کو وفات پائی، اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۸۵ برس تھی۔

آپ نے طویل عمر پائی اور آپ کی پوری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گذری۔اور اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔آپ کی صاحب زادی عربی میں ایم اے ہیں، دہلی میں حکومت کے ایک

ادارے میں عربی پڑھاتی ہیں۔ دو صاحب زادے ڈاکٹر رفیع العماد فینان ،اور احمد فرحان ہیں ، ڈاکٹر رفیع العماد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبہ عربی میں پروفیسر رہ چکے ہیں۔

تصانیف:۔ آپ نے اردو، انگریزی اور عربی میں عربی اور تاریخِ اسلام کے موضوع پر بہت سی اہم تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ آپ کے مضامین زیادہ تر "برہان" دہلی میں شائع ہوتے تھے۔

عربی میں آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) تاریخ الردة' مقتبس از کتاب الاکتفاء' مصنفه الکلاعی البلنسی (دهلی ۱۹۷۰ء) (۲) الرسائل الرسمیه لعمر بن الخطاب' اور کتاب المنتمق لابن الحبیب البغدادی (دائرة المعارف العثمانیه حیدرآباد ۱۹۶۴ء)-(۳) زیاد ابن ابیه (بمبئی ۱۹۶۶) تاریخ ادب عربی (دهلی ۱۹۷۸ء) - ایک عرب سیاسی شاطر کی کہانی ،(دہلی ۱۹۶۷ء) (انگریزی میں) شائع ہوئیں۔

اردو میں قاضی شریح اور دیگر مضامین (برہان دہلی ۱۹۵۵ء) ،حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط ،(دہلی ۱۹۶۰ء) حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط (دہلی ۱۹۵۹ء) ،تاریخِ ردّہ، اسلامی دنیا دسویں صدی عیسویں میں ،(دہلی ۱۹۶۳ء) ، قرنِ اول کا ایک مدبّر (دہلی ۱۹۶۱ء) عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان، خلافتِ راشدہ کا ایک اقتصادی جائزہ، (دہلی ۱۹۷۷ء) تاریخِ اسلام (خلافتِ راشدہ، بنو امیہ۔ مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس دہلی) ، جائزے (تاریخی ،تمدنی ،جغرافیائی ،قانونی ،ادبی ،نحوی ،اول و دوم) علی گڈھ ۱۹۸۴ء۔۱۹۸۷ء۔ ۴۶

۴۲۔ (سید) راحت حسین (بہار)

۱۲۹۷۔۱۳۷۴ھ

۱۸۸۰۔۱۹۵۵ء

حجۃ الاسلام آقائے ہندی صدر المفسرین مولانا راحت قبلہ مجتہد ولد سید طاہر حسین مرحوم۔

تاریخی نام سید حیدر رضا تھا، وطن گوپال پور۔

ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا سید حسن باخدا، مولانا سید عابد حسین، مولانا سید محمد مہدی، مولانا سید نظر حسین وغیرہ سے قطبی، میبذی، مقاماتِ حریری، شرائع الاسلام کا درس لیا، پھر ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ میں لکھنو پہونچے اور مدرسہ حسین آباد میں جو اب سلطان المدارس کے نام سے مشہور ہے داخلہ لیا۔ یہیں پر شرح لمعہ، حماسہ، متنبی، حمد اللہ، تصریح الافلاک، قاضی مبارک، صدرا اور تجرید، وغیرہ پڑھیں۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں مولانا آیۃ اللہ محمد باقر، (باقر العلوم مولانا ظہور حسین قبلہ، مولانا سید عابد حسین، وغیرہ شامل تھے، اس مدرسہ میں ہر امتحان اور ہر کتاب میں اپنی جماعت میں اول آئے۔ پھر طب کی تعلیم حکیم سید امیر حسین اور حکیم سید عابد حسین مرحوم سے حاصل کی۔ چھ سال تک درس وتدریس کا سلسلہ رہا۔ اس کے بعد اپنے خسر معظم مولانا سید نثار احمد قبلہ (پالوی) کی تحریک سے ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ میں عراق تشریف لے گئے اور نجف الاشرف میں اکابرِ علماء مثلاً آقائی شیخ علی گونا آبادی، آقائی سید کاظم علی یزدی طباطبائی، آقائی سید کاظم خراسانی، وغیرہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ یہاں تقریباً ۱۴ سال تک زیرِ تعلیم رہ کر علوم وفنون میں کمال پیدا کیا آپ کو ۹ مجتہدین نے اجازت نامے عطا فرمائے، فقہ، اصولِ فقہ، علمِ رجال، وغیرہ میں نادرہ روزگار تھے۔ ۱۹۱۴ء میں وطن واپس ہوئے۔ پندرہ سال بعد پھر عراق وایران کا سفر کیا۔ پھر واپسی کے بعد بہار کے بڑے بڑے رؤساء کے کتب خانوں سے استفادہ کیا، ضلع شیخ پور کے قصبہ حسین آباد میں تبلیغ کی اور جمعہ وجماعت کا سلسلہ قائم فرمایا۔ متعدد مدرسوں میں صدر مدرس رہے۔ ۱۹۵۱ء میں مدرسۃ الواعظین لکھنو کے صدر نامزد ہوئے۔ ۳۔۴ سال تک خدمت انجام دینے کے بعد پھر ضعف وعلالت کے باعث وطن واپس ہوئے اور ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ / ۱۹ مئی ۱۹۵۵ء بروز جمعہ وصال فرمایا۔ اولاد میں چار صاحب زادے مولانا سید محمد قبلہ، مولانا سید علی قبلہ مجتہد، مولانا سید محسن الرضوی قبلہ واعظ، مولوی سید ابو الفضل، نور اللہ یادگار چھوڑے۔ دو صاحب زادیاں تھیں جن میں ایک سید علی جواد ساکن گوپال پور کی اہلیہ تھیں جو انتقال کر گئیں۔ اور دوسری ماسٹر سید سبط

حسن مرحوم (عشری) کی اہلیہ جو باحیات ہیں۔

تصانیف:۔ عرصہ دراز تک آپ تفسیر کے کام بھی منہمک رہے اور بڑی تفسیر تیار کی اور تقریباً ۷۵ کتابیں لکھیں۔ آپکی عربی تصانیف میں (۱) ''رسالہ شکیات'' (عربی)۔ (۲) ''تعدیۃ النکاح'' (عربی) یادگار ہیں۔ اور اردو تصانیف میں

منازلِ آلام، تحریفِ قرآن، عصمتِ انبیاء، ''رسالہ ہدایۃ المومنین'' ''رافع الالتباس''، رافع الابہام''، اہم ہیں۔ ۴۷

۴۳۔ (پروفیسر) راشد ندوی

و۔ ۱۹۳۶ء

پروفیسر راشد ندوی، ولدیت سعید احمد ندوی، میڈی گھاٹ، (اعظم گڈھ) میں یکم جولائی ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے تعلیمی مراحل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں مکمل کئے۔ اور پھر دمشق یونیورسٹی سے بی اے، اور قاہرہ یونیورسٹی (مصر) سے ایم اے کیا۔ اس کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔

اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں لیکچرار ہوئے۔ اور ۱۹۷۷ء سے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ہی شعبہ عربی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں ندوہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد اویس نگرامی، مولانا ناظم ندوی، اور شام میں محمد بن مبارک، مصطفیٰ سباعی، علی طنطاوی، محمود شاکر، مصطفیٰ زرقاء، عمر الدسوقی (آپ کے سپروائزر)، شامل ہیں۔ پی ایچ ڈی کا مقالہ ''النزعات السیاسیۃ والاجتماعیۃ فی الشعر العربی المعاصر فی مصر'' کے نام سے لکھا۔ اس کے علاوہ ''دیوان معن بن اوس مزنی'' کو ایڈٹ کیا۔ جو ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ نیز عربی کے سلسلہ مضامین و مقالات کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔ ۱۔ ''المجتمع المصری فی الشعر

العربی المعاصر "۔۲۔ "القومیة العربیة فی الشعر العربی المعاصر "۳۔ "قضیة المرأة المسلمة فی الشعر العربی المعاصر " وغیرہ۔ اور بہت سی عظیم شخصیات پر عربی میں آپ کے مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوئے۔ جیسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی پر "ثقافة الہند" کے خاص نمبر میں۔ مولانا عبدالعزیز میمنی پر "البعث الاسلامی" میں، اور نجیب محفوظ پر مصر کے اخبارات و رسائل میں۔ امیر شکیب ارسلان پر "ثقافة الہند" میں۔ وغیرہ۔ [۴۸]

۴۴۔ رضی سید (امروہہ)۔ محمد رضی امروہوی

۱۳۳۲ھ۔۱۴۲۰ھ

۱۹۱۳ء۔۱۹۹۹ء

حجة الاسلام سید محمد ابنِ نجم العلماء سید نجم الحسنؒ کے فرزند تھے۔ آپ حجة الاسلام سید کے صاحب زادے، اور سرکار نجم العلماء سید نجم الحسن مرحوم کے پوتے تھے ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء کو ولادت ہوئی گھر پر ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ ناظمیہ میں داخلہ لیا۔ اور اعلیٰ نمبرات سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی اسکے بعد عراق جا کر کسبِ فیض کیا۔ فقہ واصولِ فقہ، فلسفہ ومنطق نجوم وہیئت میں مہارت تھی۔ فارسی عربی انگریزی ودیگر زبانوں میں تقریر وترجمہ کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔ انگریزی میں ای ایف ایف ای لندن سے فرسٹ کلاس سند حاصل کی تھی۔ ۱۹۳۰ء کے بعد تقریباً ۹ سال مدرسہ ناظمیہ لکھنو کے پرنسپل رہے۔ رابطہ فکرِ اسلامی کے ممبر اور جمعیة العربیہ پاکستان کے جنرل سکریٹری بھی رہے۔

آپ نے تبلیغِ دین کے سلسلہ میں بہت سے ممالک کا دورہ کیا، اور عراق، امریکہ، برطانیہ، افریقہ، وغیرہ تشریف لے گئے۔ حکومتِ پاکستان نے "ستارہ امتیاز" نامی اعزاز عطا کیا۔

آپ نہایت حلیم ومتواضع، خوش مزاج، وفعال شخصیت کے مالک تھے۔ ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں کراچی میں رحلت فرمائی۔ اولاد میں سید محمد ساجد، سید یوسف عباس، سید شمیم عباس، سید قمر الحسن اور سید قمر عباس

یادگار چھوڑیں۔تصانیف میں عربی میں ''نجم الافکار'' نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔اور اردو میں ''حقوقِ نسواں'' نام سے ایک کتاب لکھی جو مطبوعہ ہے۔ ۴۹

۴۵۔ رفیق احمد سلفی

(و۔۱۹۴۹ء)

۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی اور عالمیت وفضیلت کی اعلیٰ تعلیم جامعہ سلفیہ بنارس میں حاصل کی۔۱۹۷۲ء میں فراغت کے بعد جامعہ سلفیہ میں مدرس بنائے گئے۔ جہاں پر چند سال تدریسی فرائض انجام دیئے۔اردو میں ایک میگزین ''التوعیۃ'' کی ادارت سنبھالی۔ اور اس میں بہت سی اہم عربی کتابوں کا ترجمہ کر کے شائع کیا۔جسمیں مصطفیٰ سباعی کی ''الدین و الدولہ'' (۱۹۷۲۔۱۹۷۴ء کے دوران ۹ قسطیں)،اور المنتدیٰ الاسلامی لندن سے شائع ہونے والی ڈاکٹر صفوت کی ''التجدید فی الاسلام'' (۱۹۹۰۔۱۹۹۲ء کے درمیان ۱۰ قسطیں)،اور ڈاکٹر حسن معایرجی کی ''المحرفون للکلم'' (۱۹۸۸ء۔۱۹۸۹ء کے درمیان ۸ قسطیں) شامل ہیں۔ ۵۰

۴۶۔(پروفیسر) زبیر احمد فاروقی۔سابق مدیر ''ثقافۃ الہند''

(و۔۱۹۴۳ء)

(پروفیسر) زبیر احمد فاروقی ۱۰ ستمبر ۱۹۴۳ء کو موضع صبر حد، ضلع جونپور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ضلع جونپور (اتر پردیش) عہدِ سلطنت دہلی میں علم وثقافت کا مرکز ہونے کی وجہ سے ''شیرازِ ہند'' کہلاتا تھا۔اپنے وطن میں ابتدائی وثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دار العلوم دیوبند چلے گئے۔اور وہاں چار سال پڑھ کر ۱۹۶۰ء میں فضیلت کی سند حاصل کی۔پھر تعلیم کے ساتھ ساتھ کچھ کسب معاش جاری

رکھا۔اوراس طرح بی اے، ایم اے تک دہلی یونیورسٹی میں تعلیم کی تکمیل کی۔

اس کے بعد دو سال دہلی میں سعودی ایم بی سی میں بحیثیت مترجم کام کیا۔اور آل انڈیا ریڈیو میں مترجم واناؤنسر کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔۵ رسال تک اس فرض کو انجام دی نے کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ۱۹۷۶ء میں ''استاذِ مساعد'' کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔اور تب سے آج تک برابر اسی جامعہ میں عربی زبان وادب کے استاد کے منصب پر فائز ہیں۔اور اس دوران تین بار شعبہ عربی کے صدر بنائے گئے۔اور ۱۹۹۵ء تا ۲۰۰۱ء لگ بھگ چھ سال ''ثقافۃ الہند'' کے مدیر رہے۔اور ۱۹۹۹ء میں صدر جمہوریہ کے ہاتھوں عربی زبان وادب کی مجموعی خدمات کے لئے ایوارڈ سے نوازے گئے۔اور ۱۹۸۲ء میں آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔اور آپ کے مقالہ کا عنوان ''مساھمۃ دار العلوم دیوبند فی الادب العربی' تھا۔جو بعد کو دار الفاروقی دہلی سے ۱۹۹۰ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

جدید عربی ادب اور ترجمہ نگاری میں آپ نے اختصاص کیا تھا۔نیز تقریباً ۱۲ طلبہ آپ کی زیرِ نگرانی پی ایچ ڈی مکمل کر چکے ہیں۔اور مختلف یونیورسٹیوں کی تعلیمی کمیٹی کے ممبر ہیں۔اور یونیورسٹی گرانٹ کمیٹی کمیشن کی ''ممتحن کمیٹی'' کے بھی ممبر ہیں۔اس کے علاوہ بہت سی مقامی و بیرونی کانفرنسوں، سیمناروں، اور بغداد وعراق اور کولمبو، سری لنکا، وغیرہ کے بہت سے پروگراموں میں شرکت کی۔اور بہت سی مقامی و بیرونی کانفرنسوں میں برجستہ مترجم کے طور پر بھی کام کیا۔

تالیفات:۔ درج ذیل عربی تالیفات یادگار ہیں۔۱۔''مساھمۃ دار العلوم دیوبند فی الادب العربی (مطبوعہ دار الفاروقی دہلی ۱۹۹۰ء) ۲۔علمی وادبی مطالعہ (زیرِ طبع)، ۳۔''تاریخ الہند للاطفال'' انگریزی سے ترجمہ) وغیرہ۔ان کے علاوہ تقریباً ۱۰۰ مقالات عربی کے مختلف مجلات وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

آپ کو عربی ترجمہ پر زبانی ہو یا تحریری، بے پناہ قدرت ہے۔ہندوستان و بیرونِ ہند کے علمی سیمناروں میں فوری مترجم کے خلاء کو برجستہ پورا کرتے ہیں۔پہلا ترجمہ ''الاجنبی'' کے عنوان سے

سیدہ صدیقہ بیگم کی کہانی پر لکھا تھا۔ جو ثقافۃ الہند ۱۹۶۳ء کے شمارہ میں چھپا تھا تب سے اب تک اسی مجلہ میں ۵۰ سے زائد تراجم چھپ چکے ہیں۔ اور یہ سب اردو یا انگریزی سے عربی میں منتقل کیے ہیں جن کے موضوعات: کہانی، رقص، موسیقی، تاریخ، شخصیات، فنونِ جمیلہ سے متعلق ہیں۔ بہت سے تراجم قطر کے جریدۃ ''العرب'' اور کویت کے جریدہ ''الوطن'' میں بھی شائع ہوئے ہیں۔

آپ نے لگ بھگ ۲۰ مقالات فلسطینی ادب کے شہ پاروں کا اردو میں ترجمہ کرکے اردو میگزین ''ذہنِ جدید'' میں شائع کرائے۔ بعض اہم تراجم یہ ہیں: ۱۔ ''الاجنبی'' از سیدہ صدیقہ بیگم، ثقافۃ الہند، شمارہ ۴، ۱۹۶۳ء۔ ۲۔ ''المعادن بجموں وکشمیر'' از دوارکا ناتھ گپتا، ثقافۃ الہند، شمارہ ۱، جلد ۱۷۔ ۳۔ ''مقارنۃ بین رام موہن والمہاتما غاندھی'' از سید کرشنا کربلائی (ثقافۃ، شمارہ ۲۔۳) ۱۹۷۴ء۔ ۴۔ ''مکتبات العلوم الشرقیہ فی الہند'' للسید شہاب الدین الانصاری، ثقافۃ الہند جلد ۳۸، شمارہ ۱۔۲۔ ۵۔ ''جمالیات کومارا سوامی وأساسہا الماورائی'' از د۔ رافائیل، ثقافۃ الہند، ج ۲۸، شمارہ ۳، ۱۹۷۷ء ص ۱۹۔ ۵۱

۴۷۔ (مولانا سید) زین العابدین (بہار)

(م ۱۳۰۴ھ۔/۱۹۶۲ء)

نام نامی مولانا سید زین العابدین۔ والد کا نام مولانا سید نثار حسین صاحب قبلہ۔ سکونت علی نگر پالی، ولادت ۱۳۰۴ھ صرف ونحو، منطق، فقہ وغیرہ کتب درسیہ اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ اس کے بعد پونے تین سال نجف اشرف میں زیرِ درس رہے۔ اس کے بعد حیدراباد کے کسی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۲۱ اپریل ۱۹۶۲ء کو حیدراباد میں انتقال فرمایا۔ اولاد میں نعمۃ اللہ، فضل اللہ، اسد اللہ، محمد باقر چار صاحب زادے ہیں اور چار صاحب زادیاں۔

تصانیف:۔ عربی تصانیف میں دو اہم کتابیں ''اصل الاصول (عربی) اور اصل المیزان (عربی)

تالیف فرمائیں۔ اور اردو تصانیف میں توضیح الفوائد فی شرح قواعد العقائد (قلمی)، اور رسالہ توحید (اردو) ہیں۔ مؤلف نجوم الارض نے آپ کا ایک طویل خواب اور طویل سفر کا ذکر کیا ہے، جس سے آپ کی ولایت اور طلب علم کی شدت پر روشنی پڑتی ہے۔ ۵۲؎

۴۸۔ (مولانا قاضی) زین العابدین سجاد میرٹھی۔

(۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء)

شہر میرٹھ کے خاندان قضاۃ سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا خاندان محمد تغلق (م۷۲۵) تا ۷۵۲ھ) کے عہد سے میرٹھ میں قضاۃ کے اہم منصب پر فائز اور علم وعمل میں ممتاز رہا ہے قاضی صاحب اسی خاندان کے چشم وچراغ اور اپنی آبائی روایات کے حامل تھے۔ ۱۹۱۰ء/ ۱۳۲۸ھ میں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دار العلوم میرٹھ میں، اور پھر مدرسہ امداد العلوم میرٹھ میں پائی۔ مولانا عبد المومن دیوبندی سے مشکوۃ اور بیضاوی تک پڑھا۔ عربی ادب کا ذوق مدرسہ امداد الاسلام کے استاذ مولانا اختر شاہ خاں کے فیض صحبت سے حاصل ہوا۔ اسی دور میں الہ آباد یونیورسٹی سے فاضل ادب کا امتحان پاس کیا اور ہائی اسکول تک انگریزی پڑھی۔ حدیث کی تکمیل کے لئے ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ وہاں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ جیسے جلیل القدر اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ ۱۳۴۶ھ میں امتیازی نمبروں سے فارغ ہوئے۔

طالب علمی کے زمانہ سے ہی عربی قصائد لکھنے اور عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے کا شوق تھا۔ معیاری جرائد میں ان کے ترجمے شائع ہوتے تھے۔ مولانا تاجور نجیب آبادی کے ماہنامہ ''ادبی دنیا لاہور'' میں جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ اور پھر ندوۃ المصنفین دہلی کے قیام (۱۹۳۸ء) کے بعد سے ہی رفقاءِ تحریر میں شامل رہے۔

تصانیف:۔ آپ کی عربی زبان وادب کے سلسلہ میں سب سے اہم خدمت ''بیان اللسان'' (عربی اردو) لغت ہے اور ''قاموس القرآن'' (قرآنی الفاظ کی لغت) کی تصنیف ہے۔ بیان اللسان میں مادّہ سے قطع نظر ہر لفظ کو اسکی اصل صورت میں لکھ کر مکمل صرفی ونحوی تشریح کی گئی ہے۔ بار بار طبع ہو چکی ہے۔

اسی طرح قاموس القرآن میں تحقیقِ لغوی کے علاوہ تمام الفاظ پر جامع ومکمل نوٹ بھی لکھے ہیں۔ یہ بہت مقبول لغت ہے نیز آپ کا عربی کلام بھی موجود ہے۔

ان کے علاوہ صحاحِ ستہ کا انتخاب، سیرت طیبہ، شہیدِ کربلا بھی اہم تصانیف ہیں۔ ایک عرصہ تک ''الحرم'' میرٹھ کی ادارت بھی کی ہے عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ [۵۳]

۴۹۔ سرفراز احمد اصلاحی ندوی

(و۔۱۹۵۸ء)

مولانا سرفراز احمد اصلاحی ندوی، والد ماجد کا نام سرفراز احمد تھا۔ ۴ دسمبر ۱۹۵۸ء کو پیدا ہوئے۔ الہ آباد سے ۱۹۷۵ء میں مولوی کیا اور ۱۹۷۸ء مدرسۃ الاصلاح سے فضیلت کیا پھر ۱۹۸۰ء میں ندوۃ العلماء لکھنو سے عربی ادب میں تخصص فی الادب کیا۔ پھر مدینہ یونیورسٹی سے ۱۹۸۵ء میں بی اے کیا۔ اور لکھنو یونیورسٹی سے ۱۹۸۹ء ایم اے کیا۔ ذی القعدہ ۱۴۰۵ھ سے مدرسۃ الاصلاح اعظم گڈھ میں مدرس ہیں۔

عربی مضامین ''البعث الاسلامی'' ''والرائد'' میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اردو میں دعوت دہلی، سہ ماہی نظام القرآن وغیرہ میں بھی لکھتے ہیں۔ مولانا احتشام الدین صاحب کے ساتھ ''الکفایہ مختصر الکفایۃ'' کی تحقیق وتصحیح وحاشیہ نویسی کا کام بھی کیا ہے۔ رہائش ''پیر الطیف، ضلع کھگڑیا۔ بہار'' میں ہے۔ [۵۴]

☆☆☆☆☆☆

۵۰۔(مولانا مفتی) سعید احمد پالنپوری

(و۔۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء)

مولانا سعید احمد ابن یوسف علی پالن پوری ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۰ء کوم، موضع کالیرہ kalera ضلع بناس کانٹا شمالی گجرات میں پیدا ہوئے پالن پور اس ضلع کا اہم شہر مانا جاتا ہے ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں میں ۵ سال کی عمر سے شروع کی اور قرآنِ پاک، اردو، اور گجراتی کی تعلیم پانے کے بعد شہر ''چھاپی'' کے مدرسہ دار العلوم میں داخلہ لیا اور اپنے نانیہال میں رہ کر فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد ''پالن پور'' کے ایک مدرسہ میں متوسط درجات تک عربی وشرعی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ پھر مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے جہاں پر علومِ شرعیہ کی تکمیل کی۔ اور تین سال حدیث، تفسیر، فقہ، میں مہارت حاصل کی۔ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء میں دار العلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور اعلیٰ تعلیم پائی۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں دیو بند سے فرسٹ ڈویژن سے فراغت کی اور پھر شعبہ افتاء دار العلوم دیو بند میں داخلہ لیا جہاں پر بڑے بڑے علماء کی نگرانی میں آنے والے فتاویٰ کے جوابات لکھتے رہے۔ اور فتویٰ نویسی میں کمال حاصل کیا اور ۱۹۶۴ء میں اپنی غیر معمولی صلاحیت کی بنا پر نائب مفتی بنائے گئے۔ شوال ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء میں دار العلوم اشرفیہ راندیر ''سورت'' میں دراساتِ علیا میں استاد مقرر ہوئے اور ۹ سال تک مسلسل حدیث، فقہ، عقائد، وغیرہ کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ اسی کے ساتھ فرصت کے اوقات میں سنجیدہ دینی موضوعات پر لکھتے بھی رہے۔ رجب ۱۳۹۳ھ میں دار العلوم دیو بند کی مجلسِ شوریٰ نے انکو استاد مقرر کیا۔ اور تب سے آج تک مسلسل دار العلوم دیو بند میں نہایت محنت اور سنجیدگی سے تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے درس نے وہ مقبولیت پائی کہ طلباء واساتذہ کے دلوں میں ایک اہم مقام بنالیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ، گہری علمی استعداد، شرعی علوم میں مہارت عطا فرمائی اور آپ مکمل تیاری کے بعد ہی درس میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے طلباء بھی آپ کے سبق میں پابندی کا اہتمام کرتے ہیں راقم کو بھی دار العلوم کی طالب علمی میں آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا اندازِ القاء

درس نہایت سلیس، شیریں، وسہل اور پراز معلومات ہوتا ہے۔

تصانیف:۔ ا۔''ھدایۃ القرآن''۔اردو تفسیر ۱۵ پارے۔۲۔''الفوز الکبیر''/شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتاب کا عربی ترجمہ فارسی سے۔۳۔''العون الکبیر'' (عربی) /شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتاب ''الفوز الکبیر'' کی عربی شرح۔۴۔''فیض المنعم'' مقدمہ صحیح مسلم کی اردو شرح۔۵۔''تحفۃ الدرر''/نخبۃ الفکر کی عربی شرح۔۶۔مبادی الفلسفہ (عربی) اصطلاحات فلسفہ کی عربی شرح۔۷۔''النحوا لسہل''عربی سکھانے کے لئے، دوجلدیں۔۸۔''الصرف السہل'' (دوجلدیں) طلبہ کوآسان زبان میں عربی سکھانے کے لئے بہت سے مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔۹۔''محفوظات'' (تین اجزاء) طلبہ کو یاد کرانے کے لئے آیات واحادیث کا منتخب مجموعہ۔۱۰۔''کیف ینبغی ان تفتی'' (شرح عقودِ رسم المفتی) علامہ محمد امین بن عابدین شامی کی کتاب کا اردو ترجمہ وشرح۔۱۱۔''ھل الفاتحۃ واجبۃ علی المقتدی'' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب ''توثیق الکلام'' کی اردو شرح۔۱۲۔''تسہیل الادلۃ الکاملۃ'' حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ کی ''الادلۃ الکاملۃ'' کی اردو شرح۔۱۳۔''رحمۃ اللہ الواسعہ''/شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی اردو شرح۔بہت اہم کتاب ہے اور ابھی حال ہی میں دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔۱۴۔''تہذیب المغنی''۔علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی کتاب ''المغنی'' (فن اسماء الرجال) کی اردو شرح ہے۔۱۵۔''زبدۃ الطحاوی'' امام طحاویؒ کی ''معانی الآثار'' کا اردو اختصار۔

مندرجہ بالا کتب یا تو خالص عربی میں تھیں یا اردو سے عربی میں ترجمہ، یا اہم کتابوں کا اردو ترجمہ۔

اِن کے علاوہ اردو میں بھی آپ نے بہت سی اہم کتابیں لکھیں ہیں جیسے:ا۔''حیاۃ الامام ابی داؤد''۲۔''مشاہیر المحدثین والفقہاء ورواۃ کتب الحدیث''۔طلبہ کی ضرورت کے مطابق اعلامِ امت کی مختصر سوانح۔۳۔حیاتِ امام طحاویؒ ۴۔الاسلام فی العالم المتغیر (اسلام بدلتی دنیا میں) مختلف اسلامی کانفرنسوں میں پڑھے گئے مقالات۔۵۔اللحیۃ وسنن لانبیاء۔داڑھی پر اردو میں صحیح تحقیق۔۶۔حرمتِ مصاہرت، وغیرہ۔ ۵۵

۵۱۔(مولانا)سعید الرحمن اعظمی (مدیر البعث الاسلامی)

(و۔۱۹۳۹ء)

پورا نام سعید الرحمن الاعظمی، معروف قلمی نام "سعید الاعظمی"۔ ولدیت علامہ محدث شیخ محمد ایوب اعظمیؒ۔ اور ولادت ۱۴رمئی ۱۹۳۹ء۔ آپ کی پیدائش مئوناتھ بھنجن کے ایک نہایت ممتاز دینی وعلمی گھرانے میں ہوئی، اس خاندان کی ہمیشہ اعظم گڑھ میں طویل علمی تاریخ رہی ہے۔ بالکل ابتدائی تعلیم اپنے گھر میں ہوئی پھر جامعہ مفتاح العلوم مئو میں تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں پائی جہاں پر آپ نے قدیم وجدید عربی ادب میں اختصاص کی سند حاصل کی، پھر وہیں پر عربی ادب کے استاذ مقرر ہوئے۔ اور تاحال نہایت کامیاب عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے عربی زبان وادب کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ تقرر کے کچھ عرصہ بعد سے ہی عالمِ اسلام کے مشہور و معروف عربی مجلّہ "البعث الاسلامی" کے مدیر ہیں اور ندوہ میں کلیۃ اللغۃ وآدابہا کے عمید بھی۔ آپکے ساتذہ میں علامہ محدث شیخ محمد ایوب اعظمی، ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ شامل ہیں۔

آپ کے ان عربی مقالات کی تعداد بیشمار ہے جو ۴۶ سال سے برابر البعث الاسلامی میں شائع ہو رہے ہیں جو یقیناً عربی زبان وادب کی بے مثال خدمت ہے۔ اگر ان کو یکجا کر دیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں درکار ہونگی۔ اس کے علاوہ آپ کی عربی کتاب "شعراء الرسول بین الواقع والتقریض" اور ساعۃ مع العارفین" اور "نظام تقسیم الثروۃ فی الاسلام" اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اور کچھ ابھی طباعت کے مراحل میں ہیں۔

البعث الاسلامی کے علاوہ آپ صحیفۃ الرائد کے بھی روحِ رواں ہیں جس میں آپ کی عربی تحریریں برابر شائع ہوتی ہیں۔ اردو میں تعمیرِ حیات، الجمیعۃ، الدعوہ، وغیرہ میں بھی لکھتے ہیں۔ نیز عرب ممالک میں شائع ہونے والے بہت سے رسالوں واخباروں میں آپ کی نگارشات چھپتی ہیں۔ اور قدر

کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

حال ہی میں صدرِ جمہوریہ ہند کی طرف سے بھی عربی زبان وادب کی مجموعی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈ سے نوازا گیا۔ احقر کو دار العلوم ندوۃ العلماء کی طالب علمی میں مسلسل ۵ سال شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے۔، شعلہ انگیز عربی تقریر میں وہ جوش وجذبہ جو عرب مقررین کو بھی حیرت میں ڈالدیتا ہے۔ جس کی بنا پر عربی خطابت میں بھی آپ کو ایک اہم مقام حاصل ہے، اس پر مزید وقار ورعب والی مقناطیسی شخصیت کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطاء فرمائے اور صحتِ کاملہ کے ساتھ تادیر سایہ باقی رکھے۔ آمین۔ ۵۶

۵۲۔ (مولانا) سلمان حسینی ندوی

و۔ ۱۹۵۴ء

نام سلمان حسینی ندوی، ولدیت محمد طاہر الحسینی، آپ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نواسے ہیں۔ سلسلہ نسب حضرت سیدنا حسینؓ تک پہونچتا ہے، عراق سے ساتویں صدی ہجری میں شیخ ابوالفرج واسطی کے ذریعہ یہ خاندان ہندوستان پہنچا۔ اور مختلف جگہوں پر سکونت اختیار کی، آخر میں مظفر نگر اس خاندان کا مرکز بنا۔ آپ ۱۹۵۴ء کو لکھنو میں پیدا ہوئے۔ لکھنو کے محلہ گولا گنج میں مستقل قیام پذیر ہیں۔ ابتدائی تعلیم وتربیت، حفظِ قرآن پاک، اور ثانوی، پھر اعلیٰ تعلیم سب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں ہی مکمل ہوئی، اور اسوقت آپ ندوہ کے شعبہ کلیۃ الشریعہ واصول الدین میں محاضر ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں ادب عربی میں مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، اور تفسیر میں مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا محمد اویس اور حدیث میں مولانا عبدالستار، اور فقہ میں مولانا محمد ناصر رہے ہیں۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بارے میں آپنے بہت سے مقالے تحریر کیے، اور ''العلاقات بین الہند والعرب'' اور ''الامانۃ فی ضوء القرآن'' اور ''اصول الحدیث'' آپ کی مشہور عربی کتابیں ہیں،

ان کے علاوہ ''الرائد'' اور ''البعث الاسلامی'' میں آپ کے مضامین برابر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ تحریر کی طرح عربی تقریر بھی اس قدر طاقتور اور شیریں ہوتی ہے کہ عجمیت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ عربی زبان میں آپ کی تقریر اس قدر سلیس اور رواں ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ پورے پروگرام میں آپ ہی بولتے رہیں۔ آپ کی عربی تقریر سننے کیلئے طلبہ کا ہجوم لگ جاتا ہے اور تکمیلات عربی ادب کے اسباق میں مکمل عربی ہی میں لیکچر دیتے ہیں۔ جامعہ سید احمد شہید کٹولی کا مدرسہ آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ احقر کو ندوہ کی طالب علمی میں درجاتِ تخصص میں آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ ۵۷

۵۳۔ سلمان عابد شمسی ندوی

(و۔ ۱۹۵۱ء)

۱۹۵۱ء میں رامپور میں پیدا ہوئے۔ ندوۃ العلماء لکھنو سے ۱۹۶۹ء میں فراغت] پائی۔ اپنی ادبی زندگی کا آغاز ہندوستان کی مشہور شخصیات کے حالات وافکار کے تعارف سے کیا۔ اور ندوۃ العلماء کی عربی صحافت کے خاندان سے منسلک ہو گئے۔ جہاں پر مخطوطات کی فہرست سازی وغیرہ کا کام بھی کرتے رہے۔ اس کے بعد رامپور رضا لائبریری میں ''موسوعۃ عمر ابن الخطاب'' پر ایک مقالہ نگار کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر سعودی عرب چلے گئے۔ اور مدینہ منورہ کے ذرائع ابلاغ میں ۱۷ سال کام کیا۔ اس وقت دہلی میں ملازم ہیں۔

آپنے کثرت سے علمی افکار ومضامین کو اردو سے عربی میں منتقل کیا۔ آپ کی یہ تحریریں البعث الاسلامی، الرائد، ثقافۃ الہند مجلّہ ''المجمع العلمی العربی'' ودیگر علاقائی اخبارات میں چھپتی رہیں۔ آپ نے جن مقالات کا عربی ترجمہ کیا ان میں ''الاسلام والمستشرقون'' ۲۔ ''الجاحظ ومؤلفاتہ'' ۳۔ ''تأملات فی شخصیۃ ذی القرنین'' ۴۔ آداب المخطوطات ۔۵۔ ''مختارات من المخطوطات فی المکتبات الہندیۃ'' ۵۔ ''اخترت لک من الشعر

الهندی" ٦۔تعریبات (آپ کے ترجمہ کردہ مقالات کا مجموعہ)۔ ۷۔"المدینة المنورہ فی ضمیر العالم"۔وغیرہ شامل ہیں۔ ۵۸؎

۵۴۔(مولانا سید) سلیمان ندویؒ

۱۳۰۲۔۱۳۷۳ھ

۱۸۸۴۔۱۹۵۳ء

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ ابنِ ابی الحسن حسینی الزیدی، دسنوی، بہاری، علومِ ادبیہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔اور ہندوستان کے چند باکمال مصنفین میں شمار ہوتے تھے۔ولادت ۲۳؍صفر۱۳۰۲ھ کو دسنہ بہار میں ہوئی۔ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی ابو حبیب نقشبندی سے پڑھیں۔ ۱۳۱۶ھ میں پھلواری شریف گئے اور وہاں ایک سال رہ کر مولانا محی الدین مجیبی پھلواروی سے بعض درسی کتابیں پڑھیں۔پھر مدرسہ امدادیہ "دربھنگہ" کا سفر کیا، وہاں دو ایک بعض علومِ متداولہ کی کتابیں پڑھیں۔۱۳۱۸ھ میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں داخلہ لیا، اور ۵ سال مستقل پڑھا، اور ۱۳۲۴ھ میں سندِ فراغت حاصل کی۔اور یہاں پر انھوں نے مولانا مفتی عبد اللطیف سنبھلی، سید علی زینبی امروہی، مولوی شبلی ابنِ محمد علی جیراجپوری۔مولانا حفیظ اللہ بندوی، علامہ فاروق بن علی عباسی چریا کوٹی سے اور بعض ادبی کتابیں مولانا حکیم عبد الحیٔ حسنیؒ (مؤلف نزہہ) سے پڑھیں۔اور علامہ شبلی ابنِ حبیب اللہ بندولی سے ادب میں رسوخ حاصل کیا۔طویل مدت تک ان کی صحبت میں رہے۔موصوف علامہ شبلی کے خاص الخاص شاگرد تھے، علامہ شبلی سے آپ نے بیحد استفادہ کیا، اور ۱۳۲۴ھ کے درمیان تین مرتبہ "الندوہ" کے نائب مدیر بھی رہے۔اور بہت جلد اپنے مقالات کے ذریعے علمی حلقوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی، آپ کے مقالات علم کی پختگی اور ادیب کے روشن مستقبل کی نمائندگی کرتے تھے۔۱۳۲۵ھ میں ندوہ میں عربی ادب کے استاذ مقرر ہوئے۔۱۳۳۰ھ میں مولانا ابو الکلام آزاد نے

آپ کو کلکتہ بلالیا۔ جہاں ان کیساتھ ایک سال تک ''الہلال'' کی ادارت میں کام کیا، ۱۳۳۱ھ میں بمبئی یونیورسٹی کے ماتحت ''پونا کالج'' میں علومِ مشرقیہ کے استاذ مقرر ہوئے، یہاں تین سال تک فارسی ادب کی تعلیم دی، اور طلبہ واساتذہ کا اعتماد حاصل کیا۔ علامہ شبلیؒ کی جب وفات کاوقت قریب آیا تو انھوں نے آپ کو بلاکر اپنی مشہور تالیف ''سیرۃ النبی'' (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے سلسلہ کا کام آپ کے سپرد کیا، اور اپنے قائم کردہ ادارہ دارالمصنفین کی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد کیں۔ اس کے بعد علامہ شبلی کی وفات ہوگئی اور آپ نے خود کو اپنے استاذ محترم کی وصیت کے مطابق دارالمصنفین کی خدمات کیلئے وقف کردیا۔ یہ بات ۱۳۳۲ھ کی ہے۔ اور ماہنامہ معارف کی ادارت بھی سنبھالی۔ اور یکسوئی کیساتھ تصنیف وتالیف، اور سلسلہ سیرت النبیؐ کی تکمیل میں مصروف ہوگئے۔ آپ اپنی پرسکون طبیعت اور علمی مشاغل میں انہماک کے باوجود تحریکِ خلافت اور مسلم مسائل سے بھی گہری دلچسپی لیتے رہے۔ جس سے علماء اور سیاستدانوں کے حلقوں میں یکساں اعتماد حاصل کرلیا، چنانچہ ۱۳۳۸ھ میں انگلینڈ کو بھیجے جانے والے تحریکِ خلافت کے وفد میں آپ کو بھی چن لیا گیا، تاکہ انگریز حکمرانوں کو خلافتِ عثمانیہ سے وابستہ ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات اوران کے موقف کی صحیح ترجمانی کرسکیں۔ آپ نے مولانا محمد علی جوہرؔ اور سید حسین بہاری وغیرہ کی رفاقت میں سفر کیا۔ اور یورپ اور عالمِ اسلامی کے سیاست دانوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور لندن، پیرس، قاہرہ وغیرہ کا دورہ کیا۔ پھر دوسری بار ۱۳۴۲ھ میں ملک عبدالعزیز اور شریف حسین کے درمیان مصالحتی کوششوں کے سلسلہ میں جانے والے تحریکِ خلافت کے وفد کی قیادت کی۔ ۱۳۴۴ھ میں ملک عبدالعزیز بن سعود نے ایک عالم اسلامی کانفرنس منعقد کی۔ جسمیں عالمِ اسلام کے مسائل کے حل کے لئے مسلم علماء اور لیڈران کو مدعو کیا، تو ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے جانے والے وفد کی قیادت بھی آپ کو سونپی گئی۔ اور آپ اس کانفرنس کی مختلف نشستوں کے نائب صدر بھی بنے۔ شاہِ افغانستان ملک نادر خاں نے رجب ۱۳۵۲ھ میں آپ کے تعلیمی تجربات سے فائدہ اٹھانے کیلئے افغانستان بلایا۔ تاکہ افغانستان کے تعلیمی امور کو صحیح رخ دیا جائے۔ اس بار آپ

کے ساتھ علامہ اقبالؒ اور سرراس مسعود بھی تھے۔کابل،غزنین،کا بھی دورہ کیا۔ہر جگہ آپ کا زبردست استقبال کیا گیا۔اور بادشاہ کی طرف سے شاہی اعزاز واکرام سے نوازے گئے۔

علی گڈھ یونیورسٹی نے آپ کی علمی خدمات سے متاثر ہو کر ۶ صفر ۱۳۶۲ھ میں آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی۔آپ اپنی علمی وتالیفی مصروفیات کے باوجود قانع نہ تھے بلکہ اپنی ذات کی تکمیل، نفس کی اصلاح، تزکیہ باطن کیلئے ایسے مرشد کی تلاش میں تھے جو تقویٰ، اخلاص کی دولت سے مالا مال کر سکے، چنانچہ توفیقِ خداوندی آپ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی چوکھٹ پر لے گئی۔ جہاں رجب ۱۳۵۷ میں آپ حضرت تھانویؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔اور اپنے آپ کو مکمل اطاعت وسپردگی میں دے دیا، اور بہت جلدی آپ نے اپنے مرشد کا اعتماد اور قرب حاصل کرلیا، اور ۱۰ ارشوال کو حضرت تھانویؒ نے آپ کو اجازت وخلافت عطاء فرمائی۔نواب حمید اللہ خاں والیِ بھوپال نے محکمہ قضاء وتعلیم کی سرپرستی کیلئے آپ کو بھوپال بلایا۔آپ چونکہ کچھ وقت کیلئے دارالمصنفین سے الگ ہونا بھی چاہتے تھے۔ چنانچہ رجب ۱۳۶۵ھ میں بھوپال چلے گئے۔وہاں تین سال تک درس وافادہ میں مشغول رہے۔۱۳۶۸ھ میں آخری حج کیا۔ادھر حالات میں زبردست تبدیلی آئی۔بھوپال کی امارت ختم کر کے ہندوستانی حکومت میں ضم کر لی گئی۔ چنانچہ آپ ۱۳۶۹ھ میں پنشن پاکر ریٹائر ہوئے۔پاکستان کے اربابِ حکومت جو آپ کے علمی مقام اور دینی بصیرت سے واقف تھے۔وہ آپ کو پاکستان کی نومولود حکومت کیلئے اسلامی دستور سازی کے مقصد سے آپ کو پاکستان بلا رہے تھے۔شعبان ۱۳۶۹ھ میں آپ نے اس دعوت کو قبول کرلیا۔اور پاکستان میں سکونت کا فیصلہ کرلیا۔اور شعبہ اسلامی تعلیمات کے صدر مقرر ہوئے۔لیکن یہ شعبہ اپنے مقاصد میں آگے نہ بڑھ سکا،اور کچھ مدت بعد ختم کردیا گیا۔آپ کو دینی اور علمی مقاصد کی تکمیل کے لئے وہ تعاون نہ مل سکا جس کی ضرورت تھی۔۔اور آپ بعض علماء کے حسد،اور والیانِ حکومت کی نظراندازی وبے رخی کا شکار ہوگئے۔باقی عمر آپ نے عزتِ نفس کیساتھ،قناعت وعزلت میں بسر کی۔ اور اصلاحِ نفس،و مطالعہ میں مشغول

رہے۔۱۳۷۱ھ میں مصر کے ادارہ ''مجمع فؤاد اول'' نے آپ کو ممبر بنالیا۔ رسائل میں مقالات برابر لکھتے رہے۔ والیانِ حکومت، اور علماء کو ملک کی سلامتی وخیر اور ملت کی فلاح وبہبود کے متعلق صحیح مشوروں سے نوازتے رہے۔ اور ذکر وعبادت، وتربیت، وتصنیف، وتدریس میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ ربیع الآخر ۱۳۷۳ھ میں پروانہ اجل آپہونچا۔ آپ کے جنازوں میں بڑے بڑے علماء، اعیانِ حکومت، سفراءِ بلادِ عربیہ نے شرکت کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے قریب مدفون ہوئے۔

آپ ہمیشہ مطالعہ وتصنیف میں منہمک رہتے تھے۔ علماء سے علمی و دینی امور میں ہمیشہ مذاکرہ کرتے، تالیفی کام میں آپ سیال قلم کے مالک تھے۔ بڑی بڑی مجالس میں اسٹیج پر تقریریں کرنا اور سیاسی کام آپ کے ذوق وطبیعت کے خلاف تھے، جس کو آپ کبھی بدرجہ مجبوری یا بتکلف ہی اختیار کرتے۔ عربی علوم وآداب میں رسوخ حاصل تھا۔ علومِ قرآنی، وعلومِ توحید وکلام میں گہری نظر رکھتے تھے۔ تاریخ، اور علمِ سماجیات وتمدن سے شغف تھا۔ اردو کے صاحب طرز ادیب تھے۔ عربی کے پختہ قلم کار تھے، کم گو اور خوش گو شاعر تھے۔ طبیعت میں حلم وبردباری، وتواضع تھی۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے مؤلفین میں سے تھے تصنیف و تالیف ہی جنکا اوڑھنا بچھونا تھی۔ ساتھ ہی علم کی گہرائی، وسعتِ نظر، اور مختلف النوع مقاصد رکھتے تھے۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اپنے استاذ مولانا شبلیؒ کی سیرت النبی کی ۴ ضخیم جلدوں میں تکمیل کی۔ جو سیرت نبوی اور اسلامی عقائد پر انسائکلو پیڈیا سمجھی جاتی ہے۔ اور خطباتِ مدراس جو سیرت پر لکھی جانے والی اب تک کی سب سے بہترین کتاب ہے۔ جو عربی، انگریزی میں منتقل ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ اور جغرافیہ قرآنی کے موضوع پر ''ارض القرآن'' ہے اور ''سیرتِ عائشہ'' ''سیرتِ مالک'' اور ''خیام'' ونقوشِ سلیمانی'' (لغوی وادبی مباحث)۔ ''حیاتِ شبلی'' (اپنے استاذ کی سوانح)، عرب وہند کے تعلقات'' اور عربوں کی جہاز رانی'' اہم تالیفات ہیں ان کے علاوہ بھی آپ نے بیشمار علمی مقالات لکھے جو معارف کی جلدوں میں ہیں۔ آپ کی اچھی شاعری کا بہترین نمونہ وہ ''عربی قصیدہ'' ہے۔ جس میں سورج غروب ہونے کی منظر کشی نہایت ہی لطیف

پیرایہ میں کی ہے۔ ۵۹؎ کہتے ہیں:۔

كانما الشفق الممتد في الافق — خمر معتقة شجت لمغتبق

حمر لعتقها اعلى همالية — شجت بماء غمام هامر غدق

كف الطبيعة تسقى الناس كئوسها — وبل لمن هذه الصهباء لم يذق

تحوى القلوب حمياها اذ نظرت — الى السماء باقداح من الحدق

والطير تشربها حيناً تروح الى — اوكارها صافرات السجع فى حلق

۶۰؎ اور رضا بالقضاء کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

يا ايها الناس مادمتم على الارض — لا تخلصون من الابرام والنقض

فان ما قدر الرحمٰن قاضيكم — من شدة ورخاء كله يمضى

لا تفتر بسرور ذاهب فان — ولا تهتم بهم نفس انسان

فبعد ما اكله الانسان اكلته — حلو الضريب ومر الصبر سيان

۵۵۔(علامہ) شبیر احمد عثمانیؒ

۱۳۰۵۔۔۱۳۶۹ھ

۱۸۸۷۔۔۱۹۴۹ء

حضرت مولانا فضل الرحمن کے فرزند رشید تھے۔۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں بمقام بجنور پیدا ہوئے۔ ۷ سال کی عمر میں قرآن مجید شروع کیا۔دار العلوم میں داخلہ کی تاریخ ۱۰/ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ ہے ۱۳۲۵ھ میں تکمیل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ اورانھیں سے بیعت تھے۔ فراغت کے بعد دہلی کے مدرسہ فتح پوری میں مدرس مقرر ہوئے۔ وہاں سے ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں ان کو دار العلوم بلالیا گیا۔یہاں عرصہ تک درجہ علیا کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ مولانا عثمانیؒ کے

درسِ صحیح مسلم کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ حضرت نانوتویؒ کے علوم پر ان کی خاص نظر تھی۔ ایک عرصہ تک دار العلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں دار العلوم سے بعض اختلافات کے سبب سے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن وغیرہ کیساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں حضرت تھانوی اور بعض دوسرے اکابرین کے ارشاد پر دار العلوم میں تشریف لائے۔ اور ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۴ء تک بحیثیت صدر مہتمم دار العلوم کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران میں جامعہ ڈابھیل سے بھی تعلق برابر قائم رہا۔ علم وفضل، فہم وفراست، تدبر اور اصابتِ رائے کے لحاظ سے علامہ عثمانیؒ کا شمار ہندوستان کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا۔ وہ زبان وقلم دونوں کے یکساں شہسوار تھے۔ اردو کے بلند پایہ ادیب، اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے۔ فصاحت و بلاغت، عام فہم دلائل، پر اثر تشبیہات وانداز بیان، اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے ان کی تحریر وتقریر دونوں منفرد تھیں۔ وہ حالاتِ حاضرہ پر بڑی گہری نفسیاتی نظر رکھتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں جامعہ ملیہ کی تاسیس کے وقت جو خطبہ دیا تھا، اس کے لکھنے کے اور جلسہ میں پڑھنے کا شرف مولانا عثمانیؒ کو حاصل تھا۔

پاکستان میں جامعہ عباسیہ بھاولپور ایک قدیم دینی تعلیم گاہ ہے اس کا انتظامی اور تعلیمی نظام بہت خراب ہوگیا تھا۔ ریاست بھاولپور کی وزارت تعلیم نے مولانا عثمانیؒ سے درخواست کی کہ وہ بھاولپور تشریف لاکر جامعہ عباسیہ کی اصلاح وترقی کیلئے اپنے مشوروں سے نوازیں۔ چنانچہ آپ بھاولپور تشریف لائے۔ وزارتِ تعلیم سے ابھی گفتگو شروع ہی ہوئی تھی۔ کہ اچانک ۲۱ر صفر ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء کو چند گھنٹے کی علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ بھاولپور سے کراچی لے جایا گیا۔ اور قیام گاہ واقع محمد علی روڈ کے قریب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ آپ ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے

تھے۔تحریر وتقریر کا خداداد ملکہ تھا۔اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔

تصانیف: علم الکلام، العقل و النقل، اعجاز القرآن، حجاب شرعی، اور الشہاب الثاقب لرجم الحاطب المرتاب۔ وغیرہ ان کی معرکۃ الآراء تصانیف ہیں۔حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن مجید پر مولانا عثمانیؒ کے تفسیری حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہے۔علم حدیث میں ان کی گرانقدر عربی تصنیف ''فتح الملہم''، حنفی نقطہ نظر سے صحیح مسلم شریف کی پہلی شرح ہے۔ان کا یہ ایسا زندہ جاوید کارنامہ ہے جس نے ان کے علم وفضل کو تمام عالمِ اسلام میں روشناس کرادیا ہے۔یہ کتاب مکتبہ رشیدیہ، المنزل القاری، محلّہ پاکستان چوک، کراچی، پاکستان سے شائع ہوئی۔

عربی نمونہ تحریر:۔ فہٰذہ فصول نافعة مہمة فی مبادی علم الحدیث و اصولہ التی یعظم نفعہا و یکثر دورانہا انتقیتہا من الکتب المعتبرة عند علماء ھذا الشان مع بعض زیادات مفیدة سنحت لی فی اثناء التالیف فأحببت ان اجعلہا کا المقدمة للشرح لیکون الناظر علی نصیرة تامة یتضمن علیہ الکتاب من مباحث الحدیث متونہ و اسانیدہ - و باللہ التوفیق۔ ۶۰

۵۶۔(ڈاکٹر)شبیر احمد ندوی

(و۔۱۹۴۸ء)

نام شبیر احمد قادر آبادی ندوی، والد ماجد کا نام مولانا محبّ اللہ، ولادت ۲۵/دسمبر ۱۹۴۸ء کو موضع قادر آباد تحصیل ڈومریا گنج ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں ہوئی۔حفظ اور ابتدائی عربی قصبہ اترولہ ضلع بلرامپور میں ہوئی اور پھر اعلیٰ تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں پائی یہاں سے فراغتِ دینیات کے بعد لکھنو یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے، اور پی ایچ ڈی، کی ڈگری حاصل کی۔ ندوہ میں آپ کے اساتذہ میں

مولانا مفتی ظہور ندوی (فقہ)، مولانا تقی الدین مظاہری (حدیث)، مولانا سعید الرحمن اعظمی (صرف و نحو)، مولانا محمد رابع حسنی ندوی (ادب)، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی (تفسیر)، ماسٹر نیاز احمد صاحب (انگریزی) شامل ہیں۔ حال ہی میں لکھنو یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے ہیں۔ جہاں ادب، بلاغت، تاریخ ادب وغیرہ موضوعات زیر تدریس رہے۔ رہائش محلہ خرم نگر لکھنو میں ہے۔ ''عربی زبان وادب عہدِ مغلیہ میں'' آپ کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر لکھنو یونیورسٹی نے آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔ عربی بولنے میں آپ کو مہارت حاصل ہے۔

تصانیف:۔ اسلوبِ نگارش سادہ ودلنشیں ہے جس پر احمد امین مصری کے اسلوب کا عکس ہے۔ اور کبھی کبھی لطفی منفلوطی کی اتباع کا رنگ چھلکتا ہے۔ موضوعات میں اکثر ''شخصیات'' پر قلم اٹھایا ہے یا پھر دینی موضوعات زیرِ قلم رہتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جملے، آسان تراکیب، اور عام فہم لفظیات جملوں میں استعمال کرتے ہیں۔

آپ نے بہت سے مصری ادیبوں مثلاً احمد امین، طٰہٰ حسین، خلیل جبران، وغیرہ کی نگارشات کے ترجمے کیے جو 'دعوت' 'قومی آواز' اور 'تعمیر حیات' وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ الرائد والبعث میں برابر لکھتے ہیں۔ اور عربی میں مولانا ابوالکلام آزاد پر نہایت وقیع کتاب ''مولانا ابو الکلام آزاد: حیاتہ و آثارہ'' تحریر فرمائی۔ اور ''شعراء العربیۃ فی الھند'' ہندوستان میں عربی کے شاعروں پر بہت اہم کتاب لکھی ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے عربی ادیب قطب الدین مصری کی کتاب ''شبہات حول الاسلام'' کا دو جلدوں میں اردو ترجمہ کیا ہے۔

اور اس کے علاوہ دو اہم مقالے (۱) ''کیا مذہب افیم ہے؟'' اور (۲) اقلیتوں کے حقوق اسلامی ریاست میں'' سپردِ قلم فرمائے۔ [۶۱]

۵۷۔(ڈاکٹر) شفیق احمد خاں ندوی

(و۔ ۱۹۴۷ء)

جامعہ ملیہ کے بڑے اساتذہ میں ہیں۔ ولادت رائے بریلی میں ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔ یہیں پر ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا جہاں سے عالمیت وفضیلت کی تکمیل کی۔ ۱۹۶۶ء میں ندوہ سے فراغت پانے کے بعد عصری تعلیم کے لئے علی گڈھ گئے اور مسلم یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے کیا۔ پھر سوڈان جاکر "معهد الخرطوم الدولي للغة العربية" سے ڈپلوما حاصل کیا۔ اور غیر عربوں کو عربی سکھانے کے لئے ایک رسالہ "دور القصة في تعليم العربية للاجانب" نام سے لکھا۔ اس کے بعد ۱۹۸۴ء میں علی گڈھ سے "النزعات الدينية الاجتماعية في الادب القصصي العربي الحديث" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اور ۱۹۷۴ء سے تا حال جامعہ ملیہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اور پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس عرصہ میں مدرس یا مترجم کی حیثیت سے اکثر عرب ممالک کا دورہ کیا۔ اور سفارت خانوں، ریڈیو، اور علمی سیمیناروں کے لئے ترجمے کئے۔

الرائد میں آپ کا مقالہ بعنوان "من معاني القرآن" (۱۹۶۴ء)، دوسرا ثقافة الهند" میں بعنوان" الدكتور رادها كرشنا وفلسفة الديانة" (۱۹۷۶ء)، تیسرا البعث الاسلامی میں "اثر العروبة والاسلام في ادب سعدي" (۱۹۹۰ء) شائع ہوکر ادبی حلقوں میں پسند کئے گئے۔

ان کے علاوہ اردو میں ترجمہ "الاخوان المسلمون" (مطبوعہ ندائے ملت ۱۹۶۶ء) اور "ستاروں کی گذرگاہوں سے" (مطبوعہ تعمیرِ حیات ۱۹۶۶ء) بھی مقبول ہوئے۔ اور شیخ جنید بغدادیؒ کی طرف منسوب ایک نادر مخطوطہ کا ترجمہ "ضیاء الحسن فاروقی" کے ساتھ کیا جو ۱۹۸۲ء میں مکتبہ جامعہ ملیہ سے شائع ہوا۔ ۶۲

۵۸۔(مولانا)شفیق الرحمن ندوی

(م ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء)

دار العلوم ندوۃ العلماء کے مؤقر اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ندوہ ہی سے آپ نے علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔اور ۱۹۶۰ء میں فراغت کی۔اور اس کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی وتربیتی خدمات انجام دیں۔پھر ندوہ کے ذمہ داروں کی دعوت پر شریعہ وادب کے استاذ کی حیثیت سے ۱۹۷۲ء میں ندوہ کے منصب تدریس پر فائز ہوئے۔اور تاعمر یہیں پر نہایت ہی خوش اسلوبی سے تدریسی وتربیتی فرائض انجام دیتے رہے۔اور فقہ اسلامی کا گہرا مطالعہ کیا۔احساسِ ذمہ داری،وقت کی پابندی،اور اسباق کا اہتمام آپ کے امتیازی اوصاف تھے۔اسی لئے ندوہ کی کم سے کم ڈیڑھ سو شاخوں (ملحقہ مدارس) کے نگراں بنائے گئے۔اور ان تمام مدارس کے تعلیمی وتربیتی امور کی دیکھ بھال میں غیر معمولی رول ادا کیا۔آپ کا ورع وتقویٰ، دل وزبان کی پاکیزگی،طلبہ کے بہتر مستقبل کی فکر،اور ان میں مقصدیت کی روح پھونکنے کا کام بحسن وخوبی انجام دیا۔آپ کی وفات سے ندوہ کے شعبہ تدریس میں ایک ایسا خلاء پیدا ہوگیا ہے جس کا جلد پُر ہونا مشکل ہے۔احقر کو دار العلوم ندوۃ العلماء کی طالب علمی میں کئی سال شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔

تصنیف: فقہ میں غیر معمولی دسترس کی وجہ سے حضرت مولانا علی میاںؒ کے حکم پر آسان عربی میں ایک اہم کتاب ''الفقہ المیسر'' تالیف فرمائی جو ندوہ کے نصاب میں داخل ہے۔پسماندگان میں علمی نیابت آپ کے صاحب زادے طارق شفیق ندوی کر رہے ہیں جو گورکھپور کالج میں لیکچرار ہیں۔پیر کی شب ۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ/۲۴/جون ۲۰۰۲ء کو اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ ۶۳

۵۹۔(مولانا ڈاکٹر) شمس تبریز خاں

(و۔ ۱۹۵۱ء)

مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں، ولد جناب فخر الدین خاں، ضلع بکسر، بہار کے پٹھانوں کے یوسف زئی

قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔اس خانوادہ میں ملازمت پیشہ اور علمِ دین سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد گذرے ہیں۔جو مشائخِ وقت کے مرید بھی تھے۔آپ کی ولادت بلیا، یوپی میں تعلیمی اسناد کے مطابق ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔اور بھوجپور (بہار) کے مدرسہ اشرفیہ میں ابتدائی تعلیم پائی۔پھر مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں متوسطات کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد دار العلوم دیوبند چلے گئے۔وہاں سے فضیلت کی تکمیل کی۔پھر لکھنو یونیورسٹی سے عالم و فاضل، بی اے، اور ایم اے کی تعلیم پائی۔اور پھر یہیں سے ڈاکٹریٹ کیا۔اس کے بعد مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں ۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۷ء دو سال تدریس کی۔اور ۱۹۶۸ء سے مستقل لکھنو میں قیام ہے۔

دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں مولانا افضال الحق قاسمی، مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا فخر الدین احمدؒ شیخ الحدیث دار العلو دیوبند مولانا معراج الحقؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا نصیر احمد خاں صاحب شیخ الحدیث، مولانا محمد نعیم، جیسے جلیل القدر علماءِ کرام شامل رہے ہیں۔فراغت کے بعد ۱۸ رسال مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنو کے رفیق کی حیثیت سے تحقیقی و تصنیفی خدمات انجام دیں۔

مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کی ادارت میں دار العلوم دیوبند سے شائع ہونے والے عربی رسالہ ''دعوۃ الحق'' میں متعدد عربی مضامین شائع ہوئے ہیں جیسے ''الایمان الکامل آثارہ و أثمارہ'' ''الی ذکراک یا یمن'' ''یا أسفی علی یوسف'' ''رشحات من فیض الباری'' (بالاقساط)۔ اور الداعی' دیوبند کے دار العلوم نمبر میں دار العلوم پر تعارفی مضمون شائع ہوا۔ثقافۃ الہند کے مولانا آزاد نمبر میں ''عبقریۃ مولانا أبی الکلام آزاد'' پھر ''محدث الہند الشیخ حبیب الرحمٰن الاعظمی'' شائع ہوئے اور البعث الاسلامی، لکھنو میں مولانا علی میاںؒ پر ایک مضمون گذشتہ سال ''قضایا ولا اباحسن لہا'' شائع ہوا ہے۔ ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند'' از مولانا عبدالحیٔ حسنی کا ''ضمیمہ'' مولانا علی میاںؒ کے اشتراک سے تیار کیا جو المجمع العلمی دمشق سے شائع ہوا تھا۔

ایک عربی مخطوطہ "برھان الاسطرلاب " کے عنوان سے عربی اردو مقدمہ کے ساتھ امیر الدولہ لائبریری لکھنو نے شائع کیا ہے۔عربی کے ہندوستانی شعراء کا تذکرہ "الشعر العربی فی الہند " زیر تالیف ہے۔رسالہ فکر اسلامی (بستی) کی ادارتی ذمہ داری کے ساتھ معارف السنۃ کا مستقل کالم بھی لکھتے ہیں۔اور پی ایچ ڈی کا مقالہ "عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ" کے نام سے شائع ہو کر مقبول عام ہو چکا ہے۔اور جس کام نے آپ کو شہرت کی بام عروج پر پہونچایا وہ حضر مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی "روائع اقبال" کا ترجمہ "نقوشِ اقبال ہے جو سلاست و روانی، ادبی چاشنی، تاثیر وقوت میں اپنی مثال آپ ہے۔اس کے علاوہ آپ نے ۵ کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔جن میں علامہ ابنِ تیمیہ کی دو کتابیں (۱) "اقتضاء الصراط المستقیم" کا ترجمہ "اسلام اور غیر اسلامی تہذیب" (۲) "الجواب الصحیح " کا ترجمہ "جوابِ مسیحیت" شامل ہیں۔علامہ ابنِ تیمیہؒ کی ان دو کتابوں کے علاوہ یوسف جلبی کی "اضواء علی المسیحیۃ " کا ترجمہ "مسیحیت حقائق کی روشنی میں" کیا۔
ندوہ کی طالبِ علمی سے ہی اپنی مضمون نگاری کی اصلاح کیلئے احقر نے آپ سے رجوع کیا۔آپ نے میرے مضامین پر بہت اچھی اصلاح کی۔مفید مشوروں سے نوازا۔اور صحیح سمت رہنمائی فرمائی۔آپ کے یونیورسٹی میں مدرس ہونے کے بعد احقر کو بھی شرف تلمذ حاصل ہوا۔استفادہ کی مزید راہیں کھلیں۔
آپ کے اسلوب میں ایک خاص طرح کا ایجاز ہے جو دراصل گہرے مطالعہ اور وسیع معلومات کا نچوڑ ہوتا ہے۔ ۶۴

۶۰۔(مولانا) شمس الحق ندوی

موضع یحیی پور ضلع پرتاپ گڈھ، یوپی کے رہنے والے ہیں۔ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی۔پھر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں ۱۹۵۵ء میں داخلہ لیا۔اور ۱۹۶۳ء میں ندوہ سے فراغت کے بعد یہیں پر مدرس ہو گئے۔اور ۱۹۷۹ء سے "تعمیرِ حیات" کی ادارت بھی آپ ہی کے سپرد ہے۔تب سے آج تک ندوہ ہی میں تدریس وادارت اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں۔احقر کو بھی شرف

تلمذ حاصل ہے۔

تالیف:۔ عربی میں آپ کا اہم کام مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی مشہور کتاب ''مثالی حکمراں'' کی تعریب ہے جو ''من روائع الحکم الاسلامی'' کے نام سے الرائد میں بالاقساط شائع ہو کر مقبول ہوئی۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کئی کتابوں کو عربی سے اردو میں منتقل کیا جیسے ''مذکرات سائح فی الشرق الاوسط'' کو ''شرقِ اوسط کی ڈائری'' کے نام سے (مطبوعہ مکتبہ فردوس مکارم نگر لکھنو ۱۹۴۸ء)۔ اور ''بین الدین و المدنیہ'' کو ''مذہب وتمدن'' کے نام سے اور ''عاصفة بواجهها العالم الاسلامی'' کو ''تقویۃ الایمان'' کے نام سے ترجمہ کیا (دونوں مطبوعہ مکتبہ ندویہ ندوہ)۔ اور محمد محمود الصواف کی کتاب ''القیامة رأی العین'' کا بھی ''قیامت کا منظر'' (مطبوعہ مکتبہ ندویہ) کے عنوان سے ترجمہ کیا جو بہت مقبول ہوا۔ ۶۵

۶۱۔ (ڈاکٹر) شمیم الحسن امانت اللہ

(و۔ ۱۹۳۷ء)

جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں عربی ادب کے بڑے اساتذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں مئو اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے اور مدرسہ شاہی مرادآباد اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔ ۱۹۵۷ء میں دیوبند سے فضیلت کرنے کے بعد مصر چلے گئے۔ اور جامعہ ازہر شریف میں ''كلية اللغة العربية'' میں تعلیم پائی۔ اور قاہرہ یونیورسٹی سے ۱۹۶۲ء میں لیسانس کی ڈگری حاصل کی۔ جامعہ عین شمس سے عربی میں ڈپلوما اور علی گڈھ یونیورسٹی سے ۱۹۶۸ء میں ایم اے کیا۔ پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے پی ایچ ڈی کی۔

تدریس و ترجمہ کے میدان میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ جواہر لال نہرو

یونیورسٹی میں تدریس کے دوران ہزاروں صفحات کی تعریب وترجمہ جوتجارتی کام ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ البتہ درج ذیل مقالات اردو یا ہندی، یا انگریزی سے عربی میں منتقل کئے گئے۔ اور ثقافۃ الہند کے شماروں میں شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ ا۔ ''مؤنس ديانة النبيخ'' از ل، ب، نارائن، جلد ۴۲، ۱۹۹۱ء۔ ۲۔ ''الافق المتوسع'' از غلام ربانی تاباں، ج ۴۲، شمارہ ۴، ۱۹۹۱ء۔ ۳۔ ''التنبؤ و الاحتجاج'' از ل، بی سوبارائے، ثقافۃ الہند ج ۴۲، شمارہ ۴، ۱۹۹۱ء۔ ۶۶

۶۲۔ (پروفیسر) شیث محمد اسماعیل اعظمی

(و۔۱۹۴۲ء)

نام شیث محمد اسماعیل، ولدیت حکیم محمد اسحاق۔ قلمی دنیا میں ڈاکٹر شیث محمد اسماعیل اعظمی کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۲ء کو کوٹ اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں پائی۔ اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنو سے فراغت حاصل کی۔ پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہائی سکنڈری پاس کیا۔ اور علی گڈھ سے بی اے، ایم اے کیا۔ اور پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۸ء/ تا ۱۹۹۰ء شعبہ عربی سکوتو ہو یونیورسٹی نائیجیریا میں صدر شعبہ رہے۔ اور اس وقت جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں پروفیسر اور صدر شعبہ ہیں۔

تصانیف:۔ اردو تالیفات ومضامین کے علاوہ عربی میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ جس سے آپ کی عربی زبان وادب پر قدرت کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً عربی زبان وادب پر ہندوستانی اثرات (عربی) (۲) حوصی ازبان میں ہندوستانی الفاظ (عربی) (۳)۔ عرب وہند کے تعلقات کے مذہبی اور سماجی پہلو (عربی) تحریر کئے ہیں۔ اور عربی زبان کی خدمت کے سلسلہ میں سب سے اہم کام آپ کی کتاب ''عربی فارنون عربس'' (انگریزی) ہے جس میں غیر عربوں کیلئے انگریزی زبان سے عربی سیکھنے کا سہل و

آسان طریقہ پیش کیا ہے یہ کتاب اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔

اردو میں ا۔''مغربی افریقہ میں اسلام'' ۲۔عہدِ سلطنت کے فقہاء، صوفیہ اور دانشوروں کی نظر میں ہندوؤں کی حیثیت۔اور ۳۔قفس رنگ (شعری مجموعہ)۔۴۔اور عمر عبید احمد کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ وغیرہ کتابیں لکھیں۔

اردو مضامین میں:۔ ''مصر کی تحریک تجدد میں فرانس کا حصہ'' ۲۔عہدِ عباسی میں ہندوستانی درآمدات۔ ۳۔مولانا آزاد اور عربی شاعری۔ ۴۔جدید عربی شاعری میں ہندوستان کا ذکر، قیمتی نگارشات ہیں۔

۶۷

۶۳۔صلاح الدین سلفی مدنی

(و۔۱۹۵۶ء)

۱۹۵۶ء میں پیدا ہوئے۔تعلیم کی ابتداء ضلع گونڈہ میں اپنے وطن سے ہوئی۔پھر جامعہ سلفیہ بنارس میں داخلہ لے کر ۱۹۷۶ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔اس کے بعد جامعہ سلفیہ کے ترجمان ''صوت الامہ'' میں کام کیا۔پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو مدینہ منورہ کے سفر کی سعادت نصیب فرمائی۔جہاں الجامعۃ الاسلامیہ کے کلیۃ الحدیث الشریف میں داخلہ لیکر ۱۹۸۱ء میں لیسانس کی ڈگری حاصل کی۔پھر کویت کے وزارتِ اوقاف وشئونِ اسلامیہ کے شعبہ مساجد میں ملازم ہو گئے۔اور ۱۹۹۰ء تک وہاں پر کام کیا۔کویت پر عراق کے حملہ کے بعد ہندوستان واپس آ گئے اور مرکز ابوالکلام آزاد ویکننگ سینٹر کے مجمع البحوث العلمیۃ الاسلامیہ میں مقرر ہوئے۔

آپ نے محمد اسماعیل سلفی کی کتاب ''جماعت اسلامی کا نظریہ اہلِ حدیث'' کو ''موقف الجماعۃ الاسلامی من الحدیث النبوی'' کے نام سے عربی میں منتقل کیا۔۱۶۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دارالسلفیۃ کویت سے ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ ۶۸

۶۴۔(مولانا)ضمیر احمد قدسی۔(اعظم گڈھ)

(و۔۱۹۷۶ء)

۱۲۹۳ھ مطابق ۱۹۷۶ء کو مئو (محلہ شاہی کٹرہ) ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مئو ہی میں حاصل کی۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند جاکر جملہ علوم وفنون کی تکمیل کی،علامہ شبیر احمد عثمانیؒ،حضرت مولانا شبلی نندانویؒ آپ کے رفقاءِ درس میں شامل تھے۔یہ حضرت شیخ الہندؒ کی صدارتِ تدریس کا زمانہ تھا۔فراغت کے بعد طب کی طرف متوجہ ہوئے اور قلیل عرصہ میں اس فن میں بھی مکمل مہارت حاصل کرلی۔کچھ دنوں مئو میں مطب کیا پھر انجمن اسلامیہ گورکھپور کے مدرسہ میں تقریباً ۲۰ برس تدریسی و انتظامی امور انجام دئے۔اس کے بعد مدرسہ مطلع العلوم کمن گڈھا بنارس میں مدرس ہوئے۔مولانا نے بڑی طویل عمر پائی۔آخر میں مختلف امراض وعوارض نے گھیرلیا تھا۔طویل علالت کے بعد ۱۹۶۲ء/۱۳۸۲ھ کو بعد نمازِ مغرب وصال فرمایا۔

تصانیف:۔ تعلیمی وتدریسی صلاحیت کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی مہارت تھی۔عربی میں ''الفروق'' نام سے ایک مشہور لغت تیار کی جو ۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اس میں قرآن و حدیث کے ان الفاظ کی تشریح کی ہے جو الفاظ کے اعتبار سے متحد ومتفق ہیں لیکن معانی مختلف ہیں۔یہ کتاب لغت کی سینکڑوں کتابوں کا عطر ہے۔یہ ایک ایسا علمی شاہکار ہے۔جس کی دورِ حاضر میں مثال نہیں ملتی۔افسوس یہ نادر ذخیرہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ ۷۹

۶۵۔(مولانا سید)ضیاءالحسن ندوی مرحوم

۱۹۴۴ء۔۲۰۰۳ء

آپ نہایت شریف اور دیندار گھرانے کے فرزند تھے،گھرانے کی شرافت کیساتھ اس کی دینداری کو بھی

اس ناسازگار زمانے میں سنبھالے رکھنے کی توفیق اللہ نے بخشی تھی۔ یہ خاندان رشدی پور رائے ضلع رائے بریلی سے اولاً لکھنو منتقل ہوا۔ پھر علمی و ادبی مشاغل کے سلسلہ میں ہی لکھنو سے دہلی منتقل ہوگیا۔ آپ ہندوستان کے عربی ادب کے عظیم اساتذہ میں سے تھے۔ پیدائش لکھنو میں ۱۹۴۴ء میں ہوئی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء سے ۱۹۶۰ء میں فراغت پائی۔ اس کے بعد دہلی جا کر علوم عصریہ میں کمال حاصل کیا۔ اور مختلف یونیورسٹیوں سے فاضل ادب، لیسانس، وغیرہ ڈگریاں حاصل کیں۔ اور لکھنو یونیورسٹی سے ۱۹۶۸ء میں ایم اے کیا۔ اور یہیں پر ۱۹۷۱ء میں لیکچرار ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ ملیہ دہلی کے عربی شعبہ میں مدرس بنائے گئے۔ اور پروفیسر کے منصب تک پہونچے۔ اور حیدراباد کے المعہد العالی المرکزی للغۃ الانجلیزیۃ واللغات الاجنبیۃ'' میں ۱۹۸۰ء۔۱۹۸۲ء کے دوران استاذ رہے۔
دہلی میں تدریس کے ساتھ ساتھ ان گنت سفارتی ونشریاتی ترجمے کئے۔ اور ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کی پروفیسر انا ماریشل کی کتاب ''مولانا جلال الدین رومی'' کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا جو جامعہ ملیہ کے ترجمان ''جامعہ'' میں شائع ہوا۔ اور امریکہ کی نومسلم خاتون ''مریم جمیلہ کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ اسی طرح مشہور ادیب ہولندی کی کتاب کا ''ھل یمکن ترجمۃ القرآن'' نام سے ترجمہ کیا اور ایک انگریزی کی کتاب ''sex and college girl'' کا عربی ترجمہ ''فراش من غیر حب'' کے نام سے کیا جو ''البعث الاسلامی'' میں بالاقساط شائع ہوا۔ ان کے علاوہ ۵ مقالہ انگریزی سے عربی میں ترجمہ کر کے ''ثقافۃ الھند'' میں ۱۹۷۴ء۔۱۹۷۵ء کے دوران شائع کئے۔ آخر عمر میں ندوہ کے ترجمان ''کاروانِ ادب'' میں خطبہ طارق بن زیاد عند فتح اندلس'' کا ترجمہ کیا۔ اور دوسرا پروفیسر ابو محفوظ کریمی کے قصیدہ کا منظوم ترجمہ کیا۔

پی ایچ ڈی کے لئے لکھے گئے آپ کے مقالہ کا موضوع تھا ''عربی کا مہجری ادب''۔ عربی کیساتھ ساتھ انگریزی اور دیگر کئی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ ایک کامیاب استاذ بہترین مربی تھے۔ طلبہ کی بڑی تعداد کو آپ سے کسبِ فیض کا موقع ملا۔ اور اپنے تلامذہ پر آپ نے گہری

چھاپ چھوڑی ہے۔

رابطہ ادب اسلامی کے زمانہ قیام ہی سے اس کے سرگرم رکن رہے۔اور برابر اس کے سیمناروں میں اپنے عربی واردو مقالات پیش کرتے رہے۔اور رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس میں شرکت کیلئے سعودی عرب، ترکی، مصر، ودیگر ممالک کا بھی دورہ کیا۔اور جامعہ کی نمائندگی کی۔آپ کی شخصیت دین وادب اور متوازن فکر کا حسین امتزاج تھی۔حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت سے بیحد متاثر تھے۔اوران کے وصال پر اپنی ادارت میں نکلنے والے سرکاری مجلّہ ''ثقافۃ الہند'' دہلی کا ضخیم ''مفکرِ اسلام نمبر'' بھی شائع کیا، جسمیں وقت کی مشہور شخصیات کے عربی مقالات ومضامین و تاثرات اچھے انداز میں مرتب کر کے حضرت مولانا مرحوم پر ایک عربی میں نایاب دستاویز تیار کردی،۔پھر اپنے مربی واستاذ مولانا محمد رابع حسنی ندوی وغیرہ سے برابر خلوص ومحبت کا تعلق بنائے رکھا۔انھیں کے ایماء پر رابطہ کے ترجمان ''کاروانِ ادب'' میں کلیدی مقالات لکھتے رہے۔آخر میں امریکی سفارت خانے کی طرف سے مدارسِ اسلامیہ کے وفد کیساتھ امریکا میں ندوہ کی نمائندگی کیلئے آپ کو دعوت دی گئی تھی۔مگر افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی۔اور اس سے پہلے ہی آپ ۱۶رذیقعدہ ۱۴۲۳ھ/۲۰رجنوری ۲۰۰۳ء کو اس عالمِ فانی سے رحلت فرماگئے۔ہارٹ کی شکایت عرصہ سے تھی۔۲۰رجنوری کی صبح فجر کے وقت غسل کو گئے تھے کہ وہیں ہارٹ اٹیک کی شکل میں فرشتہ اجل نے آلیا۔آپ کی وفات نہ صرف ندوہ بلکہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اور عربی صحافت وتدریس کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔۱۹۹۸ء میں صدرِ جمہوریہ ہند کی طرف سے عربی زبان وادب کی خدمات پر ایوارڈ بھی ملا تھا۔آپ نے پروفیسر زبیر فاروقی کے بعد حکومت ہند کے عربی مجلّہ ''ثقافۃ الہند'' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔اور شاندار طریقے پر منزل کی طرف بڑھایا تھا۔

آپ عربی اوراردو دونوں زبانوں میں بڑا اچھا ادبی ذوق رکھتے تھے، وہ عربی میں ایک ماہر زبان کے طور پر بے تکلف وبے تکان بولتے تھے، ان کا قلم پختہ اور رواں تھا ان کی تحریر شستہ وشگفتہ ہوتی تھی، وہ

انگلش کی مکمل عملی واقفیت (working knowlege) ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ اس میں بھی اچھا ملکہ حاصل تھا۔اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے دوران حسب ضرورت گفتگواور تقریر وتحریر میں اس زبان کا استعمال بحسن وخوبی کرتے تھے۔ان کے ادبی ذوق میں ظرافتِ طبع کا بڑا حسین امتزاج تھا،ظرافت ان کی گفتگو میں ہر ہر جملہ سے جھلکتی تھی۔نکتہ آفرینی میں کمال حاصل تھا۔طلاقتِ لسانی انکا امتیازی وصف تھا۔وہ دوسروں کو سنتے بھی تھے۔اور خود جم کر مسلسل بولتے تھے۔نکتہ آفرینی،اور ظرافت کے باعث ان کی گفتگو شیریں اور پرکشش ہوتی تھی۔آخری دور میں وہ کچھ زیادہ ہی مصروف ہوگئے تھے۔ "یوں تو ضیاء صاحب پہلے ہی سے بہت سوشل اور متحرک وفعال تھے مختلف سیمناروں، کانفرنسوں، جلسوں اور مختلف انجمنوں وجماعتوں کی ادبی دینی وسیاسی میٹنگوں میں شرکت کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔وہ اپنی اسی مصروفیت کے دوران صرف ۵۸ رسال کی عمر میں اچانک ہم سے جدا ہوگئے۔" ۷۰

۶۶۔مولوی ضیاء الدین اصلاحی (مدیر معارف)

(و۔۱۹۳۷ء)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی ندوی، ولدیت حاجی مولوی عبدالرحمٰن صاحب، مدیر "معارف" اعظمگڈھ۔جولائی ۱۹۳۷ء کو اپنے نانیہال موضع جیراجپور ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔اپنے خاندانی پس منظر کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"میرا خاندان متوسط درجہ کا زمیندار خاندان تھا جو کئی پشتوں پہلے راجپوت تھا ہم لوگ نومسلم راجپوت خاندان سے مسلمان ہوئے تھے گھر پر معمولی زمینداری تھی جس سے لوگ بہ فراغت بسر کرتے تھے،اس لئے ملازمت اور باہر جانے کا خیال نہیں ہوا،تعلیم کی طرف بھی توجہ نہ تھی۔تاہم میرے دادا اس زمانہ میں کچہری میں نقل نویسی وغیرہ کا کام کرتے تھے ان کا انتقال میرے بچپن میں ہوگیا تھا۔اس لئے والد صاحب گھر پر ہی رہے اور زمین جائداد کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ان کی تعلیم گھر پر

ہوئی تھی۔مگر محنت مطالعہ سے اچھی استعداد پیدا کی تھی، اردو، اور فارسی کی استعداد بہت اچھی تھی۔اور مطالعہ کا ذوق تھا، میرے چار بھائیوں میں بڑے عربی کے فارغ التحصیل، مضمون نگار، اور اچھے شاعر ہیں۔اب خاندان میں نئی اور پرانی تعلیم دونوں کا رواج ہے۔

آگے فرماتے ہیں:۔ پیدائش نانیہال موضع جیراجپور ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی۔مگر میرا آبائی وطن سہریا متصل قصبہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ ہے۔ابتدائی تعلیم اپنے گھر کے مکتب میں ہوئی۔پرائمری درجہ چہارم تک نظام آباد کے مدرسہ اسلامیہ میں ہوئی۔اس کے بعد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں عربی اور علوم دینیہ کی تکمیل کی۔تدریسی خدمات کچھ عرصہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں انجام دیں۔پھر دارالمصنفین چلا آیا۔تو جو لوگ عربی پڑھنا چاہتے تھے ان کو کبھی کبھی بعض ابتدائی، ادب وتاریخِ ادب، یا تفسیر پڑھائی۔جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے وابستگی کے باوجود عربی شعروادب اور تفسیرو بلاغت کی کتابیں پڑھائیں۔پہلے رفیقِ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی رہا۔اب دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ کا سکریٹری ہوں۔مولانا اختر احسن اصلاحی سے تفسیر قرآن، مولانا حکیم علی احمد فاضلِ دیوبند سے صحیحین اور جامع ترمذی، اور اصولِ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔مولانا مصطفیٰ ندوی سے مؤطا امام مالکؒ پڑھی،۔ادب، منطق، فلسفہ کی کتابیں مولانا ابوالجلال ندوی سے، کلیلہ دمنہ، اور مقدمہ ابنِ خلدون مولانا جلیل احسن ندوی اور مولانا صدرالدین اصلاحی سے، دیوانِ حماسہ مولانا نظام الدین اصلاحی سے، ابتدائی عربی گرامر کی کتابیں مولانا ابوبکر اصلاحی، اور مولانا قمرالزماں اصلاحی سے پڑھیں۔

علمی خدمات میں تذکرۃ المحدثین (تین حصے)، ہندوستان عربوں کی نظر میں (دو حصے)، چند اربابِ کمال (جسمیں امرؤالقیس، جاحظ، اور ابوالعلاء معری پر مضامین ہیں) ہندوستانی مذاہب، ایضاح القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، انتخابِ کلامِ سہیل، اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔مضامین تقریباً ڈیڑھ دو سو لکھے ہونگے، جو معارف کے علاوہ ہندو پاک کے مشہور

جرائد ورسائل میں شائع ہوئے۔ معارف میں مطبوعاتِ جدیدہ کا کالم تقریباً ۲۵۔۳۰ برس مسلسل لکھا۔

''ہندوستان عربوں کی نظر میں'' اس کتاب میں عرب سیاحوں، جغرافیہ دانوں، اور مؤرخوں کی کتابوں کی وہ تحریریں جو ہندوستان کے بارے میں انھوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں جمع کر کے ان کا ترجمہ کیا ہے۔ اور حواشی بھی بقدرِ ضرورت لکھے ہیں تذکرۃ المحدثین، میں حدیث پر کام کرنے والوں کی عربی کتب وشروح پر مفصل مضامین درج ہیں۔ ۱۹۹۵ء۔۱۹۹۶ء میں صدرِ جمہوریہ سے عربی میں سرٹیفکٹ آف آنرل چکا ہے۔ اس کے علاوہ اتر پردیش اردو اکیڈمی سے صحافت ایوارڈ، اور میر اکیڈمی سے امتیازِ میر، اور نوائے میر ایوارڈ بھی ملا ہے۔ اکثر کتابوں پر مغربی بنگال، بہار اور اتر پردیش اکیڈمی نے انعامات دیے ہیں۔ اے

۶۷۔(حکیم) ضیاء الدین ضیاء فریدی

۱۹۱۹۔۲۰۰۲ء

الہ آباد کے ان نامور طبیبوں میں تھے جنھوں نے فن طب کے میدان میں اہم کردار ادا کیا آپ کا تعلق ایک ماہر طبی خانوادے سے ہے۔ حکیم سبحان مرحوم آپ کے جد امجد تھے، جنھوں نے جونپور ہجرت کی تھی۔ آپ کے دادا حکیم مولوی عبدالوحید ممتاز عالم اور ماہر نباض تھے۔ جو بعد میں قصبہ مئو ائمہ الہ آباد منتقل ہو گئے تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا قمرالدین ایک معزز شخصیت کے مالک تھے۔ جنھوں نے فراغت کے بعد مئو ائمہ میں انصاری دواخانہ کی بنیاد رکھی۔ حکیم ضیاء الدین صاحب کی پیدائش الہ آباد کے قصبہ مئو ائمہ میں ۱۰راگست ۱۹۱۹ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ دس برس کی عمر میں دہلی لیجائے گئے، اور مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ باڑہ ہندوراؤ میں داخلہ لیا اور چھ برس تک یہاں تعلیم وتربیت پائی۔ پھر حکیم اجمل خاں کے ادارہ آیورویدک اینڈ یونانی طبیہ کالج سے طب وجراحت کی سند حاصل کی۔ ۱۹۴۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے فارسی ادب میں منشی فاضل کی سند حاصل کی اس کے بعد

یو پی بورڈ آف ایجوکیشن سے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ اور ۱۹۵۶ء میں فاضل عربی ادب کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے اور ۱۹۶۰ء میں ایم اے کیا۔ پھر وہیں سے ۱۹۶۳ء میں فارسی سے ایم اے کیا۔ اس کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی فرائض انجام دئے۔ جیسے مدرسہ مصباح العلوم الٰہ آباد، اور مدرسہ انوار العلوم وغیرہ۔ پھر حکیم احمد حسین عثمانی کے یونانی میڈیکل کالج میں لیکچرار ہوئے۔ دس سال تکمیل الطب کالج لکھنو کے پرنسپل رہے۔ نیز علی گڈھ مسلم یونیورسٹی اور پٹنہ یونیورسٹی میں اسٹڈیز بورڈ کے ممبر بھی رہے۔ آپ نے بمبئی میں رحمانیہ دواخانہ کی بنیاد ڈالی۔ اور ادبی مجلسوں میں شرکت بھی کی اس کے بعد الٰہ آباد میں شافی دوا خانہ (محلہ سبزی منڈی) کی بنیاد ڈالی۔ جواب فرزندانِ گرامی حکیم ارشاد الاسلام اور انیس الاسلام کے زیر انتظام ہے۔ آپ بہت سے طبی اداروں سے وابستہ تھے اور طب وادب میں متعدد عربی و فارسی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا۔ بہت سے اداروں وانجمنوں سے وابستہ رہے۔ انجمن ترقی اردو ہند، بیورو آف اردو پرموشن کے بھی رکن رہے۔ ۱۹۵۰ء میں معاشرہ میں دینی واخلاقی رہنمائی کیلئے رسالہ ''مشیر'' نکالا۔ جو بعد میں بعض وجوہات کی بناء پر بند ہو گیا۔ آپ کا انتقال ۱۵ر نومبر ۲۰۰۲ء کو ان کی رہائش گاہ، بیدن ٹولہ، الٰہ آباد میں ہوا، حسن منزل کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

تصانیف:۔ عربی میں مطبوعہ وغیر مطبوعہ مقالات ومضامین اسطرح ہیں:۔

۱۔ تطور القصص و الرسائل والمقامات فی الادب العربی (۲) حضارة الاندلس واثرها فی الشعر و الادب (۳) ابن زیدون هو صورة صحيحة للشعر الاندلسی (٤) النهضة الوطنية و الادبية فی الشرق الاوسط (٥) ضروب الامثال و الحكم (٦) اثر القرآن و الحديث فی الشعر و الادب (۷) كيف فرقت الوحدة الاسلامية الى فرق شتیٰ عواملها و مصادرها۔

اردو میں عربی ادب سے متعلق اہم مضامین یہ ہیں:

۱۔عربی شاعری کا اثر اردو شاعری پر،۲۔شوقی جدید عربی شاعری کا نمائندہ شاعر،۳۔مصطفی لطفی منفلوطی جدید عربی ادب کا حقیقت نگار صاحبِ قلم،۴۔یونانی فلاسفی عربیت کے لباس میں ،۵۔الکندی،۶۔خطباتِ عرب اور ان کی ادبی اہمیت وخصوصیت،۷۔ابو الفرج اصبہانی وکتابہ الاغانی،۸۔معجم البلدان للیاقوت، ۹۔شاعری دورِ بنی امیہ میں،۱۰۔دورِ عباسی میں تاریخِ ادب کا ارتقاء،۱۱۔ہارون رشید کے دورِ حکومت میں کلچرل سرگرمیاں،۱۲۔عقد الفرید فی خطبات دکتور طہٰ حسین، ۱۳۔نغمۃ الطبیب،۱۴۔صبح الاعشی۔ ۷۲

۶۸۔(مولانا)طاہر حسن(شیخ الحدیث امروہہ)

(و۔۱۹۲۵ء)

والد ماجد حضرت حافظ زاہد حسن سکونت محلہ چاہ ملامان امروہہ،ولادت ۱۹۲۵ء حفظِ قرآن پاک اور شرحِ جامی تک کی تعلیم دار العلوم مدرسہ چلہ میں حاصل کی۔پھر ۱۹۴۵ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے ۔یہیں پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے فنِ تجوید بھی حاصل کیا۔۱۹۴۸ء سے تدریسی خدمات شروع کیں جو تادمِ تحریر جاری ہیں۔تقریباً ۵۵ سال تک حدیث شریف اور عربی ادب کی کتابیں پڑھائیں۔ اولاً دھامپور،میرٹھ، جھنجھانہ، وغیرہ میں مدرس رہے پھر ۱۹۶۵ء میں مدرسۃ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔اور ۱۹۶۶ء سے اسی مدرسہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ سادگی،تواضع،وللہیت،خلوص وایثار،جیسی عظیم صفات کے حامل بزرگانِ دین میں شمار ہوتے ہیں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے شرفِ بیعت حاصل ہے تین فرزند مولوی محمد سعد،مولوی محمد طلحہ،محمد غزالی یادگار ہیں۔

سترہ جلدوں میں معارف مدنیہ،اور دو جلدوں میں ''پیغمبر اسلام'' اور مواھب الرحمٰن جیسی کتابیں تالیف فرمائیں۔بہت سے مضامین ''الحرم'' دیوبند میں لکھے۔ ۷۳

۶۹۔(مولانا) ظفر احمد تھانوی

۱۳۱۰ھ۔۱۳۹۴ھ

۱۸۹۲۔۱۹۷۴ء

آپ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے اور ہم زلف تھے، ولادت ۱۳؍ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء دیوبند کے محلہ دیوان میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام لطیف احمد عثمانی، اور دادا کا نام نہال احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم دار العلوم دیوبند میں ہوئی۔ پھر حضرت تھانویؒ نے اپنے پاس تھانہ بھون بلالیا، یہاں پر فارسی عربی کی کچھ کتابیں پڑھنے کے بعد حضرت کے ایماء پر مدرسہ جامع العلوم کانپور گئے۔ پھر مظاہر علوم سہارنپور جا کر تعلیم مکمل کی۔ اور اس کے بعد مظاہر علوم میں سات سال تک تدریسی فرائض انجام دئے۔ پھر تھانہ بھون میں درس وافتاء کی خدمات پر مامور رہے۔ ۱۳۴۹ھ میں رنگون گئے جہاں تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغی واصلاحی سلسلہ بھی جاری رہا۔ ۱۳۹۸ھ میں ڈھاکہ یونیورسٹی (بنگلہ دیش) کے دینیات کے استاذ مقرر ہوئے۔ یہاں ایک مدرسہ اشرف العلوم قائم کیا، بعد میں ۱۹۵۴ء میں دار العلوم ٹنڈوالہ یار (سندھ پاکستان) میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ اور تاعمر اسی سے وابستہ رہے۔ آپ کی بیعت کا تعلق اپنے ماموں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہی سے تھا۔ ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی آپ ہی کو حاصل ہوئی تھی۔

آپ کا سب سے اہم علمی کارنامہ "اعلاء السنن" کی ترتیب ہے جو بیس جلدوں میں ہے اور اس کتاب میں آپ نے ان تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے جن سے فقہ حنفی ماخوذ ہے (اس کے علاوہ بھی بہت سی تصانیف ہیں بچاسی سال کی عمر میں پاکستان میں ۸؍دسمبر ۱۹۷۴ء/۱۳۹۴ھ کو وفات پائی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ ۷۴ے

۷۰۔(ڈاکٹر)ظفر الاسلام خاں

(و۔۱۹۴۸ء)

۱۹۴۸ء میں اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مدرسۃ الاصلاح میں پائی۔اور اعلیٰ تعلیم کے لئے لکھنو گئے اور ندوۃ العلماء لکھنو سے فراغت کی۔اس کے بعد ۱۹۶۶ء میں مصر چلے گئے۔جہاں عربی واسلامی علوم میں مہارت حاصل کی۔آپ کو عربی، انگریزی، اردو تینوں زبانوں پر مکمل قدرت حاصل ہے۔اور عربی ادب اور عربی زبان میں ایسی ہی مہارت تھی جیسی کہ عرب ممالک میں نشونما پانے والوں کو ہوتی ہے۔عنفوانِ شباب میں ہی عربی میں مختلف کتابیں تصنیف کرڈالیں۔لیبیا میں صحافت و میڈیا، اور ترجمہ وتعریب کے کام سے عرصہ تک وابستہ رہنے کی وجہ سے بحث وتحقیق کے میدان میں کافی رسوخ حاصل ہوا۔

آپ نے پی ایچ ڈی کی تکمیل برطانیہ کی مانچسٹر یونیورسٹی سے ۱۹۸۷ء میں ’’مفہوم الہجرۃ فی الاسلام‘‘ کے موضوع پر مقالہ لکھ کر کی۔اور بیرونِ ممالک کے علمی سیمناروں میں شرکت کے لئے متعدد بار مدعو کئے گئے۔اور بہت سی علمی وثقافتی اکیڈمیوں کے ممبر بنائے گئے۔فی الحال ایک انگریزی اخبار "Muslim and Arab perspective"، اور ایک عربی اخبار ’’مجلۃ التاریخ الاسلامی ‘‘ کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔عربی میں درجِ ذیل کتابیں عرب ممالک میں بھی قبولِ عام حاصل کرچکی ہیں:۔

۱۔مولانا وحید الدین خاں کی ’’مذہب اور جدید چیلنج‘‘ کا عربی ترجمہ ’’الاسلام یتحدی‘‘(مطبوعہ دار البحث العلمی کویت، المختار الاسلامی قاہرہ، بیروت وغیرہ)

۲۔موصوف ہی کی ’’تجدیدِ دین‘‘ کا عربی ترجمہ ’’تجدید علوم الدین‘‘(مطبوعہ دار الصحوہ للنشر قاہرہ)۔

۳۔اور موصوف ہی کی ’’حقیقتِ حج‘‘ کا عربی ترجمہ ’حقیقۃ الحج‘ کے نام سے (مطبوعہ دار

الصحوہ للنشر قاہرہ)

۴۔''مارکسیت جس کو تاریخ رد کر چکی ہے۔'' از وحید الدین خاں، کا عربی ترجمہ:''سقوط المارکسیۃ'' (مطبوعہ رابطۃ الجامعات الاسلامیۃ)۔

۵۔ مذکورہ مؤلف کی ''مذہب وسائنس'' کی تعریب ''الدین فی مواجہۃ العلم'' (مطبوعہ دار النفائس بیروت) وغیرہ۔ ان کے علاوہ موصوف نے درج ذیل کتابچے عربی میں منتقل کئے۔ ۱۔نحو بعث اسلامي" (قاہرہ ۱۹۷۱ء)، ۲۔حکمۃ الدین" (قاہرہ ۱۹۷۳ء)، ۳۔المسلمون بین الماضی والحاضر والمستقبل" (قاہرہ ۱۹۷۳ء)، ٤۔الاسلام و العصر الحدیث" (قاہرہ ۱۹۷۶ء)، ٦۔الشریعۃ الاسلامیۃ وتحدیات العصر" (قاہرہ ۱۹۷۸ء)، ٦۔امکانات جدیدۃ للدعوہ" (قاہرہ ۱۹۷۸ء)۔

ان کے علاوہ سید سلیمان ندوی کی ''سیرۃ النبی'' جلد سوم کا بھی عربی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور کچھ کتابیں انگریزی سے عربی میں منتقل کیں۔ جن میں: ۱۔''الحرکۃ الاسلامیۃ قضایا و اھداف'' (مطبوعہ لندن ۱۹۸۱ء) ۲۔التوحید والتبلیغ (لندن ۱۹۸۴ء)۔ ۳۔''الثورۃ الاسلامیۃ فی ایران" (لندن ۱۹۸۵ء) ۴۔الثورۃ الاسلامیۃ: المستقبل الوحید لباکستان (لندن ۱۹۸۵ء) ۵۔القومیۃ والدولۃ الحدیثۃ (لندن ۱۹۸۵ء) ٦۔ ''قضایا الحرکۃ الاسلامیۃ'' (لندن ۱۹۸۵ء) وغیرہ۔

ان کے علاوہ ایک کتاب کا عربی سے انگریزی میں ترجمہ بھی کیا جس کا نام "An intruduction to the Arab" ہے جو دار مالطا آدم سے شائع ہوئی۔ ۵۷

۷۱۔ (سید) ظفر حسن (امروہہ)

۱۸۹۱۔۱۹۸۹ء

اسم گرامی سید ظفر حسن، والد ماجد کا نام سید دلشاد علی، ولادت محلّہ حقانی امروہہ میں (۱۳۰۹ھ/۱۸۰۹ء)

کو ہوئی۔ سید المدارس اور امام المدارس امروہہ میں ابتدائی تعلیم پائی۔ اور پھر مدرسہ ناظمیہ میں لکھنؤ میں پڑھا۔ ساتھ ہی پرائیویٹ طور پر انگریزی زبان حاصل کی اور پھر پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس ایل سی کا امتحان پاس کیا۔ سات سال کانپور کے ایک ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر رہے پھر جب یہی اسکول کالج بنا تو بحیثیت فارسی پروفیسر مقرر ہوئے۔ عربی فارسی کے علاوہ انگریزی کتابوں کا بھی خوب مطالعہ کیا۔ کانپور میں ۱۹۱۴ء کے آس پاس خطابت کا سلسلہ شروع کیا وہ اسقدر مقبول ہوا کہ آپ شمس الواعظین کے نام سے مشہور ہوئے۔ امروہہ کے عزا خانہ میں محلّہ جعفری میں برسوں خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۴۱۰ھ میں ۸ مئی ۱۹۹۸ء کو کراچی میں انتقال فرمایا۔

اولاد میں مولوی سید تہذیب الحسن، ڈاکٹر سید توصیف الحسن، سید شمیم الحسن، ڈاکٹر سید ندیم الحسن، سید قسیم الحسن، سید شبیہ الحسن ہیں۔ دوسو سے زائد تصانیف یادگار چھوڑیں اکثر تعداد اردو کتابوں کی ہے مثلاً ''قضایا امیر المومنینؑ'' ''شیعہ دینیات کورس''، ''خواتین اسلام'' ''مصباح المجالس''، ''تحفۃ المومنین''، ''قاتلانِ حسینؑ کا مذہب'' وغیرہ۔

آپ نے ۱۹۴۶ء میں قرآنِ پاک کا ترجمہ مع حاشیہ مکمل کیا۔ اور ۱۹۵۲ء میں حدیثِ کساء کا ترجمہ کیا، ۱۹۵۶ء میں واقعہ کربلا کی مختصر تاریخ، اور اصولِ کافی کا ترجمہ۔ ''الشافی'' دو جلدیں۔ اور ۱۹۷۷ء میں تفسیرِ قرآن پاک مکمل کی۔ ۷۶ے

۷۷۔ ظفر الدین قادری رضوی۔ (ملک العلماء)

۱۳۰۳۔۱۳۸۲ھ

۱۸۸۰۔۱۹۶۲ء

ملک العلماء، فاضلِ بہار حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی ہندوستان کے ان مصنفین میں تھے جن کی علمی شہرت دور دور تک پھیلی اور جن کی تصانیف سے باشندگانِ ہندو پاک کی

بڑی تعداد مستفید ہوئی۔ وہ کم عمری میں ذہین وطباع، اور سخت جدو جہد والے طالب علم تھے، عہدِ شباب وکہولت میں جفاکش استاداور سرگرم عمل مصنف تھے، شریعت کے سخت پابند، راہِ طریقت کے مجاہد، اور حب رسول میں سرشار تھے۔ان کے اساتذہ میں مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا لطف اللہ علی گڈھی، سید بشیر حمد علی گڈھی، مولانا حامد حسن رامپوری شامل تھے۔ لیکن جس ذاتِ گرامی سے وہ سب سے زیادہ مستفیض ہوئے وہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ) کی ذات تھی۔ جنکی صحبت میں برسہابرس گذارے۔

آپ کے مورثِ اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابو بکر غزنوی ملقب بمدار الملک ہیں۔ جن کا نسب ساتویں پشت میں حضرت شاہ عبد القادر جیلانی بغدادیؒ سے ملتا ہے۔ وہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان آئے۔ اور شاہی فوج میں ملازم ہوئے۔ اسی سلسلہ میں ملک عبد الرزاق تھے۔ جن کی اولادِ زرینہ صرف محمد ظفر الدین تھے جو بعد کو ملک العلماء، فاضل بہار مولانا ظفر الدین قادری رضوی کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ رسول پور میجرا ضلع پٹنہ، (اب ضلع نالندہ) صوبہ بہار میں ۱۰رمحرم الحرام ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۹را کتوبر ۱۸۸۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی اور قرآن مجید اور اردو فارسی کی کتابیں اپنے گھر پر حافظ مخدوم اشرف ،مولوی کبیر الدین، اور مولوی عبد اللطیف سے پڑھیں۔۱۳۱۲ھ میں اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ میں کئی سال رہ کر مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں تفسیر جلالین، میر زاہد، وغیرہ کا درس لیا۔ اس زمانے میں عظیم آباد پٹنہ علم وفن کا مرکز تھا۔ جہاں متعدد دینی مدارس قائم تھے۔ جن میں مدرسہ حنفیہ واقع محلہ بخشی، پٹنہ سٹی، ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔

علم کی تلاش نے آپ کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی تک پہونچایا۔ جن سے پہلی ہی ملاقات میں آپ بیحد متاثر ہوئے۔۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسہ ''منظرِ اسلام'' محلّہ سوداگران بریلی میں قائم ہوا، تو اس کے پہلے طالب علم آپ ہی تھے، آپ نے یہاں رہ کر مولانا فاضل بریلوی سے صحیح

بخاری شریف پڑھی۔ اور فتویٰ نویسی سیکھی، اور انھیں سے اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح وتشریح الافلاک، شرح چغمینی، ہیئت، ریاضی، توقیت، جفر وتکسیر وغیرہ فنون حاصل کئے۔ ان سے عوارف المعارف ورسالہ قشیریہ کا بھی درس لیا، بعد میں جب مدرسہ میں مستند علماء ومدرسین کی خدمات لی گئیں تو آپ نے مولانا حامد حسن رامپوری، مولانا سید بشیر احمد علی گڈھی، مولانا لطف اللہ علی گڈھی، مولانا حکیم محمد امیر اللہ شاہ بریلوی وغیرہ سے مسلم الثبوت، صحیح مسلم شریف، اور دوسری کتب درسیات کی تکمیل کی۔

آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز بھی اسی مدرسہ سے ہوا۔ تقریباً ۴ رسال تک منظرِ اسلام بریلی میں درس دیتے رہے اور علامہ بریلوی کی ہدایت پر فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۲ء میں پٹنہ میں مدرسہ شمس الہدیٰ قائم ہوا تو آپ مدرس اول مقرر ہوئے جہاں پر تفسیر وحدیث کا درس دینے لگے۔ ۱۹۴۸ء میں اسی مدرسہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۵۰ء میں تقریباً تیس سال علمی خدمات انجام دیکر سبکدوش ہوئے۔ حکومتِ بہار کی ملازمت (پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ) سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ کو ذہنی سکون واطمینان ملا، اور اب وہ اپنے دینی وعلمی مشاغل میں مصروف ہوگئے۔ ۱۳۷۱ھ کو کٹھیار میں جامعہ لطیفیہ کی بنیاد رکھی اور اس کبرسنی اور دوسری ذمہ داریوں کے باوجود آپ روزانہ چھ گھنٹے پڑھاتے تھے۔ آپ کے ذمہ تفسیرِ مدارک، بیضاوی شریف، بخاری شریف، مسلم شریف، ہدایہ اخیرین، اور مناظرہ رشیدیہ کی تدریس تھی۔ مدرسہ کی نظامت وتدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی، تالیف وتصنیف، اور مواعظِ حسنہ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ جامعہ لطیفیہ کے قیام سے شمالی بہار کے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا، سینکڑوں طلبہ فارغ ہوکر دور دراز علاقوں تک پھیل گئے۔ بعضوں نے نئے مدارس قائم کئے۔ کچھ اصحاب نے مواضع وقصبات کے اپنے ان مدارس کو ترقی دی۔ بہار میں اس وقت تقریباً ۱۳۹۱ دینی مدارس ہیں۔ ان میں سے بیشتر کے اخراجات حکومتِ بہار کی سرکاری امداد سے پورے ہوتے ہیں۔ ۱۳۸۰ھ میں آپ ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ آکر مقیم ہوگئے۔ آپ کے طلبہ و مستفیدین کی تعداد بتانا آسان نہیں ہے۔ لگ بھگ پچپن سال تک مسلسل تدریس کا سلسلہ باقی

رکھا۔اور بریلی ،سہسرام ،پٹنہ ،کٹھیار ، کے مدارس میں ہزاروں طلبہ کو اپنے علمی فیوض سے سیراب کیا۔زندگی کے آخری دوسال تالیف وتصنیف ،وعظ وہدایت ،اور افتاء نویسی میں بسر ہوئے۔آخری دن تک آپ علمی ودینی فرائض حسب معمول انجام دیتے رہے۔۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء کو ذکرِ جہر ''اللہ اللہ'' کرتے کرتے وصال فرمایا۔دسویں گیارھویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاںؒ (م ۱۰۲۸ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

تصانیف:۔ آپ کی تصانیف اندازاً ۷۵ سے زائد ہیں ،زیادہ تر اردو زبان میں ہیں۔لیکن عربی زبان میں بھی کئی اہم متعدد کتب تصنیف فرمائیں۔آپکے تصنیفی موضوعات ،حدیث، اصولِ حدیث ،فقہ ،تاریخ ،سیرت ،فضائل ،اخلاق ،نصائح ،صرف ونحو ،منطق وفلسفہ ،کلام ،ہیئت ،توقیت ،تکسیر ،مناظرہ ،وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

آپ کی مطبوعہ تصانیف درجِ ذیل ہیں:۔

۱- مواھب ارواح القدس لکشف حکم العروس (فقه)۲-ظفر الدین الجید (مناظرہ) ۳-المجمل المعدد لتالیف المجدد(تاریخ)۴-الجواھر و الیاقوت فی علم التوقیت (توقیت)۵-عافیه (صرف) بریلی ۱۹۴۶ء-۶-سرور القلب المحزون فی الصبر من نور العیون(اخلاق)۷-جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری(حدیث)۸-تنویر السراج فی ذکر المعراج(سیرت)۹-نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب(فقه)۱۰-مدّ الفرار لمہاجری بہار (نصائح) - (پٹنہ ۱۳۶۶ھ)۔وغیرہ اہم تالیفات ہیں۔ ۷۷

۷۳۔(مفتی)ظفیر الدین مفتاحی

(و۔۱۹۲۶ء)

ولادت ۱۹۲۶ء ،ابتدائی تعلیم گھر پر ،اکثر عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا عبد الرحمن امیر شریعت بہار واڑیسہ سے پڑھیں ،پھر مدرسہ مفتاح العلوم میں داخلہ لیکر ۱۹۴۴ء میں سندِ

فضیلت حاصل کی۔اس کے بعد کئی مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔آخر میں ۱۹۵۶ء میں دار العلوم دیوبند میں مدرس ہوگئے اور تا حال دار العلوم کے شعبہ افتاء میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔آپ کی علومِ اسلامیہ خاص طور پر فقہِ حنفی پر گہری نظر ہے۔فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ''الدر المختار فی شرح تنویر الابصار'' کا اردو میں ترجمہ کیا اور کشف الاسرار نام سے اس کی شرح لکھی (مطبوعہ مکتبہ فیض القرآن ۱۹۷۸ء) جو دار العلوم دیوبند کے شعبہ تخصص فی الفقہ کے نصاب میں شامل ہے۔

۷۸ے

۷۴۔(مولانا) عبداللہ حسنی ندوی

(و۔۱۹۵۷ء)

مولانا عبداللہ حسنی ندوی، ولدیت مولانا محمد الحسنی۔آپ قدیم خالص، دینی وعلمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔جو ہاشمی حسنی خاندان کہلاتا ہے۔یہ خاندان ساتویں صدی ہجری میں مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے بغداد اور غزنہ کے راستے ہندوستان آیا، مورثِ اعلیٰ امیر قطب الدین المدنی (م ۶۷۷ ھ) تھے اس خاندان میں ایک سے بڑھ کر ایک علماء ربانیین، دعاۃ، مصنفین، اور مجاہدین، پیدا ہوتے رہے۔جن میں شیخِ ربانی علم اللہ حسنی، اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے رفیقِ خاص ابوسعید، اور مجاہدِ کبیر امام احمد بن عرفان شہیدؒ، اور شیخ فخر الدین حسنی، شیخ ضیاء النبی، اور علامہ عبدالحیؒ حسنی (صاحبِ نزہۃ الخواطر)، ڈاکٹر عبدالعلی حسنی، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔اس خاندان کی سب سے بڑی خصوصیت شجاعت، دینی حمیت، جذبہ جہاد، اور توحیدِ خالص کے عقیدہ کے لئے قربانی رہی ہے۔

ولادت: آپ یکم جنوری ۱۹۵۷ء کو لکھنو میں پیدا ہوئے، خاتون منزل، حیدر مرزا روڈ لکھنو مستقل رہائش گاہ ہے، عالمیت اور پھر فضیلت تک کی تعلیم ندوۃ العلماء لکھنو میں پائی اور اس کے بعد یہیں پر حدیث نبوی کے استاذ مقرر ہوئے۔اور ندوہ کے کلیۃ الشریعہ واصول الدین میں محاضر ہیں۔

ندوہ کے مشہور عربی ترجمان "الرائد" کی ادارت کے فرائض عرصہ سے انجام دے رہے ہیں آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی اور مولانا برہان الدین (تفسیر)، مولانا عبد الستار اعظمی اور مولانا ضیاء الحسن ندوی (حدیث شریف) رہے ہیں۔

عربی خدمات:۔ ا۔آپ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بہت سے مقالات ومضامین کا عربی ترجمہ کیا۔۲۔ندوہ کے شعبہ صحافت ونشر کے تحت نکلنے والے اخبار "الرائد" کی ادارت آپ کے سپرد ہے۔اور الرائد اور البعث دونوں میں تقریباً بیس سال سے آپ کے مضامین، ادارئے، مقالات شائع ہو رہے ہیں۔۳۔نفحات الایمان۔۴۔المد والجزر،۵۔نزہۃ الخواطر ج ۳ کا اردو ترجمہ غیر مطبوعہ ہے۔۶۔سب سے اہم کام "حیاتِ خلیل" (مولانا خلیل احمد سہارنپوری) کا عربی ترجمہ کیا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔آپ کی زندگی عربی تدریس، عربی تالیف، اور تحریر کا ہی دوسرا نام ہے۔اسی کیساتھ ساتھ دینی ودعوتی امور بھی حتی الوسع انجام دیتے ہیں۔اور نئی نسل کی تربیت، اوران کی تمرین، اوران میں عربی کی اچھی صلاحیت پیدا کرنا بھی آپ کا اہم کارنامہ ہے، احقر کو "کلیلہ ودمنہ" اور "الاسلام الممتحن" اور عربی تمرین میں شرف تلمذ حاصل ہے۔ ۷۹

۷۵۔(مولانا) عبد اللہ عباس ندوی

(۱۹۲۶ء۔۲۰۰۶ء)

پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں ۱۹۲۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی دار العلوم ندوۃ العلماء سے فضیلت کرنے کے بعد یونیورسٹی آف لیڈس (انگلینڈ) ایم اے اور پی ایچ ڈی (فلسفہ لسانیات) کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں استادِ ادب مقرر ہوئے۔اور سعودی عرب میں

ادارہ نشریات شرقیہ کے وکیل بھی رہے۔ اور رابطہ عالم اسلامی شعبہ منظمات اسلامیہ کے مدیر کی حیثیت سے مدرس کی حیثیت سے کام کیا،، انگریزی کے ماہنامہ ''رابطہ'' کی ایڈیٹنگ کی۔ جامعہ امّ القریٰ مکہ مکرمہ میں معہد عربی برائے غیر عرب کی حیثیت سے مدرس رہے۔ اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں معتمد تعلیمات ہیں۔ اور رابطہ عالمِ اسلامی کے اعزازی مشیر بھی ہیں۔ اور لنگویسٹک سوسائٹی کیمبرج (انگلینڈ) کو بھی آپ کی خدمات حاصل ہیں۔ اور اس وقت مکہ مکرمہ میں سکونت وشہریت حاصل ہے۔ عربی زبان وادب میں آپ نے بہت لکھا ہے۔

آپ کی عربی تالیفات میں ۱- نعتیہ کلام (عربی) ۲- شرح قصیدہ علامہ نحوی (عربی) ۳- تعلیم لغۃ القرآن الکریم (عربی) ۴- ترجمات معانی القرآن و تطور فہمہ عند الغرب (عربی) - ۵- قاموس ألفاظ القرآن الکریم (عربی) ۶- مذاہب المنحرفین فی التفسیر (عربی) ۷- نظام اللغۃ الاردیۃ (عربی)- ۸- عربی میں نعتیہ شاعری وغیرہ۔

ان میں سے کئی کتابیں عربی میں ہونے کے ساتھ ساتھ انگریزی یا اردو میں بھی ہیں۔ مثلاً: تعلیم لغۃ القرآن الکریم (انگریزی)۔ قاموس ألفاظ القرآن الکریم (انگریزی)۔ شرحِ قصیدہ علامہ نحوی (اردو)، عربی میں نعتیہ کلام (اردو) وغیرہ۔ ان کے علاوہ شرحِ قصیدہ بانت سعاد، قصیدہ بردہ، دروس الاطفال، آسان فقہ، سیرت نبوی پر خطباتِ حیدرآباد، پیغمبرِ اخلاق وانسانیت، ردائے رحمت، مصائب کا درماں، وغیرہ اہم تصانیف ہیں۔ [۸۰]

۷۶۔ (مولانا) عبداللہ عمادی

۱۲۹۵۔۱۳۶۶ھ

۱۸۷۸۔۱۹۴۶ء

آپ کا نام نامی عبداللہ عمادی تھا، آپ کے والدِ ماجد محمد افضل بن محمد حسین جونپور کی مشہور شخصیت تھے۔ آپ کے جدِ امجد عماد عمادی بکری تیمی یمنی ثم ہندی امرتوائی (جونپور کا ایک معروف قصبہ)

تھے۔ولادت ۱۲۹۵ھ میں ہوئی۔ ابتداء میں اپنی والدہ اور والد دونوں سے پڑھا۔والد ماجد سے فقہ،اصول فقہ،کلام،اور دادا سے عربی زبان وادب،اور حدیث وتفسیر کی تعلیم پائی۔پھر علامہ ہدایۃ اللہ رامپوری سے منطق وحکمت کا علم حاصل کیا۔پھر لکھنو آئے اور عربی مجلہ ''البیان'' جاری کیا،اس کی ادارت سنبھالی۔اور عرصہ تک اس میں لکھتے رہے۔پھر امرتسر گئے اور اخبار ''وکیل'' میں لکھنا شروع کیا، پھر حیدرآباد دکن کے دارالترجمہ میں ملازم ہوئے۔

آپ کثیر التصانیف ہیں،فارسی میں زمخشری کی المفصل کی شرح لکھی۔اور اردو میں ''الحکمات''،''علم حدیث،تاریخ عرب قدیم،صناعۃ العرب،فلسفہ قرآن،کتاب الزکاۃ،ابن عربی،بدعات محرم،وغیرہ لکھیں،۔یہ سب کتابیں مطبوعہ ہیں۔اور غیر مطبوعہ کتابوں میں ''ترجمہ طبقات ابن سعد'' اور ''ترجمہ التنبیہ والاشراف'' ترجمہ تاریخ جونپور از شیخ عبدالقادر عمادی ہیں۔عربی میں آپ کی تصنیف ''معاریف الہند''،کتاب الحریۃ والاستبداد'' ''القول الفیصل'' (ردِ شیعیت) مشہور ہیں۔

عربی کی بعض امہات الکتب کا ترجمہ بھی آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔جیسے مسعودی کی ''مروج الذہب'' طبری کی تاریخ والرسل والملوک،(اخیر کی دو جلدیں) ابن حزم اندلسی کی ''الملل والنحل''، ابن قتیبہ کی ''المعارف'' وغیرہ مشہور ترین عربی کتب کا آپ نے کامیاب اردو ترجمہ کیا۔آپ کو مختلف علوم وفنون میں کامل دسترس تھی، خاص طور پر حدیث وتفسیر،فقہ واصول،علم کلام، میں مہارت تامہ حاصل تھی۔عربی فارسی،اردو تینوں زبانوں میں سہل ممتنع میں لکھتے تھے۔شاعری میں طبع موزوں ،تصنیف وترجمہ میں قلم سیال کے مالک تھے آپ اچھے نقاد،وسیع العلم،قوی الحافظہ۔اور کتابی دنیا کے شہسوار تھے۔آپ کی بہت سی تصانیف وصال کے بعد زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔

شب جمعرات میں ۹ رشوال ۱۳۶۶ھ کو حیدرآباد میں انتقال فرمایا۔اور سید احمد بادپا کے جوار میں مدفون ہوئے۔ [81]

۷۷۔(پروفیسر) عبدالباری

(و۔۱۹۴۱ء)

۱۹۴۱ء میں ولادت ہوئی۔علی گڈھ یونیورسٹی میں تمام تعلیمی مراحل طے کئے۔اور ۱۹۷۰ء سے وہیں

پر عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے طویل عرصہ تک تدریسی فرائض انجام دیئے۔اوراب سبکدوش ہو چکے ہیں۔بے شمار طلبہ آپ کی زیرِ نگرانی پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔سینکڑوں علمی وادبی سیمیناروں وکانفرنسوں میں آپ کے علمی مقالات دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

آپ نے علامہ ابنِ تیمیہ کی ''صحیح الکلم الطیب'' کا عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا۔جس کا نام: "The good counsels of prophet S.A.W" ہے۔اور ٹائپ کیا ہوا ایک نسخہ مؤلف کے پاس موجود ہے۔اس کے علاوہ ''اسلامک آبجیکٹیو اسٹڈیز'' نئی دہلی کی طرف سے سپرد کی گئی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔یعنی ''الدراسات العلیاء واسلمۃ المعرفۃ'' نامی کتاب کا عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔جو ابھی زیرِ طبع ہے۔ ۸۲

۷۸۔(شیخ الحدیث مولانا) عبدالجبار اعظمیؒ

۱۳۲۵۔۱۴۰۹ھ

۱۹۰۷۔۱۹۸۸ء

والد ماجد کا نام حاجی عبدالرشید مرحوم تھا اصل وطن بھیٹی، مغل سرائے تھا، پرداد انے قصبہ پورہ معروف (اعظم گڈھ) میں سکونت اختیار کرلی تھی۔یہیں پر ۱۹۰۷ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ابتدائی تعلیم مدرسہ معروفیہ (پورہ معروف) اعظم گڈھ،اور مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں ہوئی۔اس کے بعد دار العلوم مئو میں تعلیم پائی اور پھر اعلیٰ تعلیم کیلئے شوال ۱۳۴۵ھ میں مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے۔وہاں چار سال رہ کر ۱۳۴۸ھ میں دورہ حدیث شریف،اور ۱۳۴۹ھ میں فنون سے فراغت حاصل کی۔آپ نے عبا قرامت سے کسب فیض کیا۔چنانچہ آپ کے اساتذہ میں مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری،مولانا عبداللطیف ناظم مظاہر علوم،مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری،مولانا محمد اسعد اللہ ناظم اعلیٰ مظاہر علوم،مولانا عبداللطیف نعمانی شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم مئو،اور قطب الارشاد مولانا محمد زکریا

کاندھلویؒ شامل ہیں۔فراغت کے بعد اولاً آپ کچھ عرصہ مظاہر علوم میں معین مدرس رہے اسی عرصہ میں حضرت مولانا ابرار الحق مدظلہ العالی نے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ پھر ڈابھیل جامعہ میں تعلیم الدین کے منصب درس پر فائز ہوئے۔۱۳۷۲ھ تک اس ادارے میں بخاری شریف، ابوداود شریف ،نسائی شریف، وغیرہ کتابیں پڑھاتے رہے دوسال مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور کو بھی شرف تدریس بخشا۔شوال ۱۳۷۲ھ میں جامعہ عربیہ تعلیم الاسلام آنند کھیڑا گجرات میں مدرس مقرر ہوئے۔اور شعبان ۱۳۷۹ھ تک فتنہ ارتداد کا مقابلہ ،اصلاحی مواعظ ،اہلِ بدعت سے مناظرے درس و تدریس وغیرہ فرائض انجام دیتے رہے۔۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے وصال کے بعد جب مولانا فخر الدین مرادابادیؒ دار العلوم دیو بند تشریف لے گئے تو آپ مدرسہ شاہی مراداباد میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔اور۱۳۹۲ھ میں آپ کو ناظمِ تعلیمات مقرر کیا گیا۔۱۳۸۱ھ سے ۱۳۸۶ھ تک شاہی مسجد میں درسِ قرآن مجید بھی دیا۔آپ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی سے شرفِ بیعت واجازت حاصل تھا۔آپ کے مریدین مرادابادو اطراف ،اور بیرونِ ملک تک پھیلے ہوئے ہیں۔

تصانیف:۔ آپ کی درسی تقریروں کا مجموعہ ’’امداد الباری‘‘ کے نام سے ۴؍جلدوں میں چھپ کر مقبول ہو چکا ہے جسے آپ نے اپنی نگرانی میں شائع کرایا ہے اور پھر ان جلدوں کی تلخیص بھی خود آپ نے ’’جامع الدراری‘‘ کے نام سے کی ہے۔

۳۰؍شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ کی شب جب کہ آپ ادارہ قاسم العلوم کچہری روڈ مراداباد کے ایک بڑے جلسہ کی صدارت کرنے والے تھے کہ اسی بیچ اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے اور آناً فاناً جلسہ گاہ میں صفِ ماتم بچھ گئی۔اگلے روز حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کم از کم ایک لاکھ افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ ۸۳

۷۹۔(مولانا)عبدالحسین۔(بہار)

۱۳۱۰ھ۔۱۳۸۱ھ

۱۸۹۳ء۔۱۹۶۱ء

مولانا عبدالحسین۔ والد ماجد شاہ منت حسین مرحوم، وطن حسین آباد (پٹنہ) ہے۔ یکم شوال ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸/اپریل ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ پٹنہ میں ہی ابتدائی تعلیم حاصل کرنیکے بعد ۱۹۰۸ء میں لکھنو تشریف لے گئے اور مدرسہ ناظمیہ میں تقریباً ایک سال پڑھا۔ بعدہٗ جامعہ سلطانیہ لکھنو میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور سے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ اور پھر فیض آباد جاکر مولانا محمد رعنا صاحب قبلہ سے شمس بازغہ و دیگر معقولات پڑھیں۔ پھر دوبارہ جامعہ سلطانیہ آئے اور صدر الافاضل کی اعلیٰ سند حاصل کی۔ اور یہیں پر مدرس مقرر ہوئے اور درجہ ششم وہفتم کی کتابیں پڑھائیں۔ پھر مولانا محمد رضا صاحب کی جگہ پر استادِ معقولات مقرر ہوئے۔ اور تقریباً ۲۵ برس تک حمد اللہ، صدرا احقاق الحق، شفا، اشارات، و دیگر کتبِ معقولات کا درس دیا۔ منطق وفلسفہ کے ساتھ ساتھ آپ شگفتہ مزاج اور ادیب وشاعر بھی تھے۔ ۲/اکتوبر ۱۹۶۱ء/ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ کو بروز دوشنبہ انتقال فرمایا۔ شیخ پورہ (حسین آباد) میں مدفون ہوئے۔ تلامذہ میں مولانا سید کلبِ علی قبلہ مجتہد، مولانا سید نذر حسن قبلہ گوپالپوری، مولانا سید محمد صالح قبلہ مجتہد، مولانا سید فرحت حسین وغیرہ اہم نام ہیں۔ آپ نے ''سہیلِ یمن'' و دیگر معیاری رسالوں میں مذہبی مقالات تحریر فرمائے۔

اردو میں کم، فارسی اور سب سے زیادہ عربی میں شعر کہتے تھے۔ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قصیدہ کا انتخاب ہے جو مولانا مرتضیٰ صاحب کے پاس محفوظ تھا جس کو مولانا نے کتاب مطلعِ انوار میں محفوظ کردیا ہے۔ ۸۴

۸۰۔ عبدالحفیظ بلیاوی

مولانا عبدالحفیظ بلیاوی دارالعلوم دیوبند کے جید فضلاء میں سے تھے۔ اترپردیش کے ضلع بلیاء میں پیدا ہوئے۔ اولاً دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔ اور طویل عرصہ تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ عربی کی مشہور لغت ''مصباح اللغات'' (عربی اردو) کی تالیف ہے۔ جس کو اردو کی ''المنجد'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں آپ نے وہی نہج اختیار کیا ہے جو معلوف یسوعی نے ''المنجد'' میں اختیار کیا ہے۔ اور الفاظ کے معانی، ان کی صرفی ونحوی تفاصیل، اردو زبان میں اس طرح بیان کی ہیں کہ دینی مدارس کا عربی کی ادنیٰ صلاحیت رکھنے والا طالب علم بھی اپنی درسی کتابوں کی مشکل عبارات آسانی سے حل کر لیتا ہے۔ مؤلف نے اس کتاب کی تیاری میں لسان العرب، تاج العروس، اقرب الموارد، مفردات الامام راغب، نہایہ، اساس البلاغہ، جمہرۃ اللغہ، جیسی مستند لغات سے مدد لی ہے۔ کتاب کے دسوں ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ جو طلبہ واساتذہ کے نزدیک اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے۔

''مصباح اللغات'' کے علاوہ مؤلف نے عربی سے اردو ایک چھوٹی لغت بھی تیار کی تھی۔ اور ''کتاب الفروق'' نام سے ایک اور کتاب زیر تصنیف تھی۔ کہ عمر نے مہلت نہ دی۔ اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ کتاب الفروق میں صلات کے بدلنے سے کلمات کے معانی کیسے بدلتے ہیں اس کا فرق دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ۸۵

۸۱۔ (ڈاکٹر) عبدالحق شجاعت علی

(و۔ ۱۹۳۶ء)

علم وادب اور صلاح وتقویٰ میں مشہور گھرانے میں ۱۹۳۶ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ ضلع پورنیہ کے مختلف مدارس میں پڑھنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۵۶ء میں

وہاں سے فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد اسی سال مصر تشریف لے گئے۔ اور جامعہ قاہرہ سے لیسانس فی الآداب کی ڈگری حاصل کی۔ اور جامعہ ازہر سے ۱۹۶۰ء میں عالمیت کی سند لی۔ اور ۱۹۶۲ء میں جامعہ ازہر سے عالم عربی ادب کی سند حاصل کی۔ الغرض عربی واسلامی علوم میں مکمل مہارت حاصل کرنے کے بعد تدریس کے مقصد سے لیبیاء چلے گئے۔ اور وہاں ۳ سال پڑھایا۔ اور انگریزی اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن کا سفر کیا۔ لیکن نامساعد حالات کی وجہ سے ایک سال بعد ہندوستان واپس آ گئے۔ اور دہلی میں سعودی سفارت خانوں، اور ریڈیو میں عربی ترجمان کی حیثیت سے کام کیا۔ اور ۱۹۶۹ء میں دہلی یونیورسٹی میں لیکچرار ہو گئے۔ اور ۱۹۷۴ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں مدرس ہوئے اور عربی میں ''الدراسات العربیہ فی الجامعات الہندیۃ الشمالیۃ منذ الاستقلال فی عام ۱۹۴۷ء'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

تالیفات:۔ عربی میں ''الدراسات العربیۃ فی الجامعات الہندیۃ الشمالیۃ منذ الاستقلال فی عام ۱۹۴۷'' اور ۲۔ ''علم اللغۃ العربیۃ'' اور ۳۔ ''دروس عربیۃ حدیثۃ'' لکھیں۔ اردو میں ''جدید عربی ادب تحلیلی جائزے'' نجیب محفوظ کی کہانیاں وغیرہ۔

ان کے علاوہ چند اہم انگریزی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا جن میں ا۔ vision of india کا ''رؤیا الہند'' کے نام سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب رادھا کرشنن، رابندر ناتھ ٹیگور، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو جیسی اہم شخصیات کے مقالوں کا مجموعہ ہے۔ رؤیا الہند قومی کونسل برائے کلچرل ریلیشنز کی طرف سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح "Introducing India" این ایس رادھا کی کتاب کو ''تقدیم الہند'' کے نام سے ترجمہ کیا۔ یہ کتاب ابتدائے تاریخ سے لیکر عہدِ حاضر تک ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ ہے۔ اس کو بھی ''المجلس الہندی للثقافۃ الاسلامیۃ الہندیۃ'' نے (۱۹۸۲ء میں) شائع کیا۔

۳۔ ''selected prose and poetry'' از ''سوامی ناتھن'' کو ''سوبرامانیم بہارتی حیاتہٗ و شعرہٗ الوطنی'' کے نام سے عربی میں منتقل کیا۔ اور سوبرامنیم کے اشعار کا آزاد نظم کے اسلوب

میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ بیحد مقبول ہوا۔ "المجلس الہندی کی طرف سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔
۲۔ رنجنا سین گپتا کی کتاب "الهند فی مسيرة التغيير" کے نام سے تعریب کی ہے جس میں مختلف میدانوں میں ہونے والی اہم تبدیلیوں کو دکھایا گیا ہے۔ (دی پریس سینڈیکیٹ لیمیٹیڈ نئی دہلی)۔
۳۔ وزارتِ خارجہ کی درخواست پر دو کتابچوں کی عربی کی، جن میں ایک کا نام "الهند فی مسيرة التقدم" اور دوسری "عقود فی الديمقراطية" ہے۔ (یہ دونوں ترجمے وزارت خارجہ نے شائع کئے)۔
۶۔ نجیب محفوظ کی ۷ کہانیوں "اولاد حارتنا" کا ترجمہ "نجیب محفوظ کی کہانیوں کے ترجمے" کے نام سے اردو ترجمہ کیا۔ جو ۱۹۹۵ء میں اشاعت پذیر ہوا۔
۷۔ کچھ فلسطینی شعراء: ابوعلی، محمود درویش، حناء ابراہیم، فوزی واسمر، توفیق زیاد، کی قیمتی شاعری کا اردو ترجمہ کیا۔ اور "جدید عربی ادب" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔
اس طرح تقریباً ۱۱۵ اہم انگریزی مقالات کا عربی ترجمہ کر کے ان کو ثقافۃ الہند میں شائع کرایا۔ ۸۶

۸۲۔ (مولانا) عبدالدائم جلالی رامپوری

۱۹۰۱۔۱۹۸۳ء

آپ کی پیدائش رامپور کے محلہ راج دوارہ میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ ابنِ مولوی عبدالقیومؒ (م ۱۹۳۰) ابنِ حکیم قاضی سید کاظم علیؒ ابنِ مولوی سید انور شاہؒ ابنِ مولوی سید سلطان شاہؒ)۔ آپ کا سلسلہ نسب بخارا کے بزرگ حضرت سید جلال بخاریؒ تک پہونچتا ہے اسی لئے خود کو جلالی لکھتے تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ والدہ سے قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر علی حسین خاں کے مکتب میں اردو، حساب ا، انگریزی، و دیگر مضامین پڑھے، فارسی اور عربی صرف و نحو اپنے چچا فارسی کے جید عالم مولانا عبدالحیؒ سے پڑھیں۔ پھر مدرسہ عالیہ رامپور میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۸ء

میں فراغت پائی۔آپ کے اساتذہ میں احمد امین افغانی، مولانا فضلِ حق رامپوری، مولانا نذیرالدین تلمیذِ علامہ عبدالحق خیرابادی، اور وزیر محمد خاں شامل تھے۔سندِ حدیث مولانا سید حامد شاہ قاضی شہر سے حاصل کی، طبیہ کالج دہلی میں چار سال طب کی تعلیم پائی، والد صاحب کے انتقال کے بعد مدرسہ رحمانیہ باڑہ ہندوراؤ، دہلی میں مدرس ہوئے۔کچھ عرصہ اینگلو عربک کالج اور اسٹیٹ ہائی اسکول میں عربی فارسی کے استاد رہنے کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس ہوئے جہاں سے جون ۱۹۵۴ء میں پچیس سال کی ملازمت کے بعد ریٹائر ہوئے۔آپ کا ذوق شروع سے ہی خالص علمی تھا تقریباً پچاس سال تک تصنیف وتالیف کا کام دیا، اسی لئے آپ کثیر التصانیف ہیں۔آپ نے صحیح بخاری، مسلم شریف، نسائی شریف، ابوداود شریف، مشکوٰۃ شریف، اور قرآن کریم کے ترجمے کیے۔آپ کے ترجمے عین متن کے مطابق اور آسان بامحاورہ ہوتے تھے۔آپ نے ''بیان السبحان'' کے نام سے ۲۶ پاروں کی تفسیر بھی لکھی تھی۔جسکی خصوصیت کے بارے میں مولانا نظر علی خاں فرماتے ہیں کہ ''مولانا عبدالدائم جلالیؒ کی تفسیر باعتبار کثرتِ اقوالِ مفسرین وطریقہ متقدمین ورموزِ تصوف، تمام تفاسیر میں منفرد ہے۔

آپ نے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۰۰ھ) کی ''تفسیرِ مظہری'' کا بھی ترجمہ کیا اور ساتھ ہی تشریحی نوٹ بھی لکھے یہ ترجمہ ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔اور آپ کی عربی وار دو پر قدرت کا بڑا ثبوت ہے۔آپ کا ایک بڑا اور اہم کارنامہ ''لغات القرآن'' کی تکمیل ہے جو غ سے ی تک آپ نے انجام دی ہے اور الف سے عین تک مولانا عبدالرشید ندوی کی تصنیف تھی۔اس میں قرآنی الفاظ کی نہایت سہل اور آسان شرح کی ہے۔نیز شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ''غنیۃ الطالبین'' کا ترجمہ بھی آپ نے کیا ہے۔

۱۹۳۲ء میں ایک ماہانہ رسالہ ''عربی کا معلم ادب'' نکالا تھا جو چند ماہ بعد بند ہو گیا۔اس کو مدیر ''پیشوا'' عزیز حسن بقائی نے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔وسعتِ علم کے باوجود نہایت سادہ مزاج اور ظریف الطبع تھے، تدریس میں کافی مہارت تھی، عمدہ نکات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ بلارعایت

اور غیر جذباتی انداز میں تنقید وتبصرہ کرتے۔ ذاتی زندگی میں بیحد سادگی اور بے تکلفی تھی، شان وشوکت سے کوسوں دور تھے، کسی کو مرعوب کرنے کی کبھی کوشش نہ کرتے۔ ۵ رنومبر ۱۹۸۳ء کو دہلی میں انتقال ہوا وہیں پر آپ کی تدفین ہوئی۔ پسماندگان میں دو لڑکے ڈاکٹر نجم الاسلام، اور ضیاء الاسلام، اور تین لڑکیاں اور ایک بیوہ چھوڑیں۔ ۸۷

۸۳۔ (الحاج مولانا مفتی) عبدالرحمن نوگانوی

(و۔ ۱۹۵۳ء)

والد ماجد کا نام حاجی عبدالحکیم، سکونت نئی بستی، نوگانواں سادات (ضلع جے پی نگر (امروہہ) یوپی، ولادت ۱۹۵۳ء۔ ابتداء درجہ پنجم تک سرکاری اسکول میں پڑھنے کے بعد درسِ نظامی کی بعض کتابیں درس گاہِ عالیہ شریف نگر میں پڑھیں۔ اور ۱۹۷۱ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے افتاء کیا اور تجوید بھی پڑھی۔ فراغت کے بعد سے ہی اپنے وطن نئی بستی نوگانواں سادات کے مدرسہ انصار العلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ ۱۹۷۴ء میں مدرسہ ہذا میں تدریسی خدمات شروع کرنے کے بعد راقم الحروف کو آپ کا ''تلمیذِ اوّل'' ہونے کا شرف حاصل ہے۔ عربی تعلیم میں احقر کے ''استادِ اوّل'' آپ ہی ہیں۔ جنھوں نے بچپن میں میرے صرف ونحو کی بنیاد مضبوط کی اور شرحِ جامی تک تنہا خود پڑھانے کے بعد دارالعلوم دیوبند لیجا کر داخلہ کرایا، اور والدہ کے انتقال ہوجانے کی وجہ سے میری آخر تک مکمل کفالت فرمائی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

راقم الحروف کے علاوہ آپ کے اس وقت کے شاگردوں اور میرے ہم درس طلباء میں مولانا محمد عمر بانس کھیڑوی بھی ہیں جو بعد میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت کرنے پانے کے بعد اولاً مدرسہ ہذا میں اور پھر اپنے گاؤں ''بانس کھیڑی'' میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ الغرض حضرت مولانا

مفتی عبدالرحمٰن قاسمی دامت برکاتہم تقریباً ۳۰ سال سے منصب تدریس پر فائز ہیں۔ اور اطراف کے تمام مواضعات میں آپ کے تلامذہ نے فارغ ہو کر مساجد و مدارس کا نظام سنبھالا۔ اس طرح نہ صرف اپنے قصبہ بلکہ اطراف میں دور دور تک آپ کے علم کی روشنی پھیلی۔ مدرسہ ہذا نے آپ کی سرپرستی میں دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ آپ نے اس مدرسہ کو پرائمری اسکول سے اٹھا کر عربی اول سے مشکوٰۃ شریف تک کی تعلیم کے معیار پر لا کھڑا کیا۔ اور اب وہ اپنے علاقہ میں علم وادب اور اصلاح و تربیت کا اہم مرکز بن چکا ہے۔ آپ کو مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلفاء میں مولانا احمد شاہ مرادابادیؒ سے شرفِ بیعت حاصل ہے۔ نوگانواں اور اطراف میں بڑی تعداد میں لوگ آپ سے بیعت ہیں۔ آپ نہایت سنجیدہ، متواضع، سادہ مزاج، عابد و زاہد اور نیک سیرت بزرگ ہیں۔ امروہہ کے الحاج حکیم شعیب اختر بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہیں۔۔ اردو میں ایک کتاب "تذکرہ حضرت مولانا سید احمد شاہ مرادابادیؒ" مرتب کی ہے، نوگانواں کی جامع مسجد میں تقریباً ۳۰ سال سے آپ کا درسِ قرآن شریف بڑی پابندی سے ہو رہا ہے۔ ۸۸

۸۴۔ (پروفیسر شاہ) عبدالسلام فاروقی بحری آبادی

(و۔ ۱۹۴۷ء)

آپ بیسویں صدی کے عربی کے مایہ ناز ادیب علامہ شاہ محمد جان بحری آبادی [جن کا ذکر گذشتہ باب میں آچکا ہے] کے پوتے اور شاہ ابوالقاسم فارقیؒ مرحوم (سابق مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو) کے صاحب زادے ہیں۔ یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو قصبہ بحری آباد، ضلع غازی پور۔ یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے عربی کی ابتدائی درجات کی تعلیم درس گاہ جماعت اسلامی رامپور میں حاصل کی۔ اس کے بعد پھر بی اے، ایم اے، اور پی ایچ ڈی لکھنو یونیورسٹی سے کیا۔ اور لسانیات میں ڈپلوما امریکہ سے کیا۔ تقریباً چھ برس تک یونیورسٹی آف منی سوتا، امریکہ میں لیکچرر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۹ء سے

تقریباً ۳۰ برس تک لکھنو یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں عرب تہذیب وتمدن اور عربی تاریخ وادب کی تدریسی خدمات انجام دیں۔اور حال ہی میں صدر شعبۂ عربی لکھنو یونیورسٹی کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے ہیں اور اس کے بعد رامپور رضا لائبریری کے او ایس ڈی کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ نے تحقیق وادب کے میدان میں کارہائے نمایاں دئے ہیں۔ہندی میں تاریخ اسلام پر تین جلدوں میں تاریخ لکھی جو شائع ہو چکی ہے اور مختلف جامعات میں نصاب میں داخل ہے۔سیرت رسول پر بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی متعدد کتابیں شائع کیں۔متعدد فارسی مخطوطات کا اردو ترجمہ کیا اور تدوین کی۔جسے رامپور رضا لائبریری نے شائع کیا۔عربی زبان کی ایک ریڈر غیر اردوداں حضرات کے لئے تیار کی جو زیر طبع ہے۔انگریزی میں "Arab's Society as depicted in classicalArabic poetry " تیار کی جو زیر طبع ہے۔شاہ ولی اللہ دہلوی کے غیر مطبوعہ عربی خطوط کی تدوین کی ہے جو پریس میں ہے اور جلد ہی منظر عام پر آئے گی۔

اردو ادب میں (۱) دبستانِ آتش،(۲) کلیاتِ نواب مرزا شوق (۳) کلیاتِ شہزادہ سلیمان شکوہ (۴) کلامِ نصیر الدین حیدر بادشاہ۔(۵) مثنوی "زہرِ عشق" کا انگریزی میں ترجمہ۔(۶) تذکرہ شوکتِ نادری، اہم تصنیفات ہیں۔حال ہی میں اردو پوئٹری "منتخب غزلوں کا سلیس انگریزی ترجمہ اور رومن تلفظ' منظرِ عام پر آئی ہے۔کلیاتِ شہزادہ سلیمان شکوہ اور تذکرہ شوکتِ نادری، پر مغربی بنگال اردو اکیڈمی نے انعامات سے نوازا،اور یوپی اردو اکیڈمی لکھنو نے بھی تین کتابوں پر انعامات دئے۔میر اکیڈمی لکھنو نے بھی مجموعی تحقیقی خدمات پر امتیازِ میر کا اعزاز عطا فرمایا۔انگریزی میں "A reader of classical Urdu poetry " تین جلدوں میں (پروفیسر بارکر کے ساتھ) نیویارک سے شائع ہو چکی ہے۔ [۸۹]

۸۵۔(مولانا) عبدالسلام خاں رامپوری

(و۔۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء)

مولانا عبدالسلام خاں رامپوری ۱۷مارچ ۱۹۱۷ءکورامپور میں پیدا ہوئے مدرسہ عالیہ رامپور سے ۱۹۳۱ء میں فارغ ہوئے۔عربی فارسی اردو کے علاوہ بقدرِ ضرورت انگریزی فرانسیسی جرمن زبان سے بھی واقفیت پیدا کی۔بعد میں مدرسہ کے استاد مقرر ہوئے اور بحسن وخوبی علمی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۹۷۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔

مولانا کا اصل موضوع تفسیرِ قرآن اور فلسفہ ہے انیسویں صدی عیسویں میں علومِ عقلیہ کے علماء میں مولانا فضلِ حق خیرابادی اور مولانا عبدالحق خیرابادی کی علمی شہرت تمام عالمِ اسلام میں پھیلی ہوئی تھی۔ موجودہ دور میں مولانا عبدالسلام خاں اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں،مولانا نے عالمِ اسلام کے علماءِ فکر وفلسفہ سے استفادہ کیا اور قدیم فلسفہ اسلامی کا بغور مطالعہ کیا۔عربی فارسی علوم کے علاوہ یونانی ہندی اور مغربی فلسفہ سے بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس میدانِ فکر میں انھوں نے وسیع معلومات حاصل کیں۔گذشتہ ساٹھ سال سے مولانا تقریر وتحریر کے میدان میں سرگرمِ عمل ہیں۔اور بیشمار مقالات وکتابیں تحریر کر چکے ہیں۔اپنے برادرِ محترم مولانا عبدالوہاب خاں صاحب کی تفسیر ''تقریب القرآن'' میں مدد فرمائی۔ تشریحی وتوضیحی نوٹ لکھے۔ابنِ عربی اور وحدۃ الوجود پر مضامین تحریر کئے۔افکارِ رومی پر ایک مستند کتاب تصنیف کی ہے۔علماءِ معقولات پر ایک تذکرہ ترتیب دیا ہے ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں انھیں ۱۹۹۰ء میں پریذیڈنٹ ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔حال ہی میں ہندی فلسفہ ادیان کے موضوع پر ان کی کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔اس موضوع پر لکھنے والے چند گنے چنے لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔مولانا عبدالسلام صاحب کے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب سے گہرے روابط تھے اور انھیں کی ترغیب پر انھوں نے ''ثقافۃ الہند'' میں اس موضوع پر لکھنا شروع کیا تھا۔ان کے مضامین کی علمی حلقوں خصوصاً عالمِ عرب میں بیحد تعریف کی گئی تھی یہ سلسلہ ۱۹۹۰ءتک چلتا رہا۔بعد میں ان مضامین کو ڈاکٹر وقار الحسن

صدیقی اوالیس ڈی رامپور رضالائبریری نے رضالائبریری سے ۱۹۹۶ء میں ''الفلسفۃ الہندیۃ القدیمۃ''
کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ ۹۰
احقر کو بارہاملاقات واستفادہ کا شرف حاصل رہا ہے۔مولانا نے ۲۰راپریل ۲۰۰۹ءکو اپنے وطن رامپور
میں وصال فرمایا۔اور وہیں مدفون ہوئے۔

۸۶۔(مولانا) عبدالسلام قدوائی ندوی

(۱۹۰۷۔۱۹۷۹ء)

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی ۱۹۰۷ء میں ضلع رائے بریلی کے گاؤں ''تھولینڈی'' میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کرنے کے بعد لکھنو چلے گئے۔اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم کے مختلف مراحل طے کئے۔۱۹۳۰ء میں طلب کی اسٹرائک ہوئی۔جس میں دیگر طلبہ کے ساتھ آپ کا بھی اخراج کر دیا گیا۔۱۹۳۰ءتا۱۹۳۳ء جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں تعلیم حاصل کی۔اور انگریزی وعلومِ عصریہ میں مہارت پیدا کی۔اس کے بعد ایک سال روزنامہ ''خلافت'' بمبئی کے مدیر رہے۔۱۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۳ء تک ندوۃ العلماء لکھنو میں تدریسی فرائض انجام دئے۔اور تاریخ،اقتصادیات، حدیث،اور دینیات کی اہم کتابیں پڑھائیں۔آپ نے مئی ۱۹۴۳ء میں لکھنو میں ادارہ ''تعلیمات اسلام'' کی بنیاد ڈالی۔تاکہ مختلف مشاغل میں مصروف لوگوں کو مختصر مدت میں عربی زبان اس طرح سکھادی جائے کہ وہ قرآن شریف سمجھ کر پڑھنے لگیں۔

اس مقصد کے لئے آپ نے عربی کے دس بنیادی سبق تیار کئے۔تقسیمِ ملک کے بعد جس مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کیلئے ''تعمیر'' نام کا رسالہ نکالنا شروع کیا۔اس کا پہلا شمارہ ۱۵ردسمبر ۱۹۴۸ءکو منصۂ شہود پر آیا۔اس کی ادارت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرمارہے تھے۔اسی دوران جامعہ ملیہ اسلامی میں ناظمِ دینیات،اور استادِ اسلامیات کی جگہ خالی ہوئی تو ۷راگست ۱۹۵۱ءکو آپ دہلی آگئے۔

اور۱۹۷۲ء تک جامعہ میں لیکچرار کے فرائض بحسن وخوبی انجام دئے۔اور۱۹۷۲ء میں جامعہ سے سبکدوش ہونے کے بعد ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات بنائے گئے۔اور۱۹۷۵ء میں شاہ معین الدین احمد قدوائی کی وفات کے بعد ''ناظمِ دارالمصنفین اعظم گڈھ'' کے شریکِ ناظم مقرر ہوئے۔اوراس کے بعد اعظم گڈھ میں مستقل سکونت پذیر ہو گئے تھے۔اگست ۱۹۷۹ء میں عید کے موقع پر اپنے وطن'' تھولینڈی'' گئے تو وہیں پر ۳۰/رمضان شریف کی شب تہجد کے وقت فالج کا حملہ ہوا۔اور جمعۃ الوداع کی اذان کے وقت جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

تالیفات:۔ عربی کے سلسلہ میں ۱۔عربی زبان کے دس سبق (عربی زبان کی تعلیم کا سلسلہ) (ادارہ تعلیماتِ اسلام لکھنو) ۲۔قرآن مجید کی پہلی کتاب (عربی زبان کی تعلیم کا سلسلہ) (ادارہ تعلیماتِ اسلام لکھنو)،۳۔قرآن مجید کی دوسری کتاب (عربی زبان کی تعلیم کا سلسلہ) (ادارہ تعلیماتِ اسلام لکھنو)،۴۔روح القرآن (تفسیر سورہ فاتحہ وسورہ بقرہ) (مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، طبع اول ۱۹۸۰ء)۔ اوراردو میں مثالی حکمراں (تاریخی واقعات) (ادارہ تعلیماتِ اسلام لکھنو)،۲۔ہماری بادشاہی (تاریخِ اسلام) (دارالمصنفین اعظم گڈھ) ۳۔ہندوستان کی کہانی (تاریخ ہند) دارالمصنفین اعظم گڈھ،۴۔ دنیا اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد (اسلامیات سے متعلق مضامین کا مجموعہ) (مکتبہ جامعہ دہلی)، ۵۔چند تصویرِ بتاں (سوانحی خاکے) مرتبہ پروفیسر مشیر الحق (مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۸۹ء) وغیرہ۔ [91]

۸۷۔(مولانا) عبدالسلام ندوی

(م ۱۹۵۶ء)

مولانا عبدالسلام ندوی بن دین محمد الپتوی اعظم گڈھی، موضع پٹو، اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اعظم گڈھ کے علماء سے حاصل کرنے کے بعد لکھنو آئے اور اور مولانا سید علی زینبی، اور مولانا

شبلی ابنِ محمد علی، مولانا حفیظ اللہ وغیرہ سے علومِ دینیہ کی تکمیل کی۔ پھر ندوہ ہی میں مدرس بنائے گئے اور ''الندوہ'' میں چھپنے والے اپنے علمی مقالات کے ذریعہ ادبی حلقوں میں کافی شہرت پائی، اور مولانا شبلی نعمانی کے معتمد خاص شاگرد بنے اور کچھ عرصہ ان کی تربیت میں رہ کر اعظم گڈھ چلے گئے اور دار المصنفین کے رفیق کی حیثیت سے تصنیفی کاموں میں مشغول ہوگئے۔ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ، سیرۃ النبی کی ایک جلد اور ''انقلاب الامم'' ترجمہ از عربی ''سر تطور الامم''، ''اسوۂ صحابہ'' دو جلدیں ''شعر الہند'' ''امام رازی''، آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ اردو کے ماہر صاحبِ قلم تھے اور مولانا شبلی کے اسلوب کی ہو بہو نقل کرتے تھے عربی میں اچھی مہارت تھی، کوئی باقاعدہ عربی تصنیف تو نہیں ہے لیکن عربی کی بہت اہم کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ۲۸ رصفر ۱۳۷۶ھ کو اعظم گڈھ میں وفات پائی اور علامہ شبلیؒ کے قریب دار المصنفین میں مدفون ہوئے۔ 92

۸۸۔(مولانا) عبدالشکور فاروقی کاکورویؒ

۱۲۹۳۔۱۳۸۱ھ

۱۸۷۶۔۱۹۶۱ء

نام مولانا عبدالشکور، ولد ناظر علی ابنِ فضل علی حنفی کاکوروی، ولادت ۲۴ رذی الحجہ ۱۲۹۳ھ بمقام کاکوری۔ فتح پور میں پرورش ہوئی جہاں آپ کے والد صاحب حکومت کی طرف سے ٹیکس وصولی پر مامور تھے۔ وہیں پر مولانا نور محمد فتح پوری سے مختصرات پڑھیں۔ پھر لکھنؤ گئے اور مولانا عین القضاۃ ابنِ محمد وزیر حیدرابادی سے ۱۳۱۰ھ۔ اور ۱۳۱۷ھ کے درمیان عرصہ میں تمام درسی کتب کی تکمیل۔ پھر عبدالولی مرحوم سے طب کی تعلیم پائی اور پھر دار العلوم میں مدرس بنائے گئے۔ کچھ دنوں دہلی جاکر مرزا حیرت کے کتب خانے میں رہے اور وہاں پر قرآن پاک کا اور صحیح بخاری شریف کا ترجمہ کیا۔ پھر لکھنؤ واپس تشریف لائے اور مدرسہ فرقانیہ میں مدرس بنائے گئے۔ اور جہاں سے ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء میں ریٹائر ہوئے۔ اور اس

کے بعد تصنیف وتالیف، مناظرہ اور ردّ شیعت، اور دفاعِ اہلِ سنت ودفاعِ صحابہ کرامؓ، اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل، کی کوششوں کے لئے خود کو وقف کردیا۔ یہاں تک ''امام اہلِ سنت والجماعت'' کے لقب سے مشہور ہوئے علاقہ میں رسوم وبدعات وتعزیہ داری کو ختم کیا۔

انھیں مقاصد کے لئے ۱۳۵۱ھ میں ایک ادارہ ''دارالمبلغین'' کے نام سے قائم کیا۔ اور عربی واردو میں ایک ماہنامہ ''النجم'' کی ادارت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ اس وقت آپ کے قائم کردہ سلسلہ احیاء سنت کو آپ کی اولاد میں سے آپ کے پوتے مولانا عبدالعلیم فاروقی زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

آپ کی سب سے اہم تصنیف ''علم الفقہ'' کی سات جلدیں ہیں۔ اور آپ نے ابن الاثیر جزری کی ''اسد الغابہ'' اور ''تاریخِ طبری'' اور ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' کا بھی عربی سے ترجمہ کیا، اور امارت وخلافت سے متعلق آیات کی تفسیر کا مجموعہ جو ۲۲ رسالوں پر مشتمل ہے اور سیرتِ خلفاء راشدین، اور سیرتِ نبویؐ پر ایک اہم کتاب ''النفحۃ العنبریہ'' اور ''سیرۃ الحبیب الشفیع من الکلام العزیز الرفیع'' اہم تالیفی یادگار ہیں۔ ۹۳

۱۷ رذی القعدہ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء کو لکھنو میں وصال فرمایا۔

۸۹۔ (مولانا) عبدالصمد حسین آبادی

(م ۱۹۴۸ء)

والد ماجد شیخ محمد اکبر ابنِ شیخ محمد علی، ولادت رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ قصبہ حسین آباد، نزدِ مبارک پور ، اعظم گڈھ۔ قرآن مجید اور اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم مدرسۃ التعلیم میں مولانا علی احمد مبارکپوری، اور مولانا حکیم محمد اصغر مبارکپوری سے حاصل کی۔ نیز یہیں پر فصولِ اکبری، شرح تہذیب، اور شرح جامی ، وغیرہ پڑھیں۔ اور مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوریؒ، سے شرح وقایہ جلد اول، بلوغ المرام، مشکوٰۃ شریف جلالین، شرح قطبی، وغیرہ پڑھیں۔ پھر مدرسہ عالیہ مئو میں داخلہ لیا، مولانا عبدالسلام مبارکپوری

سے بقیہ جلالین، شرحِ وقایہ ثانی، شرح نخبۃ الفکر، میر قطبی، وغیرہ پڑھیں۔ ۱۳۸۸ھ میں دہلی چلے گئے۔ اور پھاٹک حبش خاں میں مدرسہ حضرت میاں میں مختصر المعانی، متنبی، میر زاہد، ملا جلال، ملاحسن، ترمذی شریف، نسائی شریف پڑھیں۔ پھر تین ماہ کیلئے سیالکوٹ جا کر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ وغیرہ سے ملاحسن، میبذی، مقامات پڑھیں۔ فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ بڑوا، مدرسۃ التعلیم مبارکپور، مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ، مدرسہ محمدیہ دیوریا میں عرصہ دراز تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ ایک باصلاحیت عالم، اور ذی استعداد مدرس تھے۔ آپ کی زندگی سلفِ صالحین کا نمونہ تھی۔ کثرتِ مطالعہ سے بینائی جاتی رہی تھی۔ پھر بھی مطالعہ وتصنیفی شغل جاری رکھا۔ حدیث ورجال پر گہری نظر تھی۔ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کے انتقال کے بعد تحفۃ الاحوذی کی منتشر یادداشتوں کو اور نامکمل ابواب کو آپ ہی نے پورا کیا۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ / ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو دوشنبہ کی شب میں رحلت فرمائی۔ اور قبرستان حسین آباد میں مدفون ہوئے۔

تصانیف:۔ اردو میں "تائیدِ حدیث بجوابِ تنقیدِ حدیث"، منکرِ حدیث اسلم جیراجپوری کے رد میں لکھی۔ (۲) شرفِ حدیث، اس میں بھی اسلم جیراجپوری کے بعض مضامین کا رد کیا ہے۔ (۳) شانِ حدیث: منکرینِ حدیث کے رد میں سب سے اہم کتاب۔ (۴) الفتوحات الربانیہ: تاریخ وہابیہ کے رد میں۔ (۵) تذکرۃ الاخوان بمنع شرب الدخان: اس میں حقہ وغیرہ کی ممانعت کا ذکر ہے۔ (۶) ذمِ غناء ورقص وسرور۔ (۷) احوال الصحابہ شرح سنن ابنِ ماجہ، (۸) فقہ حنفی پر ایک نظر، (۹) حق پرستی بجوابِ شخصیت پرستی۔ عربی میں ایک کتاب "التبیان لما یجب معرفۃ علی اہل الایمان" تصنیف فرمائی۔ ۹۴

۹۰۔ (مولانا) عبدالعزیز میمنی

۱۸۸۸۔۱۹۷۸ء

قدرت نے آپ کو عربی لغت وادب کا فطری ذوق بخشا تھا۔ آپ عربی علم وادب کے مسلم الثبوت استاد

ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ محمد طیب مکی سے مستفید ہو کر ۱۹۰۹ء میں پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل کے امتحان میں یونیورسٹی میں اول آئے، اور مشن کالج پشاور میں عربی فارسی کے لیکچرر ہو گئے۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۵۰ء تک تقریباً پچیس سال تک مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں شعبہ عربی کے صدر کی حیثیت سے رہے۔ اسی دوران ۱۹۵۳ء میں ابو علی قالی کی مشہور تصنیف ''الامالی'' پر حواشی لکھ کر ''سمط اللآلی'' کے نام سے قاہرہ میں چھپوائی اور ''الطرائف الادبیہ'' (جسے امام عبد القادر جرجانی نے ابوتمام، بحتری، اور متنبی کے دواوین سے منتخب کیا تھا) آپ کے حواشی اور ضروری تشریحات کے ساتھ شائع ہوئی۔ نیز ''لسان العرب'' کی تصحیح میں بھی آپ نے حصہ لیا۔

مولانا نے تحقیق کے میدان میں جو نئے اسلوب اور عمدہ اشعار کا انتخاب کیا ہے اس کی حقیقت وافادیت کا عرب دنیا کے فضلاء کے علاوہ مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے، مولانا کے علمی کارناموں میں سے صرف دو پر خصوصی نظر ضروری ہے جن میں ایک تو ''سمط اللآلی'' ہے۔ کیونکہ اس کتاب سے انھوں نے عربی ادب کی اہم ترین کتاب ''الامالی'' کو زندہ کر کے میدانِ تحقیق میں ایک شاندار کارنامہ انجام دیا ہے۔ فہرست سازی میں انھوں نے جو نئی راہ نکالی ہے وہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ تعریف ہے۔ دوسری معرکۃ الآراء کتاب ''ابوالعلاء وما الیہ'' ہے یہ ابوالعلاء معری'' کا مفصل او جامع تذکرہ ہے۔ مولانا نے معری کے بارے میں مزید معلومات مہیا کیں اور ان پر لکھنے والے دیگ فضلاء کی اغلاط کی نشاندہی بھی کی۔ اندلس میں معری کی مقبولیت اور اس کے دینی عقیدے پر سب سے پہلے معلومات مولانا نے ہی اپنی کتاب میں فراہم کیں۔ اس کتاب کی وجہ سے ایک تو عرب دنیا او مستشرقین میں مولانا متعارف ہوئے اور دوسرے اس کتاب نے مصر کے ادبی حلقوں میں ایک ہنگام برپا کر دیا۔ ۹۵

۹۱۔ عبد الغفور بسکوہری

(م ۱۹۷۸ء)

عبد الغفور بسکوہری ایک برجستہ قصیدہ گو تھے۔ ۱۹۵۵ء میں شاہ سعود کی ہندوستان آمد کے موقع پر عربی

میں ایک ترحیبی قصیدہ لکھا تھا۔ ۱۹۶۱ء میں اہلِ حدیث کانفرنس نوگڈھ میں عربی نظم استقبالیہ لکھی۔ اور فتاویٰ ثنائیہ، وترجمہ ثنائیہ وغیرہ پر منظوم تقریظ لکھی نیز اور بھی متعدد عربی نظمیں لکھیں جنکو اگر یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان تیار ہوسکتا ہے۔ ۹۶

۹۲۔(مولانا) عبداللطیف سنبھلی

(م۱۹۵۹ء)

مولانا عبداللطیف سنبھلی ابنِ اسحاق حنفی سنبھلی افضل گڈھ، ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ لیکن اپنے والد کیساتھ عرصہ تک سنبھل ضلع مراداباد میں رہے، اس لئے سنبھلی مشہور ہوئے، درسیات مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڈھی سے پڑھیں۔ متوسط کتابیں مدرسہ شاہی میں پڑھیں۔ عرصہ تک ڈلمؤ ضلع رائے بریلی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ مولانا فضل الرحمن سے بیعت تھے، اور سید محمد علی سے خصوصی تعلق تھا، عرصہ تک انھیں کی خانقاہ رحمانیہ مونگیر میں قیام کیا اور درس وافادہ کا سلسلہ جاری رہا، بعد میں جامعہ عثمانیہ حیدراباد میں استاد دینیات کے عہدہ پر تقرر ہوا، اور کافی دنوں شعبہ صدر بھی رہے وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبہ دینیات سے متعلق رہے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔

تصانیف:۔ مولانا عبداللطیف نہایت جید الاستعداد اور فاضل شخص تھے، حدیث وفقہ میں مہارت تھی، تصنیفات میں "شرحِ ترمذی" "الشرح اللطیف" ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ اور لطف الباری شرح تراجمِ ابوابِ بخاری، اور تاریخ القرآن، کے علاوہ بھی متعدد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصنیفات ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی اور قدیم فضلاءِ ندوہ میں سے ایک بڑی تعداد کو ان سے شرفِ تلمذ حاصل ہے صاحب "نزہۃ الخواطر" نے آپ کی تصانیف میں "مشکلات القرآن" "تذکرۂ امامِ اعظم" "سیرتِ امام ابوحنیفہ" "صرفِ لطیف" "نحوِ لطیف" اور کئی علمی رسائل کا ذکر کیا ہے۔ ۹۷

وفات:۔ ۱۲ر جمادی الآخر ۱۳۷۹ھ/ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۹۵۹ء میں وفات پائی۔

۹۳۔ مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری

(م ۱۹۶۳ء)

مولانا حافظ وقاری شاہ عبدالغنی والد ماجد شیخ عبدالوہاب ابنِ شیخ امانت اللہ پھولپوری، ولادت موضع چھاؤں ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی۔ لیکن پھول پور میں طویل سکونت کی وجہ سے پھول پوری کہلانے لگے۔ آپ کے والد ماجد نے حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں دہلویؒ کے سلسلہ کے ایک خلیفہ مولانا عبدالسبحان مچھلی شہری (ولادت ۱۲۳۳ھ) سے بیعت کا تعلق قائم کیا تھا اور والدہ صاحبہ مولانا حافظ محمد صاحب سے بیعت تھیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی پھر جون پور میں شرحِ جامی تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں آپ مولانا ابوالخیر محمد مکی (ولادت ۱۲۷۴ھ) کے حلقہ درس میں شامل رہے پھر جامع العلوم کانپور کے اساتذہ وشیوخ سے مشکوۃ شریف تک پڑھا۔ پھر فلسفہ و منطق میں عبور حاصل کرنے کیلئے رامپور پہونچے اور مولانا فضلِ حق رامپوری کے درس سے علمی تشنگی دور کی۔ یہیں پر رہ کر قاری علی حسین صاحب سے مسلم الثبوت اور فن تجوید کی کتابیں پڑھیں۔ درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد گلاوٹی جا کر مولانا ماجد علی جونپوریؒ سے علمِ حدیث کی تکمیل کی پھر دوبارہ رامپور آکر مولانا فضلِ حق رامپوریؒ کے درس میں شریک رہ کر سماعت کی اس کے بعد مولانا فضلِ حق رامپوریؒ نے آپ کو سیتاپور کے مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں پڑھانے کیلئے بھیج دیا۔ پھر اپنی مادرِ علمی مدرسہ قرآنیہ جونپور میں ۵ سال تک صدر مدرس رہے۔ پھر طویل عرصہ تک مدرسۃ الاصلاح اعظم گڈھ میں فی سبیل اللہ تدریسی خدمات انجام دیں

۱۳۳۳ھ میں پھول پور میں ایک مدرسہ روضۃ العلوم کی بنیاد رکھی جس میں درسِ نظامی کی مکمل تعلیم کا انتظام تھا۔ اس کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے،۔ آپ کی ذات گوناگوں صفات کی حامل تھی ایک طرف علومِ ظاہر و باطن میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے تو دوسری طرف فنِ پہلوانی و سپہ گری کا بھی شوق تھا۔ آخر عمر میں پاکستان چلے گئے جہاں کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ۲۲ر اپریل ۱۹۶۳ء کو لاہور تشریف لے گئے اور وہاں فرش پر گر جانے سے کولھے کی ہڈی میں چوٹ آگئی تھی

اور اسی حالت میں ۲۶ جون کو کراچی واپس آ گئے اور یہیں پر ۱۲ اگست ۱۹۶۳ء کو ۶ بجے شام اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

تصنیف:۔ عربی میں آپ نے اصولِ فقہ کی ایک مشہور کتاب "توضیح وتلویح" کا ایک بسیط حاشیہ عربی زبان میں لکھا تھا جو طبع نہ ہو سکا۔ ۹۸

۹۴۔(مولانا) عبدالمقیت ندوی بھٹکلی (کرناٹک)

(و۔۱۹۷۴ء)

والد ماجد کا نام محمد سعید، ولادت ۶ رنومبر ۱۹۷۴ء کو بھٹکل صوبہ کرناٹک میں ہوئی۔آپ کا تعلق قومِ نوائط سے ہے۔جدِ امجد قاضی حسن صاحب تھے جو آٹھ سو سال پہلے یمن سے بغرضِ تجارت ہندوستان آئے تھے۔ابتدائی تعلیم جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں پائی اور اعلیٰ تعلیم وفضیلت کی تکمیل ندوۃ العلماء لکھنو میں کی، آپ کے اساتذہ میں مولانا ناصر صاحب (بخاری شریف) مولانا محمد رابع صاحب (ادب عربی) مولانا محمد برہان سنبھلی (تفسیر)، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی (انشاء) شامل ہیں،۔طالب علمی کے زمانہ سے ہی اکثر "الرائد" میں عربی مضامین لکھنا شروع کئے، اور علامہ سیوطی کے ایک مخطوطہ "المسارعۃ الی المصارعۃ" کی ایڈیٹنگ کر رہے ہیں، یہ ابھی زیرِ قلم تصنیف ہے۔فی الحال جامعۃ المعارف رامپور میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

نمونہ عربی تحریر:۔ "علاقات الهند مع العالم العربي قديمة جداً فقد كان العرب يقدمون بغرض التجارة الى الهند، ونشأت العلاقات التجارية الى أقصى سواحل بحر العرب في جنوب الهند، وقد أقام العرب مستوطنات لهم على ساحل جنوب الهند والسرانديب والجزائر وغير ذالك قبل ظهور الاسلام وكان يحكم على جنوب الهند راجوات هندوكيون وكان تجار العرب يتمتعون بمكانة في قلوب

الملوك بحسن خلقهم و عدلهم و أمانتهم ' ولذلك كانوا يتمتعون بحرية تامة۔
ومن القبائل التي استوطنت قبيلة تسمىٰ بقبيلة النوائط أيضاً- التي انتشرت بين كاليكوت و گووا في المدينة اللتي تسمىٰ "بهتكل" و هذه المدينة تقع علىٰ بعد ۹۰۰ كيلو متر تقريباً من مدينة بومبائي و قبيلة النوائط تسكن في منطقة تبلغ مساحتها مأة كلو متر تقريباً-الخ -

اس کے علاوہ ایک عربی مقالہ "ثغرات في دولة المغول في الهند" بھی لکھا ہے، جو سلیس عربی کا نمونہ ہے: ۹۹

۹۵۔ عبدالوحید ابوالقاسم رحمانی

(م ۱۹۲۸ء)

ولادت ۱۹۲۸ء، ابتدائی تعلیم سے فراغت تک جامعہ رحمانیہ مدن پورہ، بنارس میں پڑھا۔ ۱۹۶۶ء تک وہاں پر تدریس کی اس کے بعد جامعہ سلفیہ بنارس میں صدر مدرس بنائے گئے۔ اور آج تک یہیں پر تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ جامعہ کے بڑے اساتذہ میں ہیں۔ کئی تصانیف یادگار ہیں۔ عربی میں شاہ محمد اسماعیل شہید دہلویؒ کی تقویۃ الایمان کا عربی میں ترجمہ کیا۔ جو ۱۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ جامعہ سلفیہ نے اس کو ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ ۱۰۰

۹۶۔ (مولانا) عبدالوحید نوری

۲۴ر فروری ۱۹۶۴ء کو حفظِ قرآن کی تکمیل کے بعد دَور کرنے کیلئے جامعہ نور العلوم بہرائچ میں شعبہ حفظ میں داخلہ لینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جون ۱۹۶۴ء ہی میں والد صاحب کا سایہ سر سے اٹھ

گیا، چونکہ نور العلوم کا یہ پہلا سال تھا، مدرسہ کے اساتذہ کرام سے بھی زیادہ شناسائی نہ تھی، صرف ایک استاذِ محترم قاری عبداللطیف مدظلہ سے واقفیت تھی۔ قاری عبداللطیف مدظلہ کی شفقت وتوجہ سے ایک ہی سال میں تجوید وقراءت کے قواعد کیساتھ ساتھ حفظِ قرآن مجید کا دور مکمل ہوگیا، پھر ۱۹۶۵ء میں شعبہ فارسی عربی میں داخلہ لیا۔ اساتذہ کرام میں حضرت مولانا عابد علی صاحبؒ تھے۔ جن کی طبیعت میں سادگی، اور سنجیدگی تھی، اور محترم حافظ مولانا محمد نعمان نوری القاسمیؒ جن کے زمانہ میں درسِ فقہ کو امتیازی شان حاصل تھی نیز اساتذہ کرام کے سلسلۃ الذہب میں مفسرِ قرآن شیخ الحدیث صدر المدرسین مولانا محمد سلامت اللہؒ تھے اور مربی ومشفق استاذ حضرت مولانا الحاج کلیم اللہ نوری دامت برکاتہم بانی مدرسہ حضرت مولانا محفوظ الرحمن نامیؒ کے چہیتے شاگرد۔ گھر کے گوناگوں حالات سامنے آنے کی وجہ سے ابھی شرحِ جامی، کنز الدقائق، اور ترجمہ قرآن کریم تک ہی تعلیم ہو پائی تھی کہ باضابطہ تحصیلِ علم کا سلسلہ ختم کردینا پڑا۔ تاہم حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم سے مسامرہ، مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھی۔ نومبر ۱۹۶۹ء کو مدرسہ نور العلوم ہی میں برائے تدریس حفظ تقرر ہوا، اس وقت عمر ۱۹ سال تھی۔ پھر آخر قضا وقدر نے مقدر میں حروفِ قرآنی کی خدمت کے ساتھ ساتھ معانی قرآنی کی خدمت بھی لکھی تھی، اس لئے جون ۱۹۸۵ء میں درجہ حفظ سے شعبہ فارسی عربی میں منتقلی ہوگئی۔

<u>جدید لغات القرآن</u>:۔ کتاب کی وجہ تالیف مؤلف اس طرح بیان کرتے ہیں:

شعبہ عربی میں سالِ سوم عربی کے طلبہ کو ترجمہ قرآنِ پاک پڑھانے کی سعادت میسر آئی۔ اس وقت یہ بات ذہن میں آئی کہ طلبہ کو اگر الفاظ کے معانی، صیغ ومصادر لکھوادئے جائیں تو انھیں زیادہ فائدہ ہوگا لہٰذا جس قدر اگلے دن سبق پڑھانا ہوتا رات میں اسی قدر لغات لکھ لیا کرتا۔ اور سبق پڑھانے سے پہلے طلباء کو نوٹ کرادیتا، شدہ شدہ بحمد اللہ لغتِ (قرآنی) کا سلسلہ وار اچھا مواد وجود میں آگیا۔ اپنے استاذِ محترم حافظ محمد نعمان صاحب جن کا تعلیم کے اعتبار سے اس ناچیز پر احسانِ عظیم ہے اس کتاب کا نام ''الافادات النعمانیہ فی حل اللغات القرآنیہ'' رکھا۔ اس کتاب کا اصل ماخذ مولانا عبد

الرشید نعمانی، مولانا عبدالدائم صاحب کی کتاب (۱) لغات القرآن ہے، نیز (۲) جلالین شریف (۳) اکلیل (۴) بیان القرآن/حضرت تھانویؒ، (۵) تفسیر ابی سعود ہے۔ (انتہی)

اس کتاب کا پورا نام ''جدید لغات القرآن، الافادات النعمانیہ فی حل اللغات القرآنیہ'' ہے نوری پبلیکشنز ناظر پورہ بہرائچ سے شائع ہوئی ہے اس میں مؤلف نے سورہ روم سے آخر قرآن پاک تک اسماء وافعال، اوران افعال کے صیغے مع ابواب وضروری تعلیلات، تراکیب وتراجم کی ایسی تشریح فرمائی ہے کہ جہاں جہاں پورے قرآن میں وہ افعال واسماء آئے ہیں سب کی تشریح ہوجاتی ہے۔ مزید برآں جہاں جہاں کسی قوم یا نبی کا تذکرہ ہے اس کے پارہ کی تعیین وتشریح فرمادی ہے گویا پورے قرآن پاک کی لغوی وصرفی ونحوی، وتاریخی تشریح ہوگئی ہے۔ کتاب ۵۰۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ [۱۰۱]

۹۷۔ عبدالہادی خاں کاوشؔ رامپوری

(و۔۱۹۴۲ء)

(مولانا) عبدالہادی خاں کاوشؔ ولد پیر محمد خاں افغانی، ۴؍جنوری ۱۹۴۲ء کو محلہ راج دوارہ، ٹھٹری مسجد، رامپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی پیر محمد خاں قلعہ سیف اللہ خاں، کوئٹہ، بلوچستان کے مشہور بزرگ اور عالم خاندان مندرخیل کے فرزند تھے۔ اور ۱۹۱۵ء میں بغرض تعلیم رامپور تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے۔ مشہور مسجد، مستن گنج، رامپور اور اس کی دوکانات آپ نے تعمیر کی تھیں۔ اور ایک مدرسہ ''فیضِ مرشد'' قائم کیا تھا۔ رواج دوارہ میں لطیف خاں کی لڑکی سے شادی ہوئی جس سے ۴ لڑکے، اور ۴ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

مولانا عبدالہادی خاں کاوشؔ کی ابتدائی تعلیم قرآن مجید، فارسی پندنامہ عطار، گلستاں، بوستاں اور اردو گھر پر ہی پڑھی۔ اور اعلی تعلیم کیلئے مدرسہ مطلع العلوم رامپور میں درجہ چہارم تک پڑھا۔ پھر مدرسہ عالیہ رامپور سے فراغت حاصل کی۔ اور اس کے بعد مدرسہ فرقانیہ جامع العلوم میں پڑھ کر عالم، فاضل کا

امتحان پاس کیا۔ اوراس کے بعد لکھنو یونیورسٹی سے فاضل تفسیر کیا۔ اور جدید تعلیم ایم اے اردو تک کی ہے۔ مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، جامعۃ المعارف رامپور، مدرسہ مطلع العلوم رامپور، میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبدالدائم جلالی، مولانا وجیہ الدین احمد خاں خطیب، مولانا حامد علی خاں مفسرؒ، مولانا عبدالسلام خاں، مولانا افضال الحق رامپوری، مولانا محمد یوسف خاں، مولانا حقیق صاحب، مولانا محمد اسلم خاں وغیرہ شامل ہیں۔

تصانیف:۔ آپ نے مولانا عبدالوہاب گجراتی کی تفسیر ''زبدۃ التفاسیر'' جو عربی میں مشہور تفسیر جلالین کے طرز پر لکھی گئی ہے، ایڈٹ کی۔ اوراس پر مقدمہ لکھا۔ اس کے مصنف عہدِ عالمگیری میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کے علاوہ شیخ امام ابو حفص عمر بن منصور محمد بن عمر الوردی متوفی ۷۴۹ھ کی مشہور کتاب عربی مخطوطہ ''نزہۃ الابصار فی خواص الاحجار'' کی تشریح و ترجمہ کیا۔ اور بہت سی عربی مطبوعہ کتابوں کے رامپور رضالائبریری کے لئے اردو میں تراجم بھی کیئے ہیں۔ مثلاً:۔ آثار الاول من علماء فرنگی محل/محمد قیام الدین عبدالباری لکھنوی فرنگی محلی (م ۱۳۴۳ھ) ۲۔ مقالات فلسفہ قدیمہ/المقالات الفلسفیۃ القدیمۃ/ابن سینا، ابن عربی، افلاطون وغیرہ (مطبوعہ مصر)۔ ۱۰۲

۹۸۔ (ڈاکٹر) عبیداللہ بن فہد فلاحی

ضلع گونڈہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد جامعۃ الفلاح اعظم گڈھ میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۸۰ء میں تخصص سے فراغت پائی۔ پھر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے، اور پی ایچ ڈی کی تکمیل کی اور ''فکرۃ الشوریٰ فی الدولۃ الاسلامیۃ و تعبیراتہا المعاصرۃ المختلفۃ'' کے عنوان پر ۱۹۹۲ء میں مقالہ لکھا۔

اپنی تحریروں کے ذریعہ کچھ عرصہ تک علمی حلقوں میں شہرت پانے کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں اسلامک اسٹڈیز میں لیکچرار ہو گئے۔ اور تا حال اسی منصب پر فائز ہیں۔ اخوان المسلمون کی تحریک

سے بیحد متاثر تھے، اوراس سلسلہ میں پانچ دعوتی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا۔ ا۔حسن ایوب کی ''تبسیط العقائد الاسلامیۃ'' بعنوان ''اسلام کی بنیادیں'' (مطبوعہ ہندوستان پبلیکیشنز نئی دہلی۔ پاکستان میں اسلامک پبلیشرز لاہور)۔ ۲۔یوسف قرضاوی کی ''التربیۃ الاسلامیۃ و مدرسۃ حسن البناء'' کا ترجمہ ''اخوان المسلمون کا تربیتی نظام'' (ہندوستان پبلی کیشنز دلی، اورادارہ مطبوعات طلبہ لاہور) ۔۳۔سعید مصری کی ''فی آفاق التعلیم'' کا ترجمہ ''اخوان المسلمون کا مقصد، مراحل، و طریقہ کار'' (ہندوستان پبلی کیشنز نئی دہلی)۔ ۴۔الاستاذ البہی الخولی المصری کی ''الدعوۃ والداعیۃ'' کا ترجمہ ''تحریکِ دعوت'' (مطبوعہ ہندوستان پبلی کیشنز نئی دہلی)۔ ۵۔حسن اسماعیل الھضیبی کی ''دعاۃ لا قضاۃ'' کا ترجمہ ''داعی یا داروغہ'' (مطبوعہ ہندوستان پبلی کیشنز نئی دہلی)۔ ۱۰۳

۹۹۔(ڈاکٹر) عصمت لطیف مہدی۔ حیدرآباد

(و۔۱۹۳۷ء)

ڈاکٹر عصمت لطیف مہدی، ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ رہائش ''پیڑا ۲۱۹، ایونیو ۷ (اولڈ آر ڈی ۳) بنجارہ ہلز، حیدرآباد ۵۰۰۰۳۴'' میں ہے۔ کیمبرج اسکول ۱۹۵۳ء میں چھوڑا۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے ۱۹۶۴ء میں بی اے، اور ۱۹۶۸ء میں ایم اے، اور اسی یونیورسٹی سے ۱۹۸۰ء میں ماڈرن عربک لٹریچر میں پی ایچ ڈی کی۔ پی ایچ ڈی کا موضوع ''توفیق الحکیم: ایک سماجی ڈرامہ نگار، اور نقاد'' تھا۔ اس میں توفیق الحکیم کی ۱۹۸۸ء۔۱۹۹۰ء کے درمیان سماجی، علمی، ادبی، خدمات کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا تھا۔ خاص طور پر خواتین کے حوالہ سے ان کے خیالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی تھی۔ ڈاکٹر مہدی کی ابتدائی عربی تعلیم بغداد یونیورسٹی میں ہوئی۔ جہاں انھوں نے عربی زبان وادب سے بی اے کیا تھا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کالج حیدرآباد (۱۹۶۲ء/۱۹۶۵ء) کے درمیان فرنچ اور جرمن زبانوں کی لیکچرار رہیں۔ اور ۱۹۷۸ء تا ۲۰۰۱ء کے درمیان ''سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف

انگلش اینڈ فارن لنگویجز، حیدراباد' میں ریڈر، اور پروفیسر کے منصب پر فائز رہیں۔آپ نے قرۃ العین حیدر کی کہانی ''نظارہ درمیان ہے'' کا عربی میں ترجمہ کیا جو' اخبار الادب'' قاہرہ ۱۹۹۳ء میں طبع ہوا۔ اس کے علاوہ درج ذیل تصانیف طبع ہو چکی ہیں:۔

ا۔جدید عربی ادب (۱۹۶۷ء۔۱۹۰۰ء)، یوجی سی پروگرام کے تحت یونیورسٹی سطح کی نصابی کتاب جس میں مصر، لبنان، عراق وغیرہ کے ۳۰ عربی شعراء، ادباء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔دائرۃ المعارف حیدراباد سے ۱۹۸۳ء میں طبع ہوئی۔

۲۔"Arabic with out teacher" یہ ایک کورس ہے جو مطبوعہ کارڈز، اور کیسیٹ ریکارڈز کی بنیاد پر از خود عربی سیکھنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔

۳۔نزار و سمیرہ فی الہند (۱۹۹۱ء):۔مبتدئین کے لئے ایک عربی کا متن جس میں پورے ہندوستان کے ایک سفر کی فورم میں عربی کو آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔(مطبوعہ ربیع پبلشر حیدراباد ۱۹۹۶ء)۔

بعض مطبوعہ عربی مقالات:۔ا۔''دور المعہد المرکزی للغۃ الانکلیزیۃ واللغات الاجنبیۃ'' ''ہندوستان میں عربی کی تدریس، مسائل اور حل، اور طریقہ کار'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں پڑھا گیا۔۱۹۸۲ء میں سی آئی ای ایف ایل حیدراباد نے شائع کیا۔

۲۔''الروایہ فی الہند'' (مطبوعہ ثقافۃ الہند، نئی دہلی ج ۳۶۔۱۹۸۵ء)۔

۳۔''المرأہ عبر شعوب العالم: المرأۃ الہندیۃ بین الاسطورۃ و الحقیقۃ'' (مطبوعہ مجلّہ ''البیان'' امارات عربیہ متحدہ، اگست ۱۹۸۶ء)۔

۴۔''مسائل تدریس اللغۃ العربیۃ فی الجامعات الہندیۃ بین الوضع الراھن والاتجاھات الجدیدۃ'' (مطبوعہ مجلّہ اخبار الخلیج، متحدہ عرب امارات، اگست ۱۹۸۷ء)

۵۔'کیف یحتفل مسلمو الہند بعید الفطر' (مطبوعہ مجلّہ صوت الشرق قاہرہ۔اپریل ۱۹۹۲ء)

۶۔''العلاقات الثقافیۃ المعاصرۃ بین مصر والہند فی ندوات دلہی'' (مطبوعہ صوت

الشرق قاہرہ، جنوری ۱۹۹۴ء)۔

۷۔"وجهاً لوجه: حوار مع الاستاد نجيب محفوظ" (مطبوعہ "ثقافة الهند" نئی دہلی ۱۹۹۴ء)

۸۔"فنجان قهوه مع توفيق الحكيم" (مطبوعہ صوت الشرق، قاہرہ، اگست ۱۹۹۲ء)۔

۹۔ذكريات فى مولد النبى صلی اللہ علیہ وسلم ۔(مطبوعہ صوت الشرق، قاہرہ، اگست ۱۹۹۴ء)۔

۱۰۔"الرواية النسائية فى مصر والهند" (حجر، کتاب المرعی، قاہرہ ۱۹۹۴ء)

۱۱۔"أدخلو بسلام آمنين: مصر فى عيون الهند (مطبوعہ صوت الشرق، قاہرہ ،اگست ۱۹۹۴ء)۔

۱۲۔"نازك الملائكة فى مرآة الشعر الهندى" (مطبوعہ مجلّہ العربی الاسبوعی، قاہرہ، ۱۹۹۴ء)۔

ان کے علاوہ کچھ اہم موضوعات جن پر آپ کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی تکمیل کی گئی۔ یہ ہیں :۔ا۔نجیب محفوظ کے ناولوں کا فکری مطالعہ، ۲۔جدید عربی ادب میں شہرزاد کی شخصیت، ۳۔جرجی زیدان بحثیت تاریخی ناول نگار، ایک تنقیدی مطالعہ، ۵۔جدید عراقی شاعری میں نازک الملائکہ کا حصہ، ۵۔ انگریزی زبان کی روانی کے حوالہ سے جدید عربی کے جملوں کی ترتیب۔

جن طلبہ نے آپ کی نگرانی میں ریسرچ کی ہے اُن کی تعداد سات تک پہنچتی ہے۔ حیدراباد، میسور، دہلی، ٹونک، راجستھان، کلکتہ، قاہرہ، مصر، بمبئی، علی گڈھ، وغیرہ مقامات پر اہم علمی وادبی سیمناروں ،ورکشاپز، وغیرہ میں شرکت کی۔ اور اپنے مقالے پڑھے۔ اسی طرح یو جی سی کیطرف سے نجیب محفوظ، عبدالعزیز المقلہ، نازک الملائکہ، نزار قبانی، توفیق الحکیم، یوسف عزالدین، وغیرہ موضوعات پر ریفریشر کورسز کے لئے مدعو کی گئیں، یا یو جی سی کے ریسرچ پروجیکٹ کے تحت مقالات لکھے۔

آپ نے عربی زبان کی تدریس کو آسان بنانے کے لئے نئی نئی ٹیکنیک ایجاد کیں۔ اور جدید طریقوں کے ذریعہ کم سے کم وقت میں بغیر کسی مدد کے عربی بولنا آجائے۔ اس مقصد کیلئے حیرت انگیز خدمات انجام دیں۔ مثلاً آپ کی کتاب "teach your self Arabic" اسی سلسلہ کی اہم کڑی

ہے جو کارڈوں اور کیسٹوں کی مدد سے اکیلے عربی بولنا سکھاتی ہے۔ یہ اپنے طرز کی بالکل انوکھی تصنیف ہے جو کالجوں واسکولوں کے طلبہ میں بیحد مقبول ہوئی۔ اسی طرح ''نزار وسمیرہ فی الہند'' میں تخیلاتی طور پر دو کرداروں کے ذریعہ پورے ہندوستان کی سیر کرائی گئی۔ اور ہر شہر کا تاریخی وادبی وجغرافیائی تعارف دلنشیں طریقہ پر کرایا گیا۔ اس طرح کہ طالب علم کو عربی بولنے کی بھی اچھی مشق ہو جائے۔

اس کے علاوہ آپ کلاس میں طلبہ کو اسٹوری سنانے، آپ بیتی بیان کرنے، فرضی سچویشن میں کھڑا کرنے، اور ٹی وی سیریل دکھانے، ٹیپ ریکارڈ، کیسٹ وغیرہ کے استعمال کرنے، جیسے نئے نئے طریقے بھی اپناتی ہیں تاکہ طلبہ کے اندر عربی بولنے کا شوق پیدا ہو، اور آسانی کے ساتھ عربی پر عبور حاصل کر سکیں۔ الغرض عربی زبان وادب کی تدریس اور تصنیف کے سلسلہ میں آپ ناقابلِ فراموش خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ۱۰۴

۱۰۰۔ (حضرت مولانا) علی احمد کوریاپاری سرائے میری

(م ۱۹۶۱ء)

مولانا علی احمد بن محمد رضا، بن ظہور احمد بن محمد عاشق علی۔ ولادت ۱۳۱۳ھ، کوریاپار، تحصیل گھوسی ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے جو شرفاءِ شیوخ کی ایک قدیم بستی ہے جس کے ایک کنارے پر کوڑیا شاہ نامی بزرگ کا پرانا مزار تھا انھیں کی رعایت سے اس بستی کا نام ''کوڑیاپار'' پڑا۔ والد ماجد نے تاریخی نام ''سراج الحق'' رکھا۔ آپ نسباً فاروقی، آپ کے مورثِ اعلیٰ شیخ محمد اعظم خاں ہیں، جن کے چار لڑکے پیدا ہوئے، حبیب اللہ خاں، اسماعیل خاں، دریا خاں، انھیں عبدالرحمن خاں کی نسل سے مولانا علی احمد مرحوم تھے۔ آپ نے اردو فارسی کی تعلیم والد ماجد سے پائی۔ پھر مولانا ابوالحسن مئوی سے عربی کی تعلیم شروع کی انھوں نے متوسطات تک پڑھا کر آپ کو دیوبند بھیج دیا جہاں آپ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا غلام رسول خاں ہزارویؒ سے علوم وفنون کی تکمیل کی اور

۱۳۳۵ھ میں فراغت پانے کے بعد اصلاح نفس کے لئے تھانہ بھون پہونچے۔اور ایک سال حضرت تھانویؒ کی خدمت میں رہ کر ان کے مواعظ قلم بند کئے، پھر شیخ کی اجازت سے وطن لوٹے، اور مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں تدریس کا آغاز کیا۔اس دوران علاقہ کے مشہور حکیم مولانا الٰہی بخش مبارک پوری سے فن طبابت بھی سیکھا اور دوسال کے اندر اس فن میں مکمل مہارت حاصل کر لی۔اس کے بعد مولانا عبد الغفار گھوسوی کے اصرار پر مدرسہ ناصر لعلوم گھوسی چلے آئے اور اس ادارے کو اپنی محنت و صلاحیت سے چار چاند لگادئے۔پھر بعض وجوہ کی بناپر ۱۳۴۵ھ میں مطلع العلوم بنارس چلے گئے یہاں دو سال قیام کیا اور ۱۳۵۱ھ میں مدارس کے تلخ تجربات کی بناپر تدریس کا خیال ترک کر دیا اور شہر اعظم گڈھ میں مطب کھولا، خواب میں حضور پاک ﷺ کی زیارت ہوئی کہ آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس غریب خانہ پر تشریف فرما ہیں اور واپسی پر نعلین مبارک گھر پر ہی چھوڑ گئے، اس خواب کی تعبیر حضرت مرشد تھانویؒ سے معلوم کی تو آپ نے فرمایا کہ اپنے موجودہ شغل کو چھوڑ کر پرانے شغل تعلیم و تعلم میں لگ جائے، چنانچہ مطب بند کر کے مدرسہ ہاشمیہ بمبئی میں صدر مدرس ہو کر چلے گئے پھر وہاں سے گجرات کے مشہور مدرسہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔جہاں پر آپ کے استاذ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الحدیث تھے۔ڈابھیل کے زمانہ میں آپ نے مسلم شریف کی کتاب الایمان کی عربی میں شرح لکھی، جس کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بہت پسند کیا۔آپ کی یہ گرانقدر خدمت ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔اس کے بعد مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری کی دعوت پر مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں استاذِ فقہ وحدیث کی حیثیت سے مقرر ہوئے جہاں چار سال مدرس رہے آخر میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں شیخ الحدیث ہو کر آئے اور یہیں کے زمانہ تدریس میں ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ/۱۳ جون ۱۹۶۱ء کو وصال فرمایا۔اور مدرسۃ بیت العلوم کے متصل مدفون ہوئے۔

آپ کو تمام علومِ مروّجہ کے علاوہ حدیث وفقہ میں خاص تبحر حاصل تھا۔اور مختلف علوم وفنون کی تو اصطلاحات کی توضیح بڑے اچھے انداز سے کرتے تھے۔اس کے ساتھ تاریخ گوئی، اور شعر وادب میں

بھی ملکہ تھا آپ کے قلمی بیاض میں سینکڑوں تاریخی قطعات، غزلیں، قصیدے، سہرے درج ہیں۔ آپ نے لگ بھگ ۴۰ سال تدریسی فرائض انجام دئے اور ایک بڑی جماعت فضلاء کی تیار کی، آپ کے شاگردوں میں مولانا محمد یاسین استاذ احیاء العلوم مبارک پور مولانا عبدالحق جگدیش پوری، مولانا شمس الحق گجرالوی، مولانا عبدالمجید کوٹھیاوی، مولانا حکیم وجیہ اللہ گورکھپوری وغیرہ شامل ہیں۔

تصانیف:۔ ناساعد حالات کے باوجود آپنے جو تصنیفات چھوڑی ہیں وہ بہت اہم ہیں۔ جن میں عربی میں سب سے اہم ''شرح کتاب الایمان للصحیح المسلم'' (عربی) ہے۔ بڑی تقطیع میں تقریباً چار سو صفحات پر یہ شرح مکمل ہوئی اس میں مولانا نے تمام اہم اور مشکل مباحث پر سیر حاصل بحث کی ہے اور تمام مشکلات کو حل کردیا ہے یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہوسکی ہے اور آپ کے صاجزادے مولانا انیس احمد فاروقی کی ملکیت ہے۔ یہ شرح عربی میں ہے۔

(۲) اردو میں ''قانونِ وراثت'':۔ قانونی دفعات کے طرز پر بڑے شرح وبسط کے ساتھ وراثت کے قوانین مرتب کئے (۳) ''رسالۃ التوسل قلمی'': مسئلہ توسل پر غیر مقلد کے رد میں یہ رسالہ لکھا گیا۔ تقریباً چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۰۵

۱۰۱۔ عمید الزماں کیرانوی

(و۔ ۱۹۴۰ء)

۱۹۴۰ء میں ولادت ہوئی۔ اپنے آبائی وطن کیرانہ ضلع مظفرنگر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی آئے اور اپنے بڑے بھائی مولانا وحید الزماں کیرانوی سے کچھ دن پڑھا۔ پھر دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیکر ۱۹۶۲ء میں فضیلت کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد ''المجمع العلمی لدراسۃ مؤلفات الشیخ محمد قاسم النانوتوی'' میں مترجم ومقالہ نگار کی حیثیت سے مقرر کئے گئے۔ جہاں ۱۹۶۲ء تک کام کیا۔ اس کے بعد جمعیۃ العلماء ہند میں شعبہ تعلقاتِ عربیہ کے نگراں بنائے گئے۔ جہاں ۱۹۶۶ء میں ریٹائر ہوئے۔ پھر

دہلی یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ اور مختلف میدانوں میں کام کیا جیسے آل انڈیا ریڈیو، ''بعثۃ جامعۃ الدول العربیۃ'' وغیرہ۔ اور ۱۹۷۲ء سے تا حال سعودی سفارت خانہ میں ملازم ہیں۔ عربی ترجمہ نگاری کے میدان میں ۳۰ سال سے زیادہ کا تجربہ رکھنے کی وجہ سے معاصرین میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ لیکن اس طرح ہزاروں صفحات دفتری روٹین ورک ہونے کی وجہ سے ضائع ہوگئے۔

آپ کی بقاءِ دوام رکھنے والی تحریروں میں حضرت نانوتویؒ کی ''تفسیر معوذتین'' کا فارسی سے عربی میں ترجمہ ہے۔ جو دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا۔ دوسری قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی ''من نارجیل الی النخیل'' کا اردو سے عربی میں ترجمہ جو ۱۹۶۰ء کی دہائی میں ثقافۃ الہند میں شائع ہوا۔

اس کے علاوہ دار العلوم کا دیواری پرچہ ''الیقظہ'' بھی آپ کے قلم کی جولانگاہ رہا ہے۔ جس میں ادارت کے دوران بہت سے دینی مقالات کو ان کی تعریب کر کے شائع کیا۔ اور ثقافۃ الہند میں شائع ہونے والے بعض عربی مضامین یہ ہیں:۔ ۱۔ ''تعریب'' اسطول گجرات لابی ظفر الندوی'' شمارہ ۱، ج ۱۷۔ ۲۔ ''اول تاریخ للصحافۃ الہندیۃ'' ملا استاد نادم سیتاپوری شمارہ ۴، ج ۱۷۔ ۱۰۶

۱۰۲۔ (محمد) عنایت اللہ سبحانی

(و۔ ۱۹۴۴ء)

ولادت ۱۹۴۴ء۔ ابتداءً مدرسۃ الاصلاح اعظم گڈھ میں پڑھا، پھر جامعۃ المعارف رامپور میں درسِ حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۲ سال جامعۃ الفلاح میں پڑھانے کے بعد ریاض چلے گئے۔ اور جامعہ امام محمد بن سعود میں داخلہ لیکر ایم اے، اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ''البرھان فی نظام القرآن'' کے عنوان سے ۱۹۸۵ء میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا، اس کے بعد ہندوستان واپسی کی اور مدرسۃ الفلاح میں تدریسی سلسلہ شرع کیا۔ جو تا حال جاری ہے۔ آپ نے عربی کی تین اہم کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا، یعنی ۱۔ ''معالم فی الطریق'' للسید قطب شہید، بعنوان ''نقوشِ راہ''۔ یہ ترجمہ

بیحد مقبول ہوا۔صرف ادارہ الحسنات رامپور سے اس کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔پاکستان وغیرہ کے ایڈیشن اس کے علاوہ ہیں۔۲۔امام حسن البناء کے ''مجموعۃ الرسائل'' کا ترجمہ ''مجاہد کی اذان'' (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی لاہور،ومکتبہ الحسنات رامپور)۔۳۔امام غزالیؒ کی ''عقیدۃ المسلم'' کا ترجمہ ''عقیدہ اسلامی'' (کریچن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی)۔وغیرہ۔ ۱۰۷

۱۰۳۔(علامہ) غضنفر حسین شاکر نائطی (مدراس)

۱۸۹۹۔۱۹۶۷ء

ولادت مینمبور (تمل ناڈ) ۱۳۱۷/ ۱۸۹۹ء کو ہوئی۔مقامی مدارس میں ابتدائی تعلیم ہوئی۔اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ لطیفیہ ویلور گئے جہاں عربی،فارسی اور اردو زبانوں پر عبور حاصل کیا یہاں سے فراغت پانے کے بعد استاذ محترم مولانا مولوی محمد قاسم صاحب کے ایماء پر ادریس کالج ویلور میں تدریسی خدمات انجام دیں ۱۹۲۴ء میں مدرسہ عمر آباد میں پرنسپل مقرر ہوئے اور تاحیات اسی سے وابستہ رہے۔آپ اردو،عربی،فارسی کے جید عالم تھے خاص طور پر عربی زبان کے سلسلہ میں آپ کی خدمت بے نظیر ہے۔آپ نے ایک ایک لفظ کی تحقیق میں ہزارں کتابوں کی چھان بین کرنے کے بعد عربی لغت ترتیب دینی شروع کی اور قرآنِ پاک کے ایک ایک لفظ پر غور وفکر کرتے کرتے حرفِ ''ذال'' تک پہونچے تھے کہ خیالات نے پلٹا کھایا اور یہ احساس ہوا کہ عربی زبان میں بہت کم الفاظ'' جامد'' ہیں اور سب کے سب مشتقات ہیں۔لہٰذا اس مرتب شدہ حصہ پر نظرِ ثانی کا فیصلہ کیا لیکن خرابیِ صحت کی بناء پر اس کو پایہ تکمیل تک نہ پہونچا سکے۔پھر بھی یہ ادھورا کام ہی اگر شائع ہوجائے تو عربی ادب میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوگا۔آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ مدرسہ دارالسلام عمر آباد کو ایک عظیم درس گاہ بنادیا۔

علامہ شاکر نائطی نے ۱۹۳۵ء میں جریدہ ''مصحف'' نکالا جو معیاری اعتبار سے مولانا آزاد

کے ''الکلام'' و ''البلاغ'' سے کم نہ تھا اس جریدہ کے ذریعہ مولانا عظمت اللہ سرمدی، مولانا سروش داؤدی ،مولانا عبدالحلیم فردوسی ،مولانا وجدی، مولانا اسماعیل رفیعی جیسے نئے فنکاروں کی ذہنی پرورش ہوئی۔ مصحف کا ''اقبال نمبر'' ایک اہم تاریخی دستاویز ہے ہے، آپ کا تدریسی انداز بھی نہایت خوبصورت تھا۔۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ کو وصال فرمایا اور عمرآباد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

تصانیف:۔ عربی میں آپنے زندگی کے آخری دور میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی جو مدراس یونیورسٹی، کیرالہ یونیورسٹی، اور مدینہ یونیورسٹی میں بھی داخلِ نصاب ہے۔ وہ ہے'' الانابہ فی اشعار الصحابہ''۔ علامہ کی عربی کی یہ کتاب مدرسہ دارالسلام سے شائع ہوئی۔ ۱۰۸

۱۰۴۔(ڈاکٹر) غلام یحیٰی انجم

ڈاکٹر غلام یحیٰی انجم، ولدیت جناب علی رضا مرحوم (م۔اکتوبر ۱۹۹۳ء) موضع پرسا بزرگ، پوسٹ آفس جگنا دھام، ضلع سدھارتھ نگر، یوپی کے رہنے والے ہیں۔ ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی میں شعبہ علوم اسلامیہ میں ریڈر کی حیثیت سے تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے شعبہ دینیات میں بھی استاد رہ چکے ہیں۔

آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ سے درسِ نظامی سے فضیلت تک تعلیم حاصل کی ۔اس کے بعد یوپی بورڈ سے عالم عربی، کامل فارسی، فاضل عربی ادب، فاضل معقولات، بی ٹی ایچ دینیات، وغیرہ کورسیز کئے۔ پھر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ایم اے عربی، ایم فل، اور پی ایچ ڈی (عربی) کی ڈگری حاصل کی۔ اسی کے ساتھ جامعہ اردو علی گڈھ سے ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل، امتحانات بھی پاس کیئے۔ آپکی ادبی خدمات کے پیشِ نظر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے ۱۹۸۲ء میں یونیورسٹی میڈل، اور حکومتِ ہند نے ۱۹۹۳ء میں نوجوان محقق کیریئر ایوارڈ، وزیرِ اعلی اتر پردیش نے

۲۰۰۱ء میں توصیف نامہ، روہیلکھنڈ بریلی یونیورسٹی نے ۱۹۸۹ء میں کندن لال اشکی ایوارڈ، عطا کیا۔ اور حکومت اتر پردیش نے عربی فارسی یونیورسٹی کے قیام کیلئے ۲۰۰۲ء میں نامزد ممبر بنایا۔ اور بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے آپ کے تحقیقی کاموں پر پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد ۱۸ ہے۔ اور تین کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ اور ۱۲۱ مقالات سپردِ قلم فرما چکے ہیں۔ اور ۴۱ سیمناروں اور ورکشاپس میں شرکت کر چکے ہیں۔

عربی میں یا عربی ادب سے متعلق تصانیف درجِ ذیل ہیں:-

۱۔ متنبی: ایک تحقیقی مطالعہ۔ متنبی کی عربی شاعری پر گرانقدر تصنیف ہے۔ متنبی کے بارے میں تقریباً ساڑھے تین سو سے زائد کتابیں و مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن اردو زبان میں متنبی پر کام نہیں کے برابر ہے۔ حال ہی میں اسیر ادروی (بنارس) کی ایک کتاب "شرحِ دیوان متنبی" منظرِ عام پر آئی ہے۔ آپ نے اس ضرورت کو محسوس کر کے بہت سے مصادر و مراجع کی ورق گردانی کے بعد اس کتاب کی تدوین کی ہے۔ اندازِ بیان شگفتہ و سلیس ہے۔ اشعار کے ترجے میں روانی و سلاست کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ کتاب عالم، فاضل عربی، اور ایم اے عربی کے طلبہ کیلئے شاہکار تصنیف ہے۔ اردو اکیڈمی دہلی کے مالی تعاون سے ۱۹۹۴ء میں "دانشکدہ، پل پہلاد پور، نئی دہلی" کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔

۲۔ معلم العربیہ:- عربی طبی نصاب کی پہلی کتاب ہے۔ اور طبی اصطلاحات سے بھر پور ہے۔ یہ کتاب طبیہ کالج میں پڑھنے والے طلبہ کے خاص طور پر لکھی گئی ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں چھوٹے چھوٹے اسمیہ جملوں کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں فعل اور اس کے متعلقات کا بیان ہے۔ یہ کتاب طبیہ کالج کے نصاب کیلئے سینٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن نئی دہلی (c.c.i.m) سے منظور ہو چکی ہے۔ عربی زبان میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے شامل درس کر کے طلبہ کو عربی زبان میں طبی اصطلاحات کی تعلیم دی جا سکتی۔ اس مقصد کے پیشِ نظر ڈاکٹر انجم نے یہ

کتاب ایک سال کی مسلسل کاوش کے بعد تیار کی۔ جو فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی اتر پردیش کے تعاون سے ''دانشکدہ، پل پہلاد پور، نئی دہلی'' کے زیر اہتمام ۱۹۹۶ء میں شائع ہو چکی ہے۔

یہ کتاب شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ ہمدرد، اور سینٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن (بی یو ایم ایس)، شعبہ عربی فارسی روہیلکھنڈ یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہے۔

۳۔ **کتاب المقفی الکبیر (الجزء الثالث)**:۔ یہ آپ کا تحقیقی مقالہ ہے جسے آپ نے جلد ثانی سے ایڈٹ کیا تھا مگر طباعت میں وہ جلد ثالث ہو گیا۔ اب تک اس کتاب کے چار سو سے زائد صفحات طبع ہو چکے ہیں۔

اِن تصانیف کے علاوہ درجِ ذیل مقالات عربی میں تحریر فرمائے:۔

۱۔ **''المقریزی و کتابہ' المقفی الکبیر''**

(الف)۔ الدراسات الاسلامیة ' العدد الثانی ' المجلد الثامن والعشرون، اپریل ۱۹۹۳ء (مطبوعہ مجمع البحوث الاسلامیة، الجامعة الاسلامیة العالمیة، اسلام آباد، پاکستان)۔

(ب) ''کتاب المقفی الکبیر'' 'الجزء الاول ۔ ج ا (مطبوعہ دائرة المعارف العثمانیة حیدراباد، ۱۴۲۱ھ)۔

۲۔ **''مؤسس الطریقة القادریة قطب الہند ہیمنا الشیخ سیف الدین عبد الوہاب الجیلانی فی بلاد الہند''** (زیرِ طبع: مجلة الدراسات العربیة۔ قسم اللغة العربیة۔ کشمیر یونیورسٹی ۔ سری نگر)۔ ۱۰۹

۱۰۵۔ (مولانا) فخر الدین مرادابادی (فخر المحدثین)

۱۳۰۷۔۱۳۹۲ھ

۱۸۸۹۔۱۹۷۲ء

والد محترم کا نام سید عالم ہے۔ آپ کے آباء واجداد ہرات وافغانستان سے ہجرت کر کے عہد

شاہجہانی میں ہندوستان آئے تھے۔آپ کے دادا منشی عبدالکریم پنجاب اوراجمیر میں تھانیدار رہے۔وہ نہایت صالح پاک باطن، بزرگ تھے۔والد محترم سید، عالم، حافظِ قرآن اور طبیب تھے ابتداء اجمیر، پھر ہاپوڑ آکر مطب کا سلسلہ شروع کیا جس سال حضرت فخرالمحد ثین فتح پوری دہلی میں زیرِ تعلیم تھے اسی سال دونوں کی وفات ہوئی۔

فخرالمحد ثین ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء کو اجمیر میں پیدا ہوئے۔قرآنِ کریم والدِ محترم سے پڑھا۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر میں اور اعلیٰ تعلیم مولانا مظفرعلی (نانا) اور شیخ کریم بخش (ہاپوڑی) سے حاصل کی۔بارہ سال کی عمر میں مولانا خالد صاحب سے عربی شروع کی، اور پھر والد کے قائم کردہ مدرسہ ''برکات الاسلام'' میں مولانا عبدالحیٔ صاحب سے کسبِ فیض کیا۔پھر گلاوٹھی بھیج دئے گئے جہاں مولانا ماجد علی جونپوری، مولانا محی الدین، مولانا کریم بخش وغیرہ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔کچھ عرصہ مدرسہ حسین بخش دہلی میں بھی تعلیم پائی۔قیامِ دہلی کے عرصہ میں بڑے بھائی مولانا نصیر صاحب اوران کے بعد والدین، اور دادا، سب کی یکے بعد دیگرے وفات ہونے سے آپ بالکل ٹوٹ گئے۔ چچا اور پھوپیوں نے آپ کی اور آپ کے بھائی کی کفالت کی۔ان ہمت شکن حالات میں بھی آپ نے حوصلہ نہیں چھوڑا۔اور تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کا امتحانِ داخلہ لیا تھا۔فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے۔اور شرح جامی، نفحۃ الیمن، کنزالدقائق، کادرس دیا۔دار العلوم میں ایک سالہ تدریس کے بعد اکابرین کے حکم پر مدرسہ شاہی مرادآباد بھیج دئے گئے۔اور ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ شاہی میں باقاعدہ تقرر ہوا، جہاں پر ابوداؤد شریف، جلالین شریف، شرح عقائد، میبذی، ملا حسن وغیرہ کتب پڑھائیں۔۱۳۷۷ھ میں دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔مدرسہ شاہی کے ۳۸ سالہ دورِ صدارتِ تدریس میں آپ کے درسِ بخاری سے مستفید ہونے والے فضلاء کی تعداد ۱۷۴۱ تھی۔شاہی کی تدریس کے دوران آپ قرب وجوار کے علاقوں میں بھی جاتے۔اور تبلیغ دین

اور ردِ بدعت اور لوگوں کی دینی وملی رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیتے۔ اس دور میں آپ نے عرصہ تک ترجمہ قرآنِ پاک کا درس بھی دیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات (۱۳۷۷ھ) کے بعد دار العلوم دیوبند کی شوریٰ نے آپ کو شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا اور یہاں پر ۱۵ رسال بخاری شریف کا درس دیا۔ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ میں مراداباد تشریف آوری کے بعد مختلف عوارض کا سلسلہ شروع ہوا، اور ۲۱ رصفر ۱۳۹۲ھ /۶ راپریل ۱۹۷۲ء کو جمعرات کی شب انتقال فرمایا۔ قاری طیبؒ صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لالباغ قبرستان میں دفن ہوئے۔

تصانیف:۔ آپ نے تمام تر درسی وملی مصروفیات باوجود بیش بہا تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

(۱) "القول الفصیح فیما یتعلق بتراجم ابواب الصحیح" اس میں بخاری شریف کے تراجم ابواب (جو بخاری کا خلاصہ سمجھے جاتے ہیں) پر محدثانہ تحقیقات پیش کی گئی ہیں جو بخاری سے تدریسی تعلق رکھنے والے حضرات کیلئے بیش بہا علمی سرمایہ ہیں (۲) "القول النصیح فیما یتعلق بنضد ابواب الصحیح" ۔اس میں بخاری شریف کے ابواب کی آپسی ترتیب پر گفتگو کی گئی ہے۔ (۳) "ایضاح البخاری" ۔یہ حضرتؒ کے درسِ بخاری کے افادات ہیں جنھیں تصنیفی انداز میں تحقیق کیساتھ ترتیب دے کر حضرت مولانا ریاست علی بجنوری مدظلہ استاذِ حدیث دار العلوم دیوبند شائع کر رہے ہیں۔ (۴) "اربعین" یہ چالیس احادیث کی تشریح پر مشتمل ایک مختصر نہایت مفید رسالہ ہے۔ (۵) مفتاح العوامل۔ شرحِ اردو شرح مأۃ عامل، اس میں نحو کی مشہور کتاب شرح مأۃ عامل کی تشریح وترکیب ہے۔ اس کتاب کا مسودہ ناقص تھا حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری استاد حدیث دار العلوم دیوبند نے اسکی تکمیل کرا کے اپنے مکتبہ سے شائع کیا ہے۔ (۶) لغت کی ایک کتاب۔ اس کتاب کا مسودہ مولانا ریاست علی بجنوری مدظلہ کے پاس محفوظ ہے۔ اس میں حمدِ باری کے طرز پر نظم میں لغات جمع کی گئیں ہیں۔ یہ مسودہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود مکمل نہیں ہے۔ اس میں حمد ونعت، مدحِ خلفاءِ راشدین وصحابہ کرام، اور مدحِ ائمہ دین کے بعد پچاسوں عنوانات کے تحت لغات کا استیعاب کرنے

کی کوشش کی گئی ہے۔ایک عنوان "انسان اوراس کے اعضاء" کے چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں۔

ہے "پپوٹا" جفن اور "ھدبہ" پلک　　　آنکھ "عین" و طرف انسان مردمک

چشمِ خانہ "محجر" اور "مشفر"　　　"حدقہ" ہے بادام اور ناخون "ظفر"

ڈھیلا 'مقلہ' لب 'شفہ' گردن 'جید'　　　ریش 'لحیہ' مونچھ 'شارب' اے ولید

یہ بھی اپنے طرز کا ایک انوکھا کام ہے کہ عربی الفاظ کی نظم کے پیرایہ میں ڈکشنری تیار کرنا ایک جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔اوراس کے لئے زبان وبیان پر غیر معمولی قدرت کی ضرورت ہے اور شاعری ونظمِ کلام پر بھی غیر معمولی قدرت کا ہونا لازمی ہے۔ ١١٠

۱۰۶۔ڈاکٹر فرحانہ صدیقی

ڈاکٹر فرحانہ صدیقی کا تعلق بچھراؤں (ضلع مرادآباد) کے ایک نامور خاندان سے ہے۔ آپ نے جس خاندان میں آنکھ کھولی وہ ہمیشہ سے ہی تہذیب وثقافت اور علم وادب کا گہوارہ رہا ہے۔ آپ کی پیدائش اور تعلیم وتربیت دہلی میں ہوئی۔والد جو کہ خود بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طالب علم رہ چکے ہیں جامعہ کے پہلے اکاؤنٹس آفیسر کے منصب پر فائز تھے۔والدہ ماجدہ ایک خالص گھریلو خاتون ہیں۔جنھوں نے آپ کی پرورش،تعلیم وتربیت،اور خوداعتمادی پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ تین سال کی عمر میں والد ماجد نے جامعہ نرسری اسکول میں داخلہ کرادیا تھا۔دوسال نرسری میں گذارنے کے بعد داخلہ مدرسہ ابتدائی میں ہوا۔جامعہ اسکول ہمیشہ سے ہی علمی وثقافتی سرگرمیوں کے لئے مشہور رہے ہیں۔بیت بازی،غزل سرائی،ڈرامہ،تحریری اور تقریری مقابلے،اسپورٹس کا انعقاد،ان اسکولوں کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔آپ نے ہمیشہ سے ہی ان تمام سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور ہمیشہ اول درجے پر رہیں۔ساتویں جماعت میں جامعہ ہائر اسکول میں داخلہ لیا۔یہاں کے پرنسپل جناب عبدالحق خاں صاحب تھے۔ان کے زمانہ میں یہ اسکول آج کل کے عمدہ سے عمدہ پبلک اسکول کا

مقابلہ کرتا تھا۔ پھر نویں جماعت میں عربی کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھنا شروع کیا۔ جناب انیس الرحمن صاحب (جو آج کل ذاکر حسین کالج میں ریڈر ہیں) سے عربی پڑھی۔ وہ آپ کی زندگی کے عربی کے پہلے استاد تھے۔ اُنھوں نے اتنی محنت اور لگن سے عربی پڑھائی کہ عربی سے دلچسپی پیدا ہو نے لگی۔ بقول آپ کے ''میری عربی کی بنیاد آپ ہی نے رکھی ہے''۔

ہائر سکنڈری میں عربی میں امتیازی نمبر حاصل کرنے پر یو جی سی کی طرف سے اسکالرشپ ملی۔ اس کے بعد آپ نے عربی کو اپنا مستقبل بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ ۱۹۷۵ء میں جامعہ میں بی اے آنرز میں داخلہ لیا۔ بی اے میں سب سے پہلے استاد پروفیسر عبدالحلیم ندوی صاحب سے واسطہ پڑا۔ اور آج جس مقام پر ہیں وہ شاید اُنھیں کی محنت کا ثمرہ ہے۔ پروفیسر عبدالحلیم ندوی صاحب عربی بولنے پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ اور کلاس میں عربی زبان ہی استعمال کی جاتی تھی۔ اساتذہ کے معاملہ میں ہمیشہ سے ہی خوش قسمت رہیں۔ بی اے، اور ایم اے میں پروفیسر عبدالحلیم ندوی صاحب، پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی صاحب، پروفیسر ضیاء الحسن ندوی مرحوم، پروفیسر زبیر احمد فاروقی صاحب، پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی صاحب، اور پروفیسر رفیع العماد فینان صاحب، جیسے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔

بی اے میں عربی کا معیار ایک دم بڑھ گیا لہٰذا محنت بھی اسی حساب سے کرنا پڑی۔ عربی پڑھنے کی ایک دھن تھی۔ بی اے آنرز میں اول آنے پر شاہ ولی اللہ گول میڈل حاصل کیا۔ پھر ایم اے میں داخلہ لیا۔ ایم اے (عربی) میں بھی ٹاپ کرنے پر شاہ فیصل گولڈ میڈل کی حقدار قرار پائیں۔

اِسی اثناء میں پروفیسر عبدالحلیم ندوی صاحب حیدراباد تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش، اینڈ فارن لنگویجز (CIEFL) کے شعبہ عربی میں مدرس ہوئے۔ انھیں کی دعوت پر آپ ۱۹۸۰ء میں حیدراباد گئیں۔ اور PGDTA کے ایک کورس میں داخلہ لے لیا۔ یہ کورس یونیورسٹی کے اساتذہ کی ٹریننگ کا ایک کورس تھا جس میں طریقہ تدریس،، اور نصابی کتب کی تیاری پر زور دیا جاتا تھا۔ اس میں سارے پرچوں کے امتحانات عربی زبان میں لکھنے تھے جو یہ بڑا مشکل کام تھا۔ لیکن

پروفیسر عبدالحلیم ندوی صاحب کی ہمت افزائی اور محنت نے اس کام پر بھی آمادہ کر دیا۔ PGDTA کے بعد ایک دوسرے کورس .M.Litt میں داخلہ لیا۔ جس میں ایک مقالہ بھی لکھنا تھا۔ ہمیشہ سے ہی خواتین پر کچھ لکھنے کی تمنا تھی۔ لہٰذا اپنے مقالہ کا موضوع "مساهمة المرأة فی الادب العربی" رکھا۔ پروفیسر عبدالحلیم ندوی صاحب کی زیرِ نگرانی اس مقالہ کو مکمل کیا۔ حیدرآباد کے قیام میں عبدالحلیم ندوی صاحب کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر عصمت لطیف مہدی، اور پروفیسر معین الدین اعظمی سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ حیدرآباد کا قیام تعلیمی وتربیتی دونوں اعتبار سے بہت اہم رہا۔ اس عرصہ میں گھر سے دور رہ کر بہت کچھ سیکھا اور اعتماد بھی پیدا ہوا۔ دسمبر ۱۹۸۲ء میں جامعہ ملیہ دہلی واپس آ گئیں۔ اسی دوران وزارت دفاع کے اسکول آف فارن لنگویجز میں لیکچرر کی حیثیت سے تقرر ہو گیا۔ ایک سال وہاں پڑھانے کے بعد ۱۹۸۴ء میں جامعہ میں لیکچرار کی حیثیت سے تقرر ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۸۶ء میں ڈاکٹر عبد المعید صدیقی (جو اس وقت ایک جاپانی ملٹی نیشنل کمپنی میں ایک بڑے عہدے پر فائز ہیں) کے ساتھ شادی ہوئی۔ اس وقت ایک بیٹی "ہبہ صدیقی" ہے جو دہلی کے ایک مشہور معروف اسکول میں دسویں جماعت کی طالبہ ہے۔ ۱۹۸۴ء میں ریڈر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ اور ۱۹۹۵ء میں "نازك الملائكة :شاعرة و ناقدة، ورائدة الشعر الحر فی الشعر العربی الحدیث" کے موضوع پر پروفیسر زبیر احمد فاروقی کی زیرِ نگرانی پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کرنے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری ایوارڈ کی گئی۔

۱۹۹۶ء میں اپنے شوہر اور بچی کے ساتھ امریکہ کا سفر کیا۔ وہاں دو سال کے قیام کے دوران یونیورسٹی آف میری لینڈ سے لنگویسٹک کے کچھ قلیل مدتی کورسز بھی کیے۔ ۱۹۹۸ء میں امریکہ سے واپس آتے ہوئے کناڈا، اور دیگر یورپی ممالک کا بھی سفر کیا۔ جس میں فرانس، ہالینڈ، جرمنی، اسپین اور بلجیم بھی شامل ہیں۔ اسی تدریسی زندگی کے سفر دوران مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں، میں مترجمہ کی حیثیت سے کام کیا۔ اور عربوں کے ساتھ کام کرنے کے مواقع کے علاوہ ان سے استفادہ کا بھی موقع ملا۔ بہت سے مقالات انگریزی سے عربی میں ترجمہ کیے جو ثقافۃ الہند میں چھپے ہیں ۲۰۰ء میں پی ایچ ڈی کا

مقالہ ''نازك الملائكة: وآثارها الأدبية والنعرية'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔۲۰۰۱ء میں پروفیسر کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔اسی سال ایک اور کتاب جو خواتین کے موضوع سے متعلق تھی ''دور المرأة فى اثراء اللغة العربية وآدابها عبر العصور'' کے نام سے چھپی۔اِسی دوران قومی کونسل نے ایک پروجیکٹ دیا جس کا مقصد مدارس کے طلبہ کے لئے جدید عربی زبان میں ڈپلوما کے معیار کا ایک کورس تیار کرنا تھا۔پروفیسر شفیق احمد خاں ندوی کی زیرنگرانی اس کورس کی تیاری میں بھی شامل رہیں جو ایک کتاب کی شکل میں ''اللغة العربية الوظيفية'' کے نام سے چھپی۔اس وقت اس کے ۸ moduls منظرِ عام پر آچکے ہیں۔اور طالب علموں میں بہت مقبول ہوئے ہیں۔اِسی دوران قومی کونسل نے ایک اور پروجیکٹ دیا جو سرٹیفکٹ کے معیار کا ہے۔پروفیسر زبیر احمد فاروقی کی زیرِ نگرانی ''دروس اللغة العربية للمبتدئین'' نام سے ترتیب دیا۔جو اس وقت زیرِ طباعت ہے۔اس کے علاوہ متعدد لیکچرز یو.جی.سی کی طرف سے منعقدہ ریفریش کورس میں جامعہ اور علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں بھی دئے۔اس کے علاوہ ۴ ریفریشر کورس کی کوآرڈینیٹر کے فرائض بھی انجام دئے۔ ااا

۱۰۷۔(مولانا) فصیح الدین دہلوی

(م۲۰۰۲ء)

مولانا کی سادگی بے ساختہ گفتگو، ذہانت، قوتِ حافظہ، اپنی رائے پر جمنے کی ان کی خو، حالاتِ حاضرہ پر بے لاگ تبصرہ، عالمِ اسلام کے دکھ درد کی وسعتوں پر ان کی گرفت، عربی، اردو، اور انگریزی پر ان کی یکساں قدرت ان کے امتیازی اوصاف تھے۔مولانا فصیح الدین دہلوی ہندوستان میں عربی زبان و ادب کے ماہر عالم اور جدید اخباری ڈپلومیٹ عربی زبان کے ہنرمند قلم کار تھے۔انھوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ عربی سے انگریزی، اردو، اور انگریزی، اردو سے عربی میں ترجمہ کرنے میں گذارا۔وہ دہلی میں

عربی ممالک کے متعدد سفارت خانوں میں کم وبیش چالیس برس عربی کے مترجم اور رپورٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ان کو تیز ترجمہ کرنے اور تیز لکھنے کی زبردست مہارت تھی حالات حاضرہ پر گہری اور بھرپور نظر تھی۔عالمِ اسلام خصوصاً عالمِ عربی کے حالات سے اس طرح واقف تھے جیسے خاص عرب دنیا کا صحافی واقف ہوا کرتا ہے۔اللہ نے انھیں تحلیل و تجزیہ کی زبردست صلاحیت سے نوازا تھا۔سفارت خانوں میں خطوط و رسائل اور رپورٹوں کیلئے جو زبان استعمال کی جاتی ہے اس میں بڑی نزاکت ملحوظِ خاطر ہوتی ہے۔سفارت کاروں کے مزاج میں کہنا چاہئے کہ صنفِ نازک سے زیادہ حساسیت ہوتی ہے وہ بعض دفعہ ایک لفظ کے بیجا استعمال سے بہت ناراض اور کسی لفظ کے بجا استعمال سے بہت خوش ہوجاتے ہیں اول الذکر صورت میں بنا بنایا کام خراب ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے جبکہ ثانی الذکر صورت میں بگڑا ہوا کام بھی بن جاتا ہے،مولانا فصیح الدین دہلوی کو اپنے طویل تجربہ کی وجہ سے اس میں بڑی مہارت تھی،خصوصاً اس لئے کہ وہ عربی انگریزی اور اردو پر یکساں قدرت رکھتے تھے،کئی زبانوں میں مہارت کی وجہ سے ہر زبان کے صحیح متبادل کی جانکاری میں انھیں آسانی ہوتی تھی۔ان کے تراجم ان نقائص سے بالکلیہ پاک ہوتے تھے جن سے صرف ایک دو زبان کی جان کاری رکھنے والے یا کئی زبانوں کی ناقص معلومات رکھنے والے کے تراجم آلودہ ہوجاتے ہیں۔

ان کے دوستوں،عربی انگریزی میں کا کرنے والوں،خصوصاً دہلی کے ”عربی خاندانوں“ کو ان کی شانِ امتیاز کا اعتراف تھا۔وہ عربی زبان کے ممتاز عالم واہلِ قلم کی حیثیت سے اپنے امتیاز کی وجہ سے دہلی میں ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے تھے۔ان کی خوش اخلاقی،اسلامی اقدار کی ان کی نمائندگی، سفارت خانوں میں (جہاں کا ماحول آزاد اور بعض دفعہ نامعقول حد تک کھلے پن کا نمائندہ ہوتا ہے) کام کرنے کے باوجود اسلامی شناخت اور شعائرِ اسلام کی پابندی کی وجہ سے بھی وہ قابلِ تعریف تھے عموماً سفارت خانوں میں کام کرنے والے بہت سے حضرات نے کبھی داڑھی بڑھالی،کبھی گھٹالی،کبھی پینٹ میں آگئے،کبھی داڑھی سے سبکدوش ہوگئے۔لیکن انھوں نے ماحول سے صلح نہیں کی۔بلکہ ماحول کو

اسلامی اقتدار سے صلح کرنے پر مجبور کیا۔ آپ کی ذات نفاق اور ڈبلنگ سے کوسوں دور اور ظاہر و باطن کی یکسانیت میں بھی ممتاز تھی، وہ بہت سی دینی جماعتوں میں عرصہ تک عربی کا کام کرتے رہے۔ لیکن کویت عراق والے مسئلے میں انھیں اپنی جماعتوں کے قائدین کی دوہری پالیسی سے شدید اختلاف رہا، دل وضمیر کے خلاف ان سے وابستگی پسند نہ تھی چنانچہ علیحدگی اختیار کی اور اپنے اختلاف کا برملا اظہار کیا۔ آپ امت اور ملت کے مسائل سے بھی بھرپور دلچسپی رکھتے تھے اور متعلقہ کاموں کے ہی اسیر نہ تھے۔ حتی الامکان انکا حل نکالنے کی کوشش کرتے۔ ورنہ عموماً سفارت خانوں کے ملازمین اہلِ قلم ہر طرح کے خارجی امور سے پرہیز کرتے ہیں جیسے سفارت خانے سے باہر بھی ان پر پابندی عائد ہو۔ بالآخر انھیں اپنی خودداری اخوداعتمادی کے باعث ایک دن سفارت خانے کی دنیا چھوڑ دینی پڑی۔ لیکن اخبارات میں سیاسی و تجزیاتی موضوعات پر لکھنا برابر جاری رکھا۔ آپ نے ۹۔۱۰ رجب ۱۳۲۳ھ/ ۱۷۔۱۸ ستمبر ۲۰۰۲ء کی درمیانی شب تقریباً ۱۱ بجے وصال فرمایا۔

تصانیف:۔ عربی تراجم کے مذکورہ کاموں کے علاوہ ایک بہت مفید کتاب ''معین المترجم'' لکھی ہے جس میں عربی سیکھنے والوں کے لئے اردو تا عربی، اور عربی تا اردو ترجمہ کرنے، نیز جدید عربی لکھنے اور سمجھنے کے لئے راہ نما اصول بتائے۔ عربی و اردو نصوص کے ترجمے بھی کر کے دکھائے، نیز مفردات کے متبادل کو سمجھنے کی راہ بھی بتائی اس کو مولانا بدرالزماں قاسمی کیرانوی نے آب وتاب سے مکتبہ وحیدیہ سے شائع کیا۔ یہ کتاب دیوبند کے سارے کتب خانوں میں دستیاب ہے۔ ۱۱۲

۱۰۸۔ (ڈاکٹر) فیضان اللہ فاروقی

(م ۱۹۵۲ء)

ولادت ۱۹۵۲ء، ابتدائی تعلیم دارالعلوم مئو، فراغت دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۶۸ء میں سندِ فضیلت حاصل کی، پھر گورکھپور یونی ورسٹی سے بی اے، اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے ۱۹۶۷ء میں ایم اے

،اور پی ایچ ڈی کی۔ ''مدينة لكنائو كمركز للدراسات الاسلامية و العربية فى القرن التاسع عشر '' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا۔اس کے بعد ابتداء جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پڑھایا۔ پھر بڑودہ، گجرات،اس کے بعد'' المعهد المركزى للغة الانجليزية و اللغات الاجنبية'' حیدرآباد میں مدرس رہے۔آخر میں پھر دہلی آگئے۔اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں لیکچرار ہوگئے۔اور تا حال یہیں پر مصروف خدمت ہیں۔

آپ کا عربی مقالہ ''حركة المراصد فى الهند'' ثقافۃ الہند، شمارہ ۳۔۴ج ۳۷ میں شائع ہو چکا ہے اور''حكم تغير الاحكام بتغيير الظروف ''اور''الربا فى الاسلام '' کے نام سے عربی سے اردو تر جمے کئے ہیں جو اسلامک آبجکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی سے شائع ہوئے ہیں۔ان کے علاوہ اردو سے عربی میں بھی کئی تراجم مشہور ہوئے مثلاً ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط :ایک تنقیدی جائزہ'' (ترجمة الرسائل النبوية للدكتور عبد اللطيف كانو مطبوعہ مجلۃ الوثیقہ دمشق)اور'' دعوت وتبلیغ کا مسنون طریقہ''(ترجمہ''منهج الدعوة الى السنة'' اسلامک آبجکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی)وغیرہ۔

۱۱۳

۱۰۹۔(مولانا سید) قائم رضا نسیم (امروہہ)

۱۳۲۶ھ۔۱۴۰۷ھ

۱۹۰۸ء۔۱۹۸۷ء

آپ فرزدق ہند جواد حسین شمیم امروہوی کے پوتے اور جناب سید برجیس مرحوم کے صاحب زادے تھے،گھر کا ماحول خالص علمی وادبی تھا۔ ۲۷ رجب ۱۳۲۶ھ/ ۲۴راگست ۱۹۰۸ء کو پیر کے دن محلہ دانشمندان امروہہ میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں پہلے والد صاحب اور پھر دادا کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ والدہ ماجدہ کی آغوش تربیت میں اعلیٰ اخلاقی صفات سے آراستہ ہوئے۔قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم

کے بعد عربی فارسی بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی، اس کے بعد کامل، مولوی، عالم، فاضل ادب وفقہ، اور نور الافاضل کی سند حاصل کیں۔ اس کے بعد نور المدارس امروہہ میں تدریسی سلسلہ شروع کیا ۔مدرسہ باب العلم نوگانواں سادات کے صدر مدرس اور منصبیہ عربی کالج میں مدرس اور جوبلی انٹر کالج لکھنو میں معلم عربی، چرچ مشن ہائی اسکول لکھنو میں ہیڈ مولوی، اور پروفیسر وانچارج شعبہ فارسی اورینٹل کالج رامپور وغیرہ جیسے ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت فرمائی اور سندھ کے علاقہ میں قیام کیا اور وہاں تقریباً دس سال سہ روزہ اخبار ''مراد'' نکالا۔ اس کے بعد ترقی اردو بورڈ کراچی سے وابستہ ہوئے اور اردو زبان کی بسیط لغت کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ قیامِ رامپور کے دوران نواب رضا علی خاں سے بھی بسلسلہ شعروسخن خاص قرب رہا۔ ۱۵ سال کی عمر سے مرثیہ نگاری شروع کردی تھی۔ آپ کو اردو میں جدید مرثیہ کا بانی کہا جاتا ہے۔ تقریباً ۳۰۰ مرثیے لکھے۔ ۲۹ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ/ ۲۸ فروری ۱۹۸۷ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔ اولاد میں سید شمیم حیدر، سید قسیم حیدر، سید نسیم حیدر، سید وسیم حیدر۔ ہیں۔

تصانیف:۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ تیس سے زائد کتابوں کا سراغ ملتا ہے جن میں تاریخِ خیر پور ،ترجمہ صحیفہ کاملہ، ترجمہ توضیح المسائلِ آقائی خوئی، مراثی نسیم، دعائے فاطمہ، مومنِ آلِ ابراہیم، دینیات کی کتاب ۵ رحصے فرہنگِ اقبال، معلم المکاتیب ۸ حصے، منظومات، منثورات، ہندوستانی بول چال ،ملتِ شیعہ اور سیاستِ حاضرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ طوسی کی معیار الاشعار کا ترجمہ تفسیر اصفی، مطبوعہ انوار احمد پریس الٰہ آباد، اور ترجمہ وتفسیر پارہ عم، اور ''تسیم اللغات''، ''رئیس اللغات''، ''النحو''، ''الصرف'' ''اہم کتابیں ہیں۔ [۱۱۴]

۱۱۰۔ (مولانا ڈاکٹر سید) قدرت اللہ باقوی (مدراس)

(و۔۱۹۳۴ء)

مولانا قدرت اللہ باقوی بمقام میسور (تمل ناڈ) ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و

تربیت میسور ہی میں پائی۔ مدرسہ باقیات صالحات میں ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۹ء عربی وفارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ پھر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے اولاً ایم اے اردو کیا اور رانچی یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی سند حاصل کی۔ پھر اس کے بعد ایم اے عربی بھی کیا اور عربی سے پی ایچ ڈی کی۔

۱۹۹۳ء کے آس پاس کیرالہ کے مختلف کالجوں میں پرنسپل رہ چکے ہیں۔ اور وہیں کرناٹک کی عہد آفریں شخصیت مولانا عبدالحیٔ واعظ بنگلوری کی دینی وعملی، علمی وادبی خدمات کا بھرپور جائزہ پیش کیا۔ اور عربی میں آپ کی گرانقدر تصنیف ''العلامۃ السید عبد الحئی الحسنی مؤرخ الہند الاکبر عصرہٗ و حیاتہٗ و مؤلفاتہ'' ۱۹۸۳ء میں چھپ چکی ہے۔ اس پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تقریظ بھی ہے آپ کی عربی زبان وادب کی تاریخ ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔ کیرالہ کے دورانِ قیام اور بھی کئی تصانیف لکھی ہیں (جن کا علم راقم الحروف کو نہ ہوسکا)۔ ۱۱۵

۱۱۱۔ (ڈاکٹر) قمر النساء بیگم۔ (حیدراباد)

(و۔ ۱۹۴۹ء)

والد ماجد کا نام محمد رحیم الدین (اسسٹنٹ انجینئر (P.W.D) آندھراپردیش) ہے۔ آپ خلیفہ بحر العلوم محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ کے خانوادے سے تعلق رکھتی ہیں۔ نیز آپ کے شوہر ڈاکٹر محمد انوار اللہ خاں، ایم اے، پی ایچ ڈی، ہیں۔ اور خسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ رہ چکے ہیں۔ اور بیٹی زیبا انور شکاگو (امریکا) میں مقیم ہیں ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔

ڈاکٹر قمر النساء حیدراباد کے علمی گھرانے میں ۱۳ راگست ۱۹۴۹ء کو پیدا ہوئیں۔ والد ماجد سے منہاج العربیہ وغیرہ ابتدائی عربی کتب پڑھیں۔ پھر مدرسہ منہاج الشرقیہ دبیر پورہ، حیدراباد میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد ویمنس کالج کوٹھی حیدراباد سے بی ایس سی، اور عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے، پی ایچ ڈی کیا۔ اور قاری سید کلیم اللہ حسن پروفیسر فارسی عثمانیہ یونیورسٹی سے قراءۃ سبعہ عشرہ کی تعلیم حاصل کی۔

اور امام عاصم جامعہ نظامیہ حیدر اباد سے تجوید وقراءۃ میں مہارت حاصل کی۔اس وقت عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہیں۔اور مستقل رہائش ''بنجارہ ہلز، تاج کرشنا روڈ، حیدر اباد'' میں ہے۔

ابتداء انوار العلوم میں کلاسیکل عربی کی مدرس رہیں۔،اور پھر ویمنس کالج کوٹھی میں عربی نثر و نظم، تاریخ، نقد، جیسے موضوعات کی تدریس (۱۹۷۳ء تا ۱۹۸۹ء) انجام دی۔اور پھر ۱۹۸۹ء سے تا حال عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں ایم اے، کے طلبہ کو بلاغت، عروض، تاریخ، ترجمہ، نثر و نظم قدیم وجدید، وغیرہ کا درس دیتی ہیں۔پی ایچ ڈی کا مقالہ ''علامہ فضلِ حق خیرابادی، اوران کی علمی خدمات'' پر لکھا تھا۔جو مکتبہ رضویہ لاہور سے کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔علاوہ ازایں صوت الامۃ بنارس، التنویر حیدر اباد، الاضواء حیدر اباد و دیگر رسائل میں برابر لکھتی ہیں۔اور ''ڈاکٹر طہ حسین'' ''مولانا ابوالاعلی مودودی'' ''مولانا سلیمان اشرف البہاری'' پر عربی مضامین لکھے۔اور ''اردو میں عربی زبان کے مدارس ہندوستان میں'' اور ''اردو زبان کا اثر عربی زبان پر'' و دیگر مقالات تحریر کئے جو مختلف سیمیناروں میں پڑھے گئے۔ ۱۱۶

۱۱۲۔(مولانا مفتی) کفایت اللہ دہلویؒ

(م ۱۸۷۲۔۱۹۵۲ء)

مولانا کفایۃ اللہ ابن عنایۃ اللہ ابنِ فیض اللہ حنفی شاہجہانپوری ثم دہلویؒ بہت بڑے عالم تھے، ۱۲۹۲ھ کو شاہجہانپور میں پیدا ہوئے۔مدرسہ اعزازیہ میں دوسال پڑھنے کے بعد مراداباد گئے اور مدرسہ شاہی میں داخلہ لیا وہاں کے ساتذہ مولانا عبدالعلی میرٹھی، مولای محمد حسن، مولوی محمود حسن سہوانی وغیرہ سے تعلیم پائی۔آپ ٹوپیاں سی کر بیچتے تھے اور اسی سے اپنا خرچ پورا کرتے تھے ۔۱۳۱۲ھ میں دیوبند کا سفر کیا اور دار العلوم دیوبند میں مولانا منفعت علی دیوبندی، حکیم محمد حسن، شیخ غلام رسول، شیخ خلیل احمد

انبیٹھوی، سے تعلیم حاصل کی ۔۱۳۱۵ھ میں فراغت پا کر شاہجہانپور واپس آئے ، اور مدرسہ عین العلم میں ۵ سال درس دیتے رہے ۔ اور انتظامی امور بھی سنبھالے ۔ پھر مولانا امین الدین بانی مدرسہ امینیہ کی دعوت پر دہلی گئے ۔ اور بحیثیت استاذ کے وہاں ۱۳۲۱ھ میں آپ کا تقرر ہو گیا، اور پھر ۱۳۲۸ھ میں مولانا امین الدین کی وفات کے بعد انتظامی امور بھی آپ ہی کے سپرد کر دیئے گئے ۔ چنانچہ وہاں آپ نے ۴۴ سال تک مستقل درس دیا ۔ آپ کی تدریس و افتاء، تعلیم و تربیت، افراد سازی، جیسی طویل خدمات کے ذریعہ ہی مدرسہ امینیہ نے ہندوستان کے مدارس میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔

مولانا مفتی کفایۃ اللہؒ کو مسلم مسائل اور سیاستِ حاضرہ سے خاص دلچسپی تھی ۔ ملتِ اسلامیہ پر پیش آنے والے مصائب سے بیحد رنجیدہ ہوتے ۔ یہ چیز آپ کو آپ کے شیخ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہندؒ سے ورثہ میں ملی تھی ۔ آپ اپنے شیخ کے دایاں ہاتھ تھے ۔ خلافتِ عثمانیہ کی مدد اور ملک کی آزادی و انگریزوں کی جلاوطنی کی کوششوں میں آپ کے سب سے وفادار شاگرد تھے ۔ نیز ۱۳۳۸ھ میں جمعیۃ العلماء کی تاسیس میں بھی آپ نے اہم رول ادا کیا اور ۲۰ سال آپ اس کے صدر رہے ۔ آپ تحریکِ آزادیٔ وطن کے بڑے لیڈر تھے ۔ اور اس سلسلہ میں انڈین نیشنل کانگریس کی سرگرمیوں میں بھی اہم رول ادا کیا ۔ اس لئے دو بار جیل گئے ۔ پہلی بار ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ میں چھ ماہ کیلئے ، دوسری بار ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ میں اٹھارہ ماہ جیل میں رہے ۔ اور جب مسلمانوں کو ارتداد کی ترغیب کے لئے شدھی تحریک اٹھی تو آپ نے پوری قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا ۔ اور مسلمانوں کے اندر اعتماد و استقامت پیدا کرنے کیلئے آپ نے علماءِ کرام کے وفود بھیجے اور خود کئی سفر کئے ۔ اور ۱۳۴۴ھ میں ملک عبدالعزیز بن سعود کی دعوت پر اسلامی کانفرنس میں شرکت کیلئے جمعیۃ العلماء کے وفد کی قیادت کی ۔ دوسری بار آپ نے فلسطین کانفرنس میں شرکت کیلئے سفر کیا جو شعبان ۱۳۵۷ھ میں قاہرہ میں منعقد ہوئی تھی ۔ اور وہاں کے علماء و لیڈران نے آپ کو ہندوستان کے مفتی اعظم اور عالمِ کبیر کی حیثیت سے جانا۔

۱۳۶۷ھ میں ہندوستان کو آزادی ملی اور یہاں قومی حکومت قائم ہوئی ۔ مجاہدینِ آزادی کی

امیدوں کے خاتمہ کو آنکھوں سے دیکھا۔ تو آپ کا دل ٹوٹ گیا اور آپ نے سیاست سے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور علم وافتاء، ذکر وعبادت، میں آخرِ حیات تک مشغول رہے۔ مفتی کفایۃ اللہؒ زبردست عالم تھے، فقہ میں رسوخ تھا، فتویٰ نویسی، اور مسائل کی تنقیح میں لاثانی تھے۔ آپ کی عبارات مختصر اور سنجیدہ ہوتیں، مسائل اور حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کو عربی ادب کا اچھا ذوق تھا، عربی شاعری پر بھی قدرت تھی۔ حساب اور علومِ ریاضی میں بھی مہارت رکھتے تھے آپ کی تحریر بڑی خوبصورت تھی۔ جوانی ہی میں علامہ رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہو گئے تھے۔ تا حیات اصلاحِ نفس سچائی، پاکدامنی، پر جمے رہے۔ اور لوگوں کو آپ کی ذات سے بیحد فیض پہونچا۔ آپ نے تعلیم الاسلام کے نام سے مسلمان بچوں کے دینی عقائد کی درستگی کیلئے چار رسالے لکھے جن کو قبولِ عام حاصل ہوا اور بار بار چھپے۔ افتاء و تدریسی خدمات بہت زیادہ تھیں۔ آپ کے فتاویٰ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ آپ کی عربی شاعری میں آپ کا وہ قصیدہ بہت مشہور ہے جو آپنے شیخ الہندؒ کی شان میں ان کی مالٹا کی اسیری کے وقت لکھا تھا۔ ۱۱۷

۱۱۳۔ (ڈاکٹر) کفیل احمد قاسمی

(ڈاکٹر) سید کفیل احمد قاسمی آج کل علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پروفیسر، اور صدرِ شعبہ کے عہدہ پر فائز ہیں۔ آپ نے دار العلوم دیوبند سے ۱۹۶۶ء میں فضیلت کیا۔ اُس کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے عربی انگریزی میں ۱۹۷۱ء میں بی اے آنرز کیا تھا۔ پھر یہیں سے ۱۹۷۳ء میں عربی سے ایم اے کیا۔ اور ۱۹۸۶ء میں عربی میں پی ایچ ڈی کی۔ آپ نے ڈاکٹر سید مختار الدین آرزو کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔ جس کا موضوع ''کتاب المقفی الکبیر کا تنقیدی مطالعہ'' تھا۔ اور گذشتہ دس پندرہ سالوں کے دوران آپ کی زیرِ نگرانی تقریباً ایک درجن طلبہ پی ایچ ڈی مکمل کر چکے ہیں۔ اور

تقریباً آٹھ دس طلبہ ایم فل کا مقالہ آپ کی زیرِ نگرانی لکھ چکے ہیں۔
آپ نے علی گڈھ، میرٹھ، دہلی، سری نگر، کی یونیورسٹیوں، اور ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ اسلامیہ، وغیرہ میں ۳۸ سے زیادہ علمی وادبی کانفرنسوں وسیمناروں میں شرکت کی۔ اور اپنے تحقیقی مقالات پیش کئے۔ اور ہندوستان کی لگ بھگ ۹/ یونیورسٹیوں میں اسٹاف سلیکشن کمیٹی کے اعزازی مشیر ہیں۔ اور پٹنہ، سری نگر، اجمیر، دہلی، الہ آباد۔ کلکتہ وغیرہ مین پبلک سروس کمیشن کے ممبر اور ممتحن ہیں۔ آپ کو ایم اے میں فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۷۳ء میں گولڈ میڈل دیا گیا تھا۔ اور ۱۹۷۱ء میں بی اے میں فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر بھی علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے گولڈ میڈل ملا تھا۔ فی الحال علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں ہیں۔ اور یونیورسٹی میں بہت سے عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ مثلاً یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے پروگرامز کے کوآرڈی نیٹر، اور ۱۴/ سال سے بیرونی طلبہ کے کوآرڈی نیٹر، سٹوڈینٹ ویلفئر کے ڈین اسسٹنٹ، اور مختلف ہالز کے وارڈن وغیرہ۔

تصانیف:۔ عربی میں چار کتابیں طبع ہو چکی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔
۱۔ المقریزی کی عربی خدمات، ۲۔ کتاب المقفی الکبیر کا تنقیدی مطالعہ" (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدراباد)، ۳۔ ہندوستان میں عربی زبان وادب کی اشاعت میں عربی مارکیٹ کا حصہ، ۴۔ عبدالعزیز میمن: حیات وخدمات۔

ان کے علاوہ تقریباً ۳۵ مضامین ومقالات مختلف مجلات وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں "امریکا میں عربی صحافت کا ارتقاء" (فکر ونظر ج ۳۱۔ ۱۹۹۴ء)۔ ۲۔ قاضی تھانوی اور ان کی کتاب 'کشف اصطلاحات الفنون' (تہذیب الاخلاق علی گڈھ ۱۹۹۱ء)۔ ۳۔ "شیخ الاسلام فی نظر المؤرخ المقریزی" (بحوث الندوۃ العالمیۃ۔ جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۹۷ء) وغیرہ شامل ہیں۔ [118]

۱۱۴۔(مفتی) کفیل الرحمٰن نشاط قاسمی

(و۔۱۹۴۲ء)

۱۹۴۲ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ابتدائی وثانوی تعلیم دیوبند کے مختلف مدرسوں میں پائی۔پھر دارالعلوم کے بزرگ اساتذہ کرام سے علومِ دینیہ میں کمال حاصل کیا۔اور ۱۹۶۱ء میں فراغت پائی۔پھر دارالعلوم دیوبند میں ہی مدرس مقرر ہوئے۔اورتا حال استاذ ومفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔

آپ نے زیادہ تر درسی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا۔مثلاً''فتاویٰ عالمگیری'' کا ترجمہ ضخیم آٹھ جلدوں میں کیا جو وسیم بکڈپو دیوبند سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔حسن بن عمار کی نورالایضاح کا ترجمہ''سراج الایضاح'' کے نام سے کیا جو مکتبہ محمودیہ دیوبند سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔اور نحو کی مشہور کتاب ''شرح جامی'' کا ترجمہ''سراج المعانی'' کے نام سے کیا۔یہ بھی مکتبہ محمودیہ دیوبند سے شائع ہوا۔ہدایۃ النحو کو بھی''سراج النحو'' کے نام سے عربی میں منتقل کیا جو مکتبہ عزیزیہ دیوبند سے شائع ہوئی اسی طرح شمائلِ ترمذی کا ترجمہ''درسِ حدیث'' کے نام سے کیا، جو ادارہ درسِ حدیث دیوبند سے شائع ہوئی۔مشکوٰۃ شریف کی کچھ منتخب احادیث کا ترجمہ بھی آپ نے کیا ہے۔اور مسلم شریف کا ترجمہ جاری ہے۔جس کی ۲۶ قسطیں مکتبہ محمودیہ سے چھپ چکی ہیں۔ ۱۱۹

۱۱۵۔(مولانا) مجاہد الاسلام قاسمی

۱۹۳۶۔۲۰۰۲ء

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، والد ماجد کا نام مولانا عبدالاحد قاسمی، ۹/اکتوبر ۱۹۳۶ء کو پھلواری شریف پٹنہ میں پیدا ہوئے۔آپ نے ۱۹۵۵ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی اوراپنی جماعت میں سب سے زیادہ مقبول نمبرات حاصل کر کے نیا ریکارڈ قائم کیا۔فراغت کے بعد مولانا نے تدریسی زندگی شروع کی اور جلد ہی انھیں جامعہ رحمانیہ مونگیر میں فقہ وحدیث کی اونچی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا اور وہاں ان کی تدریسی قابلیت کے جوہر کھلے اوراپنے وقت کے مقبول

ترین اساتذہ ومدرسین میں ان کا شمار ہونے لگا۔ اس زمانہ میں جامعہ رحمانیہ اور خانقاہِ مونگیر کی رونق حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی ذات سے تھی جنھیں اللہ نے جوہر شناسی کا خوب ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جب ان کا انتخاب امیرِ شریعت رابع کی حیثیت سے ہوا تو انھوں نے اس جوہرِ قابل کو امارتِ شرعیہ میں افتاء وقضاء کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ امارت کی تعمیرِ نو کے لئے پٹنہ بھیج دیا۔ جہاں انھوں نے بڑی محنت وجانکاہی کی زندگی شروع کی۔ اور اپنے مخلص ترین رفقاء کے ساتھ امارتِ شرعیہ کی تعمیر وترقی میں لگ گئے۔ اور پھر امارتِ شرعیہ ان کی زندگی اور وہ امارتِ شرعیہ کی آبرو بن گئے۔ چنانچہ مولانا رحمانی کی وفات کے وقت نائب امیرِ شریعت کے منصب پر فائز کئے گئے۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے امارتِ شرعیہ میں اپنی زندگی کے تقریباً ۳۵ سال بسر کیے اور ہزاروں معاملات کے فیصلے کئے اور نظامِ امارت کا جز بنکر اندرونِ صوبہ اور بیرونِ صوبہ ہزاروں تقریریں کیں۔ دوسرے صوبوں میں امارتِ شرعیہ کے قیام کی جد جہد کی، اور ملک کے مختلف علاقوں میں دار القضاء قائم کرائے اور قاضی کا لقب ان کے نام کا جز اس طرح بن گیا کہ "قاضی صاحب" کے لفظ سے لوگوں کا ذہن مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی طرف ہی منتقل ہوتا تھا۔ آپ نے امارتِ شرعیہ کو ایک نہایت معتبر اور باوقار ادارہ بنانے میں بے پناہ کامیابی حاصل کی۔ آپ نے امیرِ شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی زندگی میں اپنی شخصیت کی انفرادیت کو حضرت امیر کی شخصیت میں گم رکھا اور کبھی اس کی کوشش نہیں کی کہ اپنے لئے کوئی مستقل مقام بنائیں۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد سے انھوں نے مسلمانوں کی قیادت کے میدان میں پائے جانے والے خلاء کو اپنی بے مثال شخصیت اور غیر معمولی صلاحیت سے بہت جلد پر کردیا۔ مسلم پرسنل لاء کے مسائل پر مولانا کو جتنا عبور تھا اور جس طرح خوش اسلوبی اور مضبوط دلائل کے ساتھ وہ پیش کرسکتے تھے کوئی اور نہیں کرسکتا تھا اس معاملہ میں انکا کوئی ثانی نہیں تھا۔ آپ کی ذات ان عبقری شخصیتوں میں سے تھی جنھوں نے بیک وقت متعدد اہم کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان کا ہر کارنامہ خدماتِ جلیلہ کا شاہکار کہا جاتا ہے۔ آپ نے قضاء کا منصب سنبھالا تو

ایک غیر مسلم اکثریت والے ملک میں ہوتے ہوئے بھی اس منصب کو بے پناہ وقار واعتبار عطا کیا۔ اورا پنے فیصلوں سے بڑے بڑے ججوں کو بھی مات کیا۔

اہم ملی خدمات:۔

ا۔ مسلمانوں کے روزمرہ پیش آنے والے مسائل پر خواہ وہ سیاسی ہوں یا معاشی، وتجارتی، آپ کی گہری نظر رہتی آپ انھیں ذہانت وفراست سے امت کے مفاد میں حل کرنے کی کوشش کرتے ۔سماجی مسئلے جیسے نکاح، طلاق میراث وغیرہ، ۔اسی طرح سیاسی محاذ پر ملی جد وجہد اور دیگر مسائل کو سلجھانے اور دور کرنے پر آپ کی توجہ رہتی ۔آپ ایک طویل عرصہ تک دار القضاء امارتِ شرعیہ بہار و اڑیسہ، پھلواری شریف پٹنہ، کے قاضی رہے اس کے استحکام نیز اس کے دائرہ کار کی وسعت کیلئے آپنے غیر معمولی جد وجہد فرمائی۔ چنانچہ اس وقت مرکزی دار القضاء کی اٹھارہ شاخیں ملک کے تین صوبے بہار واڑیسہ، وجھارکھنڈ، کے مختلف علاقوں میں اپنا فریضہ ادا کر رہی ہیں۔

۲۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ ہندوستان میں شریعتِ اسلامیہ کے تحفظ وبقاء کے میدان میں جس کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔آپ ۱۹۷۲ء میں اس کے قیام کے وقت سے ہی اس کے انتہائی فعال رکن رہے۔ اور بورڈ کے دوسرے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وفات کے بعد ۱۵۱ رکنی بورڈ نے باتفاقِ رائے آپ کو بورڈ کا صدر منتخب کیا۔

۳۔ ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد رکھی اور اس وقت سے ہی آپ اس کے جنرل سکریٹری رہے۔آپ کی قیادت میں اکیڈمی نے جدید مسائل کے شرعی حل کی دریافت کی۔ مختلف المسالک علماء کے اتحاد، طلباءِ مدارس کی تربیت، اور جدید فقہی موضوعات پر وقیع لٹریچر کی تیاری کے میدان میں بڑا ہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا،۔اس اکیڈمی نے ملک کے مختلف حصوں میں تیرہ فقہی سیمینار جدید موضوعات پر لیکچرز کرائے۔ اور ۴۰ جلدوں پر محیط فقہی انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ بھی کرایا جو اشاعت کیلئے تیار ہے۔

۴۔ قاضی صاحب نے آل انڈیا ملی کونسل قائم فرمائی جس نے بلا لحاظ مسلک وفرق صرف کلمہ واحد کی بنیاد پر ملک کے تمام مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ اور اس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کی اجتماعی ترقی ہے۔ آپ مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنا چاہتے تھے۔ اتحاد ملی کی روح آپ کی فکر کا مرکز ومحور تھی۔

۵۔ مسلمانوں کی نوع بہ نوع مشکلات کے حل کیلئے آپ کی جد وجہد کا دئرہ پھیلا ہوا تھا۔ آپ تقسیمِ کار کے اصول کے مطابق اپنے معاونین کے ذریعہ سارے کام انجام دیتے تھے۔ اور اسی لئے بہت سے علمی اداروں کے سرپرست بنائے گئے۔ ملک اور بیرونِ ملک مسلمانوں کے درپیش مسائل سے آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ اور دنیا کی دیگر تنظیموں و اداروں سے آپ کا علمی تعاون اور مثبت رول برقرار رہا۔ مولانا نور عالم خلیل امینی مدیر "الداعی" لکھتے ہیں:۔

"اللہ تعالی نے ان کو ذہانت وفطانت اور فہم وادراک کی دولتِ فراواں سے نوازا تھا۔ ان کی آنکھوں کی ذہانت، چہرے کی متانت، ان کی علمی بے پناہی، فقہ وقضاء میں اجتہاد کے درجہ کی ان کی صلاحیت، قائدانہ لیاقت، مفکرانہ سوز و گداز، ملت کیلئے ان کی ادائیں، عالمی سطح پر امت کی مظلومیت، ٹھوس اور مؤثر قیادت کے حوالے سے احساس کی وجہ سے ان کے غم والم کی نہ ختم ہونے والی کیفیت، اور سب سے بڑھ کر علم ومطالعہ کے سمندر کی تہوں میں ان کی غواصی، ان کے علمی وفکری سوچ کے کارخانے میں ڈھلنے والے آب دار موتی، تہذیب وتمدن کے نئے نئے قافلوں کی چاپ کو اول وقت میں محسوس کر لینے کی ان کی قوتِ ادراک کی فضیلت، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی داخلی وخارجی سازشوں کے تانے بانے کو سرعت کیساتھ باور کر لینے کی ان کی عظمت، علماء کی صف میں عربی اردو کے علاوہ انگریزی زبان پر ان کے عبور کے تعلق سے ان کی فوقیت۔ اور اسلامی مسائل کے حوالے سے جدید وقدیم اور مخالف وموافق دونوں طبقوں کے تمام شکوک وشبہات کو زبان کی حلاوت، فکر کے بانکپن، ذہانت کی گود میں پلی ہوئی سوچ اور عالمانہ اور مومنانہ فراست کی انفرادیت کے ذریعہ یکسر زائل کر دینے کی ان کی خداداد لیاقت، کو نہیں معلوم کہ قحط الرجال کے دور میں ملت کب تک روتی رہے گی"۔

پرسنل لا بورڈ کی صدارت سنبھالنے کے بعد آپ کا بہت بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ ''مجموعہ قوانینِ اسلامی'' کو بڑی مشکلوں سے شائع کرایا۔اور یہ اہم کام برسوں سے جس طرح غیر ضروری تعویق میں پڑا رہا اور حضرت مولانا علی میاں اپنی پوری مدتِ صدارت میں اس کی اشاعت کیلئے کوشاں رہے لیکن کامیابی نہ مل سکی۔ آپ نے بڑی حکمت سے مسودہ کو شکنجہ سے نکالا اور اردو اور انگلش دونوں زبانوں میں اسے پوری آب وتاب کے ساتھ شائع کرایا۔آپ کی عبقریت کا ایک پہلو افراد سازی بھی ہے آپ نے نوجوان علماء کی وہ کھیپ تیار کردی ہے جس کی دلچسپی درسی کتب کے شروح وحواشی سے آگے نہ تھی۔آپ کے فیضِ نظر سے وہ مصنف، مقالہ نویس اور بڑے بڑے علمی وفقہی سیمناروں کے شرکاء بن گئے۔

ان کو اللہ نے جن بڑے کارناموں کی توفیق دی ہے ان میں کویت سے چالیس سے زائد ضخیم جلدوں میں شائع ہونے والی عظیم فقہی انسائکلو پیڈیا کا اردو ترجمہ بھی ہے۔خالص فقہی اصطلاحوں سے مرصع اتنی بڑی کتاب جس کی تیاری گذشتہ ۳۵ سالوں سے مختلف فقہی مذاہب کے علماء کی ایک بڑی ٹیم انجام دے رہی ہے۔اس کے ترجمہ کے بارے میں سوچنا، اور پھر اسے عملی جامہ پہنانا، یہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی جیسے باعظمت انسانوں کا ہی کام ہوسکتا ہے، انھوں نے اس کے لئے نوجوان علماء کی ایسی منتخب ٹیم تشکیل دی کہ حیرت انگیز طور پر نہایت ہی کم عرصہ میں اس کام کا بڑا حصہ تیار ہوگیا۔افسوس کہ ایسے وقت میں جبکہ امتِ مسلمہ کو اپنی مذہبی قیادت کی مضبوطی اور پختگی کی ضرورت تھی، آپ ۴راپریل ۲۰۰۲ء/۲۰رمحرم ۱۴۲۳ھ بعد نمازِ مغرب سات بج کر ۵رمنٹ پر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔

اس کے علاوہ آپ نے جو عظیم ذمہ داریاں سنبھالیں۔اور جن مناصبِ جلیلہ پر فائز رہے۔ اُن میں سے چند یہ ہیں:۔۱۔صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔۲۔بانی جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی،۳۔چیف قاضی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ۔۴۔سکریٹری جنرل آل انڈیا ملی کونسل۔۵۔ممبر

اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ۔۶۔ممبر المجمع العلمی العالمی دمشق ۔ ۷۔رکنِ اعزازی ''الہیئۃ الخیریۃ الاسلامیۃ العالمیۃ''،کویت۔۸۔ممبر گورننگ باڈی ''انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک آبجکٹیو اسٹڈیز'' نئی دہلی۔۹۔بانی وصدر ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء۔پھلواری شریف پٹنہ۔۱۰۔چیف ایڈیٹر سہ ماہی ''بحث ونظر'' نئی دہلی۔وغیرہ۔

عربی تصانیف:۔ ۱-الوقف (عربی) مطبوعہ بیروت لبنان-۲- نظام القضاء فی الاسلام (عربی) مطبوعہ بیروت-۳- قضایا فقہیہ معاصرہ (عربی) ٤- فقہ المشکلات (عربی) ٥- الذبائح (عربی) ٦-عنوان القضاء ۰ (عربی) چار ضخیم جلدیں، کویت سے شائع شدہ-۷-دراسۃ فقہیۃ (عربی)-۸-دراسۃ علمیۃ (عربی)-۹-بحوث فقہیۃ (عربی)۔

اردو تصانیف:۔ ا۔اسلامی عدالت (اردو)۔۲۔میڈیکل ایشوز،(انگریزی)۔۳۔مجلّہ فقہِ اسلامی (چھ جلدیں)۔۴۔ فتاویٰ امارتِ شرعیہ (اردو۔دو جلدیں)۔۵۔مباحثِ فقہیہ (اردو)۔۶۔نظام الفتاویٰ (دو جلدیں)۔۷۔''بحث ونظر'' (چیف ایڈیٹر)۔

اوران کے علاوہ اہم علمی کتابوں میں ''کتاب العشر والزکوٰۃ''''کتاب الفسخ والتفریق،اوقاف،حج و عمرہ،جدید تجارتی شکلیں،ولایتِ نکاح،بیع بالتقسیط،شیئرز اور کمپنی،خطباتِ بنگلور،طبی اخلاقیات، اشتراط فی النکاح،ضرورت وحاجت وغیرہ شامل ہیں۔نیز آداب قضاء ابھی زیر طباعت ہے اور اردو ترجمہ کا ایک اہم کام ''الموسوعۃ الاردیۃ'' ہے۔جنھیں اہم اور مستند اداروں سے شائع کرایا اور عین بیماری کے عالم میں اس کام کو انجام دیا۔ [۱۲۱]

۱۱۶۔(مولانا) مجیب اللہ ندوی

ندوۃ العلماء سے فراغتِ تحصیل کے بعد آپ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں مدرس ہوئے۔اور مدرسہ کے ترجمان ماہنامہ ''الرشاد'' کے مدیر کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔۔عربی میں ا۔''الاقتباس فی

الاسلام ''مختصر رسالہ تصنیف فرمایا۔اور۲۔''جامعۃ الرشاد رسالتہا واھدافہا ومیزاتہا'' (عربی) جامعۃ الرشاد کے تعارف کے سلسلہ میں تصنیف فرمائی۔۔اور مذکورہ بالا خدمات کے علاوہ ماہنامہ ''الرشاد'' جو عربی واردو، دونوں زبانوں میں ادارہ سے شائع ہوتا ہے اس کی عربی اشاعت کے مدیر بھی آپ ہی ہیں اور ''انوار محمدی'' نام سے شمائل ترمذی از مولانا کرامت علی جونپوری کا ترجمہ کیا ہے۔اردو میں ''اسلامی فقہ'' نامی کتاب بیحد مقبول ہوئی۔ ۱۲۲

۱۱۷۔(ڈاکٹر) محمد محسن عثمانی ندوی

(و۔۱۹۴۷ء)

ولادت ۱۹۴۷ء۔ابتدائی تعلیم سے لیکر فراغت تک دار العلوم ندوۃ العلماء میں پڑھا۔اور ۱۹۶۳ء میں ندوہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔پھر پٹنہ یونیوٹی بہار سے ایم اے کیا۔اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ''الصحافۃ العربیۃ فی مصر بین الفترۃ ۱۹۰۱۔۱۹۵۰ء'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد آٹھ سال آل انڈیا ریڈیو دہلی میں مترجم واناؤنسر رہے۔پھر جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں مدرس رہے۔اس کے بعد دہلی یونیورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دئے۔اور آج کل C.I.E.F.L حیدراباد میں پروفیسر ہیں۔تجارتی مقاصد سے ہزاروں ترجمے کئے جو ضائع ہو گئے۔ لیکن اس کے علاوہ طہٰ حسین کی ''المقارنۃ بین العلامہ محمد اقبال وابی العلاء معری'' کا اردو ترجمہ کیا جو ''مریخ'' بہار'' میں ''اقبال اور ابو العلاء معری'' کے نام سے شائع ہوا۔اسی طرح توفیق حکیم کی کہانیوں کا بھی ترجمہ کیا۔آپ کی شہرت امین حسینی کتبی کے عربی مجموعہ کلام ''نفح الطیب'' کے اردو ترجمہ سے ہوئی جو ''امین حسینی کا نعتیہ کلام'' کے نام سے مقبول ہوا۔اور وحید الدین خاں کی ایک کتاب ''احیاء الاسلام'' کو اردو سے عربی میں منتقل کیا۔یہ عربی ترجمہ ''قضیۃ البعث الاسلامی'' کے نام سے دار الصحوۃ للنشر قاہرہ'' سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ ۱۲۳

۱۱۸۔ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی

(و۔۱۹۳۴ء)

والد ماجد کا نام محمد مصطفیٰ تھا۔ضلع بستی کے مشہور ہاشمی خاندان میں ۱۹۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنی بستی ہی میں حاصل کرنے کے بعد لکھنو گئے۔اور ندوۃ العلماء سے ۱۹۵۳ء میں عالمیت کی اور پھر سعودی عرب جاکر دمشق یونیورسٹی میں ۱۹۶۰ء میں لسانیت کی ڈگری حاصل کی۔اور پھر واپس ہندوستان آکر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کیا۔ندوہ میں مولانا محمد اسحاق سندیلوی (حدیث شریف)،مولانا محمد اویس نگرامی (تفسیر)،مولانا محمد اسباط (فقہ) مولانا عبد الحفیظ بلیاوی (لغت وادب) آپ کے اساتذہ میں شامل تھے۔الرائد،البعث الاسلامی،الصحوہ،الرابطۃ العامۃ،المعرفہ،مجلۃ الادب الاسلامی وغیرہ میں ادبی وتاریخی وسوانحی موضوعات پر مقالات چھپتے رہتے ہیں۔عربی زبان وادب میں ۴۰ رکتابیں دمشق،بیروت،اور دہلی سے چھپ چکی ہیں۔علی گڈھ مسلم یونیورسٹی،ندوۃ العلماء لکھنو،جامعہ ملیہ دہلی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ان کے علاوہ جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض،جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ،جامعۃ الہدایہ جے پور،کشمیر یونیورسٹی سرینگر،الہ آباد یونیورسٹی الہ آباد،میں بھی تدریسی فرائض انجام دیے۔رابطہ ادب اسلامی،مجلس شوریٰ ندوۃ العلماء لکھنو،اسلامک آبجکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی کے بھی ممبر رہے۔مکہ مکرمہ،مدینہ منورہ،ریاض،امارات متحدہ،استنبول ترکی،وغیرہ میں دو درجن سے زائد علمی سیمناروں میں عربی مقالات پیش کر چکے ہیں۔فی الحال اے ۳۰/۱ گل مہرا یونیو،تکونہ پارک،جامعہ نگر نئی دہلی میں رہائش پذیر ہیں۔

تالیفات:۔عربی میں لگ بھگ ۳۰۔۴۰ مقالات سپردِ قلم فرمائے جو الرائد،البعث الاسلامی، حضارۃ الاسلام دمشق،ثقافۃ الہند دہلی،المجلۃ العربیۃ ریاض،وغیرہ میں شائع ہوئے،جنمیں "العلامۃ السید سلیمان الندوی ملامح سیرتہ" (۲) "امیر المومنین عبد اللہ بن الزبیر دراسۃ

نقدية تحليلية" (۳) "الادب و الحياة" (٤) الثقافة الاسلامية وتاثيرها فى الفرد و المجتمع(٥) "لك اليوم يا ظالم" (٦) "الامير الصديق حسن خان دراسة نقدية لمؤلفاته" (۷) "مولانا ابو الكلام آزاد: زعيم و مفكر عبقرى" (۸) "العالم العربى فى رحلات الهنود" (۹) "الكويت و المنظور التاريخى الهندى" وغیرہ اہم ہیں۔اور درجنوں اردو مقالات کو عربی کا جامہ پہنایا۔جیسے: (۱) "لمحات للشعر الهندى(ثقافة الهند)" (۲) "الفنون الجميلة فى الهند" (۳) "الفن البوذى" (٤) "الفن الشاعر السنسكرتى تلسى داس" (ثقافة الهند) (٦) "كيف تدرب نفسك" (۷) "الامام ولى الله الدهلوى حياته واعماله" (البعث الاسلامى) (۸) "رجال الفكر و الدعوة: دراسة تحليلية" (ثقافة الهند) وغیرہ۔اردو مقالات ان سے الگ ہیں۔

عربی میں چار کتابیں چھپ چکی ہیں۔۱-التعبير و المحادثة (۱۹۸۹ء)-(۲)شاہ ولی الله الدهلوى (۱۹۷٦ء) "الامام احمد بن عبد الرحيم"- (۱۹۷۷ء)-(٤) "الامير صديق حسن خان: حياته و آثاره"-(٥)ابو الحسن على الندوى: الداعية الحكيم و المربى الجليل دار القلم دمشق (۲۰۰۱ء)- اوردو کتابیں عربی کی زیرِ طبع ہیں ۱- "محمد اقبال شاعر الاسلام" ۲- الشعر العربى الحديث تعليقات و مجموعات"- ۱۲۴

۱۱۹۔(مولانا) محمد اجمل اصلاحی

(و۔۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء)

نام محمد اجمل اصلاحی، والد کا نام ،محمد ایوب اصلاحی، والدہ طیبہ خاتون، پیدائش ۲۰/جمادی الآخرہ ۱۳۷۳ھ/۶/مارچ ۱۹۵۳ء موضع سیدھا، سلطان پور میں ہوئی۔دادھیال موضع کوزہ گوہنی، پھولپور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی ہے، نانیہال اصلاً موضع چکیا (املو چکیا) نزدِ قصبہ مبارک پور، لیکن نانا مولانا اختر احسن اصلاحی بچپن ہی میں اپنے نانیہال موضع سیدھا سلطان پور تحصیل صدر آ گئے تھے۔اور یہیں سکونت

اختیار کرلی تھی ۔ نانا مولانا اختر احسن اصلاحی علامہ فراہی کے شاگرد اور تفسیر و عربی کے ممتاز عالم تھے۔

۱۲۵

ماموں مولانا غالب احسن اصلاحی آخر تک مدرسۃ الاصلاح میں پڑھاتے رہے۔ والد ماجد کی بھی پوری زندگی جب سے مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے، پڑھنے کے بعد سے مدرسہ کی خدمت میں ہی گذر رہی ہے اس وقت والد مدظلہ کی ۷۵ سال کی عمر ہوچکی ہے مگر اب بھی تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد اجمل صاحب کی درجہ چہارم سے فراغت تک تعلیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں ہوئی، ۱۹۷۱ء میں اس مدرسہ سے فراغت کرنے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں تخصص ادب عربی کے دو سال مکمل کئے اور ۱۹۷۳ء ندوہ سے فارغ ہوئے۔ اس دوران مجلّہ ''البعث الاسلامی'' کے دفتر میں کام کیا۔ ندوہ سے فراغت کے بعد ایک عرصہ مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کی فرمائش پر ان کی خدمت میں گذارا۔ اسی دوران ان کے حکم پر ان کی دو تحریروں کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۷۹ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ایم اے (عربی) کیا۔ اور ۱۹۸۰ء میں مسلم یونیورسٹی سے ہی ایم ٹی ایچ بھی کیا۔ اور ۱۹۸۴ء میں لکھنو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔

ملازمت: (۱) ۳ شوال ۱۳۹۴ تا ۲۳ شعبان ۱۳۹۷ھ (۳ سال) مدرسۃ الاصلاح میں مدرس رہے۔ (۲)۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۸۰ء تا ۱۹ جنوری ۱۹۸۲ء اسسٹنٹ ایڈیٹر ثقافۃ الہند (i.c.c.r) (آزاد بھون نئی دہلی (۳)۔ ۲۰ جنوری ۱۹۸۲ء تا ۲۸ جولائی ۱۹۸۲ء لیکچرار عربی شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔ (۴)۔ ۱۲ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ تا ۱۴۱۴ھ (۱۲ سال) مدرس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ۔ (۵) از یکم شعبان تا حال، مرکز البحوث والدراسات الاسلامیہ ریاض (وزارت اسلامی امور سعودی عرب) میں بحیثیت ''باحث'' علمی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

تصانیف:- ا۔"محاسن الشعر" (دو حصے) مدرسۃ الاصلاح کے طلبہ کیلئے عربی شاعری کا انتخاب پہلا ایڈیشن مکتبۃ الاصلاح سے ۱۴۰۱ھ میں شائع ہوا۔ ۲۔"صلاح الدین الایوبی" مولانا علی میاں کے حکم پر ان کے اردو مضمون مشمولہ تاریخ دعوت وعزیمت کا عربی ترجمہ کیا جو کتابی صورت میں دار العلم دمشق سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ ۳۔"دریائے کابل سے دریائے یرموک تک"۔ مولانا علی میاں کے حکم پر ان کی عربی کتاب "من نہر کابل الی نہر یرموک" کا اردو ترجمہ جو لکھنو سے ۱۹۷۵ء میں چھپا۔ اس کتاب کے بعض حصوں کا ترجمہ مولانا نور عظیم ندوی، اور مولانا نذر الحفیظ ندوی کے قلم سے ہے۔

۴۔"الامر بالمعروف و النہی عن المنکر"۔ مولانا جلال الدین عمری کی فرمائش پر ان کی کتاب "معروف ومنکر" کا عربی ترجمہ جو کویت سے ۱۴۰۱ھ میں شائع ہوا۔ اس عربی ترجمہ کا ترکی ترجمہ بھی مصنف کی اجازت پر انجام پایا۔

۵۔"امعان فی اقسام القرآن للفراھی" تصحیح وتحشیہ۔ (شائع شدہ دار القلم دمشق ۱۴۲۰ھ۔

۶۔"الرأی الصحیح فی من ھو الذبیح للفراھی" تصحیح وتقدیم۔ (دار القلم دمشق۔ ۱۴۲۰ھ)۔

۷۔"مفردات القرآن" للفراھی۔ تحقیق وشرح۔ (دار المغرب الاسلامی، بیروت ۱۴۲۳ھ)

۸۔"بحوث و تنبیہات للمعصومی (دو جلدیں) تصحیح وتقدیم وفہارس (دار المغرب الاسلامی بیروت، ۱۴۲۲ھ)

۹۔"فن غریب الحدیث کا آغاز وارتقاء" اور رقاسم بن ثابت اندلسی کی "کتاب الدلائل" کا مفصل تعارف"/ تالیف: ڈاکٹر شاکر الضمام۔ یہ اردو ترجمہ قرآن وسنت اکیڈمی نئی دہلی سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔

اہم عربی مقالات:

ا۔"اصلاح الاصلاح" ابو محمد الاعرابی الأسود الغندجانی (متوفی ۴۳۶ھ) کی

تصنیف ''کتاب اصلاح ماغلط فیه ابو عبد الله النمیری مما فسرهٔ من ابیات الحماسة أولاً و ثانیاً'' ڈاکٹر محمد علی سلطانی کی تحقیق سے معہد المخطوطات العربیہ کویت نے ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء میں شائع کی۔ ''اصلاح الاصلاح'' میں اس ایڈیشن پر مفصل تبصرہ ہے، یہ تبصرہ ''مجلة مجمع اللغة العربیة'' بدمشق میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔ جلد ۶۴ شمارہ ۲، ۳، ۴، ۱۹۸۹ء۔

۲۔ ''مواقف ادبیه و لغویه'' فی کتاب الجماهیر لابی الریحان البیرونی''

یہ مضمون اصلاً بیرونی کے ہزار سالہ جشن منعقدہ حیدرآباد ۱۹۷۵ء کیلئے منتظمین کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ یہ مضمون ''مجلة مجمع اللغة العربیه'' دمشق کی جلد ۶۱ شمارہ (۱) ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا۔

۳۔ ''أهذا کتاب الموضح لعلم القرآن للحدادی ''ملحق التراث، جریدة المدینه۔ شمارہ ۶ جمادی الآخرہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔

۱۴۰۸ھ میں دار القلم دمشق سے ''الموضح فی التفسیر'' کے عنوان سے ایک کتاب صفوان عدنان داؤدی کی تحقیق سے چھپی تھی۔ آپ نے اپنے مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ مطبوعہ کتاب ''الموضح'' نہیں ہے بلکہ کسی شخص نے الموضح کے شواھد علیحدہ سے جمع کردئے تھے جیسا کہ چسٹر بیٹی کے نسخہ کے خاتمہ سے واضح ہے۔ داؤدی نے انھیں اصل کتاب قرار دیدیا۔ بعد میں یہ مضمون مجلۃ المجمع العلمی الہندی میں بھی شائع ہوا۔

۴۔ ''شعر ابن وکیع التنیسی فی کتاب نزهة الابصار للا صبحی''۔ ملحق التراث، جریدة المدینہ شمارہ ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۴۱۴ھ۔

۵۔ ''قصة بیع الجمهرة الدریدیه صاحبها ابو الحسن الفالی لا ابوعلی القالی ۔'' ملحق التراث۔ جریدة البلاد، جدہ، شمارہ ۴/محرم و ۱۱/محرم ۱۴۱۹ھ۔ دو قسطوں میں شائع ہوا۔

۶۔ ''من تصحیفات المعاجم''۔ التسک و النسك و النك، ملحق التراث، جریدہ المدینہ شمارہ ۳ نومبر ۱۹۹۴ء

۷۔ "حول كتاب خلق الانسان لابی محمد الحسن بن احمد بن عبد الرحمٰن" زیرِ طبع، درمجلّہ مجمع اللغہ دمشق۔

۸۔ كتاب مفردات القرآن للفراهی و اهمیتہ فی علم غریب القرآن۔ مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف مدینہ منورہ کیجانب سے ایک سیمینار ماہ رجب ۱۴۲۱ھ میں منعقد ہوا تھا یہ مضمون اسی سیمینار میں پیش کیا گیا۔

۹۔ "نظرات لغویة فی بعض الترجمات الاردیة لمعانی القرآن الکریم"۔ مجمع مذکور کیجانب سے "ترجمة معانی القرآن الكريم" ۔تقويم للماضی و غطیط للمستقبل" کے عنوان سے ایک سیمینار صفر ۱۴۲۳ھ میں منعقد کیا گیا تھا مجمع کی فرمائش پر اسی عنوان سے مضمون پیش کیا گیا۔

۱۰۔ "کتاب حمد الغرائب للنیسابوری و اهمیتہ فی علم غریب الحدیث"۔ مجمع الملک فہد مدینہ منورہ کے سیمینار منعقدہ ۱۴۔۱۶ شوال ۱۴۲۴ھ کیلئے لکھا گیا۔

ان کے علاوہ متعدد مضامین، تبصرے، ترجمے، اور علمی خطوط معارف، فکر ونظر، پاکستان، علوم القرآن، البعث الاسلامی، ثقافۃ الہند، ہفت روزہ ندائے ملت، ملحق التراث جریدة المدینہ، وملحق التراث جریدة البلاد، میں شائع ہوا۔

ریڈیائی تقریریں اور پروگرام:۔

۱۔ العلامہ حمید الدین فراهی و منہجہ فی تفسیر القرآن کے عنوان سے نئی دہلی ریڈیو اسٹیشن عربی شعبہ سے ۲۶ جولائی ۱۹۷۷ء کی یہ تقریر نشر ہوئی۔

۲۔ "مشاركة علماء الهند فی علم التفسیر" کے عنوان سے ۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء۔

۳۔ "مجلس الهند للروابط الثقافة و دورہٗ فی نشر الکتاب العربی" کے عنوان سے ۲۸ جولائی ۱۹۸۰ء کو نشر ہوئی۔ آپ کی زبردست عربی خدمات کو دیکھتے ہوئے "مجمع اللغة العربیة" دمشق کی

مجلس نے اپنے اجلاس منعقدہ ۳۰ جنوری ۲۰۰۲ء میں آپ کو "العضو المراسل" کے طور پر منتخب کیا۔
درجِ بالا عربی کام کو دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ آج کے دور میں ایک زبردست عربی نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب مترجم، اور محقق مقالہ نگار، اور اچھے شارح ہیں۔ آپ کی مختلف النوع عربی خدمات پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ ۱۲۶

۱۲۰۔ (مولانا حکیم) محمد احمد لہراوی

(م ۱۹۴۸ء)

مولانا بخشش احمد کے نام سے عوام میں مشہور تھے۔ ولادت لہرا (ضلع اعظم گڈھ) تیرھویں صدی کے نصفِ آخر میں ہوئی۔ مسلکا اہلِ حدیث تھے، تقویٰ سادگی، علم وفضل میں صالحین کا نمونہ تھے۔ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے۔ طلباء کی تربیت پر خاص توجہ مرکوز رکھتے تھے۔ تقریباً اسی سال کی عمر میں سرائے میر کے قریب راجہ پور سکرور نامی گاؤں میں ۱۵ شوال ۱۳۶۸ھ کو رحلت فرمائی۔ صرف ونحو پر چند رسالے تحریر کئے۔ جن میں "الطریقۃ المرضیہ" عربی زبان میں ہے۔ اور جامع النحو، وقواعد الولد اردو میں ہے۔ ۱۲۷

۱۲۱۔ محمد ادریس کاندھلوی۔ ثم لاہوری

(م۔ ۱۹۷۴ء)

آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذِ رشید تھے ۱۳۱۸ھ میں ولادت ہوئی ابتدائی تعلیم خانقاہِ اشرفیہ تھانہ بھون میں حاصل کی۔ پھر مظاہر علوم سہارنپور میں دورہ حدیث شریف تک تعلیم پائی۔ پھر دار العلوم دیوبند میں دوبارہ دورہ حدیث شریف ۱۳۳۷ھ میں کیا۔ تفسیر، حدیث، کلام اور عربی ادب سے خاص شغف تھا۔ عربی، فارسی میں برجستہ اشعار کہتے تھے۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے خاص

دلچسپی تھی۔۱۳۴۶ھ تک دار العلوم دیوبند میں تدریسی فرائض انجام دئے اس کے بعد حیدر آباد تشریف لے گئے اور دس بارہ سال وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۵۸ھ میں دار العلوم بلالئے گئے اور تفسیر وحدیث کے استاذ مقرر ہوئے ۱۳۶۸ھ میں لاہور تشریف لے گئے اور ۱۹۵۲ء میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں بحیثیت شیخ الحدیث والتفسیر مقرر ہوئے اور تا حیات اس میں مشغول رہے۔ ۷/رجب ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں لاہور میں وفات پائی۔آپ نے مشکوۃ شریف کی شرح ''التعلیق الصبیح'' آٹھ جلدوں میں لکھی اس کے علاوہ حدیث میں تحفۃ القاری فی حل مشکلات البخاری، تفسیر میں معارف القرآن، مقامات پر عربی میں حاشیہ، شرح الفیۃ، شرح بیضاوی ۲۲ جلدوں میں قلم بند کی۔ ۱۲۸

۱۲۲۔ (حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ) محمد اسعد اللہؒ ناظم

۱۸۹۷۔۱۹۷۸ء

ماہ شوال الکرم ۱۳۱۴ھ کو اپنے وطن رامپور میں پیدا ہوئے۔تاریخی نام مرغوب اللہ اور چراغ علی ہے۔غیر تاریخی نام ''محمد اسعد اللہ'' رکھا گیا اسی سے آپ کی شہرت ہوئی آپکا نسب اسطرح ہے: ''حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ، ابن حضرت مولانا مفتی محمد رشید اللہ، ابن حضرت علامہ مفتی محمد بشارت اللہ ابن فقیہ دورا، حضرت مولانا مفتی محمد سعد اللہ رامپوری ابن حضرت مولانا شاہ محمد نظام الدین اکبر آبادی۔

مفتی محمد سعد اللہ رامپوری کے والد نواب یوسف علی خاں والی رامپور کے دور میں عہدہ قضاء وافتاء پر فائز تھے انھوں نے نواب کلب علی خاں (م ۱۸۸۷ء) والی رامپور کے اخیر دور ولایت میں رامپور کو خیراباد کہہ کر بھوپال جانے کا قصد کیا تھا اور سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ ان کا وصال ہوگیا۔نواب حامد علی خاں والی رامپور کے دور میں آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی۔قرآن شریف، فارسی وغیرہ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔۱۳۳۲ھ میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۴ھ میں

دورہ حدیث شریف سے فراغت پائی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا طفیل احمد مدنی، حضرت مولانا محمد یحیٰ ،مولانا محمد عبداللطیفؒ وغیرہ جیسے جید علماء شامل ہیں۔ ۱۹۳۸ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں باقاعدہ مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ کافی زمانہ تک مدرسہ کے ناظم و مہتمم مالیات بھی رہے۔ ۱۳۶۵ھ سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے نائب ناظم اور ۱۳۷۴ھ میں ناظم اعلیٰ کے عہدہ پر تقرر رہوا۔ دورانِ تدریس پرائیویٹ طور پر انگریزی بھی سیکھی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ ۱۳۳۶ھ میں فریضہ حج کی ادائیگی کیلئے تشریف لے گئے۔ ۱۹۱۸ء میں مفتی قاضی لطف اللہ کی پوتی اور مولانا مفتی حکیم فضل اللہ کی صاحب زادی سے شادی ہوئی۔ اور پسماندگان میں ۵ لڑکے ہیں۔ آپ نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے کامیاب مناظرے کئے۔ شعروسخن کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔

وفات:۔ ''۱۹۷۸ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں وفات پائی۔

تصانیف:۔ شرح نحو میر (۲) صرف پر کچھ کارآمد اور مفید اسباق، ۳۔ مکمل دیوان اردو اشعار (۴) عربی میں " التحفة الحقیرہ فی نسبة سبع السعیرہ (فن ریاضی، مطبوعہ)۔ (۵) حاشیہ بر طحاوی (۶) التقصیر فی التفسیر (۷) القطائف من اللطائف (۸) رسالہ فی شرح المکالمہ، تکمیل العرفان شرح حفظ الایمان وغیرہ۔ ۱۲۹

۱۲۳۔ (پروفیسر) محمد اسلم اصلاحی

(و۔ ۱۹۵۶ء)

نام محمد اسلم اصلاحی ،ولدیت سید انوار احمد اعظمیؒ۔ والد ماجد عربی صحافت اور عربی ادب کی معروف شخصیت تھے، اردو میں ان کا ایک مطبوعہ دیوان ''اذانِ سحر'' بھی ہے اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔

آپ کی ولادت ۲۶ رجنوری ۱۹۵۶ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہی حاصل کرنے کے بعد مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں داخلہ لیا۔ اور ۱۳۷۳ھ میں فراغت پائی، اس کے بعد لکھنو یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا۔ ۱۹۸۶ء میں جامعہ ازہر قاہرہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیمی خدمات کی ابتداء ۱۹۷۹ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبہ عربی میں تدریس سے ہوئی۔ پھر ۱۹۸۱ء میں کشمیر یونیورسٹی میں لیکچرار ہوئے۔ فی الحال جواہر لال یونیورسٹی نئی دہلی میں عربی کے پروفیسر ہیں۔

آپ نے پی ایچ ڈی کا مقالہ ازہری استاد ڈاکٹر بدر معیدی السیوطی کی نگرانی میں لکھا تھا۔ جو اصلاً عربی ہی میں لکھا گیا تھا اور عنقریب نظرِ ثانی کے بعد زیورِ طبع سے آراستہ ہونیوالا ہے۔ قاہرہ کے مجلہ ''الاصالی'' اور ''صوت الشرق'' اور ہندوستان کے ''ثقافۃ الہند میں آپ کے عربی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ عربی، اردو، انگریزی، تینوں زبانوں میں بہت سے عربی مقالات ومضامین شائع ہوئے ہیں۔ ۱۳۰

۱۲۴۔ محمد اسلم قاسمی (وقف دار العلوم دیوبند)

(و۔ ۱۹۳۸ء)

دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے صاحب زادے ہیں آپ کی ذات ان عظیم شخصیات میں سے ہے جنھوں نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم اور انگریزی وغیرہ میں بھی مہارت حاصل کی۔ ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۵۷ء میں عربی ودینی علوم میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اس کے بعد علی گڈھ یونیورسٹی سے ۱۹۶۹ء مین انگریزی میں ایم اے کیا۔ والد ماجدؒ کیساتھ عراق، کویت، مصر، سعودی عرب، اور اٹلی، فرانس، امریکا، کناڈا کے سفر کیے۔ تاکہ ان کی تقاریر کو بر وقت انگریزی یا عربی میں ترجمانی کرسکیں۔ فی الوقت دار العلوم (وقف) دیوبند میں مشکوۃ

شریف، ترمذی شریف، ہدایہ جیسی بڑی کتابیں پڑھا رہے ہیں۔

تالیف:۔توفیق الحکیم کے ناول ''اهل الکهف'' کا ترجمہ ''جاں کنی کے بعد'' کیا جو مکتبہ شمع دہلی سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔سیرت پر استاد محمد مرافق کی کتاب ''مجموعۃ سیرۃ الرسول'' کو اسی نام سے ۲۵ جلدوں میں اردو میں منتقل کیا (مکتبہ قاسمیہ دیوبند سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا)۔اور علی بن برہان الدین حلبی کی ''السیرۃ الحلبیہ'' کا ترجمہ ''سیرت حلبیہ'' کے نام سے کیا۔۵ ضخیم جلدوں میں مکتبہ قاسمی دیوبند نے اس کو شائع کیا ہے۔فی الحال امام فخر الدین رازی کی ''تفسیر کبیر'' کا ترجمہ کرر ہے ہیں۔جس کی تیرہ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ۱۳۱

۱۲۵۔محمد اویس نگرامی ندویؒ

۱۳۳۳۔۱۳۹۶ھ

۱۹۱۴ء۔۱۹۷۶ء

نام محمد اویس بن محمد انیس، بن محمد ادریس، ابنِ حافظ عبد العلی ضلع لکھنو کے موضع نگرام میں ۴ جنوری ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ندوہ میں داخلہ لیا اور یہاں سے سندِ فضیلت حاصل کی۔اس وقت آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد علی زینبی، مولانا شبلی، مولانا عبد الودود اعظمی، وغیرہ شامل تھے۔۱۹۳۲ء میں ندوہ سے فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے درسِ بخاری ترمذی، ابنِ کثیرؒ، وغیرہ میں شرکت کی۔فراغت کے بعد ندوہ میں مدرس ہو گئے۔اور ۱۹۳۹ء میں اعظم گڈھ جاکر رفیق دار المصنفین کی حیثیت سے سات سال تک کام کیا۔اسی دوران سید سلیمان ندوی سے تفسیرِ قرآن، کشف الادلہ لابن رشد، میذی الفوز الکبیر پڑھیں۔اور علامہ ابنِ تیمیہؒ، ابنِ قیمؒ، شاہ ولی اللہؒ کی تالیفات کا مطالعہ کیا اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں تا حیات شیخ التفسیر کی حیثیت سے درس دیتے رہے۔تین بار حج بیت اللہ کیا، اور حضرت مدنیؒ

سے شرف بیعت حاصل تھا۔آپ نے اطراف اودھ میں دینی تعلیم کے رواج دینے میں انتھک جدوجہد کی۔

عربی تصانیف:۔ (۱) برسوں علامہ ابن قیمؒ کی کتابوں کے مطالعہ میں مستغرق رہنے کے بعد ان کی بیان کردہ تفاسیر کو ترتیب سُور کے لحاظ سے جمع کیا۔یہ تفاسیر کا مجموعہ سب سے پہلے مصر سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا، پھر اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ "التفسیر القیم کا یہ مجموعہ بیحد مقبول ہوا اور خاص کر عربوں کے علمی حلقوں میں کافی سراہا گیا۔

(۲) الخیر الکثیر فی شرح الفوز الکبیر" شاہ ولی اللہؒ کے فارسی رسالہ "الفوز الکبیر کا عربی ترجمہ علامہ محمد منیر دمشقی نے کیا تھا،، لیکن اس کی کوئی جامع ومبسوط شرح اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔آپ نے" الخیر الکثیر فی شرح الفوز الکبیر" کے نام سے اس کی شرح لکھ کر نہایت اہم خدمت انجام دی ہے یہ کتاب بڑے سائز کے ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔اور ابھی زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی ہے۔اہلِ خاندان کے پاس اس کا قلمی نسخہ موجود ہے ۔

(۳) فقہ القرآن (قلمی) قرآن مجید کی ان آیات کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، جن کا تعلق احکامِ فقہیہ سے ہے اور فقہی ترتیب ہی کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

(۴) العقیدۃ السنیۃ فی شرح العقیدۃ الحسنۃ (عربی) شاہ صاحب کا اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ سے متعلق نہایت اہم رسالہ "العقیدۃ الحسنۃ" کے نام سے تھا۔لیکن اس کے شایانِ شان شرح کا کام مولانا محمد اویس نگرامیؒ نے انجام دیا۔یہ وقیع وعلمی شرح ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۹۶۲ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء نے اس کو شائع کیا تھا۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ آپ کی تصنیفات کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی شہرہ آفاق کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کے بڑے قدر شناس اور اس کے داعی ومبلغ تھے انھوں نے اس پر بڑے مفید اور قیمتی حواشی لکھے جس کو پاکستان

کے مشہور عالم مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب نے مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف سے بڑی قدر واھتمام کے ساتھ شائع کیا۔ میرے خیال میں ''الفوز الکبیر'' کے علاوہ انھوں نے شاہ صاحب کی دوسری کتاب ''العقیدۃ الحسنۃ'' جو عقائد اہلِ سنت میں ایک مختصر متن ہے پر بھی مفید حواشی اور توضیحات کا اضافہ کیا جو ''العقیدۃ السنیۃ'' کے نام سے مطبع ندوۃ العلماء کی طرف سے شائع ہوا۔ اور ندوہ کے نصاب میں داخل ہوا۔

ہندوستان سے باہر کے حلقوں میں ان کے تعارف کا بڑا ذریعہ ''التفسیر القیم'' ہے جس میں انھوں نے وہ تمام تفسیری مواد و مضامین ترتیب کے ساتھ جمع کردئے ہیں جو علامہ حافظ ابن قیم کی تصنیفات کے وسیع ذخیرے میں بکھرے ہوئے تھے یہ کتاب خوبصورت عربی ٹائپ میں مطبع ''السنۃ المحمدیۃ'' کی طرف سے شائع ہوئی اور سعودی عرب اور نجد وحجاز میں قدر کے ہاتھوں لی گئی۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ اسی انداز پر شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ کے تفسیری مضامین وتحقیقات بھی جمع کر کے شائع کریں۔ غالباً اس کا بڑا حصہ انھوں نے مرتب بھی کردیا تھا، مگر اس کی طباعت کی نوبت نہ آئی۔ اسی طرح وہ بلاغت قرآن اور نحو قرآن کے سلسلہ میں بھی اپنے شاگردوں سے کام لینا چاہتے تھے۔ اور اپنی نگرانی میں اس موضوع پر کتابیں مرتب کروانا چاہتے تھے۔ مگر صحت کی خرابی نے ان کو اس کا موقع نہ دیا۔

۲۹ رشعبان ۱۳۹۶ھ/ ۲۷ راگست ۱۹۷۶ کو ظہر وعصر کے درمیان جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ اور یہ مولاناؒ کا آخری غسلِ میت ثابت ہوا۔ مولانا بڑے اھتمام سے سنتوں کی پوری پابندی کے ساتھ میت کو غسل دیا کرتے تھے اس لئے وہ شخص بڑا خوش نصیب سمجھا جاتا تھا جس کو مولانا نعمانیؒ غسل دیں۔ ۱۳۲

۱۲۶۔ محمد ایوب تاج الدین ندوی کشمیری

(و۔ ۱۹۶۵ء)

نام ڈاکٹر محمد ایوب ندوی، ولدیت جناب تاج الدین، کشمیر کے مسلم راجپوت جرال خاندان میں

۲۵ ردسمبر ۱۹۶۵ء کو پیدا ہوئے۔روایت کے مطابق امیر کبیر سید علی ہمدانی جن کے ہاتھ پر پورا کشمیر مسلمان ہوا۔ان کے تیار کردہ داعیوں کے ہاتھ پر اس خاندان نے اسلام قبول کیا تھا۔باپ دادا کا پیشہ کھیتی ،زمینداری تھا،

آپ کا وطن کشمیر کے ضلع ڈوڈہ کا ''شیوہ'' گاؤں ہے اور ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں پائی۔اور دار العلوم دیوبند کے فارغ مفتی محمد ایوب قاسمی سے قرآن اور دینی تعلیم حاصل کی۔مزید عربی و دینی تعلیم کا شوق یہیں سے پروان چڑھا۔عمِ محترم جناب غلام نبی فرید آبادی (جو صوبہ جموں کے امیر جماعت اسلامی تھے) کے توسط سے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں داخلہ لیا۔اور درجہ ششم معہد سے ندوہ میں تعلیم حاصل کی۔اور عالمیت وفضیلت کی تکمیل کرنے کے بعد ۱۹۸۶ء میں لکھنو یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ پھر ۱۹۸۸ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے انگریزی میں ایم اے کیا۔پھر ۱۹۹۰ء میں دہلی یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا۔اور یو جی سی کا امتحان پاس کرکے JRF فیلوشپ حاصل کی۔اور ایم فل میں داخلہ لیا۔ابھی ۱۱ ماہ ہوئے تھے کہ کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ عربی میں عارضی لیکچرار کی حیثیت سے تقرر ہوا۔اِسی دوران ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اور فروری ۱۹۹۸ء میں شعبہ عربی کے ریڈر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔اور جون ۲۰۰۱ء میں جامعہ ملیہ سے رخصت لے کر کلیة التربية ،زنجبار، تنزانیہ میں ''استاذ مشارك'' (ریڈر) کی حیثیت سے تین سال تک تدریسی فرائض انجام دئے۔اور اب جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تدریسی فرائض میں مشغول ہیں۔ندوۃ العلماء کے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اُن میں ثانویہ میں صرف ونحو میں مولانا شاہ ابو القاسم غازی پوریؒ کی خاص توجہ کا مرکز رہے۔اور دراسات عالیہ میں مولانا محمد عارف سنبھلی ،مولانا سلمان حسینی، مولانا سجاد نعمانی ،مولانا محمد برھان الدین سنبھلی ،مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ،مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ ،مولانا عبد اللہ حسنی ندوی، مولانا محمد یعقوب ندوی اور دوسرے اساتذہ شامل ہیں۔اور ایم فل ،اور پی ایچ ڈی کے مقالات دہلی یونیورسٹی کے سابق ہیڈ پروفیسر محمد سلیمان اشرف کی نگرانی میں مکمل کیے۔آپ کے مختلف عربی

مقالات الرائد، البعث الاسلامی، اور ثقافۃ الہند میں شائع ہوئے۔ ثقافۃ الہند میں عربی تراجم بھی کئے ۔درج ذیل عربی تصانیف یادگار ہیں:۔

۱-"الصحافة العربية في الهند نشأتها وتطورها" ۲-"محمد الحسني -حياته وآثاره" ۳-"المجتمع الاسلامي ملامحه واهدافه" ۵-انگریزی میں ایک کتابچہ "Najeeb Mahfuz_the Novelist" یہ سب کتابیں مطبوعہ ہیں۔ اور مستقبلِ قریب میں انشاءاللہ "الشعر و الشعراء في الادب العربي الحديث" شائع ہونے والی ہے۔ ۱۳۳

۱۲۷۔(مولانا) محمد برہان الدین سنبھلی

(و۔۱۹۳۸ء)

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، ولدیت مولانا قاری حمید الدین سنبھلی ۴رذی الحجہ ۱۳۵۶ھ/ ۵رفروری ۱۹۳۸ءکو سنبھل ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پورا خاندان کم از کم چار پانچ پشتوں سے علمِ دین سے وابستہ رہا ہے۔ اور مرد تو مرد عورتیں بھی دینی تعلیم و تدریس میں مشغول رہی ہیں۔ بالخصوص آپ کی والدہ ماجدہ، دادی صاحبہ، رحمہما اللہ۔ آپ کے والد ماجد مولانا قاری حمید الدین سنبھلیؒ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردِ رشید تھے۔ انھوں نے اپنی پوری عمر درس وتدریس میں گذاری۔ مولانا محمد برہان الدین صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن سنبھل کے مختلف مدارس میں متعدد اساتذہ سے حاصل کی۔ جن میں مدرسہ سراج العلوم ہلالی سرائے کے مہتمم مولانا حبیب احمدؒ، اور مدرسۃ الشرع، گڈھ موسیٰ خاں کے استاذ مولانا محمد عابد شامل ہیں۔ بعدازاں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں اس وقت کے ممتاز ترین اساتذہ مثلاً: شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید فخر الدین احمدؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا معراج الحقؒ سے کی۔ ملازمت کی ابتداء سنبھل کے مدرسہ سراج العلوم میں تدریس سے کی۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی میں پڑھایا۔

اور اب تقریباً ۳۵ سال سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ راقم الحروف کو ندوہ میں علم الحدیث خاص طور پر درسِ بخاری شریف میں شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے۔

آپ کے اساتذہ، حدیث میں مولانا حسین احمد مدنی، مولانا سید فخر الدین احمدؒ، مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، مولانا سید فخر الحسنؒ، فقہ میں مولانا معراج الحقؒ، منطق وفلسفہ میں مولانا محمد حسین بہاری، متوسطات میں مولانا حبیب احمد سنبھلی اور حفظ وقراءت میں والد ماجد شامل رہے ہیں۔ آپ نے مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی میں شروع سے ہدایہ آخرین تک مختلف سطح کی کتابیں ۱۲ سال تک پڑھائیں۔ اور اس کے بعد سے اب تک اعلیٰ سطح کی عربی کتابیں دار العلوم ندوۃ العلماء میں پڑھا رہے ہیں۔ تقریباً ایک درجن کے قریب بلکہ زیادہ عربی مضامین مختلف جرائد ومجلات میں شائع ہوئے۔ جیسے البعث الاسلامی لکھنو، الداعی دیوبند، الرائد لکھنو، رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ، وغیرہ۔ ایک عربی تصنیف "قضای افقہیہ معاصرہ" دمشق سے شائع ہوئی ہے۔ آپ نے زیادہ تر فقہی موضوعات پر، ان میں بھی عصرِ حاضر کے پیدا شدہ مسائل پر عربی مقالات تحریر فرمائے جو بحمدہ تعالیٰ مقبول ہوئے۔ اور ان سے حوالہ کا کام بھی لیا گیا۔ ۱۳۴

۱۲۸۔ محمد بن محمد صالح المدنی (کیرالہ)

(و۔ ۱۹۴۷ء)

۱۹۴۷ء میں کیرالہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد "الباقیات الصالحات" کے "کلیۃ اللغۃ العربیۃ" میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۲ء میں فراغت پائی۔ اور ایک سال پڑھانے کے بعد مدینہ منورہ چلے گئے جہاں ۱۱ سال سے زائد قیام کیا اور "الجامعۃ الاسلامیۃ" کے علاوہ کئی مشہور اداروں سے استفادہ کیا اور بڑی شخصیات سے فیض اٹھایا۔ ۱۹۸۵ء میں ہندوستان واپسی پر امانۃ المؤسسۃ الاسلامیۃ مدراس کے شعبہ البحث العلمی میں نگراں مقرر کئے گئے۔

اصلاحی ،تبلیغی ودعوتی مشاغل کے ساتھ ساتھ علامہ ابنِ تیمیہ کی ایک کتاب ''قاعدة جليلة في التوسّل و الوسيلة'' کا عربی سے تامل زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب ۴۲۰ صفحات پر مشتمل ہے مدینہ یونیورسٹی کی تشجیع پر مدراس سے شائع ہوئی۔ ۱۳۵

۱۲۹۔(پروفیسر) محمد حسّان خاں

(و۔۱۹۵۲ء)

مولانا محمد عمران خاں ندوی مرحوم کے صاحب زادے پروفیسر محمد حسّان خاں صاحب ایک نہایت ذی وقار علمی ودینی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔آپ کے دادا مفتی عبدالہادی خاں، مفتی ریاست بھوپال رہے۔ان کے بھائی حافظ محمود خاں وزیر مساجد و وظائف واوقاف بھوپال رہے۔ والد ماجد ندوۃ العلماء کے مایہ ناز فرزند اور جامعہ ازہر سے تخصص کیے ہوئے تھے۔وہ ۲۰ سال ندوہ کے مہتمم بھی رہے۔ اور تاج المساجد بھوپال کی تعمیر مکمل کی۔اور انھوں نے ۱۹۵۰ء میں ندوہ کی شاخ کے طور پر دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کا ادارہ قائم کیا۔

بھوپال کے ایسے عظیم خانوادے میں پروفیسر محمد حسّان خاں صاحب کی پیدائش ۱۴ر مارچ ۱۹۵۲ء کو ہوئی دارالعلوم تاج المساجد میں پانچویں تک پڑھا۔سرکاری ہائی اسکول میں عربی میں ممتاز رہے۔۱۹۷۳ء میں بنغازی یونیورسٹی لیبیاء سے اسلامک اسٹڈیز میں بی اے کیا۔اور ۱۹۷۵ء میں برکۃ اللہ یونیورسٹی بھوپال سے عربی میں ایم اے کیا۔اور ۱۹۸۰ء میں یہیں سے پی ایچ ڈی کی۔اس کے بعد اسی یونیورسٹی میں لیکچرار ہوگئے۔ پھر ریڈر اور پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔تا حال یہیں پر عربی ادب کی نمایاں خدمات انجام دے رہیں۔آپ نے بھوپال کے جید اساتذہ سے علم حاصل کیا۔لیبیاء میں مصر کے بڑے علماء سے اصول الدین سے متعلق استفادہ کیا۔اور برکۃ اللہ یونیورسٹی شعبہ عربی کے پروفیسر زبیر احمد صدیقی سے خاص تربیت پائی اور انھیں کی زیرِ نگرانی اپنی پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کیا۔آپ نے دار

العلوم تاج المساجد بھوپال میں ۴ سال پڑھایا۔ اور ۱۹۸۰ء سے برکۃ اللہ یونیورسٹی میں ایم اے، اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کو پڑھا رہے ہیں۔ آپکے مقالات معارف اعظم گڈھ، الصحوۃ الاسلامیہ حیدرآباد، خدا بخش جنرل پٹنہ، ریسرچ جنرل ٹونک تحقیقاتِ اسلامی علی گڈھ، وغیرہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ عربی میں ''القادیانیۃ بین الاسلام و الاستعمار'' کتاب تصنیف فرمائی۔ اور الصحوۃ الاسلامیہ حیدرآباد، اور ثقافۃ الہند دہلی میں کم وبیش ۱۲/۱۵ عربی مقالات شائع ہوئے۔ ۱۳۶

۱۳۰۔ (مولانا سید) محمد الحسنیؒ

۱۹۳۵۔۱۹۷۹

۱۷ رجب ۱۳۵۴ھ/ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو لکھنو میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بھتیجے اور ڈاکٹر سید عبد العلیؒ ناظم ندوۃ العلماء کے صاحب زادے تھے۔ تربیت زیادہ تر والد ماجد ہی سے پائی۔ پھر ندوہ میں تعلیمی مراحل کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شاہ عبد الحلیم مولانا اسحاق سندیلوی ندوی اہم ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد اویس نگرامی ندوی سے برابر علمی استفادہ کا تعلق رہا۔ آپ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے۔ ۱۳ ر جولائی ۱۹۷۹ء بدھ کی شب میں وصال فرمایا۔

عربی خدمات:۔ ۱۹۵۵ء میں عربی کا مشہور رسالہ ''البعث الاسلامی'' جاری کیا اور تا عمر اس کے مدیر رہے۔ آپ کے مشہور عربی رسائل ''الاسلام بین لا ونعم''۔ اور ''ھمسات الی جزیرۃ العرب'' ہیں۔ ریڈیو پر عربی تقریریں بھی برابر کرتے تھے۔ متعدد اردو مضامین عربی میں منتقل کئے جیسے ''بین الصورۃ و الحقیقۃ'' (علی میاںؒ)، ''الصلوۃ ومکانتہا فی الاسلام'' (مولانا زکریاؒ)۔ اس کے علاوہ متعدد عربی کتب بھی اردو میں منتقل کیں۔ ''آپ کے عربی مضامین اکثر بیروت اور حجاز کے عربی اخبارات میں نقل ہوتے

تھے۔ الرائد میں برابر لکھتے تھے۔ ''اضواء'' کے مستقل کالم نگار آپ ہی تھے آپ کی عربی میں سب سے مشہور کتاب ''الاسلام الممتحن'' ہے۔ نمونہ تحریر درج ذیل ہے:-

"هذه الفترة من الزمن الذى يجتازها العالم الاسلامى بوجه عام والعالم العربى بوجه خاص فترة خطيرة ذات اهمية فى تاريخ المسلمين - انها ساعة لا تتوفر امثالها فى تاريخ الامم والشعوب - وفى امكانية العالم الاسلامى اليوم ان يؤدى واجباً ضخماً نحو الانسانية ويلعب دوراً هاماً فى حقل السياسة العالمية ويغير مجرى التاريخ ويحوّل القيادة من الجاهلية الآثمة الىٰ الاسلام السمح العادل، و يحقق ذالك الفرض الاكبر و الهدف الاسمىٰ الذى بعثت لهٗ تلك الامة الاسلامية - ان ذلك يقتضى سرعةً لكن بحيطةٍ و حذر - و يطلب شهامةً و اقتحاماً و لكن بعد تاويل و تريث - و يحتاج الىٰ هجوم عنيف علىٰ غريمه و الانقضاض عليه كما ينقض الصقر على الطير و الاسد الجائع على الشاة و لكن مع اكتمال رصيده الايمانى و الروحى و استعداده المادى و الحربى و تنظيمه العلمى الجديد و توحيد صفوفه الموزعة - و هذا هو الذى قد فات العالم الاسلامى فى احيان كثيرة، فسقط صريعاً امام ثورة العقل و الفكر و معجزات البطولة و الاختراع و قوة الحديد و النار، و لمعان المدنية المتطرفة" ۱۳۷

۱۳۱۔(مولانا) محمد حیات سنبھلیؒ (محدث)

۱۸۷۶۔۱۹۸۷ء

حضرت مولانا محمد حیات سنبھلیؒ شیخ الحدیث و بانیانِ جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد ان چند باکمال ہستیوں میں سے تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کا علم و عمل، زہد و تقویٰ حضرات متقدمین کی یاد تازہ کرتا تھا۔ آپ کی ذاتِ اقدس دورِ حاضر میں سلف کا نمونہ تھی۔ اخلاقِ نبوت، زہد و قناعت، تقویٰ طہارت میں آپ عصرِ حاضر کی نایاب مثال تھے۔ سنبھل ضلع مرادآباد کا وہ تاریخی قصبہ ہے جس میں بڑے بڑے اولیاء و قطب نے جنم لیا اسی قصبہ کے محلّہ سرائے ترین میں بروز چہار

شبنہ، بوقت ۹ر بجے صبح، ۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔

آپ کی والدہ اصغری خاتون زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت والی خاتون تھیں۔ محلہ مغلپورہ متصل جامع مسجد مراداباد کی رہنے والی تھیں۔ والد صاحب ملا محمد ظہور قصبہ کی مقبول شخصیت تھے وہ محلہ چوکی حسن خاں مراداباد کے رہنے والے تھے۔ آپ کی اکثر اولاد فوت ہوجاتی تھی۔ خصوصاً نرینہ اولاد کوئی نہ جیتی تھی، رات کے وقت اخیر حصہ میں ایک صالح اور داعی دین فرزند کیلئے دعائیں مانگا کرتے تھے سنبھل تشریف لے جانے کے بعد تین لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوئے۔ لڑکا پیدا ہوتے ہی فوت ہوگیا، آپ اس کے جنازہ کو نہلا رہے تھے۔ ایک پڑوسی دوست بزرگ حاجی نیاز اللہ خاں صاحب نے پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ: ملا! تو بڑا صابر ہے۔ اللہ تجھے اس کا اجر دے گا، اب کے ہونے والی اولاد کا نام میں رکھونگا۔ چنانچہ حاجی صاحبؒ نے ہی آپ کا نام ''محمد حیات'' رکھا۔

آپ نورانی چہرہ، کشادہ پیشانی، پرکشش خدوخال، بڑی سیاہ آنکھیں، عمدہ قد وقامت اور پروقار شخصیت کے مالک تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ علومِ شرعیہ محلہ چکلی سنبھل میں حاصل کی۔ قلیل مدت میں ناظرہ، عربی، فارسی پڑھ کر مدرسہ نعمانیہ، مسجد شیخ بڈھا نہ امرتسر میں ابتدائی تعلیم، علم الصیغہ، نحومیر پنج گنج پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ یوسفیہ شہر مینڈو، ضلع علی گڈھ میں شرح جامی تک پڑھا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے گئے۔ جہاں سے ۲۰ سال کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کی ۔ اور مخزن العلوم سہارنپور میں تدریسی خدمات انجام دینا شروع کیں۔ آپ نے مدرسہ نعمانیہ قریب جامع مسجد چڈی بازار لاہور میں بھی پڑھایا۔ اس کے بعد مدرسہ شاہی مراداباد میں شرح عقائد، توضیح و تلویح کا دو سال تک درس دیا۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے مدرسہ دار العلوم میرٹھ، مصباح العلوم بریلی، جامعہ قاسمیہ نگینہ، اور مدرسہ امدادیہ مراداباد، میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپنے ۱۳۷۵ھ میں جامعہ حیات العلوم محلہ پیرزادہ، مراداباد کی بنیاد رکھی۔ اور یہیں پر تاعمر درسِ بخاری شریف دیتے رہے۔ اور آپ کی تمنا تھی کہ میں بخاری شریف پڑھاتے ہوئے ہی دنیا سے جاؤں۔ چنانچہ وفات کے

دن تک آپ کے درسِ بخاری کا کوئی ناغہ نہیں ہوا۔ مدرسہ حیات العلوم میں ہی احقر کو بھی آپ سے بخاری شریف میں ایک سال شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ (فالحمد للہ علیٰ ذالک)۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے آپ کو تدریس کی غرض سے کچھ عرصہ کے لئے رنگون بھیج دیا تھا۔ وہاں پر آپ نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اور حالاتِ اکمال الشیم تحریر فرمائے۔ جس کے شروع میں ''محمد حیات سہارنپوری'' لکھدیا تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی نظر سے وہ یہ نسخہ گذرا تو حیرت ہوئی اور دریافت کرنے کیلئے خط لکھا۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''خود کو سہارنپوری'' اس وجہ سے لکھا تھا کہ اس وقت میرے بیوی بچے بھی وہیں تھے۔ اور وہیں پر رہنے کا ارادہ تھا۔ میرا مکان بھی آپ کے کتب خانہ کے نیچے تھا۔

حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ کے یہاں ہر مرید کو آمد سے پہلے خط لکھنا پڑتا تھا۔ ورنہ شرف حضوری سے محروم رہتا۔ آپنے جب اجازت کیلئے لکھا تو حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا کہ '' آپ جس وقت چاہیں آسکتے ہیں آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں۔

تصنیفات:۔ آپ نے جہاں اسلام کے بیشار گلشنوں کو سینچا وہیں بے پایاں تالیفی خدمات بھی انجام دیں۔ غربت وافلاس نے زندگی بھر آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ شدید مفلوک الحالی کے ۵ برس تک ذریعہ معاش نہ ہونے کی وجہ سے صرف تصنیف وتالیف پر گذارا کیا۔ آپ کی مؤلفات کی تعداد تقریباً پچاس تک پہونچتی ہے۔ جن میں عربی میں '' تجرید بخاری''، مکمل، شرح تلخیص المفتاح، شرح طحاوی، سعید الوجود شرح مسلم الثبوت، کفایۃ النحو شرح ہدایۃ النحو، سعیدیہ شرح کافیہ، تعطیر المشام شرح بلوغ المرام، وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔ **تراجم** میں ترجمہ میزانِ شعرانی، ترجمہ شمس المعارف، شموس الانوار ترجمہ مشارق الانوار، اہم ہیں۔ **حواشی** میں حاشیہ قرآن شریف، حاشیہ ابوداؤد، حاشیہ نور القلوب بر ترجمہ تھانویؒ، حاشیہ پنج گنج، حاشیہ نور الایضاح، بہت معروف ہیں۔ بہت سی کتابوں پر آپ کے نوٹس ہیں،

جیسے نوٹ نورالانوار وسوال وجواب، نوٹ مختصر المعانی، نوٹ اخوان الصفاء، وغیرہ۔

غیر مطبوعہ کتابوں میں مختصر سیرت شامی جلد اول، شرح بخاری مکمل شامل ہیں۔ اکثر تعداد ان کتابوں کی ہے جنھیں تنگدستی نے طبع نہ ہونے دیا۔ حیات العلوم مراداباد میں دورۂ حدیث کی طالب علمی میں احقر کو آپ سے حدیث شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

وفات:۔ آپ نے ایک سو گیارہ سال کی عمر میں ۱۷ر نومبر ۱۹۸۷ء کو بروز منگل بوقت ۲ بجے دن داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ ۱۳۸

۱۳۲۔ (مولانا) محمد خالد ندوی غازی پوری

(و۔۱۹۵۲ء)

(مولانا) محمد خالد غازی پوری (و۔۱۹۵۲ء) ولد الحاج علاء الدین احمد صدیقی، ضلع غازی پور کے موضع نرائن پور، میں مارچ ۱۹۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ کاشتکاری وملازمت تھا، ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں (مدرسہ رحمانیہ نرائن پور، ضلع غازی پور،) میں ہی پائی۔ ابتدائی فارسی وقراءت کی تعلیم مدرسہ رشیدیہ کواتھ، بہار میں حاصل کی۔ اس کے بعد عربی کی ابتدائی تعلیم جامعہ اشرفیہ جونپور میں پائی۔ پھر جامعہ عربیہ ہتھورا، ضلع باندہ میں حفظ کیا۔ اور پھر دار العلوم دیوبند سے عالمِ دینیات کی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ آپ نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنو سے قرائت بروایت حفص سیکھی۔ اور دار العلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت وفضیلت کی تکمیل کرنے کے بعد جامعہ ازہر مصر سے ''تدریب في الامامة والخطابة'' کا کورس کیا۔

تعلیمی مراحل سے فراغت کے بعد سب سے پہلے جامعۃ الہدایہ، جے پور، میں مدرس رہے۔ اور ۱۹۸۸ء سے تا حال دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں تفسیر میں مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ، حدیث میں مولانا عبد الستارؒ، فقہ میں مولانا مفتی محمد ظہور، مولانا حبیب الرحمٰن، مولانا نور الحسنؒ، ادب میں مولانا سید محمد رابع ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد واضح رشید ندوی، تاریخ وفلسفہ میں مولانا ابو العرفان خاں ندوی، مولانا بشیر احمد، شامل

ہیں۔آپ نے حدیث کی بعض کتابیں مولانا ضیاء الحسن ندویؒ، مولانا وجیہ الدین، تفسیر کی بعض کتابیں مولانا برہان الدین سنبھلی اور فقہ کی مولانا محمد زکریا ندویؒ، اور مولانا خطیب احمد سے بھی پڑھیں۔ البعث الاسلامی میں آپ کے عربی مضامین شائع ہوتے ہیں۔اور تقریباً ۱۵ سال سے تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، بلاغت، نحو ان سارے علوم کی تدریس میں مشغول ہیں۔کوئی مستقل تصنیف عربی میں نہیں ہے۔ ۱۳۹

۱۳۳۔(مولانا سید) محمد رابع حسنی ندوی

(و۔۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء)

ولادت ضلع رائے بریلی (اتر پردیش) کے نواحی گاؤں تکیہ کلاں میں ۳۰ راگست ۱۹۲۹ء کو ہوئی۔والد ماجد کا نام سید رشید احمد حسنی تھا۔آپ حسنی ساداتِ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔جس کے جدِ امجد شاہ علم اللہ حسنیؒ گیارھویں صدی ہجری کے ایک بزرگ گذرے ہیں۔

ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر ہی ہوئی پھر ندوۃ العلماء لکھنو میں داخلہ لے کر سند فضیلت حاصل کی۔اس کے بعد ایک سال دارالعلوم دیوبند میں رہ کر تفسیر وحدیث، ودیگر فنون کی کتابیں پڑھیں۔چند روز مظاہر علوم سہارن پور میں بھی تعلیم پائی۔آپ کی تعلیم وتربیت میں خصوصی ہاتھ ہمیشہ آپ کے ماموں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا رہا۔آپ کے ندوہ کے مشہور اساتذہ میں مولانا محمد اویس نگرامی ندوی، مولانا محمد اسحاق سندیلوی، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا شاہ محمد حلیم عطاء شامل رہے۔۱۹۴۹ء سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مستقل تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہیں۔ ان کی وفات کے بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بیعت کا تعلق رہا۔

تالیفات:۔ عربی کے بہترین قلمکار اور صاحب طرز ادیب ہیں۔آپ کی سب سے مشہور کتاب ''الادب العربی بین عرض ونقد'' ہے جو ندوہ کے نصاب میں داخل ہے اس میں آپ نے

پورے عربی لٹریچر کا بہت مختصر آسان اور صحیح انداز میں تجزیہ کیا ہے اس کتاب میں ادب کی حقیقت، تنقید وتجزیہ اور ادبی نمونوں سے بحث کی گئی ہے۔

(۲) منثورات:۔ اس کتاب میں عربی ادب کے ان نثری نمونوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جن میں دینی اخلاقی، تربیت کا سامان ہونے کے ساتھ ساتھ سہل اسلوب اور ادبی چاشنی پائی جاتی ہے اور تاریخِ اسلامی کے مستند ادیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ساتھ ہی نظم قدیم کے نمونے بھی شامل کر دئے گئے ہیں۔ یہ بھی ندوہ کے نصاب میں داخل ہے۔

(۳) فضائل الدعوۃ الی الخیر و التبلیغ لدین اللہ :۔ ''حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی شیخ الحدیث کی مشہور کتاب 'فضائلِ تبلیغ' کا عربی ترجمہ، مطبوعہ ندوہ پریس ۱۳۹۳ھ۔

(۴) بین التصوف و الحیاۃ: 'تجدید تصوف وسلوک' کے نام سے مولانا عبد الباری ندوی مرحوم کی مشہور کتاب کا عربی میں ترجمہ مطبوعہ دمشق ۱۹۶۳ء۔

(۵) ''معلم الانشاء'' عربی بول چال اور ترجمہ سکھانے والی اہم کتاب، ندوہ کے نصاب میں شامل۔ اس کے ساتھ ساتھ مجلہ الرائد کی ادارت اور البعث الاسلامی میں مستقل مضامین کی اشاعت بھی آپ کی اہم ترین عربی خدمات میں شامل ہے۔ [۱۴۰]

۱۳۴۔ محمد رضی الاسلام خاں ندوی

(و۔۱۹۶۴ء)

ولادت ۱۹۶۴ء۔ تعلیم کا اکثر حصہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں پورا کیا۔ اور ندوہ سے عالمیت و فضیلت کرنے کے بعد ۱۹۸۳ء میں فراغت پائی۔ پھر عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور علی گڈھ یونیورسٹی کے کلیۃ الطب میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۸۹ء میں طب وجراحت کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد

طب اغریقی میں ڈاکٹریٹ کی تکمیل کی۔

شروع سے ہی دینی وعلمی ودعوتی سرگرمیوں سے خاص لگاؤ تھا۔کم عمری ہی میں مختلف موضوعات پر ۴ کتابیں ترتیب دیں۔جن میں ''شخصیة المسلم کمایصوغها الاسلام فی الکتاب و السنة'' ازڈاکٹر محمد علی ہاشمی،(ریاض) کا اردو ترجمہ ''اسلامی زندگی کتاب وسنت کی روشنی میں'' (مطبوعہ ہندوستان پبلی کیشنز نئی دہلی)۔۲۔الاعجاز البیانی للقرآن الکریم ''ازعائشہ عبد الرحمن بنت الشاطی، کا اردو ترجمہ ''قرآن کریم کا اعجاز بیان'' (مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)۔اور طب میں حکیم اجمل خاں کے آٹھ رسالے ایڈیٹ کئے۔پھران کو اردو ترجمہ کر کے ''رسائل مسیح الملک'' کے نام سے مرتب کیا جو اردو اکیڈمی یوپی کے مالی تعاون سے شائع ہوئے۔علامہ رازی کی ''کتاب المرشد'' اسی نام سے ترجمہ کی جو بعد کو انجمن ترقی اردو سے شائع ہوئی۔ [۱۳۱]

۱۳۵۔(شیخ الحدیث حضرت مولانا) محمد زکریا کاندھلویؒ

۱۳۱۵۔۱۴۰۲ھ

۱۸۹۷۔۱۹۸۱ء

حضرت شیخ کے والد ماجد مولانا محمد یحیٰ، مولانا محمد اسماعیل صاحب کاندھلوی کے منجھلے صاحب زادے تھے آپ کی والدہ صاحبہ بی بی صفیہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی کی نواسی اور بی امة الرحمن کی صاحب زادی تھیں۔بڑی پاکیزہ صفت عابدہ زاہدہ، حضرت شیخ الحدیث ۱۳۱۵ھ میں رمضان المبارک کی گیارھویں شب میں گیارہ بجے رات کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔بچہ کے دو نام رکھے گئے محمد موسیٰ، محمد زکریا۔اسی دوسرے نام نے شہرتِ عام پائی۔اس وقت مولانا محمد یحییٰؒ کا قیام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں مستقل طور پر گنگوہ رہا کرتا تھا۔ضرورۃً کاندھلہ آتے جاتے تھے شیخ الحدیث کی عمر ڈھائی سال کی تھی کہ وہ بھی اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ گنگوہ چلے گئے۔اس وقت گنگوہ صلحاء وعلماء کا

مرکز بنا ہوا تھا۔ غیر شعوری طور پر اچھے برے اثرات قبول کرنے اور ابتدائی نقوش مرتسم ہونے کا زمانہ اسی مبارک ماحول میں گذرا۔ جب کبھی کسی ضرورت کے تحت والدہ صاحبہ کا عارضی طور پر کاندھلہ جانا ہوتا تو وہ بھی جاتے۔ پھر گنگوہ واپسی ہو جاتی۔ خود ان کا وطن کاندھلہ ایک بڑا علمی و دینی مرکز تھا جس میں گھر کے اندر و باہر عبادت کا ذوق، نوافل وتلاوت کا اہتمام، اہل اللہ اور مردانِ خدا سے وابستگی و شیفتگی، درس ومطالعہ کا انہماک، تہذیب ووضع داری، بلند ہمتی وجفاکشی فضا میں رچی بسی ہوئی تھی۔

خود آپ کی روایت کے مطابق جب دودھ چھٹا تو پاؤ پارہ حفظ تھا۔ اور سات برس کی عمر میں قرآن مجید کا حفظ مکمل ہو چکا تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کی وفات (۱۳۲۳ھ) کے کچھ سال بعد والد ماجد مولانا محمد یحییٰؒ نے گنگوہ کا قیام ترک کر کے سہارنپور کا مستقل قیام اختیار فرمالیا۔ اور مظاہر علوم کے دوسرے اساتذہ و مدرسین میں شامل ہو گئے۔ اس طرح شیخ کی تعلیم کا سلسلہ سہارنپور میں شروع ہو گیا۔ آپ نے بقیہ درسیات کی تکمیل کی۔ کتب منطق مولانا عبد الوحید سنبھلیؒ سے اور زیادہ تر کتب مولانا عبد اللطیف ناظم مظاہر علوم سے پڑھیں۔ اور نصاب کی منتہیانہ کتابیں خود مولانا محمد یحییٰؒ سے پڑھیں۔

تصانیف: درس وتدریس کے انہماک، ذکر ونوافل کی یکسوئی، مہمانوں کی کثرت اور واردین وصادرین کے ہجوم کے باوجود شیخ کی طبیعت میں شروع ہی سے تصنیفی ذوق، اور تحریری کام میں انہماک ودیعت تھا اور جب پہلی دفعہ مشکوۃ شریف پڑھا رہے تھے (جو شوال ۱۳۴۱ھ میں شروع ہوئی تھی) تو ۳۲ ربیع الاول کی شب میں ۱۲ بجے حجۃ الوداع پر لکھنا شروع کیا اور ایک دن ڈیڑھ رات میں شنبہ کی صبح کو پورا کر لیا۔ خواب میں ایک اشارہ کی بنیاد پر ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ بروز چہار شنبہ "جزء العمرات" کی تالیف شروع ہوئی۔ اور ۱۵ رجب ۱۳۹۵ھ یوم جمعہ کو ختم ہو گئی۔ اور اس وقت آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ اور جب انھوں نے علی گڈھ میں آنکھ کا آپریشن کرایا اور کسی نئی تصنیف کا موقع نہ رہا تو یہ ان کی پرانی کتاب یاد آئی۔ اور انھوں نے اس میں کہیں کہیں رجال کی تفصیل اور قابل توضیح چیز

کی توضیح فرمائی اور جہاں جہاں طویل عبارتوں کا حوالہ دیا گیا تھا ان کو نقل کروادیا، جن مقامات کے نام آئے تھے ان کی تعین اور تشریح فرمائی، اور اس میں اپنے بعض خورد سال نیاز مندوں سے بھی مدد لینے میں تامل نہیں کیا۔ اس موقع پر عمراتِ نبویؐ کی بحث، ان کی تعداد کی تحقیق اور ان سے فقہی احکام کا استخراج بھی فرمایا۔ اس طرح یہ رسالہ اس موضوع پر کافی وشافی بن گیا۔ اور اس کو اس موضوع پر ایک چھوٹا سا دائرۃ المعارف کہا جاسکتا ہے۔ یہ رسالہ خوبصورت عربی ٹائپ میں چھپا ہے۔

اسی طرح ''خصائلِ نبوی شرح شمائلِ ترمذی'' جیسی مہتم بالشان اورر بابرکت کتاب اس طرح تالیف ہوئی کہ دہلی کے دو یا تین دن کے قیام میں جب ''بذل المجہود'' کے پروفوں کے دیکھنے سے فرصت ملتی۔ اس کی تالیف میں مشغول ہوجاتے۔ ۱۳۴۳ھ میں اس کتاب کی تالیف شروع ہوئی اور جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ شبِ جمعہ میں پوری ہوئی۔ ان کے علاوہ شیخ کی وہ تصنیفات بھی ہیں جنکو انھوں نے طویل عرصہ کے انہماک، مطالعہ اور تحقیق سے مرتب فرمایا۔ ان میں سب سے مہتم بالشان کتاب ''اوجز المسالک شرحِ مؤطا امام مالک'' ہے جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے اس کتاب کی تالیف میں تیس سال سے زائد صرف ہوئے۔ اوجز کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں فنِ حدیث کے تعارف وتاریخ اور تدوینِ حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ پھر کتاب اور صاحبِ کتاب امام مالک کا مفصل تعارف اور ان دونوں کی خصوصیات وامتیازات کا مفصل تذکرہ ہے۔ نیز اس کے شروح اور عہد بہ عہد خدمات، اس کے ساتھ امت کے اعتناء کا ذکر ہے۔ پھر اپنے مشائخ اور سلسلہ ولی اللّٰہی کے اسانید، پھر اس سب کے بعد امام ابوحنیفہؒ کا تذکرہ، اور ان کی محدثانہ حیثیت ودرجہ، اور ان کے اصول و مسلک کا تذکرہ ہے۔ پھر متفرق قواعد وہدایات درج ہیں۔

''لامع الدراری'' جو اصلاً حضرت گنگوہیؒ کی تقریراتِ بخاری، اور مولانا محمد یحیٰ صاحب کے حواشی کا مجموعہ ہے شیخ کے اضافوں اور تشریحات کی وجہ سے حدیث کے طالب علموں اور مدرسین کیلئے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ بن گیا ہے۔ اس سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کی

قدر اہل درس ہی کر سکتے ہیں۔ کتاب کے شروع میں ۱۵۲ صفحات کا مقدمہ ہے، جس میں ''الجامع الصحیح'' للبخاری کے مختلف گوشوں پر مبسوط کلام ہے۔ یہ مقدمہ طالبینِ علمِ حدیث بالخصوص علماء کے لئے ایک اچھی بیاض (علمی کشکول) بن گیا ہے۔ پہلی جلد ۵۱۲ صفحات میں مکمل ہوئی ہے اور دوسری جلد کتاب الجہاد تک پہونچی ہے۔

اسی طرح ان کا رسالہ ''الابواب والتراجم للبخاری''۔ ان کے تحقیقی ذوق اپنے مشائخ حدیث سے محبت اور ان کے علوم کی حفاظت کا نمونہ ہے۔ یہ رسالہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے رسائل وتحقیقات کا مجموعہ ہونے کے علاوہ ابواب وتراجم کے سلسلہ میں ان اصول وقواعد پر حاوی ہے جو حافظ ابنِ حجر عسقلانی، حافظ عینی کے شروح میں آئے ہیں۔ پھر ان میں ان اصول وقواعد کا اضافہ کیا ہے جو ان کے طویل اشتغال کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح ان اصول وقواعد کی تعداد ستر تک پہونچ گئی ہے۔

یہ چار کتابیں جو فنِ حدیث اور اس کے امہات الکتب سے تعلق رکھتی ہیں۔ شیخ کو اپنے عہد کا (کم از کم علمِ حدیث میں) عظیم مصنف میں بنانے اور اس کے محققین میں شامل کرنے کے لئے کافی ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کی ترمذی کی تقریرات پر جو شیخ کے والد ماجد مولانا یحییٰؒ نے قلم بند کی تھیں ان پر مزید فوائد کا اضافہ کیا جو دوسری شروحِ حدیث میں پائے جاتے تھے۔ اور کتاب پر مفید حواشی چڑھائے۔

حدیث وعلومِ حدیث شیخ کا اصل ذوق، موضوع، اور محنت وتحقیق کا میدان تھا اور اس کو وہ تقرب الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور اس کو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور ''شیخ الحدیث'' کا لقب ان کے نام کا قائم مقام بن گیا تھا۔

اسی طرح ان کی ایک اور تصنیف ''الوقائع والدھور'' جس میں معروف عہدِ نبوی، خلافتِ

راشدہ اور اموی دور کے حالات درج ہیں اس کی عہد کے لحاظ سے تین جلدیں ہیں۔
حجاز کے زمانہ قیام میں جب وہ چند در چند معذوریوں اور مختلف عوارض میں مبتلا تھے انھوں نے ''فضائلِ زبان عربی'' پر ایک رسالہ لکھنا شروع کیا تھا اس کا محرک ایک خواب تھا جس میں اشارہ نبویؐ شامل تھا ۔آپ کے رسائل میں ''جزء اختلاف الصلوٰۃ'' اور جزء اختلاف الائمہ'' اور جزء المبہمات فی الاسانید و الروایات'' غیر مطبوعہ ہیں۔

اردو میں دعوتی و اصلاحی تصانیف میں آپ کی کتاب ''حکایاتِ صحابہ'' اور ''جامع شمائلِ ترمذی کا ترجمہ شرحِ خصائلِ نبویؐ'' ہے۔

نمونہ عربی تحریر:۔ '' فلما وصلت فی تدریس مشکوۃ المصابیح الیٰ کتاب الحج تحیرت فی قصة حجة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکثرة اختلاف الروایات فی ذلک لانی کنت إذ ذاک اول ما اشتغلت بتدریس ذاک الفن الشریف استقلالاً مع ان ھذہ الروایات کانت تختلج فی قلبی منذ زمان قرائتی لکتب الحدیث لشدة الاختلاف فی طرقہا و متونہا و الجمع بینہا و الترجیح فیہا۔ فوجدت زاد المعاد لابن القیم اجمع الکتب الموجودة عندی فی ھذ الوقت التی تشمل علی قصة حجة الوداع''۔ ۱۳۲

۱۳۶۔(ڈاکٹر) محمد سلطان محی الدین

(و۔۱۹۳۸ء)

۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔عربی فارسی کی اعلیٰ تعلیم جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں حاصل کی۔جہاں سے ۱۹۶۸ء میں فضیلت کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں داخلہ لیا۔وہاں سے ایم اے، اور پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔اور ۱۹۷۸ء میں ''علماء العربیة ومساھماتھم فی الادب العربی فی الدولة الآصفیة'' کے

موضوع پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا۔ پھر جامعہ عثمانیہ ہی میں اولاً لیکچرار پھر پروفیسر کے منصب پر فائز ہوئے۔ آپ کا شماران بڑے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ جن کی سرپرستی میں طلبہ کی بڑی تعداد نے ڈاکٹریٹ کی تکمیل کی۔ آپ نے مصری ادیب عطیہ ابراشی کی کتاب ''سیف الدولہ'' کا اردو میں ''مفتاح السعادۃ'' نام سے ترجمہ کیا جو مکتبہ کترک پریس حیدرآباد سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ ۱۴۳

۱۳۷۔(حضرت مولانا) محمد شریف مصطفیٰ آبادی

(م ۱۹۵۲ء)

ولادت بارھویں صدی کے نصفِ آخر میں مصطفیٰ آباد، سوادِ مبارک پور (ضلع اعظم گڈھ) میں ہوئی۔ آپ کے دادا شیخ فتح علی قلندر ایک مجاہدِ آزادی، اور رئیس وزمیندار تھے مولانا نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنیکے بعد شرحِ جامی تک مولانا عبدالرحمٰن محدّث مبارکپوری سے پڑھا۔ اس کے بعد مدرسہ حنفیہ جون پور میں مولانا ہدایت اللہ خاں سے، اور دریبہ پان الہ آباد میں مولانا محی اللہ صاحب سے پڑھا۔ پھر ٹونک جاکر مولانا ابوالبرکات احمد ٹونکی (م ۱۳۴۷ھ) سے جملہ علومِ عقلیہ ونقلیہ اور طب و حکمت کی تکمیل کی۔ یہیں پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سے تعلق قائم ہوا۔ جو آخر تک قائم رہا۔ فارغ ہونے کے بعد مولانا شمس الہدیٰ کالج پٹنہ میں صدر مدرس بنائے گئے۔ اور مولانا حضرت شاہ بدرالدین سجادہ نشینِ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے شرفِ ارادت حاصل کیا۔ پھر مدرسہ مصباح العلوم الہ آباد میں کچھ دن مدرس رہے۔ آپ نے ۲۰ برس تک تدریسی خدمات انجام دیں اور تحریکِ خلافت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور مختلف مدارس میں درس دیا۔ دارالعلوم معینیہ اجمیر، مظہر العلوم بنارس، وغیرہ کو آپ کا شرفِ تدریس حاصل رہا ہے۔ منطق وفلسفہ میں مہارت اور عربی ادب کا بھی گہرا ذوق رکھتے تھے۔ آپ نہایت ملنسار، مشفق اور بابرکت بزرگ تھے۔ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ/ ۲۵ جولائی ۱۹۵۲ء کو جھوئی ٹولہ لکھنو میں انتقال ہوا۔ خنجر کے تکیہ میں مدفون ہوئے۔

آپ نے اردو عربی میں کافی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔ جن میں مطبوعہ وغیر مطبوعہ دونوں ہیں۔ عربی میں درج ذیل تصانیف یادگار ہیں۔

(۱) ''سوال وجواب نور الانوار'' (عربی):۔ اصول فقہ کی مشہور درسی کتاب ''نور الانوار'' کے مشکل مقامات کا بہترین حل سوال وجواب کی شکل میں ہے یہ کتاب عربی میں ہے۔ (۲) ''سوال وجواب قطبی ومیر قطبی'' (عربی): منطق کی مشہور کتاب ''شرح شمسیہ'' اوراس کے حاشیہ میر سید شریف جرجانی کے مشکل مقامات کا آسان حل، عربی زبان میں اور سوال وجواب کی شکل میں ہے۔

(۳) ''نسیم الکلام فی تائید شریعۃ خیر الانام'' (عربی):۔ یہ کتاب علم کلام میں ہے اپنے موضوع پر نہایت جامع ہے، مدتوں درسی کتب میں داخل رہی ہے اور عربی زبان میں ہے۔

(۴) جواہر الحکم فی شرح السلم:۔ منطق کی مشہور کتاب سلم کی شرح حاشیہ کے طرز پر عربی زبان میں ہے۔

(۵) ''الافاضۃ القدسیہ فی المباحث الحکمیہ'':۔ عربی زبان میں حکمت وفلسفہ کی اہم کتاب ہے (۱۳۶۳ھ) میں الہ آباد کے قیام کے زمانہ میں لکھی تھی۔ عربی زبان میں ہے۔ مدتوں سرکاری نصاب عالم فاضل میں شامل رہ چکی ہے۔ اردو میں (۱) رموز حکمت نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو فلسفہ و حکمت پر ہے۔ [۱۴۴]

۱۳۸۔ (مفتی) محمد شفیع دیوبندیؒ

۱۳۱۴ھ۔۱۳۹۶ھ

۱۸۹۶ء۔۱۹۷۶ء

آپ اصلاً دیوبند کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۶۹ء میں دیوبند میں ولادت ہوئی۔ دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۳۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال تھی۔ دار العلوم کے طبقہ علیاء کے مدرسین میں تھے۔ ۱۹۲۲ء میں دار العلوم کے منصب افتاء کی خدمات پر مامور ہوئے

۔۱۹۵۱ء میں کراچی میں مدرسہ دارالعلوم قائم کیا جو دینی علوم کا ایک بڑا مرکز شمار ہوتا ہے۔آپ کو رسوخ فی العلم حاصل تھا۔تمام متداول علوم میں عمدہ صلاحیت تھی ۔آپ کی کل تصانیف دو سو کے قریب ہیں۔فقہ آپ کا سب سے پسندیدہ موضوع ہے آپ کے فتاویٰ کی تعداد تقریباً ۲۲ لاکھ تک پہونچتی ہے ۔آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ''تفسیرِ معارف القرآن'' ہے جو آٹھ جلدوں میں ہے اور بیحد مقبول ہے ۔آپ نے عربی فارسی اور اردو میں متعدد نظمیں کہیں جن کا مجموعہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے پاکستان میں آپ ''مفتیِ اعظم'' کے لقب سے جانے جاتے تھے۔۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ (۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء) کو وصال فرمایا۔

آپکی عربی تعلیم کا آغاز حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی ''شیخ الادب'' کے ہاتھوں ہوا تھا ان کے حسنِ تربیت ہی نے آپ کو اس مقام تک پہونچا دیا تھا کہ نفحۃ الیمن پڑھنے کے دوران عربی میں اشعار کہنے شروع کر دئے تھے۔پھر مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی (عربی کے ادیب) آپ پر بہت مہربان تھے۔پڑھنے ہی کے زمانہ میں انھوں نے آپ کے ادبی مذاق کو ترقی دینے کی کوشش کی ،کبھی کوئی مضمون لکھوالیا،کسی جلسہ میں آپ کو سپاس نامہ لکھنے یا خیر مقدمی نظم کہنے کا حکم دیا'' نادیۃ الادب'' کے ہفتہ وار اجتماع میں آپ بڑی سرگرمی سے حصہ لیتے تھے۔آپ اپنے اردو اشعار کے مجموعے ''کشکول'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔'' میرے نظم لکھنے کی ابتداء عربی ادب کے سلسلہ میں استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علیؒ کے ارشاد کی بنا پر ہوئی جب کہ دارالعلوم کے طلبہ کچھ اردو زبان کے مشاعرے جمعہ کی فرصت میں منعقد کیا کرتے تھے تو استادِ محترم نے ہم چند طلباء کو غیرت دلائی کہ اگر شعر کہنا ہے تو عربی میں کہو جو تمھارے مقصدِ تعلیم میں معین ہو۔اس وقت سے عربی میں مختلف قسم کے اشعار و قصائد لکھنے کی نوبت آئی۔اور پھر جب ذوق کچھ آگے بڑھا تو ترقیِ معکوس یہ ہوئی کہ فارسی زبان میں اور پھر اردو زبان میں کچھ اشعار،قطعات،غزل،قصیدے لکھنے نوبت آئی۔

آپ کے عربی اشعار کا مجموعہ ''نفحات'' کے نام سے ادارۃ المعارف کراچی سے ۱۹۷۳ء میں

شائع ہو چکا ہے۔آپ کے صاحب زادے مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:۔

''والد صاحب نے عربی زبان میں کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں ہیں۔مضامین بھی لکھے ہیں۔اور شعر بھی کہے ہیں۔اگرچہ آپ نہ صرف عربی تحریریں بے تکلف لکھا کرتے تھے بلکہ اس معاملہ میں اپنے معاصر علماء کے درمیان ممتاز سمجھے جاتے تھے۔اس کے باوجود اگر میں آپ کی عربی نثر کی زیادہ تعریف کروں تو اس میں مبالغہ کا اندیشہ ہے لیکن آپ کے عربی اشعار کے بارے میں کسی خوف وتردد کے بغیر میں کہہ سکتا ہوں کہ ان میں بہت سے اشعار ایسے ہیں کہ اگر کہنے والے کا نام لئے بغیر انھیں کسی صاحب ذوق کے سامنے رکھا جائے تو وہ بلا تامل یہ فیصلہ کریگا کہ یہ اشعار اسلامیین یا مولدین میں سے کسی عرب شاعر کے ہیں۔مثلاً ''نادیۃ الادب'' کے ایک طرحی مشاعرے میں والد صاحبؒ نے جو اشعار پڑھے ان کے یہ تیور ملاحظہ فرمائیے:۔

ترحل عنی الصبر یوم ترحلوا ☆ فبتُ بقلبٍ فی الحشا یتململُ

یقول نصیحی فی ھواہُ توجعا ☆ تعز فان الصبر بالحر اجملُ

یصبرنی! و الصبر عین شکیتی ☆ وما غالنی فی الحب الا التجمل

ان اشعار کو بالخصوص آخری شعر کو پڑھ کر کون اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ کسی عجمی شاعر کا شعر ہوگا؟ اس قصیدے کا ایک اور شعر ہے:

بکینا فابکینا ولا مثل ناقف ☆ لحنظلة فی الحیِّ یوم تجملوا

اسی شعر میں والد صاحبؒ نے امرؤ القیس کے اس شعر پر لطیف چوٹ کی ہے جسمیں وہ کہتا ہے:

''کانی غداۃ البین یوم تحملوا ☆ لدیٰ سمرات الحی ناقف حنظل''

لیکن خود والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امرؤ القیس کے اس شعر پر تعریض تو کردی ہے مگر سوز وگداز اور لطافت ونزاکت کے اعتبار سے شعر امرؤ القیس ہی کا بھاری تھا۔یہ اور اس نوعیت کے بہت سے اشعار بلاشبہ ایسے ہیں کہ ان کے مضامین سے لے کر ان کے اسلوب بیان اور ان

کی شان تک کہیں عجمیت کی کوئی بو محسوس نہیں ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ یمن کے کسی ادیب نے حضرت والد صاحب کا کوئی قصیدہ کسی رسالہ میں دیکھا تو بے ساختہ یہ سمجھا کہ یہ کسی پختہ مشق عربی شاعر کا قصیدہ ہے لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ یہ اشعار ایک ہندوستانی عالم کے ہیں تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے والد صاحب کو خط لکھا اور پھر ملاقات کے لئے سفر کر کے پہونچا۔ ۱۴۵

۱۳۹۔ (سید) محمد صادق تقوی۔ (امروہہ)

۱۳۳۳۔۱۴۰۵ھ

۱۹۱۴۔۱۹۸۴ء

والد ماجد کا نام سید محمد کاظم تھا، آپ کی ولادت ۲۸ صفر ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء کو ہوئی۔ دینی تعلیم ابتدائی گھر پر ہوئی پھر مدرسہ ناظمیہ لکھنو سے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔ پھر عراق تشریف لے گئے اور نجف اشرف، کربلائے معلیٰ، کوفہ، کاظمین کے علماء سے استفادہ کیا۔ فقہ۔ فلسفہ۔ تفسیر، وحدیث پر عبور حاصل کیا۔ عربی ادب میں مسلم الثبوت استاذ مانے جاتے تھے۔ بلا کا حافظہ تھا۔ اکثر درسی کتابیں حفظ یاد تھیں۔ حریری ونہج البلاغہ کی تدریس میں خاص شہرت تھی۔ بصارت سے محروم ہونے کے باوجود مختلف مدارس میں درس دیا کرتے تھے۔ مدرسہ ناظمیہ لکھنو، اور شیعہ عربی کالج میں بیک وقت پڑھاتے تھے۔ ۲۸/مارچ ۱۹۸۴ء کو انتقال فرمایا حسینیہ غفران مآب لکھنو میں دفن ہوئے۔ پسماندگان میں سید محمد حامد، سید محمد ماجد، سید محمد عاقل ہیں۔

آپ عربی کے بہترین شاعر تھے۔ اور عربی کے ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے۔ عربی میں لگ بھگ تین ہزار اشعار کہے جو مختلف موضوعات پر ہیں۔ اردو میں مجموعہ کلام موجود ہے۔

۱۹۶۵ء میں قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر لکھی جو بہت مقبول ہوئی۔ نیز آپ نے سلیس وسادہ زبان میں ''نہج البلاغہ'' کا ترجمہ بھی کیا۔ اور ''صحیفہ علوی'' کا ترجمہ بھی آپ کے ادبی ذوق کا شاہکار ہے۔ ۱۴۶

۱۴۰۔(مولوی) محمد صادق۔(مدراس)

۱۳۲۶ھ۔۱۳۷۷ھ

۱۹۰۸ء۔۱۹۵۸ء

مدراس کے مقام پر میلا پور میں ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے۔آپ شمس العلماء قاضی عبید اللہ کے پوتے تھے اور اہلِ نوائط میں سے تھے اور قاضی حبیب اللہ کے حقیقی ماموں تھے آپ کی ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم قاضی عبید اللہ صاحب کی سرپرستی میں ہوئی مدرسہ محمدی میں عربی فارسی کی درسی کتابیں پڑھیں۔اور تفسیر، حدیث،فقہ پر عبور حاصل کیا وہاں آپ کے اساتذہ میں مفتی محمود،مولوی محمد عبدالرحمٰن،مولوی حبیب اللہ شامل ہیں۔آپ حضرت مولانا محمد اسلم فرنگی محلی سے بیعت تھے انجمن حمایۃ الاسلام میں بچوں کو قرآنِ پاک اور دینیات پڑھاتے تھے۔ساتھ ہی تصنیفی سفر بھی جاری رہا۔

۲۸ رجب ۱۳۷۷ھ/ ۱۸ فروری ۱۹۵۸ء کو انتقال فرمایا حضرت مخدوم ساوی عرف دستگیری کے روضہ اقدس کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

تصانیف:۔ عبید اللہ صاحب نے اپنی کتاب سفرِ عراق (مطبوعہ ۱۹۹۳ء/۱۴۱۳ھ) میں آپ کی تصانیف کے حسبِ ذیل نام بتائے ہیں جو ابھی غیر مطبوعہ ہیں یعنی اردو میں فتاویٰ صادقیہ،مسائلِ صیام وقیام،اور مفید المومنین،وغیرہ ان میں مفید المومنین مطبوعہ ہے۔عربی میں ایک کتاب ''الاسراج لاہل السنۃ والجماعۃ'' نام کی کتاب لکھی ہے جو ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ [۱۴۷]

۱۴۱۔(حضرت مولانا قاری) محمد صدیق باندویؒ

۱۳۴۱ھ۔۱۴۱۸ھ

۱۹۲۳ء۔۱۹۹۷

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱ رشوال المکرم ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء کو ہوئی۔آبائی وطن ہتورا،ضلع باندہ میں ہوئی۔آپ کی عمر ۶ سال کی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔دادا جان نے آپ کی تربیت فرمائی

بچپن ہی میں حفظِ قرآن پاک مکمل کرلیا تھا۔ وہ وقت نہایت عسرت تنگدستی کا تھا، نہایت صبر آزما حالات کی وجہ سے ہی پانچ سال کے عرصہ میں حفظ کی تکمیل ہوسکی۔ دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ چکا تھا۔ اس مظلومانہ ویتیمانہ زندگی میں آپ کے ماموں مولانا امین الدین صاحب کا سایہ ابرِ رحمت ثابت ہوا۔ جن سے آپ نے ابتدائی عربی فارسی اور تجوید کی کتابیں پڑھیں۔ تقریباً ۱۲ برس کی عمر میں کانپور تعلیم کے لئے گئے وہاں مدرسہ تکمیل العلوم میں نحو میر، میزان، منیۃ المصلی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ۱۴ برس کی عمر میں ہدایۃ النحو، فنِ قراءت سبعہ عشرہ کی تعلیم بڑی محنت سے پائی۔ قراءت میں آپ کے استاد قاری عبدالحلیم صاحب تھے۔ پانی پت میں دو سال رہ کر سہارنپور تشریف لے گئے جہاں ۱۳۵۸ھ میں آپ نے اصول الشاشی، کنز الدقائق، شرحِ جامی، قطبی، سلم، تلخیص المفتاح پڑھیں۔ اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ اور وہاں پر کئی سال رہ کر فراغت پائی۔ سہارنپور کے زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ سے قریبی تعلق ہوا۔ اور عرصہ تک ناظم صاحبؒ کی خدمت بابرکت سے آپ بہت مستفیض ہوئے۔ مظاہر علوم سے ہی دورہ حدیث شریف کیا اور پھر دوسرے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ کچھ دن مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں درس دیا اور پھر مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں مدرس مقرر ہوئے۔ بیعت وسلوک کا تعلق حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ہی سے قائم فرمایا تھا۔ آپ ہی سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ ۱۹۴۹ء میں پہلا سفر حج کیا۔ مدرسہ اسلامیہ فتح پور سے استعفاء دینے کے بعد کامیاب تبلیغی دورے کئے اور ہتورا میں اپنا مدرسہ جامعہ عربیہ قائم فرمایا جس کے ابتدائی دنوں میں سخت امتحانی مراحل سے گذرنا پڑا۔

وفات:۔ یوں تو برسہا برس سے مختلف امراض کا سلسلہ جاری تھا لیکن خطرناک قسم کی بیماری کا سلسلہ ۱۴۰۹ھ سے شروع ہوا۔ جس میں آپ کے قلب پر شدید قسم کا دورہ پڑا۔ کچھ بیماریاں تو زندگی کا جز لاینفک بن چکی تھیں۔ بالآخر ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۸ء/ ۲۸ اگست ۱۹۹۷ء جمعرات کو دس بج کر دس منٹ پر برین ہیمبرج کے شدید حملہ میں لکھنو کے سحر نرسنگ ہوم میں انتقال فرمایا، تدفین کے لئے جنازہ

ہتورا لایا گیا۔ اور بعد نماز عشاء لاکھوں سوگواروں کے ہجوم میں تدفین عمل میں آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے ساری زندگی درس وتدریس، اصلاح وتبلیغ، تزکیہ وارشاد اور خدمت خلق میں گذاری۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ درسیات کے متعلق کچھ لکھا بھی ہے کچھ کتابوں کی شرح بھی لکھی ہے۔ عربی میں طلبہ کیلئے صرف ونحو کو آسان بنانے کی غرض سے طلبہ کیلئے (۱) تسہیل الصرف، اور (۲) تسہیل النحو دو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جو اپنے موضوع پر بہت اہم ہیں۔ ۱۴۸

۱۴۲۔ (ڈاکٹر) محمد صلاح الدین عمری

(و۔ ۱۹۵۶ء)

ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری، ولدیت محمد زعیم الاسلام فاروقی، مرحوم، قصبہ گوپامؤ ضلع ہردوئی کے علمی گھرانے میں ۲۳ دسمبر ۱۹۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے دادا مولانا نواب محمد رئیس الاسلامؒ کے زیر تربیت حاصل کی۔ اس کے اس کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں اعلی سطح تک تعلیم حاصل کی۔ اور یہیں سے عربی میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی۔ آپ شعبہ عربی علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا نواب محمد رئیس الاسلام فاروقیؒ (دادا) اور محمد زعیم الاسلام فاروقی (والد) اور پروفیسر محمد راشد ندوی، پروفیسر عبدالباری وغیرہ آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرار تقرر ہوا۔ اور وہیں پر اس وقت ریڈر کے منصب پر پر فائز ہیں۔ ماقبل اسلام عربی شاعری، جدید عربی ادب وتنقید، اور ٹرانسلیشن وغیرہ کورسیز کی تعلیم وتدریس کے علاوہ ایم فل اور پی ایچ ڈی اسکالرس کی حتی الوسع رہنمائی آپ کی گرانقدر علمی خدمات ہیں۔ عربی زبان وادب میں ایک کتاب ''سید احمد خاں: حیاتہ وآثارہ'' تالیف فرمائی۔ جو عربی زبان میں سرسید کی حیات وافکار پر پہلی تالیف ہے۔ اس کے علاوہ مختلف ادبی، تنقید، اور لغوی موضوعات، پر اب تک آٹھ تحقیقی مقالات، اور متعدد انگریزی مقالات کے عربی ترجمے تحریر کئے۔ جن

میں بیشتر مجلہ ''المجمع العلمی الہندی'' علی گڈھ، مجلہ ''البعث الاسلامی'' لکھنو، مجلہ ''ثقافۃ الہند'' دہلی میں شائع ہوئے۔ ۱۴۹

۱۴۳۔ (حکیم الاسلام قاری) محمد طیبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

(م ۱۹۹۷ء)

آپ حضرت نانوتویؒ کے پوتے ہیں۔ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ''مظفر الدین'' ہے۔ ۷ سال کی عمر میں دارالعلوم میں داخل کیا گیا۔ دو سال کی مدت میں قراءت وتجوید کے ساتھ حفظ کیا ۵ سال فارسی اور ریاضی کے درجات میں تعلیم حاصل کر کے عربی کا نصاب شروع کیا۔ جس سے ۱۹۱۸ء/ ۱۳۳۷ھ میں فراغت اور سندِ فضیلت حاصل کی۔ حدیث کی خصوصی سند آپ کو مشاہیر علماء واساتذہ سے حاصل ہوئی۔ علامۃ العصر حضرت محمد انور شاہ کشمیریؒ سے علمِ حدیث میں آپ کے خاص استاذ ہیں۔ ۱۳۳۹ھ میں حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت کی۔ حضرت کی وفات کے بعد مولانا انور شاہ کشمیری کی طرف رجوع کیا اور تربیت حاصل کی اور پھر حضرت تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

تدریس واہتمام:

علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ذاتی علم وفضل ، ذہانت وذکاوت ، اور آبائی نسبت وجاہت کے باعث بہت جلد طلباء کے حلقہ میں آپ کے ساتھ گرویدگی ہوگئی ، اوائل ۱۹۲۴ء/ ۱۳۴۱ھ میں نائب مہتمم کے منصب پر آپ تقرر کیا گیا۔ جس پر ۱۹۲۸ء تک اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی زیرِ نگرانی ادارہ اہتمام کے انتظامی معاملات میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۲۹ء میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد آپ کو مہتمم بنایا گیا۔ مہتمم ہونے کے بعد آپ کو علم وفضل اور خاندانی وجاہت واثر کی بنا پر ملک میں بہت جلد

مقبولیت اور عظمت حاصل ہوگئی۔ جس سے دار العلوم کی عظمت وشہرت کو کافی فوائد حاصل ہوئے۔ دار العلوم نے آپ کے دورِ اہتمام میں غیر معمولی عروج حاصل کیا۔ اور دار العلوم کے ہر شعبہ میں نمایاں ترقی ہوئی، اور طلبہ کی تعداد ۴۸۰ سے متجاوز ہو کر کئی ہزار تک پہونچ گئی۔ اور عمارات میں دار التفسیر، دار الافتاء، دار القرآن، مطبخ جدید، فوقانی دار الحدیث، بالائی مسجد، باب الظاہر، جامعہ طبیہ جدید، دو منزلہ دار الاقامہ، مہمان خانہ کی عظیم الشان، کتب خانہ کے وسیع وعریض ہال، دار الاقامہ جدید، افریقی منزل، مطبخ کے قریب تین درسگاہوں کا اضافہ، حضرت ممدوح ہی کے دورِ اہتمام کی یادگار تعمیرات ہیں۔

خطابت: علمی سلسلہ میں درس وتدریس کے علاوہ فنِ خطابت وتقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوتِ گویائی بخشی تھی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں۔ اہم مسائل پر دو دو تین تین گھنٹے مسلسل تقریر کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ اور تکلف نہیں ہوتا۔ حقائق اور اسرارِ شریعت کے بیان اور اعجازِ مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپکے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص طور پر محظوظ ہوتا تھا اور آپ کی معرکۃ الآراء تقریریں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے شائع ہوچکی ہیں بیرونِ ہند میں بھی آپ کی خطابت کے اثرات وہاں کے علمی حلقوں میں پہونچ چکے تھے۔ اسی طرح بیرونی ممالک میں برما، جنوبی افریقہ، زنجبار، کیقبا، انڈونیشیا، اتھوپیا، مصر، انگلینڈ، فرانس، اور جرمنی، وغیرہ ممالک کا بھی دورہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی دلکش شخصیت کے بے شمار حسین پہلو ہیں۔ شرافت و انسانیت، سراپا انکسار، پاک باطنی، علم و فضل، خطابت وتقریر، اور وعظ وتلقین، سادگی اور عجز وانکسار، دمِ گفتگو حکیمانہ فصاحت و بلاغت، غرض کہ ان کی پر عظمت شخصیت، اعمال وکردار، اور جلال و جمال کا ایک حسین امتزاج ہے۔ دار العلوم کے انتظامی امور کے علاوہ جن چیزوں سے آپ کو دلچسپی تھی وہ تعلیم وتدریس، دعوت وتبلیغ اور ذوقِ مطالعہ کتب، اور تصنیف وتالیف ہیں۔ آپ کا یہ مشغلہ دار العلوم کے انتظامی معاملات اور اوقات درس وتدریس کے علاوہ ہمیشہ جاری رہتا، شاعری سے بھی مناسبت تھی۔ متعدد نظمیں شائع ہوچکی ہیں۔ آپ

کے کلام کا مجموعہ ''عرفانِ عارف'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس میں اردو، فارسی اور ''عربی کا کلام '' بھی جمع کردیا گیا ہے۔ ان گونا گوں مصروفیتوں کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی سفر وحضر میں جاری رہتا۔

تصنیف وتالیف:۔ آپ کی تصانیف کی تعداد دوسو کے قریب ہے جو مختلف اسلامی موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے پچاس ساٹھ شائع ہو چکی ہیں۔ جنمیں: سائنس اور اسلام، التشبہ فی الاسلام خاتم النبیین، اسلام میں اخلاق کا نظام، فطری حکومت، اسلام اور مسیحی اقوام، حدیث کا قرآنی معیار، کلماتِ طیبات، اطیب الثمر فی مسئلۃ القضاء والقدر اسبابِ عروج وزوالِ اقوام، اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، الاجتہاد والتقلید، اصولِ دعوتِ اسلام، اسلامی مساوات، تفسیر سورۂ فیل وغیرہ ہیں۔ ۱۳۵۲ھ میں جب کہ شاہ ابن سعود مرحوم پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ جس میں وہ بال بال بچ گئے۔ ہندوستانی علماء کی طرف سے مبارکباد کا جلسہ فندق مکہ میں منعقد ہوا۔ جس کا صدر آپ ہی کو بنایا گیا۔ اس موقع پر آپ نے ''عربی کی مختصر تقریر'' کے بعد جلسہ تبریک کی تجویز پڑھ کر سنائی تھی۔ آپ کی عربی تصنیفات میں سب سے اہم ''عقیدۃ الطحاوی'' کی نہایت سہل وسلیس شرح ہے اسکے علاوہ ''عربی کلام'' نیز مختلف متعدد کتابچے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۵۰

۱۴۴۔ (سید) محمد عبادت کلیم۔ (امروہہ)

۱۳۲۹۔۱۴۱۰ھ

۱۹۱۱۔۱۹۷۹ء

نام سید محمد عبادت اور تخلص کلیم تھا۔ آپ مولانا سید اولاد حسن سلیم کے اکلوتے بیٹے تھے ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے دس سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا حاجی سید مرتضی حسین مجتہد نے آپ کی کفالت

فرمائی۔ انھوں نے نہ صرف پڑھائی بلکہ ان کی تربیت وتزکیہ نفس میں بھی سعیِ بلیغ کی۔ حاجی صاحب نے اپنی علالت کے زمانہ میں انھیں لکھنو جانے کی ہدایت کی وہاں جاکر انھوں نے ناظمیہ میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں اس عہد کے عظیم فلسفی مولانا سید مظاہر حسین قبلہ اور مفتی اعظم سید احمد علی کے اسماءِ گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان دونوں عالموں سے انھوں نے فلسفہ منطق اصولِ فقہ اور فقہ استدلالی کی باریکیاں حاصل کیں۔ نیز عربی فارسی ادب عالیہ میں کمال دسترس لکھنو کے عالموں سے حاصل کیا۔ مولانا محمد عبادت اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے وہ ایک جید عالم اور مجتہدانہ فکر کے حامل تھے ان کی ہمہ جہت شخصیت، تبحرِ علمی، ان کے عالمی افکار، ان کا علم وفضل، ان کا زہد وتقویٰ غرض کہ وہ تمام صفات جو کسی انسان کو مثالی بناتی ہیں۔ مجتمع تھیں۔ یوں تو وہ شیعانِ امروہہ کے امام الجمعہ والجماعت تھے مگر ان کی وسیع المشربی ہر طبقہ فکر میں تسلیم کی جاتی ہے۔ ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو انتقال ہوا۔

تصانیف:۔ درسیات کے ختم ہونے کے بعد ہی انھوں نے ''تحقیق صدرہ'' ایک رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اصولِ فقہ پر عربی میں ایک رسالہ ''سراج الفقیہ'' بھی تحریر کیا ہے۔ اور ایک رسالہ عربی زبان میں ''الاستفسار فی نجاسۃ المشرکین والکفار'' تحریر کیا ہے۔ [151]

۱۴۵۔ (ڈاکٹر) محمد عبدالمجید

(و۔ ۱۹۵۰ء)

۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مہاراشٹر میں پائی۔ پھر جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں داخلہ لیا اور کامل کی سند حاصل کی اس کے بعد عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ۱۹۸۹ء میں ''الاتجاهات الدينيه في الشعر العربي المعاصر'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔ اور پھر جامعہ عثمانیہ میں اسی سال لیکچرار ہو گئے۔ اور تا حال اسی منصب پر فائز

ہیں۔ مذکورہ عربی مقالہ کے علاوہ آپ نے صالح بن عطاش کی عربی کتاب ''المهمات الاسلامية'' کا اردو میں ترجمہ کیا جو حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ ۱۵۲

۱۴۶۔ محمد عزیر شمس دربھنگوی

(و۔ ۱۹۵۹ء)

بہار کے موضع ''بلکتوا''، ضلع مدھوبنی میں یکم اپریل ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام شمس الحق ہے۔ اور دادا مولانا رضاء اللہ مرحوم دربھنگہ ضلع کے مشہور عالم تھے اور والد مرحوم مولانا شمس الحق سلفی جامعہ سلفیہ بنارس اور دوسرے مدارس میں عرصہ تک شیخ الحدیث رہے۔

محمد عزیر شمس کی ابتدائی تعلیم مدرسہ فیضِ عام مئو میں ہوئی۔ اور ثانوی تعلیم جامعہ رحمانیہ بنارس میں ہوئی اور عالمیت وفضیلت کی تکمیل ۱۹۷۶ء میں جامعہ سلفیہ بنارس سے کی اس کے بعد مدینہ منورہ چلے گئے۔ اور بی اے عربی مدینہ یونیورسٹی سے ۱۹۸۱ء میں کرنیکے بعد ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ سے ۱۹۸۵ء میں ایم فل کیا۔ اور ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ سے ہی ''الشعر العربي في الهند۔ دراسة نقدية'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی شروع کی۔ جو بعض وجوہات کی بناء پر ناتمام رہ گئی۔ اور فی الحال ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کی ہی لائبریری میں تحقیق وتالیف میں مشغول ہیں۔۔ آپ کی علمی خدمات بہت زیادہ ہیں۔ کثیر تعداد میں عربی کتابوں کی ترتیب وتدوین کر چکے ہیں،۔ صوت الجامعہ بنارس، مجلۃ المجمع العلمی علی گڈھ، مجلۃ المجمع اللغۃ العربیۃ دمشق، وغیرہ میں عربی مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو میں تحقیقی مقالات بھی معارف اعظم گڈھ، ماہنامہ برھان دہلی، جامعہ دہلی، محدّث بنارس، التوعیہ، آثار، الاعتصام، لاہور پیامِ توحید دہلی، اور افکار ملی دہلی وغیرہ میں چھپتے رہتے ہیں۔

آپ کو عربی کی نادر ونایاب کتابوں کی تلاش رہتی ہے اور انھیں موجودہ تحقیقی معیار کے مطابق ایڈٹ کر کے اہلِ علم کے سامنے پیش کرنا آپ کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ اسلوب سنجیدہ اور علمی ہے

۔مخطوطات کی فہرست سازی سے بھی شغف ہے۔علامہ ابن تیمیہؒ کی ببلوغرافی "ببلو غرافیا عن شیخ الاسلام ابن تیمیہ" کے نام سے زیر ترتیب ہے اس کے علاوہ عربی میں ایک کتاب "حیاۃ المحدث شمس الحق عظیم آبادی" تصنیف کی ہے۔جو بنارس سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی ہے ۔اور "حالی شاعراً وناقداً" کے نام سے ایم فل کا مقالہ تالیف کیا تھا۔آپ آزاد ہندوستان کے وہ سپوت ہیں جنھوں نے ہندوستان سے باہر رہ کر عربی ادب مجر کے چراغ کو روشن رکھا۔اوراس کم عمری میں اتنی بڑی تعداد میں عربی کی کتابوں پر تحقیق وتنقید،اور ترتیب وتدوین کا کام کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔احقر کو رامپور میں کئی بار شرف ملاقات حاصل ہوا ہے۔باقی اکثر کتابیں ایڈیٹ ورک ہیں۔جنکی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱- "رفع الالتباس عن بعض الناس" / شمس الحق عظیم آبادی (مطبوعہ بنارس)

۲- "غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد" ج ۱/ شمس الحق عظیم آبادی (مطبوعہ کراچی) -۳- "ردّ الاشراک" / شاہ اسماعیل شہیدؒ (مطبوعہ لاہور) ۴- "اتحاف النبیہ بما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ" / شاہ ولی اللہ تعریب (مطبوعہ لاہور) -۵- "روائع التراث" (دس نادر عربی رسائل، مطبوعہ بمبئی) ۶- "تاریخ وفاۃ الشیوخ" / ابو القاسم بغوی (مطبوعہ بمبئی) ۷- "استدراک امّ المومنین عائشہ علی الصحابہ" / ابو منصور الشیحی (مطبوعہ بمبئی) ۸- "الجامع لسیرۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ" (مطبوعہ مکہ مکرمہ) ۹- "قاعدۃ فی الاستحسان" / ابن تیمیہ (مطبوعہ مکہ مکرمہ) -۱۰- "جامع المسائل" -۶ جلدیں- (مطبوعہ بمبئی) -۱۱- "الرسائل التبوکیہ" / ابن القیم (مطبوعہ مکہ مکرمہ) -۱۲- "مؤلفات الامام ابن قیم الجوزیہ": نسخہا الخطیہ وطبعاتہا (مطبوعہ مکہ مکرمہ) ۱۳- روضۃ المحبین / ابن القیم ۱۴- دیوان تأبط شرا (غیر مطبوع) ۱۵- بحوث وتحقیقات للعلامہ عبد العزیز المیمنی (دو جلدیں) (مطبوعہ بیروت) - ۱۶- تقیید المہمل وتمییز المشکل / ابو علی الجیانی

السفسائی (تین جلدیں) (مطبوعہ مکہ مرمہ)۱۷۔ رسائل الامام ولی الله دهلوی (زیر طبع)،
۱۸- تنبیه الرجل العاقل/ابن تیمیه (زیر طبع)۔۱۹- رسائل المحدث شمس الحق عظیم
آبادی (زیر طبع)۔

مندرجہ بالا عربی تالیفات کے علاوہ اردو میں دو کتابیں ا۔ ''مولانا شمس الحق عظیم آبادی: حیات وخدمات
'' (مطبوعہ کراچی) ۲۔ فتاوی مولانا شمس الحق عظیم آبادی (مطبوعہ کراچی) تالیف فرمائیں۔ ۱۵۳

۱۴۷۔ محمد علاء الدین ندوی

(و۔ ۱۹۵۷ء)

مولانا محمد علاء الدین ندوی، والد ماجد کا نام محمد صدیق، صوبہ جھارکھنڈ کے ضلع رانچی کے
مضافات میں دانتو کے قریب موضع ''پرہے پاٹ'' کے رہنے والے ہیں۔۱۲/مارچ ۱۹۵۷ء کو
''پرہے پاٹ''، ضلع رانچی میں پیدا ہوئے۔آپ کے جدامجد شیخ سبحانی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ان کی
اولاد میں بہت برکت ہوئی۔مگر تعلیمی رجحان کم ہی رہا۔آپ اپنے خاندان میں پہلے عالم دین ہیں،
ابتدائی تعلیم دار العلوم، اسلام نگر، رانچی میں حاصل کی۔ پھر دار العلوم ندوۃ العلماء سے ۱۹۷۶ء میں عا
لمیت کی تکمیل کی۔اوراس کے بعد تخصص فی الادب واللغہ کیا۔پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔اور
الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ سے ۱۹۸۳ء میں بی اے کیا۔پھر مکہ مکرمہ سے ۱۹۸۵ء میں ''ڈپلوما برائے
مدرسین، خطباء وائمہ'' حاصل کیا۔پھر ۲۰۰۰ء میں لکھنو یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا۔آپ ۱۹۸۶ء
و ۱۹۸۹ء میں کے درمیانمغربی افریقہ کے شہر لیبیریا میں مدرس رہے۔اور ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۷ء کے دوران
جامعہ اسلامیہ بھٹکل گجرات میں پڑھایا۔اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنو میں ۱۹۹۷ء تا حال تدریسی
فرائض انجام دے رہے ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں علم کلام وتفسیر میں مولانا ابو العرفان ندویؒ، حدیث میں مولانا عبد الستار

اعظمیؒ، مولانا ضیاء الحسن ندویؒ، مولانا برہان الدین سنبھلیؒ، عربی ادب میں مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی، بلاغت میں مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، احمد العرب مصری، د۔ عبدالباسط بدر، صالح آدم بہلو، نحو میں شیخ شناوی مصری، وغیرہ شامل ہیں۔

آپ نے قابلِ قدر علمی خدمات انجام دی ہیں۔ بیشمار عربی مضامین مختلف جرائد ورسائل میں شائع ہوئے جن کی صحیح تعداد کا علم نہیں۔ اور سات کتابیں مطبوعہ، اور گیارہ کتابیں غیر مطبوعہ یادگار ہیں۔ عربی کی مطبوعہ کتابوں میں ا۔ ''روعۃ البیان فی الحوار القصصی'' ۲۔ ''التعبیر ات المختارات'' ۳۔ روضۃ الشعر، ۴۔ فصل الخطاب، ۵۔ خاتم النبیین (سلسلہ وار مضمون مطبوعہ ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' حیدراباد) جیسی اہم کتابیں شامل ہیں۔ اور عربی مقالات میں ا۔ ''اقبال والقادیانیۃ'' ۲۔ ''الامر بالمعروف والنہی عن المنکر''، ۳۔ ''الادب الاسلامی''، ۴۔ الاستاذ الرافعی وخدماتہ فی دعم الادب الاسلامی مع ذکرِ من نماذج ادبہ الرائع'' لکھے۔ آخر الذکر مقالہ پر اول انعام حاصل کیا۔ بچوں کے لئے عربی نظم میں دوسرے شعراء کے کلام کا انتخاب ''روضۃ الشعر'' تالیف کیا۔ آپ کی عربی تحریریں اخبار العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ، الاسراء، القدس، (فلسطین)، ''الرائد، (لکھنو)، ''صوت الحق'' (گجرات) ''النور'' (مہاراشٹر)، وغیرہ میں شائع ہوتی ہیں۔

آپ کی عربی واردو نگارشات میں کوشش اس بات کی ہوتی ہے۔ کہ اسلام کی حقانیت کو دعوتی تناظر میں ادبی رنگ کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اردو میں ''ذرا قرنِ اوّل کو آواز دینا'' اور ''ہجرت مصطفیٰ علیہ وسلم'' میں یہ کوشش نمایاں ہے اور عربی میں ''فصل الخطاب'' میں بھی یہ کوشش کی گئی ہے۔ ۱۵۴

۱۴۸۔ محمد مصطفیٰ شریف (مدراس)

(و۔ ۱۹۵۷ء)

حیدراباد میں ۱۹۵۷ء میں ولادت ہوئی۔ جامعہ عثمانیہ حیدراباد سے ۱۹۷۱ء میں ایم اے کیا۔ اور ۱۹۸۸ء

میں یہیں سے پی ایچ ڈی کی۔ڈاکٹریٹ کے لئے سید محمد حسینی کی ''شرح معارف العوارف للشیخ شہاب الدین سہروردی'' کو ایڈٹ کیا۔اس کے بعد مدراس یونیورسٹی میں لکچرار ہوگئے۔تا حال یہیں پر تدریس میں مشغول ہیں۔ آپ کا اہم کام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی درسی کتاب ''القراءۃ الراشدہ'' کا اردو،اور انگریزی میں ترجمہ ہے،جو طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر کیا گیا تھا۔اور ۱۹۸۶ء میں حیدرآباد سے شائع ہوا۔ ۱۵۵

۱۴۹۔(حضرت مولانا) محمد منظور نعمانیؒ

۱۳۲۳ھ۔۱۴۱۷ھ

۱۹۰۵ء۔۱۹۹۷ء

۱۸ر شوال ۱۳۲۳ھ کو اپنے آبائی وطن سنبھل ضلع مرادآباد میں ایک ایسے خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے جس میں دینداری بھی تھی۔متوسطات اور فنون کی اکثر کتابیں اپنے وطن کے مشہور صاحب درس عالم مولانا کریم بخش سنبھلی سے مدرسہ عبدالرب دہلی،اور دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڈھ میں پڑھیں۔دارالعلوم مئو میں بعض کتابیں حضرت مولانا حبیب الرحمن محدث اعظمیؒ سے اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی سے بھی پڑھیں پھر تکمیل کیلیے ۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور دو سال یہاں رہ کر فقہ،حدیث،تفسیر وغیرہ علوم دین کی تحصیل وتکمیل کی۔آپ کے دارالعلوم کے اساتذہ میں مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ،مولانا سراج احمد رشیدی،شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی،مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی،حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔حضرت شاہ صاحبؒ سے آپ کو بے پناہ عقیدت تھی۔اس لئے حاضر خدمت ہوکر بیعت کی درخواست کی حضرت شاہ صاحبؒ نے قبول فرمالیا۔

فراغت کے بعد اپنے وطن کے مدرسہ محمدیہ سنبھل سے درس وتدریس کا آغاز کیا۔اس کے

بعد یہاں سے مدرسہ چلہ امروہہ چلے گئے جہاں تین سال تک مشغلہ جاری رکھا۔ لیکن ملک کے حالات اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے حق میں اس قدر تشویشناک تھے کہ ان حالات میں مولانا مرحوم جیسے حساس اور دعوت وتبلیغ کا ذوق رکھنے والے کے لئے مدرسہ کی چہار دیواری میں محصور ہوکر صرف درس و تدریس پر قناعت کر لینا مشکل تھا۔ اس لئے وہ تعلیمی وتدریسی مشغلہ تادیر قائم نہ رکھ سکے۔ [156]

''الفرقان'':۔ الفرقان کے اجراء اور پھر اس کے بقاء کیلئے آپ نے کس قدر مشکلات برداشت کیں اور انتھک محنتیں کیں وہ بجائے خود ان کی زندگی کا ایک محیّر العقول باب ہے جس سے ان کی اولوالعزمی، رائے کی پختگی، اور جہد وعزیمت کا پتہ چلتا ہے۔ الفرقان نے ردِّ بریلویت کے سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ برِ صغیر کے جرائد ورسائل کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اور آج بھی اس موضوع پر علمی کام کرنے والوں کیلئے اس زمانہ کے الفرقان کے شمارے اہم ترین مآخذ ومصادر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس سے صرف نظر کر کے اس موضوع کو مکمل نہیں کیا جا سکتا۔ الفرقان کے دو خصوصی نمبر ''مجدد الف ثانی نمبر'' اور شاہ ولی اللہ نمبر'' اپنی افادیت وجامعیت کے لحاظ سے علمی وتحقیقی دنیا میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں اور ان کی ترتیب واشاعت آپ کا ایک قابلِ فخر علمی کارنامہ ہے۔

دینِ حق کی دعوت واشاعت کا جذبہ:۔

آپ کے اندر دینِ حق کی دعوت واشاعت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسی جذبہ کی بناء پر مدرسہ کی یک گونہ یکسوزندگی کو خیراباد کہہ کر تقریر وتحریر اور بحث ومناظرہ کی ہنگامہ خیز وادی میں قدم رکھا۔ اور اسی جذبہ خیر سے مغلوب ہوکر ایک زمانہ میں مولانا مودودی صاحب سے متاثر ہوگئے اور یہ تاثر اتنا بڑھا کہ نہ صرف ان کے ہم سفر بن گئے بلکہ جماعتِ اسلامی کی تشکیل وتنظیم میں بنیادی کردار ادا کیا۔ لیکن آپ کا علم صحیح وفہم سلیم فکر ونظر کی اس لغزش کو زیادہ دنوں تک برداشت نہ کرسکا۔ اور وہ جلد ہی اس راستہ سے الٹے پاؤں واپس ہوگئے جس کی مکمل روداد ''مولانا مودودی کی رفاقت کی سرگذشت''

کے نام سے مرتب کر کے شائع بھی کردی۔ اسی جذبہ دعوت وتبلیغ کے تحت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے وابستہ ہوگئے اور ان کی قائم کردہ ''جماعتِ تبلیغ'' کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے ملک کے طول وعرض میں گھوم پھر کر دینِ حق کی دعوت واشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ اور اسی کے ساتھ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ سے تجدیدِ بیعت کر کے سلوک واحسان کی منزلیں طے کیں ۔اور حضرت رائے پوریؒ کی جانب سے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ آپ نے دین کے اس شعبہ کی راہ سے بھی قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اور ملک کے مختلف گوشوں میں بہت سے لوگ آپ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے۔

تصنیف وتالیف:۔ آپ کی علمی استعداد نہایت پختہ اور ٹھوس تھی مطالعہ بہت وسیع وعمیق تھا۔ علم متحضر تھا علمی مسائل پر تفصیلی ومحققانہ گفتگو فرماتے کہ گویا ابھی انھوں نے اس موضوع پر تیاری کی ہے ۔آپ کی دینی موضوعات پر کتابوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا علم کس قدر پختہ اور ہمہ گیر تھا اپنی مشہور سات جلدوں میں پھیلی ضخیم تالیف ''معارف الحدیث'' میں احادیث کے انتخاب اور پھر ان کی توضیح وتشریح میں جس ژرف نگاری اور لطافتِ فہم کا ثبوت دیا ہے وہ آپ کے رسوخ فی العلم اور مہارتِ فن کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

آپ نے مختلف علمی ودینی موضوعات پر چھوٹی بڑی تقریباً ۳۶ کتابیں وہ لکھیں جو الفرقان سے برابر شائع ہوتی رہتی ہیں جن میں معارف الحدیث، اسلام کیا ہے؟ دین وشریعت، ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت، شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ساری کتابوں کی زبان شگفتہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ اس لئے عام وخاص ہر حلقہ میں مقبول ہیں۔ آپ کی تحریروں کی ایک نمایاں خصوصیت اثر انگیزی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جو کچھ کہتے یا لکھتے اس کا تعلق محض الفاظ وبیان سے نہیں۔ بلکہ دل کی گہرائیوں سے تھا۔ اور تاثیر کی یہ قوت زبان وبیان پر قدرت کی رہینِ منت نہیں، بلکہ یہ ان کے اخلاص اور سوزِ دروں کی کرشمہ سازی ہے۔

اور ''الفیۃ الحدیث'' نام سے عربی میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ایک ہزار احادیث کا ایک نہایت جامع اور خوبصورت انتخاب کیا تھا۔ جو دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں داخل ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے تعلیمی تعلق کے علاوہ دوسرا ضابطہ کا تعلق فراغت کے اٹھارہ سال بعد ۱۳۶۳ھ میں مجلسِ شوریٰ کے رکن کی شکل میں قائم ہوا۔ جو زندگی کے آخری لمحہ تک جاری رہا۔ اس کے علاوہ ندوۃ العلماء لکھنو، اور بہت سے مدارسِ دینیہ کے رکن، سرپرست اور نگراں رہے۔ رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ کے بھی رکنِ رکین تھے۔ نیز مسلم مجلسِ مشاورت سے بھی آپ کا بنیادی تعلق تھا۔

لگ بھگ بیس سالہ طویل ترین دورِ معذوری اور سخت علالت کے بعد ۵؍مئی ۱۹۹۷ء بروز اتوار شب ساڑھے آٹھ بجے وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۹۲ سال تھی۔ حافظ اقبال صاحب (مدرسہ فرقانیہ گونڈہ) نے غسل دیا اور قاری صدیق صاحب باندویؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ عیش باغ قبرستان لکھنو میں مدفون ہوئے۔

آخرت کی جواب دہی کی فکر، اور حق ظاہر ہونے کے بعد اپنی غلطی کا اعتراف اور رجوع، نیز حق کیلئے استقامت، اور کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرنا، آپ کی بڑی خصوصیات تھیں۔ آخر العمر میں احقر کو تقریباً دس سال شرفِ صحبت وبیعت حاصل ہے۔ ۱۵۷

۱۵۰۔ (مولانا) محمد میاں دیوبندیؒ

۱۹۰۳ء۔ ۱۹۷۵ء

۱۳۲۱ھ۔ ۱۳۹۵ھ

آپ سرزمین دیوبند کے قدیم خاندان ساداتِ رضویہ کے چشم و چراغ تھے، جد امجد مولانا سید محمد ابراہیم (م ۱۰۳۳ھ) جہانگیر کے عہد میں اس قصبہ میں تشریف لائے اور محلہ سرائے پیرزادگان میں قیام فرمایا۔ اسی محلہ میں آپ کا مزار ہے۔ اور اسی محلہ میں عہدِ جہانگیری کی ایک مسجد بھی

ہے۔آپ کے والد ماجد کا نام سید منظور محمد عرف اچھے میاں تھا۔والدہ محترمہ اکرام النساء بنت سید ریاض احمد، ولادت ۱۲رجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۰۳ءکو دیوبند میں محلہ پیرزادگان میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اور نانی مرحوم وغیرہ سے قرآن شریف پڑھا اور درجات فارسی سے دورہ حدیث تک دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی ۱۹۲۵ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت پائی۔محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ،اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (م۱۳۶۹ھ)،مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن عثمانی (م۱۳۴۷ھ،شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ (م۱۳۷۴ھ) جیسے اساتذہ عظام سے شرف تلمذ حاصل رہا۔آپ کو جہادِ آزادی کے سلسلہ میں متعدد بار جیل جانا پڑا۔اور جیل ہی میں ۱۹۶۴ء میں حفظ کلام پاک کی تکمیل کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ حنفیہ آرہ شاہ آباد کلکتہ سے تدریسی خدمات کا آغاز کیا جہاں پر عربی تحریر و تقریر کی مشق اور خصوصاً فنِ ادب کی اونچی کتابیں پڑھانے کیلئے آپ کا تقرر ہوا تھا۔تین سال بعد اس مدرسہ کے سرکاری امداد سے وابستہ ہونے کی وجہ سے دل برداشتہ ہو کر الگ ہو گئے۔اور ۱۹۲۸ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراداباد میں درجاتِ علیاء کی تعلیم کے لئے مدرس بنائے گئے۔اور پھر تا عمر یہیں سے وابستہ رہے۔مدرس، مفتی، منتظم، مہتمم، اور ممبر شوریٰ و عاملہ کی حیثیت سے مدرسہ شاہی کی زرّیں خدمات انجام دیں۔اسی زمانہ میں حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ (م۱۳۵۴ھ) اور مولانا فخر الدینؒ کی وجہ سے مدرسہ شاہی ''دار العلوم ثانی'' کہلایا جانے لگا تھا۔الغرض یہاں پر ۱۶ سال تک مختلف علوم و فنون کی کتابیں خصوصاً ہدایہ اور مسلم شریف زیرِ درس رہیں، مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔اوراد وظائف کے پابند تھے۔اتباعِ سنت میں اسلاف کی یادگار تھے۔۶ شوال ۱۳۹۵ھ/ مطابق ۲۴/اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز چہار شنبہ شام ساڑھے ۶ بجے وصال فرمایا، دہلی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

تصانیف:۔ عربی میں ''مشکوٰۃ الآثار'' (عربی حدیث) تالیف فرمائی۔جو دار العلوم دیوبند میں داخلِ نصاب ہے اور ''نور الاصباح'' نام سے ''نور الایضاح'' (فقہ عربی) کا ترجمہ اور اس کی شرح بھی کی ہے

اردو میں ''مختصر تذکرہ جمعیۃ علماءِ ہند'' ۴ حصے (۲) ''صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت (۳) ''آنے والے انقلابات کی تصویر'' (۴) ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں۔ (۵) ''اسلام اور انسان کی حفاظت وعزت'' (۶) تاریخِ اسلام ۳ حصے (۷) دینی تعلیم کے رسائل ۱۲ حصے (۸) ''ہمارے پیغمبر'' وغیرہ اہم کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ۱۵۸

۱۵۱۔ (ڈاکٹر) محمد نعمان خاں

(و۔ ۱۹۵۶ء)

آپ کے دادا ہریانہ میں جھجھر کے قریب تلاؤ گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اور والد صاحب (محمد سلیمان خاں) بچپن ہی میں دہلی آگئے تھے۔ جنھوں نے مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی میں تعلیم پائی اور تاحیات مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی میں مدرس رہے۔

ڈاکٹر محمد نعمان خاں! اسی علمی خاندان میں ۱۳ر مئی ۱۹۵۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور اولاً مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی میں ابتدائی تعلیم پائی۔ اور پھر ندوۃ العلماء لکھنو، اور علی گڈھ مسلم یونیورسٹی جیسے اداروں میں تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا اور لکھنو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی اور دوسری پی ایچ ڈی کی ڈگری برلین (مغربی جرمنی) سے حاصل کی۔ اس کے بعد اردن کے ''المجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیۃ'' عمان میں تقریباً چھ سال باحث کی حیثیت سے ملازمت کی۔ اس کے بعد ایک ریسرچ پروجیکٹ کے لئے جرمنی چلے گئے۔ اور ہامبرگ یونیورسٹی میں اعزازی طور پر پڑھایا۔ فی الحال دہلی یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پروفیسر اور صدر شعبہ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ کے اساتذہ میں قاضی سجاد حسین، مولانا عبدالدائم جلالی، مولانا محمد برھان الدین، مولانا محمد رابع حسنی، مولانا محمد واضح رشید حسنی، مولانا سعید الرحمن اعظمی، مولانا محمد اویس نگرامی اور مفتی محمد ظہور الدین

جیسے جلیل القدر علماءِ کرام شامل ہیں اور یونیورسٹی کی سطح پر پروفیسر محمد سلیمان اشرف سے استفادہ کیا۔ تعلیمی فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ عربیہ فتحپوری دہلی، یامبرگ یونیورسٹی یامبرگ، (مغربی جرمنی)، اور دہلی یونیورسٹی جیسی درسگاہوں میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ ۱۵۹

۱۵۲۔(مولانا) محمد واضح رشید حسنی ندوی

(و۔۱۹۳۵ء)

۶ر اکتوبر ۱۹۳۵ء کو تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئے رائے بریلی کے مدرسہ الٰہیہ میں عربی کی ابتدائی تعلیم کے بعد ندوۃ العلماء لکھنو میں عربی ادب کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے خالِ معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد اویس نگرامیؒ، مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ (مصنف مصباح اللغات) شامل ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ہائی اسکول، انٹر، اور بی اے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے کیا ۔حضرت رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے۔ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا۔ تقریباً بیس سال آل انڈیا ریڈیو کے شعبہ عربی میں مترجم اور سپر وائزر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۳ء سے ندوۃ العلماء میں عربی ادب کی تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ثقافۃ الہند میں آپ کے مضامین بکثرت شائع ہوتے رہے۔ نیز ادبی و تاریخی فیچرس بھی ریڈیو سے عربی میں نشر ہوئے۔ ''اقبال و شوقی'' ''شعر الطبیعة الاسلامیه'' طبیعة الشاعر'' ''صورة اللحم و الدم'' ''اقبال و الانسانیة'' البعث الاسلامی میں شائع ہونے والے چند مشہور مضامین ہیں جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ مولانا محمد زکریاؒ کی کتاب ''فضائلِ قرآن'' کا عربی ترجمہ ''فضائل القرآن الکریم'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ مجلّہ ''الرائد'' نے آپ ہی کی ادارت میں ترقی وشہرت کے منازل طے کئے ہیں۔ ''مذہب وعقلیت'' (مصنفہ مولانا عبدالباریؒ ندوی) کی تعریب بھی بعنوان ''الدین والعلوم العقلیة'' آپ نے کی ہے۔ اور ''اذا ھبت ریح الایمان'' کے کچھ حصوں کی تعریب بھی

آپکا کارنامہ ہے۔ احقر کو ندوہ کی طالب علمی میں برسوں شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی آپ کے صلاح وتقویٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

جب میں مذکورہ سروس (آل انڈیا ریڈیو عربی) سے وابستہ ہوا۔ تو ان دنوں مولانا موصوف اپنی اس ملازمت سے بیزار تھے۔ اس کی وجہ کام کی زیادتی وغیرہ نہیں تھی۔ بلکہ صلاح وتقویٰ کی شکل میں بڑھتے ہوئے تدین کے زیر اثر وہ اپنے آپ کو یہاں کے ماحول میں اجنبی سا محسوس کرنے لگے تھے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت مولانا محمد زکریاؒ شیخ الحدیث سے ترکِ ملازمت کی اجازت چاہی تو انھوں نے شروع میں تو اجازت نہیں دی۔ لیکن بعد میں مولانا نے اپنی قلبی کیفیات سے حضرت مولاناؒ کو مطلع کیا۔ تو انھوں نے بالآخر اجازت مرحمت فرمادی۔ اور وہ آل انڈیا ریڈیو سے مستعفی ہو کر لکھنو چلے گئے اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریس کی خدمت سے وابستہ ہوگئے۔ ان کا یہ فیصلہ بہت ہی مناسب اور بروقت تھا، چنانچہ الحمد للہ وہ اس وقت ایک جید عالم اور سینئر استاد ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب میں اپنا ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ وہ الرائد کے رئیس التحریر اور البعث الاسلامی کے جوائنٹ ایڈیٹر بھی ہیں۔ ۱۶۰

۱۵۳۔ (مولانا حکیم) محمد یحیٰ (اعظم گڈھ)

۱۹۱۰۔۱۹۶۷ء

والد ماجد کا نام مولانا احمد حسین بن شیخ باب اللہ، ولادت ۱۳۲۸ھ، ابتدائی تعلیم والدہ ماجدہ سے حاصل کرنے کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں داخلہ لیا اور قدوری تک عربی کتابیں پڑھیں۔ اس وقت آپ کے اساتذہ میں مولانا شکر اللہ۔ مولانا نعمت اللہ، مولانا محمد صدیق برئی پوری، مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری، رہے۔ والد ماجد اسوقت ڈھاکہ میں تھے۔ ان کے ساتھ ڈھاکہ میں رہ کر متوسطات پڑھیں۔ پھر مدرسۃ الشرع سنبھل اور اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ امروہہ میں داخلہ لیا۔ اور یہیں سے

فراغت پائی۔امروہہ میں رہ کر حکیم محمد اسماعیل عباسی سے طب وحکمت کی تعلیم حاصل کی۔پھر دار المبلغین لکھنؤ میں مولانا عبدالشکور فاروقیؒ سے تعلیم پائی۔اس دوران قدرے انگریزی بھی سیکھی، آپ کو معقولات، منقولات، ہیئت، ریاضی، اسطرلاب منطق وفلسفہ میں یکساں مہارت تھی۔تفسیر وحدیث، فقہ وبلاغت، اور عربی ادب میں کامل عبور تھا۔عربی کے بہت اچھے شاعر تھے۔غازیپور، مبارکپور، اور آندھرا کے مختلف مدارس میں مدرس رہے۔تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ بہت سے مجلّات وجرائد میں آپ کے تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

تصانیف:۔عربی میں:۔ا۔شرحِ سبعہ معلقہ عربی: یہ کتاب سبعہ معلقات کی عربی میں شرح ہے۔ اور نامکمل ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔۲۔عربی قصائد: عربی کے بہت اچھے شاعر تھے۔ان میں سے قصائدِ مطبوعہ بھی ہیں۔۳۔عمدہ، شرحِ زبدہ، علم الصرف کے فارسی متن ''زبدہ'' کی اردو شرح ہے۔رفاہِ عام پریس گورکھپور سے شائع ہوئی ہے۔

اور اردو میں:۔تحقیق رویتِ ہلال، و اختلافِ مطالع، رویت قبلِ زوال و بعدِ زوال،، کسوف و خسوف، اختلافِ روئت وغیرہ کا ذکر ہے۔یہ رسالہ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول کے حاشیہ میں چھپا ہے۔۴۔ دائمی جنتری۔۵۔دائمی نقشہ اوقاتِ نماز وغیرہ۔

وفات:۔۱۱صفر ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء کو مرضِ تپ دق میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں وصال پور ہوا۔اپنے آبائی قبرستان رسولپور میں مدفون ہوئے۔ [۱۶۱]

۱۵۴۔محمد یوسف قاسمی امروہوی۔

(و۔۱۹۶۰ء)

والد ماجد کا نام عبدالوحید مرحوم ابنِ وصی احمد، سکونت محلہ نیاریان امروہہ۔ولادت ۱۰رشوال المکرم

۱۳۷۹ھ/ ۷ار اپریل ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔ بارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کیا۔ حفظ قرآن میں آپ کے استاد امروہہ کے مشہور حافظ تمیز الدین مرحوم (م ۱۹۷۹ء) تھے۔ بعدہٗ قاری شوکت علی ڈھکاوی سے مدرسہ دار العلوم چلہ میں تجوید پڑھی۔ اور پھر قاری محمد عثمان صاحب سے جامع مسجد امروہہ میں تجوید پڑھی۔ اس کے بعد مدرسہ جامع مسجد امروہہ ہی میں درسِ نظامی سے فراغت پائی۔ یہیں آپ کے اساتذہ میں مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہویؒ، مولانا شبیر احمد، مولانا طاہر حسن شیخ الحدیث، اور مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری رہے۔ فراغت کے بعد ایک سال ۱۹۸۰ء میں شریف نگر کے مدرسہ عالیہ میں پڑھایا۔ پھر ۱۹۸۲ء میں مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہویؒ کے حکم پر مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں حدیث وادب کے استاد مقرر ہوئے۔ اور تا دمِ تحریر یہیں پر عربی زبان وادب کی تدریس میں مشغول ہیں۔ عربی زبان وادب اور عربی تقریر وتحریر پر اچھی قدرت حاصل ہے حضرت امام شافعیؒ کے عربی دیوان کا اردو ترجمہ کیا ہے جو ایک وقیع کام ہے، اردو میں خطباتِ یوسفی، اور کشکولِ یوسفی منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ ۱۶۲

۱۵۵۔ (حضرت مولانا) محمد یوسف کاندھلوی (حضرت جی دومؒ)

(م ۱۹۷۳ء)

مغربی اتر پردیش کے دو گاؤں جھنجھانہ اور کاندھلہ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ زمانہ قدیم سے یہاں ایک علمی ودینی معزز خاندان آباد ہے جس کے جد امجد "محمد اشرف" مغل شہنشاہ شاہجہاں کے دور میں گذرے ہیں۔ ان کی دیانت وتفقہ، ورع وتقویٰ، اتباع سنت پر ہم عصر علماء کا اتفاق تھا۔ اس خاندان میں بڑی تعداد میں علماء وفقہاء، مشائخ پیدا ہوئے انھیں میں سے ایک مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ ہیں جو اپنے علم وفضل، ذکاء وفقہ میں مشہور تھے اور وہ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے اور سید احمد شہید رائے بریلویؒ کے نائب تھے انھوں نے عربی، فارسی، اردو میں ۶۰ سے زیادہ کتابیں یادگار

چھوڑیں۔۱۲۶۵ھ میں وفات پائی۔

ولادت: مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ابنِ مولانا محمد الیاسؒ (مجدد تبلیغ) ابنِ محمد اسماعیل اسی معزز خاندان میں بروز بدھ ۲۵ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ/۲۰ مارچ ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد نے آپ کا نام ''محمد یوسف'' رکھا۔ اس وقت والد صاحب مظاہر علوم سہارنپور میں تھے۔

پرورش:۔ آپ کو ایسا خاندان ملا جو مشائخ وعلماء کا گہوارہ تھا۔ اس کے افراد علم وورع، زھد وتقویٰ میں مشہور تھے یہی حال اس گھرانے کی مستورات کا تھا جو دین وتقویٰ، صلاح اور علم میں ممتاز تھیں ایسے مقدس علمی ودینی ماحول اور نیک ماؤں کی گود میں اور بڑے بڑے مشائخ کی آغوشِ شفقت میں آپ کی پرورش ہوئی۔

تعلیم:۔ آپ نے ۱۰ سال کی عمر میں ہی قرآنِ پاک حفظ کرلیا تھا پھر ابتدائی تعلیم اور صحاحِ ستہ کی تعلیم اپنے والدِ بزرگوارؒ سے حاصل کی۔ مظاہر علوم سہارنپور میں حاصل کی پھر وہاں کے اساتذہ حدیث مثلاً مولانا عبداللطیف، مولانا منظور احمد خاں سہارنپوری، اور مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری اور اخیر میں اپنے چچازاد بھائی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کاندھلویؒ سے حاصل کی۔ حضرت شیخ الحدیث نے آپ کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دی۔ ۱۳۵۴ھ میں آپ نے مظاہر علوم سے فراغت پائی۔

دعوتی ذمہ داریاں:۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اخیر وقت میں علماء ومشائخ سے مشورہ کے بعد اپنے دعوتی مشن کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمائی۔ آپ کے علم وتقویٰ اور اس امانت کو سنبھالنے کی خداداد صلاحیت پر تمام اکابرین وقت کو اتفاق تھا۔ اس کے بعد والدؒ نے بروز جمعرات قبلِ اذانِ فجر ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو سفرِ آخرت اختیار فرمایا۔

تبلیغی مشاغل:۔ والد صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ کی زندگی میں اچانک ایسا انقلاب رونما ہوا

کہ جس نے آپ کی زندگی کا رخ یکسر پلٹ دیا اب آپ تعلیم وتالیف کے باوجود ایک پرجوش داعی مخلص مبلّغ تھے۔آپ نے اپنی اوقات کو سرتا سر دعوت وتبلیغ کے لئے وقف کردیا۔ یہاں ایک ایسا انقلاب تھا کہ جس نے آپ کا دن رات کا سکون چھین لیا تھا دعوت ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی اس کی راہ میں آپ نے ہر مشقت وتکلیف بخوشی برداشت کی۔ چنانچہ آپ کی تقریروں اور دعوتی اسفار کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ ہندوستان و پاکستان کے بڑے بڑے اجتماعات کو سنبھالتے۔ گاؤں گاؤں ،قریہ قریہ،سفر کرتے، کئی کئی گھنٹے مسلسل تقریریں ہوتیں۔ پیہم جماعتوں کو بیرونِ دہلی کیلئے روانہ کرتے آپکا سینہ دعوت کی اہمیت اور اس کی حکمت سے لبریز تھا آپ کا مقصد تھا کہ ساری انسانیت اللہ کی رحمت کے سائے میں آجائے اس کے لئے آپ دائمی متفکر و غمگین رہتے ۔ آپ کے بیانات میں عجیب وغریب تاثیر تھی جو لوگوں کو دعوتی مشقتوں اور لمبے خرچوں کے آمادہ کردیتی۔ اور حج کے علاوہ آپ نے دو عمرے بھی کیے۔ پہلا صفر ۱۳۷۹ھ/ستمبر ۱۹۵۹ء میں۔ دوسرا جمادی الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں۔ آپ کے ساتھ مختلف جماعتوں نے بھی عمرے کیے۔

اخلاق وعادات:۔ آپ میانہ قد، روشن چہرہ، ضخیم الجثہ، سیاہ داڑھی، اور گھنے بال رکھتے تھے۔ آپ کی آنکھوں میں عجیب چمک اور جاذبیت تھی۔ پہلی نظر میں دیکھنے والا کسی فکر میں ڈوبا ہوا سمجھتا اور اس پر عظمت وہیبت طاری ہوجاتی۔ پھر جلد ہی اس کی جگہ انس ومحبت لی لیتی۔ آپ کا ہر ہمنشیں اپنے کو دوسروں سے زیادہ مقرب سمجھتا تھا۔ آپ دین کے علاوہ نہ کوئی گفتگو فرماتے اور نہ سنتے۔ عہدِ نبویؐ اور عہدِ صحابہؓ پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی، لب پر ہمیشہ تبسم لیکن دل سوزِ دروں سے بےچین رہتا۔ اور ہر تھوڑی دیر کے بعد دکھ بھری لمبی آہ بھرتے۔ آپ کو قریب سے دیکھنے والا یقیناً عصرِ حاضر میں خدا کا معجزہ سمجھتا۔ جس وقت آپ اللہ کی ذات وصفات پر، اور اسباب کی بے حیثیتی پر بولتے، اللہ کے وعدہ کے برحق ہونے پر اپنے مخصوص خطابی اسلوب میں تقریر فرماتے تو کچھ دیر کیلئے لوگ مادی دنیا سے غیبی دنیا میں کھوجاتے تھے جس وقت آپ لوگوں کو اللہ کی ذات وحدہٗ کی طرف دعوت دیتے تو ایک خلقت مسحور

ہو جاتی۔ اور آپ کے بیانات اور تقاریر کا حاضرین کے دلوں پر ایسا زبردست اثر ہوتا تھا کہ آنِ واحد میں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہو جاتا کہ اخلاق وعادت، طریقِ زندگی، سوچنے اور بولنے کے ڈھنگ بدل جاتے آپ کے لئے پوری دنیا وطن اصلی کی حیثیت رکھتی تھی۔ فریضہ حج میں آپ نے نئی روح پھونکی اور اس کو دعوت الیٰ اللہ کا وسیلہ بنایا اور وہاں بڑے بڑے اجتماعات منعقد کئے۔ یہ سارے کام صرف ۲۰ سال کی مدت میں انجام دیئے۔ جن کے ذریعہ اللہ نے امت کے سوادِ اعظم کو ہدایت عطا فرمائی اور امت کو تقویٰ، اصلاحِ خلق، اور دعوت الیٰ اللہ کے راستہ پر لا کھڑا کیا۔

فکر واحساس:۔ آپ کے نزدیک محض عام جلسے اور کتابی تعلیم صورتِ حال کو بدلنے کیلئے کافی نہیں تھی اور نہ لوگوں میں ایمان کی چنگاری پیدا کرسکتی تھی۔ اپنے والد کی طرح آپ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ قلم کبھی قدم کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آپ باطن کی تبدیلی، تزکیہ نفس اور اخلاق واعمال کی اصلاح کو ضروری سمجھتے تھے۔ علم وعلماء کا احترام۔ تعلق مع اللہ، اللہ کے راستہ میں مشقتوں کو برداشت کرنا، دینی اجتماعات، عوام سے ربط، جماعتوں کی تشکیل، وفود کی روانگی، لوگوں کو اللہ کی راہ میں جان ومال کے خرچ کرنے کا عادی بنانا، تعلیمی حلقے، شوریٰ اور دعا کی بنیادی حیثیت پر زور دیتے تھے۔

وفات:۔ آخری حج سے واپسی کے ایک سال بعد آپ نے پاکستان کا طویل سفر کیا تھا جو اس سفر میں آپ نے مشرقی پاکستان، اور مغربی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کے تمام بڑے شہروں کا دورہ کیا تھا اور سب جگہ اتنے بڑے بڑے اجتماعات منعقد ہوئے کہ جن کی نظیر ماضی قریب میں نہیں ملتی۔ اس سفر میں کثرت سے شہر در شہر روانگی، لمبی لمبی تقریریں، عوام وخواص سے ملاقاتیں، مجلسی گفتگوئیں کرنا پڑیں۔ جس نے آپ کے دل اور صحت پر بڑا اثر ڈالا۔ آپ کی گرجتی آواز بھی متاثر ہوئی۔ اور کھانسی بخار نے پیچھا لے لیا۔ مگر آپ کے کسی معمول میں فرق نہیں آیا۔ اس تھکن اور روز افزوں زیادتی کے باوجود آپ اپنے کام کی تکمیل میں لگے رہے بالآخر ہندوستان روانگی سے ایک دن قبل لاہور کے اجتماع

میں ایک زبردست خطاب فرمایا جس سے مرض نے زور پکڑ لیا اور لوگ جلدی سے جائے قیام کی طرف لے چلے وہاں پہونچنے سے پہلے ہی آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی اور پوری رات سخت تکلیف کا شکار رہے اگلے دن بروز جمعہ آپ کو اسپتال لیجایا گیا۔ لیکن آپ نے راستہ ہی میں داعی اجل کو لبیک کہدیا "انا للہ و انا الیہ راجعون" رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ مرحوم کی زبان پر وفات کے وقت "لا الا اللہ" کا ورد جاری تھا اور وفات سے قبل یہ کلمات زبان پر تھے" الحمد للہ الذی انجز وعدہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ اللہ اکبر ۔ اللہ اکبر ۔ الحمد للہ الذی انجز وعدہ ۔ ونصر عبدہ ۔ و ھزم الاحزاب وعدہ ۔ لاشئی قبلہ ولا شئی بعدہ۔ وفات کے بعد ایک عجیب سی مسکراہٹ آپ کے چہرے پر تھی۔ آپ کی خبر وفات لوگوں کے دلوں پر بجلی بن کر گری۔ اور جنگل کی آگ کی طرح عالم اسلام میں پھیل گئی۔ جنازے میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے، لاہور میں نمازِ جنازے کے بعد ہوائی جہاز سے آپ کا جسدِ خاکی دہلی لایا گیا۔ یہاں بھی لوگوں کی بڑی تعداد اور امت کے جم غفیر نے جنازہ کی نماز ادا کی۔ آپ کی نماز شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ نے پڑھائی اور اپنے ولدِ بزرگوارؒ کے پہلو میں احاطہ حضرت نظام الدین دہلی میں مدفون ہوئے۔ پسماندگان میں ایک صاحب زادے مولانا محمد ہارون اور اہلیہ اور والدہ محترمہ چھوڑیں، مولانا محمد ہارون نے عین جوانی میں ۳۵ سال کی عمر میں ۳۰ شعبان ۱۳۹۳ھ (۲۸ دسمبر ۱۹۷۳ء) کو وفات پائی۔

تصنیفات وتالیفات:۔ تبلیغی مشن کے بنیادی کاموں کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی آپ کا زبردست کارنامہ ہے آپ کی تالیفات میں زیادہ تر درج ذیل کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) "امانی الاحبار":۔ اس کی چار ضخیم جلدیں ہیں جسکو والد مرحوم سے معانی الآثار کی تعلیم لینے کے دوران شروع کیا تھا، اس کی پہلی جلد ۱۳۷۹ھ/ میں ۴۲ صفحات کے طویل مقدمہ کے ساتھ چھپی تھی۔ دوسری جلد ۱۳۸۲ھ میں مؤلف کی زندگی ہی میں شائع ہوگئی تھی۔ اور تیسری جلد ۱۳۹۴ھ اور چوتھی جلد

۱۳۹۷ھ میں آپ کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔ یہ چاروں جلدیں تقریباً چوتھائی کتاب (معانی الآثار) کی شرح ہیں۔ اس میں آپ ''باب الرکعتین بعد العصر'' کے بیان تک پہونچے تھے۔ یہ کتاب جہاں آپ کی حدیث ورجالِ حدیث، آثار وافکارِ صحابہؓ پر گہری نظر کا ثبوت ہیں۔ وہیں فقہ، معرفتِ اقوالِ فقہاء، اور دلائلِ فقہیہ پر وسیع معلومات کا عظیم نمونہ ہے۔

(۲) دوسری کتاب ''**حیاۃ الصحابہؓ**'' ہے۔ سیرتِ نبویؑ اور حالاتِ صحابہ کرامؓ، کے متعلق آپ کے تبحرِ علمی کی شہادت دیتی ہے بیشک یہ کتاب نادر علمی ذخیرہ ہے اور صحابہ کرامؓ کی دعوتی زندگی، ان کے اخلاق وسلوک، کا شفاف آئینہ ہے۔ ۱۶۳

۱۵۶۔ (مولانا) محمد یوسف کوکن عمری (مدراس)

۱۹۱۶ء۔۱۹۹۰ء

آپ بمقام مینمبور (مدراس ۴ نومبر ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ عربی وفارسی کی تعلیم جامعہ دارالسلام عمرآباد میں حاصل کی اور پھر مدراس یونیورسٹی سے منشی فاضل۔ ایم اے ڈی لٹ کی سندیں حاصل کیں اس کے بعد اسی یونیورسٹی میں صدرِ شعبہ، اور اردو، فارسی وعربی کے مدرس کی حیثیت سے ۱۳۷۷ تا ۱۳۹۸ھ خدمات انجام دیں۔ تحقیق آپ کا خاص موضوع تھا۔ آپ کو مدراس کے اکابرینِ علم وادب کی نہ صرف معلومات سب سے زیادہ تھیں بلکہ یہاں کے علماء ادباء وشعراء کے سنینِ وفات تک ازبر تھے۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا مگر معاصرین کی ناقدری اور احسان فراموشی کا شکار ہوئے اور جیتے جی وہ مقام نہ پاسکے جس کے وہ مستحق تھے۔ آپ کی بیگم حافظہ صاحبہ نے ۱۹۹۴ء میں شوہر کے فن وشخصیت پر ایک مبسوط کتاب ترتیب دی ہے۔ ۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء / ۱۴۱۱ھ کو وفات پائی۔ اور رام راؤ باغ میں مدفون ہوئے۔

آپ کی اردو، عربی فارسی میں تقریباً ۱۸/۱ اہم تصانیف یادگار ہیں جن میں عربی کی درج ذیل ہیں:

(۱) "العرب و آدابهم (جز اول) مطبوعه ۱۹۶۵ء (الجزء الثانی مطبوعه ۱۹۶۶ء

"العرب وآدابہم" جامعات کے پیش نظر عربی زبان کی تاریخ ادب پر کتاب لکھی ہے جغرافیہ عرب کی تاریخ قبلِ اسلام عرب قبائل، عادات واطوار، شاعری وشعراء، کی وفاتِ نبویؐ تک کی تاریخ ہے مطبع سلطانیہ پبلشنگ ہاؤس مدراس نے ۱۲۰ صفحات پر ۱۹۶۵ء میں شائع کی ہے یونیورسٹی نے آپ کو "افضل العلماء" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

(۲) القرائة العربیه مطبوعه ۱۹۶۶ء

(۳) اعلام النثر و الشعر فی العصر العربی الحدیث (الجزء الاول) مطبوعه ۱۹۸۰ء (الجزء الثانی) مطبوعه ۱۹۸۴ء -- "اعلام النثر والشعر" ایک ضخیم اور اہم کتاب ہے جس میں عہدِ حاضر کے مشہور عربی شعراء ونثر نگاروں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسلوب نہایت سلیس درواں اور محققانہ ہے۔ مصر وعرب کے علاوہ ہندوستان کے بھی عربی ادباء کو شامل کیا ہے اور ان کی سوانح حیات کے اہم اور تشنہ گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔

۴۔ "امیہ بن ابی الصلت" مطبوعہ جامعہ مدراس۔ (۴۰ صفحات) بہت اہم کتاب ہے۔ جس میں زمانہ جاہلی کے اہم شاعر امیہ بن ابی الصلت پر تحقیقی کام کیا گیا ہے۔ ۱۶۴

۱۵۷۔ (پروفیسر) محمد یونس نگرامی مرحوم

(م ۲۰۰۱ء)

آپ عربی کے مشہور عالم مولانا محمد اویس نگرامی ندوی کے صاحب زادے ہیں۔ آپ کی پرورش ایسے خاندان میں ہوئی جو علم وادب کا گہوارہ تھا۔ ۱۹۶۲ء میں ندوۃ العلماء لکھنو سے فراغت

حاصل کی۔ اور ۱۹۷۲ء میں لکھنو یونیورسٹی سے ایم اے کیا، اور ۱۹۷۰ء میں بی اے اور ایم اے کے تمام امتحانات فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے پر ڈاکٹر بی گوپالا ریڈی کی طرف سے دو طلائی تمغے حاصل کئے۔ ۱۹۷۷ء میں اپنی اہم ترین کتاب ''ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء'' پر لکھنو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کی علمی خدمات کا اعتراف مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، پروفیسر رشید احمد صدیقی وغیرہ جیسے مفکرین وادباء نے کیا ہے۔ ملک کے اہم عربی جرائد ورسائل میں آپ کے علمی مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ آپ کی دیگر تصانیف میں (۱) مثالی خواتین، (۲) خیالات (۳) تذکرہ مولانا محمد اویس نگرامی ندوی (والد ماجدؒ)۔ (۴) تھوڑی دیر اہلِ حق کے ساتھ، قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی میں بھی دو سال رہ کر عربی زبان وادب میں جلاء پیدا کی۔ مذکورہ کتاب ''ممتاز علماء'' کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:۔

مقالہ محنت ولیاقت کے ساتھ لکھا گیا ہے اور علماءِ ہند کی عربی خدمات، مختلف اداروں اور مختلف الخیال مصنفوں اور ان کی کتابوں کے جامع تذکرے کے ساتھ ان کا وسعتِ قلبی اور کشادہ ذہنی کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے جو ان کی خاندانی خصوصیت ہے، اس کتاب کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ بکھری ہوئی چیزیں یکجا اور محفوظ ہو گئی ہیں، 165

سب سے زیادہ آپ کے عربی مضامین ''الرائد'' میں شائع ہوتے تھے اور اس کا ایک مستقل کالم ''نافذۃ علی الہند'' آپ ہی لکھا کرتے تھے جو زبان کی سلاست کے ساتھ ساتھ کالم نگار کی حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر کا بھی غماز ہوتا تھا۔ محمد یونس نگرامی لکھنو یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں پروفیسر رابطہ عالمِ اسلامی کے مشیر برائے ہند، عربی زبان وادب کے سلسلہ میں صدرِ جمہوریہ ہند کے ایوارڈ یافتہ، مشہور عالم، اور آل انڈیا مسلم انٹلیکچول فورم کے بانی، ایک جہاں دیدہ اسکالر اور محقق، مصنف، اور مؤلف، اور بیک وقت عربی اردو وہندی کے بھی صحافی تھے۔ آپ کے چھوڑے ہوئے علمی خزانے میں مختلف النوع موضوعات پر لکھے گئے تین سو سے زائد مضامین اور مقالات شامل ہیں۔ جو اردو، عربی کے جرائد میں

شائع ہو چکے ہیں۔ آپ عالمِ عربی کے ممتاز جریدوں، عکاظ، المسلمون، المدینہ، الریاض، وغیرہ کیلئے بھی لکھتے تھے۔ آپ اپنی تحریروں سے عالمِ عرب میں ہندوستان کے بارے میں پھیلائی جارہی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے تھے اور ہندوستانی مسلمانوں کے حالات کے بارے میں عالمِ عرب کو روشناس کراتے تھے۔ آپ ''الرائد'' کا مستقل کالم ''نافذۃ علی الہند'' میں ہندوستانی میڈیا کے حوالے سے ملک کی سیاسی، تہذیبی اور سماجی صورت حال کا تجزیہ کرتے تھے۔ آپ عربی کے اچھے خطیب بھی تھے۔ ندوہ کی جمعیۃ الاصلاح کے جلسوں میں برمحل عربی تقریر کرتے اور اسلامک سینٹر ٹوکیو کے منعقدہ بین الاقوامی سیمینار میں منتظمین کی اچانک درخواست پر عربی میں الوداعی کلمات کہے۔ سیمنار کی پوری کارروائی بیان کرتے ہوئے عالمِ اسلام کے حالات پر مفصل روشنی ڈالکر سامعین کو حیرت زدہ کردیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں ''ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء'' اور ''نئی عرب دنیا'' کئی یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل ہیں۔ آپ نے اپنے دادا بزرگوار مولانا محمد نگرامی کی کتاب ''احکام القرآن'' بھی ایڈٹ کی۔ مشہور صحافی حسین امین آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ پروفیسر نگرامی معتدل اور متوازن مزاج کے انسان تھے۔ وہ عصبیت اور انتہاپسندی کے سخت خلاف تھے۔ انھوں نے دنیا کو ہمیشہ یہ بتانے کی کوشش کی کہ ہندوستان کے دانشوروں اور علماء نے عربی میں جو کام انجام دئے ہیں۔ وہ شاید ہی کسی دوسرے غیر عرب ملک میں ہوئے ہوں۔

انھوں نے یوپی اردو اکیڈمی کی تین بار چیرمینی کے دوران اس رائے کو بدلنے کی کوشش کی کہ ہندوستان کے مسلم مجاہدینِ آزادی اور علماء کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ حکیم سید عبدالحیؒ رائے بریلویؒ، مولانا آزاد، مولانا عبدالماجد دریابادی، اور مولانا حسرت موہانی جیسی عبقری شخصیات پر سیمنار منعقد کئے۔

انھوں نے اپنی چیرمینی کے دوران اردو کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ اور شبینہ اسکول قائم کرائے، ادب اطفال کی اشاعت پر بھی انھوں نے توجہ دی۔ اس کے علاوہ صحافیوں کی تربیت کیلئے انھوں نے اردو اسکول برائے صحافت کا منصوبہ بھی تیار کیا تھا۔ جسے برصغیر میں اردو کی اولیں خبر رساں ایجنسی کے بانی

اور ممتاز صحافی الحاج امین سلونوی کے نام سے موسوم کرنے کا ارادہ تھا۔ ۴ر مارچ ۲۰۰۱ء کو اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ ۱۶۶

۱۵۸۔ (ڈاکٹر) مختار الدین احمد آرزو

(و۔ ۱۹۲۴ء)

آپ کے والد ماجد مولانا محمد ظفر الدین قادری متوفی ۱۹۶۲ء عربی کے زبردست ادیب اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ جن کا ذکر اسی مقالہ میں اپنی جگہ پر کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر آرزو صاحب کی پیدائش ۱۹۲۴ء کو پٹنہ میں ہوئی۔ اور مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے مولوی، عالم، فاضلِ حدیث کیا۔ ۲۔ پٹنہ یونیورسٹی سے ہائی اسکول کیا، پھر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے انٹر بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی (عربی ادب) کیا۔ اس کے بعد عربی ادب و اسلامیات میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈی لٹ کیا۔ ۱۹۹۵۳ء سے ۱۹۸۷ تک تقریباً ۳۴۔۳۵ سال مسلم یونیورسٹی میں عربی ادب میں تدریسی خدمات انجام دیں،۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۸ء تک شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے ریڈر رہے۔ نیز ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۸ء تک شعبہ عربی کے پروفیسر رہے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا محمد سہول عثمانی (تلمیذ شیخ الہند)، مولانا اصغر حسین (تلمیذ شیخ الہند)، مولانا عبد الشکور فاروقی (تلمیذ شیخ الہند)، مولانا ظفر الدین قادری، مولانا سید عبد السبحان ندوی دیسنوی، مولانا سید دیانت حسین (تلمیذ مولانا فضل حق رامپوری)، مولانا سید محمد شاہ عبید اللہ قادری انجھر شریف مولانا حاجی سید معین الدین ندوی، اور مولانا عبد العزیز میمنی، ڈاکٹر عابد احمد علی، مولانا لطف اللہ علی گڈھی وغیرہ حضرات شامل رہے۔ مجلۃ العلمی العربی دمشق میں آپ کے عربی مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں اور اردن عمان سے آپ کی عربی کتاب ''مشارکۃ اللغۃ الاردیۃ فی الحضارۃ الاسلامیۃ'' شائع ہوئی۔ مجلۃ العلمی الہندی علی گڈھ بھی آپ کے قلم کی جولانگاہ رہا ہے۔ اردو میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مطبوعہ جامعہ پنجاب لاہور، آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ نیز عربی ادب و اسلامیات پر ماہنامہ

برہان دہلی، معارف اعظم گڈھ، میں بھی آپ نے متعدد مقالات لکھے ہیں۔
آپ کے سوانحی حالات پر مالک رام نے ایک کتاب ''نذرِ مختار'' مرتب کی ہے جو مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر عطاء خورشید، مہر الہی علی گڈھ نے آپ کے حالات پر ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی ہے جسکا نام ''مختار نامہ'' ہے۔ ١٦٧

۱۵۹۔ مسعود انور علوی کاکوروی

(و۔ ۱۹۶۱ء)

ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی ولد حافظ شاہ مجتبی حیدر، اودھ کے مشہور و مردم خیز قصبہ کاکوری کے ایک علمی و روحانی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں کے بزرگوں کی علمی وادبی اور روحانی خدمات کی بحمد اللہ ایک طویل فہرست ہے۔ اِسی قصبہ میں ۱۷ ارتمبر ۱۹۶۱ء کو پیدا ہوئے۔ اور خانقاہِ کاظمیہ قلندریہ کے روحانی و ادبی ماحول میں پرورش پائی۔ ابتداء سے آخر تک مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں پڑھا۔ اور یہاں کے شعبہ عربی سے ایم اے، اور پی ایچ ڈی کی۔ علی گڈھ یونیورسٹی میں ہی ۱۹۸۶ء میں لیکچرار ہوئے۔ اور ۱۹۹۱ء سے تاحال ریڈر کے عہدہ پر فائز ہیں۔
تعلیم و تدریس کے علاوہ کئی علمی کتابیں اور عربی مقالات سپردِ قلم کئے۔ جن میں ''عربی ادب میں اودھ کا حصہ ۱۷۲۱۔ ۱۸۵۶ء)'' مشہور و معروف کتاب ہے۔ جو طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب پر آپ کو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ اور ایک اہم کتاب ''مساهمة اودھ فی اللغة العربية وآدابها ۱۷۲۱۔ ۱۸۵۶ء'' تالیف فرمائی۔ جس کا انگریزی ترجمہ ابھی شائع نہیں ہو سکا ہے۔ المجمع العلمی الهندی، علی گڈھ، ثقافة الهند دہلی، و دیگر مؤقر مجلات و جرائد میں عربی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ١٦٨

۱۶۰۔ مسعود الرحمن خاں ندوی

(و۔ ۱۹۴۰ء)

۱۹۴۰ء میں علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم دار العلوم تاج المساجد بھوپال میں پائی۔ جہاں ان کے والد محصّل کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔ پھر ندوۃ العلماء میں داخلہ لیکر عالمیت، فضیلت، اوراعلی تعلیم سے ۱۹۶۰ء میں فراغت کی۔ اس کے بعد مصر چلے گئے جہاں جامعہ عین شمس سے عربی زبان میں ڈپلوما حاصل کیا۔ اور جامعۃ الدول العربیۃ قاہرہ کے معہد الدراسات العالیۃ سے عربی میں ڈپلوما کیا۔ اور پھر ہندوستان واپس آکر علی گڈھ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ پھر تدریس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور سب سے پہلے جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے شعبہ مرکز اللغات میں استاد ہو مقرر ئے۔ پھراس کو چھوڑ کر علی گڈھ یونیورسٹی کے شعبہ ''مرکز الدراسات الغرب الآسویۃ'' میں لیکچرار پھر پروفیسر کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور شعبہ کے دوبار صدر رہے۔ اب ریٹائر ہو کر بھوپال میں سکونت پذیر ہیں۔

آپ کی کثیر تعداد میں عربی میں تصنیفات یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی اہم شخصیات کے مضامین و مقالات کو عربی میں منتقل کر کے ثقافۃ الہند و دیگر مجلات میں شائع کرایا،۔ جن میں ا۔ ''الہند و العالم الاسلامی'' از پروفیسر مقبول احمد، (ثقافۃ الہند ج ۲۳، شمارہ ۲۔ ۳، ۱۹۷۲ء) ۲۔ ''غاندی: المہاتما الجدید'' از سید کے آر کیر بلانی (ثقافۃ الہند ج ۲۴، شمارہ ۱۔ ۳، ۱۹۷۳ء) ۳۔ مولانا کما وصفہا الکتاب العرب، از پروفیسر مقبول احمد (صوت الجامعہ بنارس ج ۵، شمارہ ۱، ۳، ۱۹۷۳ء) ۴۔ ما الدین لطاغور و غاندی؛ ''ٹیگور اور گاندھی کا دین کیا تھا؟'' از سید کے آر کیر بلانی (ثقافہ ج ۲۵، شمارہ ۱، ۴، ۱۹۷۴ء) ۵۔ ''الوطنیۃ الہندیۃ'' از سید ایل ایس گھوس۔ ۶۔ وصیۃ شاعر از کرشنا نسبتاینا (ثقافہ ج ۲۶، شمارہ ۱۔ ۲، ۱۹۷۵ء)۔ وغیرہ۔ ۱۶۹

۱۶۱۔(مولانا) مسعود عالم ندوی

(م ۱۹۵۴ء)

بہار شریف کے ایک معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ندوہ میں تعلیم پائی۔۲۰ سال کی عمر میں فارغ ہوگئے۔کئی سال تک خدا بخش لائبریری پٹنہ میں کیٹلاگر کی حیثیت سے کام کیا۔زندگی کا زیادہ تر حصہ علم وادب کی طلب و تحقیق میں گذرا۔عربی ادب ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔مصر،شام،عراق اور حجاز کے جرائد اور رسالوں میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔اور وہاں کے مشاہیر ادباء، مفکر اہلِ قلم،آپ کی عربی انشاء پردازی کے مدّاح اور معترف تھے۔عرب ممالک کا طویل سفر کیا۔اور وہاں کے زعماء،علماء،اور اربابِ صحافت سے خاص تعلقات و روابط قائم کرلئے۔عرب ممالک کی سیاست کو وہ خوب جانتے تھے۔اخوان المسلمون سے دلی ربط و تعلق تھا۔عرب ممالک سے جماعت اسلامی کا تعارف انھیں کے مضامین، کتابوں،اور سیر و سیاحت کے ذریعہ ہوا۔عربی کے علاوہ اردو کی متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں۔ان کے بارے میں مولانا ماہر القادری لکھتے ہیں:۔

میں نے ایک بار ہندوستان کے بعض علماء کا نام لے کر دریافت کیا کہ وہ کیسی عربی لکھتے ہیں۔؟بولے ''اردوئی عربی''۔علامہ سید سلیمان ندوی،مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور علامہ عبدالعزیز میمنی کے عربی ادب کے بہت زیادہ مداح تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد کی ذہانت اور فطانت کے وہ قائل تھے مگر یہ جو اُن کی عربی دانی کا چاردانگِ عالم میں شہرہ ہے اس کے بارے میں فرمایا کہ:ان کو''عربی''نہیں آتی۔کہتے تھے کہ ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن کا جو ترجمہ کیا ہے اس کو پڑھ کر یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد عربی جانتے تھے مگر مولانا ابوالکلام آزاد کو عربی نہیں آتی تھی۔چنانچہ انھوں نے مولانا آزاد کے ترجمہ قرآن کی غلطیوں پر نشان بھی لگا لئے تھے۔اور المائدہ تک یہ کام ہو چکا تھا!میں نے مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم سے شدید اصرار کیا کہ آپ ان اغلاط پر ایک مضمون لکھ کر مجھے دیجئے ''فاران''میں یہ مضمون شائع ہوگا۔راضی ہوگئے اور غالباً راولپنڈی خط بھی لکھ دیا تھا کہ مولانا آزاد کا

ترجمہ کیا ہوا وہ نسخہ قرآن بھیج دیا جائے جس پر ان کے نشان لگے ہوئے ہیں۔ افسوس کہ بہت سے عزائم کی طرح یہ ارادہ بھی ادھورا رہ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ مولانا آزاد کے ترجمہ کی کوئی غلطی تو بتایئے، قرآنی آیت پڑھ کر بولے کہ انھوں نے "یحکم" کا ترجمہ "فیصلہ" کے بجائے حکم دینا کیا ہے۔ ۱۷۰

آپ کی عربی کی صلاحیت کے بارے میں اقبال احمد سلفی لکھتے ہیں:۔ "موصوف ایک بڑے ادیب اور پختہ کار صحافی تھے۔ طالب علمی ہی کے زمانہ سے عربی ادب وانشاء میں ممتاز تھے قوتِ تحریر کا کیا کہنا اپنا روزنامچہ تک عربی ہی میں لکھا کرتے تھے۔ عربی رسائل ومجلات خاص کر دمشق کے علمی و ادبی رسالہ "المجمع العلمی" کا مطالعہ بڑی دلچسپی سے کیا کرتے۔ طالبِ علمی ہی کے زمانہ میں اپنی ادارت میں ایک رسالہ "القائد" جاری کیا۔ شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی (استاد ندوۃ العلماء) اور سید سلیمان ندوی نے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ایک عربی رسالہ "الضیاء" کے اجراء کا فیصلہ کیا جس کی ادارت ۱۳۵۱ھ میں مولانا مسعود عالم ہی کے حصہ میں آئی۔ آپ اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں ادب و انشاء کے استاذ تھے۔ تدریسی فرائض انجام دینے کے ساتھ ادارت کا کام بڑی خوبی سے انجام دیتے رہے۔ موصوف کی عربی قوتِ تحریر کا یہ علم تھا کہ اپنی کم سنی کے باوجود مضامین پوری روانی سے قلم برداشتہ لکھ جاتے۔ چنانچہ قدیم عربی شعر کی بابت علامہ سید سلیمان ندوی کے ایک اردو مقالہ کی تعریب میں لکھتے ہیں:۔ "ولذلك تجد التلميحات المنطوية على ذكرها في الشعراء الذين كانو يترددون الى البحرين والخليج الفارسي، و يتكففون على وفادة المناذرة سلاطين الخيرة الجبابرة الذين كانو ملوكاً على شواطى الدجلة و الفرات من العراق" ۱۷۱

آپ نے ۱۹۴۲ء میں جالندھر میں عربی نشر واشاعت کا ایک بڑا مرکز دار العروبہ للدعوۃ الاسلامیہ" کے نام سے قائم کیا جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان منتقل ہوگیا جس کا نظم از سرِ نو درست کرنا پڑا۔ مولانا امتیاز علی عرشی کی ادبی خدمات پر ایک مختصر کتاب عربی میں تحریر فرمائی جو رامپور رضا لائبریری

میں ''فقید العلم والادب مولانا امتیاز علی عرشی'' کے نام سے موجود ہے۔

۱۶۲۔(پروفیسر) مشیر الحق ندوی مرحوم

۱۹۳۳۔۱۹۹۰ء

قصبہ بحری آباد ضلع غازی پور کے شیخ فاروقی خاندان میں ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے تھے۔ابھی غالباً دو برس ہی کے تھے کہ والد ماجد شاہ منیر الحق کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔آپ کے چچا بشیر الحق نے اپنی کفالت میں لے لیا۔والد ماجد شاہ منیر الحق مرحوم محکمہ پولیس میں داروغہ تھے اور وہ کھجنی (گورکھپور) میں تعینات تھے وہیں پر اُن کا انتقال اچانک ہوا اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔

پروفیسر مشیر الحق کی ابتدائی تعلیم وتربیت بحری آباد میں ہوئی اسکے بعد مئو، بنارس، اعظم گڈھ، میں تعلیم پائی۔پھر ندوۃ العلماء میں داخلہ لیکر عالمیت کی سند حاصل کی۔پھر مولانا عبد السلام قدوائی کی مدد سے جامعہ ملیہ تشریف لے گئے جہاں سے بی اے کیا۔اور پھر علی گڈھ سے ایم اے کی سند حاصل کی۔جامعہ کے دورِ طالب علمی میں پروفیسر مجیب مرحوم اور ڈاکٹر عابد مرحوم سے تعلق ہوا۔جن کی سفارش پر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، مِکگل یونیورسٹی، مانٹریال کناڈا سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے وظیفہ ملنا شروع ہوا۔چنانچہ مِکگل یونیورسٹی سے آپنے اسلامیات میں ایم اے، اور ۱۹۶۴ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔آپ کی شخصیت قناعت واستغناء کا پیکر تھی، مزاج میں سادگی تھی، دکھاوا اور جھوٹی شان وشوکت سے پرہیز کرتے تھے۔علمی سیمیناروں میں شرکت، تصنیف وتالیف محبوب مشغلہ تھی اور اردو انگریزی میں سینکڑوں پر مغز مقالات لکھے جن میں سے بیشتر امریکہ ویورپ کے علمی رسالوں میں شائع ہوئے۔۱۹۸۸ میں صدر جمہوریہ نے علمی خدمات کے اعتراف میں سندِ توصیف عطا کی۔وشو بھارتی یونیورسٹی کلکتہ نے ۱۹۹۱ء میں بعد از مرگ اعزازی ڈگری دیکر علمی خدمات کا اعتراف کیا۔

انھوں نے اپنے علم وعمل اور حسنِ اخلاق سے نہ صرف اسلامی زندگی کا ایک اعلیٰ اور مثالی نمونہ

پیش کیا بلکہ اپنی تحریر وتقریر سے ملتِ اسلامیہ کو درپیش مسائل سے آگاہ کیا ان میں بیداری، ہوشمندی، اور آگاہی کی روح پھونکی اس لئے ان کی شخصیت ہر دلعزیز تھی۔ان کی تحریریں دعوتِ فکر کی ضامن، اور انھیں خصوصیات کی وجہ سے انھوں نے ہم عصروں میں اپنا ایک مخصوص مقام بنالیا تھا وہ کامیابی وکامرانی اور شہرت وعظمت کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کرتے چلے جارہے تھے۔مگر صد افسوس کہ فلکِ کج رفتار سے دیکھا نہ گیا زمانہ کی انھیں نظر لگ گئی۔اور چند گمراہ اور مفاد پرست کشمیری دہشت گردوں کے ہاتھوں ۱۰/اپریل ۱۹۹۰ء کو سری نگر میں مظلومی کی حالت میں شہید کردئے گئے۔

آپ کو اپنی مادرِ علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے بہت ہی گہرا تعلق تھا جب بھی لکھنو تشریف لاتے اپنے استاذ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ضرور ملاقات کرتے۔نیز اپنے ساتھی اور دوست مولانا محمد رابع ودیگر اساتذہ سے ملاقات کرتے۔ان کے علاوہ مولانا ابوالعرفان ندوی اور مولانا عبد الغفار ندوی وغیرہ سے بہت متاثر تھے۔ندوہ کی تعلیم وتربیت اور جامعہ ملیہ کے ماحول نے ان کے اندر اصلاح وتجدید کی ایک انقلابی روح پیدا کی تھی جس نے ان کو بانیانِ جامعہ کے خوابوں کی تکمیل اور معاصرین میں نمایاں مقام عطا کردیا تھا۔آپ نے ابتداء میں عربی میں بچوں کیلئے چھوٹی چھوٹی کتابیں مرتب کی تھیں۔ ۱۷۲

۱۶۳۔مطاہر حسین فرقانی (امروہہ)

(و۔۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء)

۱۹۰۵ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گھر کے علاوہ مقامی اسکولوں میں حاصل کی اور پھر نور المدارس میں علوم عربیہ وفارسیہ کی تحصیل کی۔یہاں پر آپ کے اساتذہ میں حاجی سید مرتضیٰ حسین، یوسف حسین قبلہ، سرکار سید محمد مجتہد شامل رہے۔۱۹۶۶ء میں محلہ دانشمندان میں ایک درسگاہ تاج المدارس قائم کی۔جو آگے چل کر بند ہوگئی۔

شاعری سے خاص لگاؤ تھا، فرقانی تخلص کرتے تھے۔ فارسی اور اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔ بچپن میں جو شاعری کی اس مجموعہ کا نام ''خیابانِ طفولیت'' رکھا۔ آپ نے شاعری میں کسی کی شاگردی نہیں کی۔ آمد، سلاست، جدت، روانی، حسنِ ادا، آپ کی خصوصیات تھیں۔ تصنیفی ذوق بھی خوب رکھتے تھے۔ ایک درجن کے قریب تصانیف موجود ہیں۔ عربی خدمات کے سلسلہ میں ''منظوم نحومیر'' لکھی جو آسان فنِ نحو میں ہے۔ اور ایک لغت ''معین اللغات'' نام سے لکھی ہے جو عربی، فارسی، ترکی، الفاظ کا مجموعہ ہے اور ان کے علاوہ عربی میں بھی شعر کہتے تھے لہٰذا عربی شاعر بھی ہیں۔ ان کے علاوہ اردو میں معلم الاخلاق، ذکر شعراءِ امروہہ، کلیاتِ فارسی، کلیاتِ اردو، رہبرِ منطق، ترجمہ مثنوی مولانا روم در نظم مثنوی اردو، وسیلہ نجات (مجموعہ کلام) وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۷۳

۱۶۴۔ (ڈاکٹر) معین الدین ندوی

(و۔ ۱۹۳۸ء)

ولادت مئو میں ۱۹۳۸ء میں ہوئی، ابتدائی عربی فارسی مدرسہ مفتاح العلوم میں پڑھی۔ پھر ۱۹۵۶ء میں ندوہ میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۵۸ء میں تخصص سے فراغت پائی اسی سال مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے مصر چلے گئے اور وہاں ۵ سال مختلف یونیورسٹیوں میں عربی علوم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ چنانچہ قاہرہ یونیورسٹی سے لیسانس، جامعہ ازہر سے عالمیت کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۴ء میں ہندوستان واپس آکر پی ایچ ڈی کے لئے علی گڈھ یونیورسٹی میں داخلہ لیا، اور ۱۹۶۸ء میں پروفیسر عبدالعلیم کی نگرانی میں ''مساهمة الاستاذ الفراهي في تفسير القرآن'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی تکمیل کی۔ اور اسی سال آل انڈیا ریڈیو میں مترجم واناؤنسر کی حیثیت سے ملازم ہوگئے۔ ۱۹۸۰ء تک اس منصب پر فائز رہنے کے بعد حیدرآباد چلے گئے۔ جہاں ''المعهد المركزي للغة الانجليزية واللغات الاجنبية'' کے شعبہ عربی ادب میں مدرس ہوگئے۔ اور پھر یہیں پر پروفیسر ہوئے۔

طلبہ کی سہولت کے پیشِ نظر کچھ کتابیں لکھیں جن میں علم الصرف، اور "فن الترجمۃ" وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً ۲۰ مقالے انگریزی سے عربی میں منتقل کر کے اخبارات میں شائع کرائے، جن میں اکثر ۱۹۶ء۔۱۹۸۲ء کے دوران ثقافۃ الہند میں شائع ہوئے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:۔

۱۔ "حجاب المرأۃ فی الهند العتیقة" از ڈاکٹر آبار تاشتو بادیبائی (ثقافہ ج ۲۰، شمارہ ۲، ۱۹۶۹ء)۔ (تعریب)۔

۲۔ خان عبد الغفار خان' جندی الاسلام "از شوبتی کمار نشترجی (ثقافہ ج ۲۹، شمارہ ۱، ۱۹۷۸ء (تعریب)۔

(۳)۔ الاعتماد الذاتی فی التکنولوجیا' از فرانسکو (ثقافہ ج ۲۷، شمارہ ۴۳، ۱۹۷۶ء)، (تعریب)۔

(۴) المفهوم الهند :تلمیحات للمستر اروبندو" از سانات کمار بنرجی (ثقافہ ج ۲۵، شمارہ ۲۔۳۔ ۱۹۷۴ء۔

۵۔ "رامائینا فی جنوب شرقی آسیا" از ل'ک'م'کنام بلی (ثقافہ ۲۸، شمارہ ۱۔ ۱۹۷۷ء) (تعریب)۔ ۱۹۷۴ء

۱۶۵۔ (ڈاکٹر) مقتدیٰ حسن ازہری

(و۔۱۹۳۹ء)

۱۹۳۹ء کو مئو میں پیدا ہوئے۔ یہیں پر دینی علوم حاصل کئے۔ اور الہٰ آباد بورڈ سے مولوی، عالم، اور فاضل، کے امتحانات دئے۔ اس کے بعد مصر چلے گئے۔ اور جامعہ ازہر اور قاہرہ یونیورسٹی سے 'ماجستر فی اصول الدین'' اور ''ماجستر فی الآداب'' کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اسی دوران قاہرہ ریڈیو پر اردو مترجم واناؤنسر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ۱۹۶۷ء میں ہندوستان واپس آکر جامعہ سلفیہ بنارس میں

مدرس ہو گئے جہاں پر ابھی تک مہتمم ومدرس کے منصب پر فائز ہیں۔

آپ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہندوستان واپسی کے بعد علی گڈھ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لئے داخلہ لیا۔ اور ابن عبدالبر اندلسی کی کتاب "بهجة المجالس" کو ایڈٹ کر کے ۱۹۷۵ء میں ریسرچ کی تکمیل کی۔ آپ علوم اسلامیہ وعربیہ میں غیر معمولی دستگاہ رکھتے ہیں۔ عربی زبان وادب اور ترجمہ نگاری میں اپنی مثالی خدمات کے پیشِ نظر ۱۹۹۲ء میں "صدرِ جمہوریہ" ایوارڈ سے نوازے گئے

تالیفات: ۔محمد اسماعیل سلفی کی کتاب "تحریکِ آزادی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی مساعی" کو "حركة الانطلاق الفكرى وجهود الشاه ولى الله فى التجديد" کے نام سے عربی میں منتقل کیا۔ یہ کتاب مسئلہ تقلید پر ایک تحقیقی کتاب ہے جس کی ضخامت ۵۳۶ صفحات ہے۔ جامعہ سلفیہ بنارس سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ قاضی سید محمد سلیمان منصور پوریؒ کی مشہور ترین کتاب "رحمة للعالمين" کا عربی میں ترجمہ کیا (مطبوعہ دار السلفیہ بمبئی ۱۹۸۹ء)۔ اور محمد تقی امینی کی کتاب "اسلام کی تشکیلِ جدید" کو بھی عربی میں منتقل کیا (دار العلوم للطباعة والنشر ۱۹۸۲ء)۔ محمد تقی امینی کی ہی ایک اور کتاب "عروج وزوال کا الٰہی نظام" کو بھی آپ نے عربی میں "النظام الالهى للرقى و الانحطاط" کے نام سے عربی میں منتقل کیا۔ ۱۶۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب دار الصحوہ قاہرہ سے شائع ہوئی۔

امینی صاحب کی ایک اور کتاب "الحاد اور اس کا تاریخی پسِ منظر" کی بھی تعریب کی۔ جس کا نام "عصر الالحاد و خلفيته التاريخية" ہے ۱۸۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ دار الصحوہ قاہرہ سے شائع ہوئی۔ اور امینی صاحب کی ایک اور کتاب "بين الانسان الطبيعى و الانسان الصناعى" کا بھی ترجمہ کیا۔ جو دار النصر للطباعة الاسلامية قاہرہ سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔

مذکورہ کتب کی تعریب کے علاوہ آپ نے بہت سی اہم کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ جیسے "عبدالحلیم عویس کی کتاب "فى ظلال الرسول" کا ترجمہ "رسالت کے سائے میں" (مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس

۱۹۸۳ء) اور عباس محمود عقاد کی خودنوشت ''انــــا'' کا ترجمہ ''آپ بیتی'' (مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۷ء)۔ اور عبدالحلیم عویس کی ''دراسة لسقوط ۳۰ دولة اسلامية'' کا ترجمہ ''عظمتِ رفتہ'' (مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۷ء)، اور محمد جمال الدین قاسمی کی کتاب ''اصلاح المساجد من البدع و العوائد'' (مطبوعہ دارالسلفیہ بمبئی)'' کا ترجمہ اسی نام سے کیا۔ ۱۷۵

۱۶۶۔ (ڈاکٹر) مہ جبیں اختر۔ حیدراباد

حیدراباد کے سید چشتی خاندان کرنول میں پیدا ہوئیں والد ماجد کا نام سید نصیر الدین پاشا ہے عثمانیہ یونیورسٹی حیدراباد سے بی اے، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی تکمیل کی اور اسی یونیورسٹی کے ویمنس کالج، کوٹھی حیدراباد میں صدر شعبہ عربی کے منصب پر فائز ہیں۔ اسی کے ساتھ ۲۰۰۲ء سے اب تک ''عربی اسپیکینگ سرٹیفکٹ کورس'' کی کوآرڈینیٹر بھی ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں پروفیسر ڈاکٹر عبد الستار خاں، (حال مقیم امریکہ)، پروفیسر ڈاکٹر قمر النساء بیگم سابق صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی حیدراباد، ڈاکٹر سمیع اللہ خاں، دائرۃ المعارف حیدراباد، وغیرہ شامل ہیں اِن اساتذہ سے قواعد، تاریخ، نظم ونثر کی قدیم کتابیں اور حدیث وتفسیر کی تعلیم حاصل کی۔

آپ اٹھارہ سال سے مختلف جونیئر کالج، ڈگری کالج، اور یونیورسٹی سطح تک تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ماڈرن کلاسیکل عربی، نظم ونثر، ترجمہ، تفسیر، تاریخ عربی ادب، فقہ وسیرت، وغیرہ موضوعات پڑھاتی ہیں۔ کلیلہ دمنہ، حماسہ، نقد الادب، النحو الواضح، دروس اللغة العربية، مختارات من النثر و النظم، منثورات، وغیرہ کتابوں کی تدریس عرصہ سے جاری ہیں۔ آپ کی وسیع علمی خدمات کا احاطہ کرنا مشکل ہے، آپ نے تقریباً ۸ر عربی مقالات، ۲۰ر اردو مقالے، ایک انگریزی مقالہ اوران کے علاوہ چھ عربی تصانیف تحریر فرمائیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

عربی تصانیف:۔التلخیص العربیہ للناشئین (حصہ دوم)،۲۔نتائج الفکر الادبی للأدیب امین الریحانی ،(۱۹۹۹ء)،۳۔مساھمۃ الشیخ محمد عبدہٗ فی الادب العربی (۲۰۰۴ء)،۴۔المختارات من النثر و النظم" التلخیص والترجمۃ لطلاب السنۃ الثالثہ بی اے(۲۰۰۴ء)۔۵۔قرآن پاک کا گیارہ سورتوں کا ترجمہ وتفسیر جو انٹرمیڈیٹ (سال دوم)، کے طلبہ کے لئے تیار کیا گیا۔وغیرہ۔

عربی تالیفات جو ابھی سی ڈی کی شکل میں ہیں:۔

ا۔العبرۃ مماجاء فی الغزو والشہادۃ والھجرۃ (عربی) از ابو الطیب نواب صدیق حسن قنوجی۔یہ ایک مخطوطہ ہے جس کی آپ ترتیب وتدوین کررہی ہے۔صفحات ۳۴۰۔

۲۔ابو الطیب صدیق حسن قنوجی (عربی)۔۳۔الامتثال فی الحدیث النبوی والھیئۃ فی الادب العربی (عربی) صفحات ۲۵۰ ۴۔نقوشِ تحقیق (عربی،اردو انگلش مطبوعہ مضامین کا مجموعہ) (عربی) ضخامت ۱۵۰۔

ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد ان مقالات ومضامین کی ہے جو مختلف علمی ودینی ورکشاپ اور سیمناروں میں پڑھے گئے۔اور بعد کو ریسرچ جنرل میں شائع ہوئے۔مثلاً:۔ا۔"عبد الفتاح ابو موسیٰ" (۱۹۲۶ء)(عربی)۔۲۔یوسف ادریس وفوق الفقہ و السیرۃ (عربی)۔۳۔الدکتور محمد حمید اللہ حیاتہٗ واعمالہٗ (عربی)۔(۴)النقوش العربیۃ فی المتحف الہندی کلکتہ۔اِن کے علاوہ مختلف عربی مجلات وجرائد میں شائع ہونے والے مضامین درج ذیل ہیں:۔

ا۔"اللغۃ العربیۃ ومیزاتھا" (انوار الہدیٰ، بنگلور ۱۹۸۴ء)۔۲۔"اثر القرآن فی اللغۃ العربیۃ" (ماہنامہ الاسلام بنگلور ۱۹۹۲ء)۔۳۔"زید الخیل الطائی من مشاھیر شعراء الاسلام" (الداعی دیوبند دسمبر ۲۰۰۲ء)۔۴۔"مجاھد الاسلام قاسمی" (الصحوۃ الاسلامیۃ ،حیدر اباد، اپریل ۲۰۰۳ء)،۵۔"المرأۃ فی مجال الادب" (خدا بخش لائبریری جنرل

پٹنہ، اکتوبر ۲۰۰۲ء)۔ ''سواطع الالہام فی تفسیر القرآن'' (التنویر حیدراباد ۲۰۰۴ء)

آپ اخبارات وجرائد کیلئے مقالات ومضامین بکثرت لکھتی ہیں۔ مندرجہ بالا عربی کتب اور عربی مضامین کے علاوہ بہت سے ایسے اہم مضامین بھی ہیں جو اگرچہ اردو میں لکھے گئے لیکن عربی زبان وادب سے متعلق ہیں۔ اور مختلف اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے:۔ ا۔ ''ہندوستان میں عربی ادب کی نشونما'' (الاسلام بنگلور ۱۹۸۵ء)۔ ۲۔ ''امین الریحانی ایک فطرت پرست انسان'' (الاسلام بنگلور ۱۹۸۵ء)۔ ۳۔ ''اسلوب جاحظ'' (انوار الہدی حیدراباد ۱۹۸۶ء)۔ ۴۔ ''عربی ادب میں رابعہ بصری'' (انوار الہدی حیدراباد ۱۹۹۷ء)۔ ۵۔ ''خلیل جبران'' (سب رس حیدراباد مارچ ۲۰۰۱ء) ۶۔ ''ادبی تحریکات اوران کی تاثیر عربی ادب کے فروغ میں'' (خدا بخش لائبریری جنرل ۲۰۰۲ء)، ۷۔ ''ابو ریحان البیرونی'' (سیاست حیدراباد۔ جولائی ۲۰۰۳ء) ۸۔ ''سید غلام علی آزاد بلگرامی'' (المخدوم پٹنہ دسمبر ۲۰۰۲ء)، ۹۔ ''الدکتور محمد حمید اللہ بحثییت مترجم''، ۱۰۔ ''سالار جنگ میوزیم حیدراباد کے چند اہم عربی مخطوطات (پربھنی اسلامک سینٹر میں پڑھا گیا۔ مئی ۲۰۰۲ء)۔ وغیرہ۔ رہائش: ''4-64/1 وکاس نگر، دلسکھ نگر، حیدراباد'' میں ہے۔ ۱۷۶

۱۶۷۔ (مفتی) مہدی حسن شاہجہاں پوری

۱۸۸۳۔۱۹۷۶ء

شاہ جہان پور وطن ہے۔ ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں کی۔ حضرت مولانا مفتی کفایۃ اللہ دہلویؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے دار العلوم دیوبند کے ۱۳۲۸ھ کے جلسہ دستار بندی میں آپ کی بھی دستار بندی ہوئی تھی، تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مفتی صاحب نے مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت بھیج دیا۔ وہاں طویل مدت تک افتاء وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اہلِ گجرات پر آپ کے علم وفضل کا بڑا اثر تھا، فقہِ حنفی میں بے نظیر مہارت کے ساتھ

حدیث اور اسماء الرجال پر بڑی گہری نظر تھی۔ ۱۳۶۷ھ میں انھیں دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء میں صدر مفتی کے منصب پر مامور کیا گیا۔ ۱۳۷۸ھ میں اپنی طویل علالت اور ضعف و کمزوری کی وجہ سے دار العلوم سے سبک دوش ہو کر وطن مالوف شاہجہاں پور چلے گئے۔

آپ زاہد و متقی، متواضع و فیاض طبع تھے اس کے ساتھ صاف گو، اور اظہار حق میں بے باک تھے، شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے اور آزاد تخلص تھا، حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے، مگر اجازت وخلافت حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ مولانا شفیع الدین مکی سے حاصل ہوئی۔

تصانیف:۔ مفتی مہدی حسن صاحب کئی اہم کتابوں کے مصنف و مرتب تھے، جن میں حدیث شریف کی شرح "معانی الآثار" للطحاوی کی عربی شرح "قلائد الازھار" کے نام سے ۶ جلدوں میں ہے۔اس کی دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ فقہ میں امام محمدؒ کی کتاب الحجہ جو چار جلدوں میں ہے آپ کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ دائرۃ المعارف سے اس کی ابتدائی دو جلدیں چھپی ہیں۔ یہ کتاب بڑی نایاب تھی اس کا ایک نسخہ استنبول میں موجود تھا۔ یہ فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں سے ہے، آپ نے اس کے مسودے کی تصحیح میں ۲۰ سال صرف کئے ہیں۔ امام محمد کی "کتاب الآثار" پر آپ کی تعلیقات گراں قدر علمی سرمایہ ہیں۔ نخبۃ الفکر کی شرح بھی لکھی ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے یہ سب کتابیں عربی زبان میں ہیں ان کے علاوہ اردو میں دو درجن سے زائد رسائل لکھے ہیں جو طبع نہیں ہو سکے۔ طویل علالت کے بعد اپنے وطن شاہجہان پور میں ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ کو وفات پائی۔ ۱۷۷

۱۶۸۔ (پروفیسر) نثار احمد فاروقی

(م ۲۰۰۴ء)

آپ کے خاندان کا سلسلہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے تیسرے بیٹے حضرت نظام الدین شہید سے ملتا ہے والد محترم کا اسم گرامی تسلیم احمد فریدی ہے۔ آپ کے چچا حضرت مولانا مفتی نسیم احمد

فریدیؒ امروہوی آپ کے مربّی تھے۔اور مفتی شہر امروہہ تھے وہ زبردست عالم، مخلص، خلیق، اور مہمان نواز تھے، نابینا تھے، مگر حافظہ بلا کا تھا۔

ڈاکٹر فاروقی صاحب نے عربی، اردو، فارسی، ادب میں اتنا اہم ذخیرہ چھوڑا ہے جسکا احاطہ کرنا دشوار ہے۔آپ اعلیٰ پایہ کے ادیب، ممتاز محقق، ونقاد ہیں، کئی تراجم بھی کئے ہیں، ساتھ ہی شاعر بھی ہیں۔آپ کا دن رات مشغلہ کتب بینی وتصنیف وتالیف ہے۔

نام نثار احمد فاروقی، والد کا نام تسلیم احمد فاروقی (مرحوم)۔عہدہ: پروفیسر عربی دہلی یونیورسٹی دہلی، جون ۲۰۰۱ء میں سبکدوش۔ولادت ۲۹ جون ۱۹۳۶ء امروہہ۔

تعلیمی لیاقت: پی ایچ ڈی (فن التاریخ عند المسلمین فی العصر الاول۔دہلی یونیورسٹی ۱۹۷۷ء)۔ایم اے عربی زبان وادب ۱۹۶۴ء)۔اردو آنرز (جامعہ، اردو علی گڈھ، آنرز پنجاب یونیورسٹی وغیرہ۔)

تدریس:۔لیکچرر دہلی یونیورسٹی ۱۹۶۴ء۔۱۹۶۶ء۔لیکچرر عربی، دہلی کالج (۱۹۶۶ء۔۱۹۷۷ء)۔ ریڈر جدید عربی دہلی یونیورسٹی (۱۹۷۷ء۔۱۹۸۵ء) پروفیسر عربی دہلی یونیورسٹی (۱۹۷۷ء۔۱۹۸۵ء)

تالیفات:۔۱۹۵۲ء سے اب تک معیاری رسائل وجرائد میں ۴۵۰ سے زیادہ مضامین شائع ہو چکے ہیں۔اور لگ بھگ ۵۰ سے زائد اہم کتابیں چھپ کر شہرتِ دوام پا چکی ہیں جن میں بیشتر اردو، فارسی، میں مخطوطات کی ایڈیٹنگ، یا اہم ادبی موضوعات پر تحقیق، یا تنقید، یا تاریخی موضوعات سے متعلق ہیں۔میر وغالب اور صوفیاء وعلماء پر آپ نے بیحد تحقیقی کام کیا ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب ۴۱ واسطوں سے حضرت عمر بن الخطابؓ تک اور ۲۲ واسطوں سے شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعد گنج شکرؒ تک پہونچتا ہے۔دادا مولوی حسین احمد فریدی (م ۱۹۱۴ء) اپنے باپ کی زندگی ہی میں وفات تک پا گئے تھے، ان کی تعلیم لاہور، بھاولپور، ملتان، وغیرہ میں ہوئی تھی۔

پھر امروہہ میں اپنے خاندان کی زمینداری کا کام سنبھال لیا تھا۔ ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ دوسرے بیٹے مولوی تسلیم احمد فریدی (م ۱۹۸۷ء) آپ کے والدِ محترم ہیں۔ ایک بیٹی پروفیسر خلیق احمد نظامی کی والدہ ہیں۔ والد کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ (م اکتوبر ۱۹۸۸ء) ہیں، والد محترم ایک حادثہ میں فاتر العقل ہونے کے بعد اسی حال میں ۴۵ سال زندہ رہے۔ اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ پہلے پرائمری اسکول محلہ پیرزادہ امروہہ میں داخلہ لیا۔ والد صاحب کی مستقل علالت کے بعد والدہ محترمہ اپنے بچوں کو امروہہ لیکے آئیں اور یہیں پر تمام پرورش و پرداخت ،تعلیم وتربیت اپنے نانا شاہ سلیمان احمد چشتی صابری (م ۱۹۶۲ء) کے زیرِ سایہ ہوئی۔ نانا درویش صفت آدمی تھے ان کی مالی حالت کمزور تھی، مگر انھوں نے نہایت محبت واستقلال کے ساتھ پرورش کی اور چچا حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی نے مکمل سرپرستی وتربیت فرمائی۔ ۱۹۵۲ء میں زمینداری ختم ہوگئی تو ماہنامہ شمع نئی دہلی میں ملازمت کی، پھر ہفتہ وار ''ریاست'' ''شاہراہ'' ''آئینہ'' وغیرہ میں کام کیا پھر دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ اسی دوران ہائی اسکول، انٹر، کے امتحانات فرسٹ ڈیویژن سے پاس کیے۔ جامعہ اردو علی گڈھ سے ادیب ماہر، ادیب کامل، پنجاب یونیورسٹی سے منشی، منشی فاضل، الٰہ آباد بورڈ سے فارسی میں منشی کا امتحان پاس کیا ہر امتحان میں پوزیشن فرسٹ رہی۔ ۱۹۶۲ء میں ذاکر حسین کالج سے بی اے کیا۔ ۱۹۶۴ء میں فرسٹ پوزیشن کے ساتھ عربی سے ایم اے پاس کرلیا۔ اس سال اگست میں دہلی یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں لیکچرار کی پوسٹ مل گئی ،پھر ۱۹۷۷ء میں دہلی یونیورسٹی میں ماڈرن عربی کے ریڈر کی جگہ نکلی تو وہاں پر آپ کا تقرر ہوگیا۔ ۱۹۸۶ء میں پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہوگئے۔ پہلا مضمون انگریزی کہانی کا ترجمہ ''جمن'' تھا جو اکتوبر ۱۹۵۱ء کے ''آج کل'' میں شائع ہوا تھا۔ دہلی میں رہ کر جن رسائل میں لکھنا شروع کیا ان میں ''معیار، میرٹھ'' ''نباض، ناگپور'' ''نقوش'' لاہور ''تہذیب، پٹنہ'' مشہور رسائل ہیں۔ ۱۹۹۴ء میں رسالہ ''کتاب نما'' دہلی نے آپ سے متعلق ایک خاص نمبر شائع کیا جس میں ڈاکٹر سعادت علی صدیقی

کی اہلیہ سلمیٰ صدیقی نے آپکے مضامین وکتابوں کا اشاریہ ۱۴ صفحات میں ترتیب دیا ہے

تصانیف:۔ عربی نگارشات درجِ ذیل ہیں:۔

۱۔ ''فن التاریخ عند المسلمین فی العصر الاول'' دہلی ۱۹۷۹ء۔

۲۔ ''دراسات بحث و نقد''، دہلی ۱۹۷۹ء۔

۳۔ ''شفاء العلیل'' (عربی) ۱۹۹۰ء۔

۴۔ ''ثقافۃ الہند'' (مولانا ابوالکلام آزاد نمبر) [دو جلدیں ۱۹۹۰ء۔

۶۔ ''الرسالات النبویہ'' ۔ تقدیم وترجمہ۔ لاہور ۱۹۸۲ء

۷۔ مختلف تحقیقی وثقافتی جرائد کی ادارت کے علاوہ وزارتِ خارجہ کے ماتحت iccr نئی دہلی کے سہ ماہی عربی مجلّہ ''ثقافۃ الہند'' کی ادارت ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۵ تک۔

آپ نے سب سے پہلے میر تقی میر کی سوانح عمری کا اردو ترجمہ کیا اور عربی میں غلام علی آزاد بلگرامی کی کتاب ''شفاء العلیل'' کا متن ایڈٹ کر کے ''ثقافۃ الہند'' میں چھاپا۔ اس میں آزاد بلگرامی نے عربی کے مشہور شاعر متنبی پر متنی تنقید کی ہے۔ پھر فارسی اور انگریزی تصنیفات سے قطع نظر عربی ہی میں ایک اور اہم کارنامہ ڈاکٹر جواد علی کی کتاب ''تاریخ طبری'' کے ماٰخذ کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔ پھر جوزف میورو وش کی ''المغازی الاولیٰ و مؤلفوھا'' کا ترجمہ ''سیرت نبوی کی اولیں کتابیں اوران کے مؤلفین'' نام سے شائع کیا۔ مذہبی عقائد میں ہمیشہ توازن برقرار رکھتے ہیں اور یہ نانا (حضرت سلیمان شاہ چشتیؒ اور حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ امروہوی (جنکا ذکر اپنی جگہ پر آیا ہے) کی صحبت بابرکت کا نتیجہ ہے، مولانا فریدیؒ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور مدرسہ عربیہ امروہہ کے شیخ الحدیث، اور مفتی شہر امروہہ تھے۔ ۱۷۸

وفات:۔ ۲۷ر نومبر ۲۰۰۴ء بروز سنیچر دہلی میں وفات پائی۔

۱۶۹۔(مولانا) نذر الحفیظ ندوی

(و۔۱۹۳۹ء)

نام نذر الحفیظ ندوی، ولدیت مولانا قاری عبد الحفیظ مرحوم۔ململ ضلع مدھوبنی بہار میں ۱۹۳۹ء کو پیدا ہوئے۔آپ شمالی بہار کے مردم خیز قصبہ ململ (ضلع مدھوبنی) کے ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔دادا حافظ محمد اسحاق زمیندار تھے پردادا علی بخش نے جنگِ آزادی میں حصہ لیا تھا۔مہاراجہ دربھنگہ کی طرف سے تحصیلدار تھے۔نانا مولانا سراج الدین نے مظاہر علوم (سہارنپور) میں تعلیم پائی۔حضرت تھانویؒ نے بذریعہ خط بیعت کرلیا تھا۔پھر بعد خانقاہ میں کچھ عرصہ قیام کر کے تربیت حاصل کی۔والد صاحب نے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد جونپور میں مولانا دین محمد صاحب والد مولانا ابو العرفان خاں صاحب اے صرف ونحو اور فقہ وحدیث کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں تجوید میں حصہ لیا مدرسہ کافیۃ العلوم پرتا بگڈھ میں تدریس اور اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی۔چنانچہ آپ (مولانا نذر الحفیظ ندوی) نے بھی یہیں پر یعنی مدرسہ کافیۃ العلوم پرتا بگڈھ میں حفظ کیا۔فارسی مدرسہ چشمہ فیض ململ میں پڑھی اور پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۵۵ء میں داخل ہوئے۔یہیں سے ۱۹۶۲ء اور ۱۹۶۴ء میں عالمیت وفضیلت کیا۔۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۲ء تک قاہرہ میں رہے ازہر یونیورسٹی سے عربی تنقید وادب میں ایم اے کیا۔عین شمس یونیورسٹی قاہرہ میں ٹریننگ کالج سے بی ایڈ کیا۔ندوہ میں آپ کے اساتذہ نحو میں مولانا حبیب الرحمن ،مولانا عبد الحفیظ بلیاوی، حدیث ترمذی میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ۔تفسیر میں مولانا محمد اویس نگرامی ندوی،،فقہ میں مفتی محمد ظہور، ادب میں مولانا سعید الرحمن اعظمی ،مولانا محمد رابع حسنی،۔حدیث میں مولانا محمد اسحاق سندیلوی، مولانا محمد ایوب اعظمی ،مولانا سید ابو الحسن علی ندوی،منطق وفلسفہ میں مولانا ابو العرفان خاں ندوی شامل ہیں۔پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرس ہوئے اور کتاب الصرف، القرائۃ الراشدہ ،منشورات، مختارات ،معلم الانشاء، قصص النبیین ،اور الادب العربی بین عرض ونقد،التصویر الفنی فی القرآن،

البخلاء، المذاهب الادبیه، نہج البلاغہ، البلاغۃ الواضحہ، المعلقات، تاریخ الادب العربی الحدیث، علم النفس، حماسہ، مقاماتِ بدیع وحریری، رنات المثانی والمثالث، الصراع بین الفکرۃ الاسلامیہ والفکرۃ الغربیہ وغیرہ پڑھائیں۔ فی الحال بھی آپ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں شعبہ عربی ادب کے اعلیٰ اساتذہ یں ہیں۔ احقر کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں شرف تلمذ حاصل ہے۔

تصانیف:۔ پندرہ روزہ ''الرائد'' میں انٹرویوز، خبریں، تبصرے، برابر آپکے قلم سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ عربی مضامین کے علاوہ دو اہم عربی کتابیں بھی یادگار ہیں۔

(۱) ''الزمخشری کاتباً و شاعراً'' اور (۲) ''السید ابو الحسن علی الندوی کاتباً و مفکراً'' یہ دونوں آپ کی اہم عربی تصانیف ہیں۔ اول الذکر جامعہ ازہر میں ایم اے کے لئے علامہ زمخشری کی شاعری اور نثر نگاری پر لکھا گیا مقالہ تھا۔ اور دوسری میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تصانیف کا عربی میں تعارف کرایا گیا ہے۔ اردو میں ''مغربی میڈیا اور اس کے اثرات'' قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں۔ احقر کو ندوۃ العلماء کے عربی ادب کے اسباق میں شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے خاص طور پر ''الغزو الفکری۔ مذاهب و افکار'' اور ''حاضر العالم الاسلامی'' جیسے اہم موضوعات آپ سے متعلق تھے۔ حال ہی میں صدرِ جمہوریہ ہند کی طرف سے آپ کو عربی ادب کی خدمات پر ایوارڈ بھی ملا ہے جو مادرِ علمی کے لئے بھی باعثِ فخر ہے۔ ۱۶۹ے

۱۷۰۔ (حضرت مولانا مفتی) نسیم احمد فریدیؒ امروہوی

۱۳۲۹ء۔۱۴۰۹ھ

۱۹۱۱ء۔۱۹۸۸ء

ستمبر ۱۹۱۱ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ ۴ سال کے بھی نہ تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا پیرزادہ اسکول محلہ جھنڈا شہید میں ابتدائی درجوں کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مڈل اسکول میں داخل ہوئے اور تین

سال بعد مڈل پاس کر کے اگلے سال انگریزی مڈل کا امتحان دیا۔ پھر منشی، کامل، مولوی، کے امتحانات پاس کیے۔ منشی کامل کی تیاری مدرسہ نور العلوم امروہہ میں کی۔ فارسی میں منشی عبدالرب شکیب مرحوم سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد جامع مسجد امروہہ میں عربی کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ یہاں بیضاوی، وترمذی شریف تک پڑھ کر دیوبند چلے گئے جہاں آپ نے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ اس وقت آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا اعزاز علیؒ اور مفتی محمد شفیع جیسے باکمال حضرات شامل تھے۔ قیامِ دیوبند ہی میں ایک بار حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقہ درس میں شرکت کیلئے لاہور گئے۔ اور رخصت کرتے وقت انھوں نے سند بھی عطاء کی۔ قیامِ لاہور کے دوران علامہ اقبالؒ سے بھی ایک گھنٹہ ملاقات رہی۔ لاہور سے پھر دیوبند واپسی ہوئی۔ اور متنبی، حماسہ، سبعہ معلقہ، وغیرہ ادب کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے ایماء پر بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔

آپ نے جامع مسجد امروہہ میں درس وتدریس میں کافی شہرت حاصل کی۔ تبلیغی جماعت سے بھی تاعمر تعلق رہا۔ غالباً ۱۳۸۰ھ میں سفرِ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ تدریس کے ساتھ فتاویٰ کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ ۱۹۸۱ء میں صدر جمہوریہ ہند نے فارسی کی سندِ اعزاز عطا فرمائی۔ بیعت وسلوک کا تعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھا۔ بینائی پیدائشی کمزور تھی۔ کثرتِ مطالعہ نے بالآخر بینائی سے مستقلاً محروم کر دیا۔ جو آپ کے علمی جنون کے پیشِ نظر ایک بڑی آزمائش تھی۔ جس پر انھوں نے تا حیات مثالی صبر کیا۔ آپ صحیح معنی میں فنافی العلم تھے۔ تصانیف میں آپ کی جدوجہد کے دو مرکز تھے (۱) مشائخ سلسلہ مجددیہ۔ (۲) اکابر دارالعلوم دیوبند۔

آپ کی ساری تصانیف اسی محور پر گردش کرتی ہیں۔ بڑی محنت سے مواد جمع کرتے تھے پورا مضمون اپنے اندر جذب کر لینے کے بعد قلم اٹھاتے۔ تحقیق کا معیار کافی اونچا تھا۔ آپ کو تلخیص وترجمہ میں کمال حاصل تھا۔ جو آپ کی زبان وبیان پر قدرت، تمام مباحث کو اپنے اندر جذب کر لینے اور فکری

اعتبار سے ان پر مکمل عبور رکھنے کا بیّن ثبوت تھا۔آپ کی نظر مین اکابرینِ ملت کو عوام تک پہونچانے اور اس سے مثبت فوائد حاصل کرنے کیلئے مکتوبات اور ملفوظات پر کام کرنے کی زیادہ ضرورت تھی۔

تصانیف:۔ (۱) تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ، (۲) تجلیاتِ ربانی ترجمہ مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ، (۳) مکتوباتِ خواجہ معصوم (۴) فرائدِ قاسمیہ (۵) سفرنامہ حج شاہ رفیع الدین مرادابادیؒ، (۶) وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔آپ ان حضرات کی صفِ اول میں ہیں جنھوں نے ساری زندگی عربی زبان و ادب کی تدریسی خدمات انجام دیں اور آپ کے درس سے مستفید ہوکر بہت سے عربی ادب کے گنجہائے گراں مایہ پیدا ہوئے۔اگر چہ بظاہر آپ کی کوئی عربی تصنیف نہیں تھی۔۵؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ/اکتوبر ۱۹۸۸ء میں سہ شنبہ کو وفات پائی۔ ۱۸۰

احقر کو والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد آپ کی آغوشِ شفقت، تعلیم وتربیت، اور کفالت و سرپرستی کا شرف تاحیات حاصل رہا۔

۱۷۱۔(ڈاکٹر) نسیمہ فاروقی۔بنارس

(و۔۱۹۵۶ء)

(ڈاکٹر) نسیمہ فاروقی بنتِ جناب آفتاب احمد فاروقی، والدہ مرحومہ کا نام وسیمہ فاروقی، ضلع اعظم گڈھ کے قصبی گھوسی اور کوریاہار (جو اس وقت ضلع مئو میں ہے) کے سید اور فاروقی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔آپ کے والد مشہور ومعروف شخصیت کے حامل تھے۔آپ پولیس اور فوج کے اعلی محکمہ پر فائز تھے۔اور بعد میں ڈی آئی جی ہوکر ریٹائر ہوئے۔

آپ کی ولادت ۲۳؍اکتوبر ۱۹۵۶ء کو قصبہ گھوسی (ضلع اعظم گڈھ) میں ہوئی۔بنارس ہندو یونیورسٹی سے تعلیم کے تمام مراحل طے کئے۔جناب سید بدر الحسن عابدی، جناب سید سلیمان عباس

رضوی، حکم چند نیر، امرت لال عشرت، سید حنیف رضوی ان اساتذہ کرام سے اردو، عربی، اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ گورکھپور شہر کے قاضی خاندان میں قاضی انعام الہٰی صاحب کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ آج کل شوہر امریکہ میں کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ ایک لڑکی قاضی عریبہ فاطمہ اس وقت امریکہ میں زیرِ تعلیم ہیں۔ آج کل آپ بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبہ عربی میں صدرِ شعبہ، اور پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ''جدید عربی شاعری'' کے عنوان سے ایک کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہے۔ ۱۸۱

۱۷۲۔ نور عالم خلیل امینی (مدیر ''الداعی'')

(و۔ ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء)

نام نور عالم خلیل امینی، کنیت ابو اسامہ نور، ولادت ۱۸ر دسمبر ۱۹۵۲ء/ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ کو بمقام ''ہر بور بیشی'' مظفر پور بہار میں ہوئی۔ آپ نے دار العلوم دیوبند سے شریعتِ اسلامی میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ اور جامعہ امینیہ دہلی سے بھی فضیلت کی۔ پھر دار العلوم دیوبند سے عربی زبان و ادب میں تخصص کیا اور اور جامعہ ملک سعود ریاض سے ''غیر عربوں کے لئے معلم عربی زبان وادب'' کا تربیتی کورس بھی کیا۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے عربی قرآنی ورک شاپ میں شرکت کی سند حاصل کی۔ اور ہندوستان میں سعودی حکومت کے تحت ۱۹۹۹ء میں منعقدہ اولین تربیتی کیمپ میں بھی شرکت کی۔ اور سب سے پہلے دار العلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۷۲ء تا ۱۹۸۰ء تدریسی فرائض انجام دئے۔ فی الحال دار العلوم دیوبند میں عربی ادب کے استاذ ہیں۔ اور دار العلوم کے ترجمان پندرہ روزہ مجلّہ ''الداعی'' کے ایڈیٹر ہیں۔ سابق ایڈیٹر ''الداعی'' مولانا بدر الحسن قاسمی کے بعد ادارت ''الداعی'' کی خدمات آپ ہی کے سپرد ہیں آپ نے الداعی کے معیار کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس میں وہ نکھار پیدا کیا کہ اس کو عربی صحافت کا مقبول ترین اخبار بنا دیا۔ آپ ہندوستان، سعودی عرب، کویت، مصر کے ادبی، ثقافتی، علمی

سیمیناروں میں شرکت کرتے ہیں۔

تصنیفات:۔ آپ کی عربی تالیفات میں "الصحابة ومكانتهم فى الاسلام" ۲۔ مجتمعاتنا المعاصرة و الطريق الى الاسلام" ۳۔ المسلمون فى الهند۔ ۴۔ "الدعوة الاسلاميه بين الامس و اليوم" ۵۔مفتاح العربيه ۲ جلدیں۔ یہ سب چھپ چکی ہیں۔اور مقبول ومتداول ہیں۔اور اردو میں بھی کئی کتابیں لکھی ہیں مثلاً:۔''وہ کوہ کن کی بات''۲۔''حرفِ شیریں''۔۳۔''خطِ رقعہ کیوں اور کیسے سیکھیں۔

ان کے علاوہ آپ نے اسلامی وادبی موضوعات پر سینکڑوں مقالات ''الداعی''،''البعث الاسلامی''،''الرائد''،''الدعوة''،''دار العلوم''،''الفرقان''،''ترجمانِ دار العلوم''،''الحق، پاکستان''،''الفیصل''،''الحرس الوطنی'' میں لکھے ہیں۔ان کے علاوہ آپ نے تقریباً ۲۰؍اہم اردو کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔جو ایک بڑا کام ہے۔اور عربی پر قدرت کا ثبوت ہے۔جن میں زیادہ تر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد تقی عثمانیؒ ودیگر علماءِ کبار کی مشہور تصنیفات ہیں۔حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی 'دو ہفتہ مراکش میں' (اسبوعان فی المغرب الاقصیٰ)، اور اسلام کی سیاسی تعبیر' (التفسیر السیاسی للاسلام) اور ''الادعية الماثورة المروية'' کا ترجمہ، نیز ''احادیث صریحہ فی باکستان'' کی تعریب کی ہے اور اسی طرح حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی 'شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور علماءِ حق پر اس کے اثرات' کا عربی ترجمہ ''دعايات مكثفة ضد الشيخ محمد بن عبد الوهاب'' اور 'ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت' کا عربی ترجمہ ''الثورة الايرانية فى ميزان الاسلام'' کے نام سے کیا ہے۔اس کے علاوہ امین احسن اصلاحی کی 'دعوتِ دین اور اس کا طریقہ' ''الدعوة الى الله''، مولانا محمد تقی عثمانی کی 'حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق'، ''سيدنا معاوية فى الحقائق والوثائق التاريخية''، سید احمد غازی کی 'من الظلمات الیٰ النور کا عربی ترجمہ ''ما ساة شاب هندوسي اعتنق الاسلام'' کے ناموں سے کیا ہے۔

عربی زبان سے آپ کو گہرا شغف ہے۔ اور عالم عربی واسلامی کے حالات پر گہری نظر رکھنا، اور امت اسلامیہ کے خوابوں اور امیدوں کی ترجمانی کرنا آپ کا پسندیدہ کام ہے۔ ۱۸۲

۱۷۳۔ نور عظیم ندوی۔ (مولانا عبدالنور)

(م ۱۹۹۳ء)

اصل نام عبدالنور ندوی تھا لیکن زیادہ تر آپ کو نور عظیم ندوی ہی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ضلع بستی کے موضع 'اکرہرا'' کے رہنے والے تھے، ولادت ۱۹۴۲ء کو ہوئی۔ تعلیم اولاً جامعہ سلفیہ بنارس میں ہوئی، اس کے بعد ندوۃ العلماء سے عالمیت وفضیلت کی۔ اس کے بعد ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۴ تک ندوہ ہی میں مدرس رہنے کے بعد مصر چلے گئے۔ جہاں جامعہ ازہر سے ۱۹۸۰ء میں ماجستر (ایم اے) کی سند حاصل کی،۔ پھر پی ایچ ڈی کے لئے ''الذوق الادبی'' کے عنوان سے وہاں اپنا تحقیقی مقالہ پیش کیا۔ اور پھر سعودی عرب تشریف لے گئے جہاں ۱۹۸۱ء میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض'' میں غیر عربوں کو عربی کی تعلیم دینے کیلئے مدرس'' مقرر ہوئے۔ اور ایک سال بعد رابطہ عالم اسلامی کے مبعوث کی حیثیت سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں آگئے۔ اور تا عمر یہیں پر عربی ادب کے تکمیلی درجات میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

اسی دوران مجلّہ الرائد کے ادارتی فرائض بھی سنبھال لے۔ اور عربی صحافت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور آپ کی خبریں، تبصرے، اداریے، مضامین کا لوگوں کو بےچینی سے انتظار ہوتا تھا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی 'النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن، (منصب نبوت اور اس کے مقام حاملین، اور ''العرب والاسلام'' (عرب واسلام)، اور 'ترشید الصحوۃ الاسلامیۃ' (اسلامی بیداری کی لہر)، کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح آپ نے ۱۹۶۸ء، سے ۱۹۷۴ء کے دوران، ندائے ملت کے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا، اور اس پرچہ میں سید قطب شہیدؒ کی بہت سی تحریروں کو اردو میں ترجمہ کر کے

شائع کرتے رہے۔عربی زبان وادب پر بے پناہ قدرت تھی۔احقر کو انشاء، اسرار البلاغہ، مختارات مختار الشعر العربی، وغیرہ میں شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے۔اور ذاتی طور پر بھی بے پناہ شفقتیں، رہنمائی، اور قریب سے مستفیض ہونے کا موقع ملا، کچھ عرصہ بعد بلڈ پریشر اور شوگر کے مرض میں مبتلا ہو کر ۳۱ جنوری ۱۹۹۳ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں انتقال فرمایا۔''الرائد'' اور البعث الاسلامی' میں آپ کے عربی مضامین برابر شائع ہوتے رہے۔احقر کو ندوہ کی طالبِ علمی میں اسرار البلاغہ، عربی انشاء، مختارات وغیرہ میں شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے۔ویسے ذاتی طور پر بھی احقر کو آپؒ کی بے پناہ شفقت حاصل تھی۔ ۱۸۳

۱۷۴۔(حضرت مولانا) وجیہ الدین احمد خاں (خطیب اعظمؒ)

۱۸۹۹۔۱۹۸۷ء

آپ کی ابتدائی تعلیم والدہ مرحومہ کے ذریعہ گھر پر شروع ہوئی۔اور سات سال کی قلیل عمر میں ۲۲ پارے ناظرہ پڑھ لئے۔اس کے بعد والد ماجد نے اپنے دوست حافظ شمسؒ الدین خاں کے حوالے کردیا جن کی زیرِ نگرانی تقریباً ساڑھے نو سال کی عمر میں پورا قرآن کریم حفظ کرلیا۔حفظِ قرآنِ کریم سے فراغت کے بعد آپ کے والد ماجد آپ کو رامپور کے مشہور عالم مولانا سلامت اللہؒ کے پاس لے گئے جن کے پاس تقریباً ایک سال رہ کر علومِ دینیہ کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد والد ماجد نے اپنے ایک اور عزیز دوست مولانا وزیر محمد خاںؒ کے سپرد کردیا جن کے پاس رہ کر آپ نے ظاہری وباطنی علوم کی تکمیل کی۔اور ۱۹۲۱ء میں مدرسہ عالیہ سے فراغت کے بعد دورہ حدیث شریف کیلئے دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے۔اور مشہور علماء خصوصاً علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور ۱۹۲۲ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔

رامپور واپسی کے بعد اپنے استادِ محترم کی ہدایت پر تدریسی فرائض انجام دینا شروع کئے۔اور مدرسہ انوار العلوم رامپور، مدرسہ امدادیہ مرادآباد، مدرسہ قومیہ شاہ جہاں پور، مدرسہ حافظیہ سعیدیہ داؤ دی ضلع

علی گڈھ، مدرسہ نعمانیہ دہلی، جامعۃ المعارف رامپور، مدرسہ عالیہ رامپور وغیرہ مدارس میں منصب تدریس پر فائز رہے۔ آپ اپنے عہد کے جلیل القدر عالم وفاضل اور معقولات ومنقولات کے ماہر تھے۔ آپ کے علم وفضل سے عوام وخواص یکساں طور پر مستفید ہوئے۔ آپ کا زیادہ تدریسی وقت اپنی مادرِ علمی مدرسہ عالیہ رامپور میں گذرا، اپنے مربی استاذ مولانا وزیر محمد خاںؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور بہت جلد سلوک کے منازل طے کرکے خلیفہ مجاز کا مرتبہ حاصل کیا۔ آپ کے مریدین کا حلقہ بھی تلامذہ کی طرح وسیع ہے۔ آپ نے حرمین شریفین کی زیارت اور حج بیت اللہ کا بھی شرف حاصل کیا ہے۔

۱۹۵۰ء میں مدرسہ فرقانیہ (واقع مستن گنج رامپور) کی بنیاد ڈالی تو چند سال میں آپ کی جدوجہد سے ''جامعہ فرقانیہ'' بن گیا۔ جہاں طلبہ کی کثیر تعداد زیرِ تعلیم ہے۔ یہاں پر درسِ قرآن وحدیث اور عربی علوم کا معقول انتظام ہے۔

تصانیف:۔ آپ کی نوع بہ نوع مصروفیات نے تصنیف وتالیف کیلئے مہلت نہیں دی تاہم چند علمی کاوشیں یادگار چھوڑی ہیں جمیں ''حدیثی اصول'' الہٰ بورڈ کے عربی نصاب میں شامل ہے۔ اور سعودی عرب کی بعض یونیورسٹیوں میں بھی داخلِ نصاب ہے۔ ڈاکٹر حامد علی خاں آپ کے بارے میں رقم طراز ہیں:۔ '' آپ اپنے دور کے عظیم عالم، مفسرِ قرآن، فاضل محدّث، اور بے نظیر خطیب تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ اوقاف کی جانب سے آپ کو رامپور کی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کا امام مقرر کیا گیا تھا۔ آپ ہر سال رمضان میں قرآن مجید جامع مسجد میں سنایا کرتے تھے اور روزانہ بعض آیات کے معانی ومطالب بسط وتفصیل کے ساتھ بیان کرتے۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ جب گذرتے تو غیر مسلم اشخاص اپنی دکانوں سے اتر کر بغرضِ تعظیم کھڑے ہوجاتے۔ قدرت نے آپ میں شاعرانہ صلاحیت بھی ودیعت فرمائی تھی۔ آپ فطری اور قادر الکلام شاعر تھے۔ کبھی کبھی قلم برداشتہ اشعار تحریر فرماتے تھے۔ آپ نے عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شاعری کی اور اپنے نام کی مناسبت سے اپنا تخلص وجیہ مقرر کیا۔

آپ کا مطبوعہ عربی کلام بھی موجود ہے جس میں درجِ ذیل قصائد ہیں۔:"۱۔عربی میں نو اشعار پر مشتمل نعتِ رسول ﷺ ۔۲۔۱۵/اشعار پر مشتمل نعتِ رسول ﷺ ۔۳۔مدحیہ قصیدہ در مدحِ مولانا وزیر محمد خاں (۳۱/اشعار عربی) ۴۔نظم بر موضوع موسمِ بہار بعنوان "فصلِ ربیع" (مشتمل بر ۱۸/اشعار عربی)۔۵۔قصیدہ نونیہ پیش کردہ جلسہ انعامات مدرسہ عالیہ رامپور مشتمل بر ۴۴/اشعار عربی۔۶۔قصیدہ ہمزیہ پیش کردہ مدرسہ عالیہ رامپور (مشتمل بر ۳۷/اشعار عربی) ۷۔درد انگیز نظم بر موضوع "انقطاع عربی علماء" ۱۴ عربی اشعار۔۸۔لامیہ قصیدہ در مدحِ نواب حامد علی خاں والیِ رامپور (۱۷ عربی اشعار)۔۹۔قصیدہ میمیہ مدحیہ در شانِ نواب محمد ابوبکر خاں رئیس دادوں (۲۴۔اشعار عربی) ۱۰۔عینیہ قصیدہ در مدح نواب حافظ احمد سعید خاں رئیس چھتاری (۳۶ عربی اشعار)۔۱۱۔قطعہ عربی (دو شعر) نواب احمد سعید خاں کی تعریف میں۔۱۲۔قصیدہ بائیہ (۲۹ عربی اشعار) اسلام کے عروج و زوال کے موضوع پر۔ ۱۳۔نظم دالیہ۔(۱۵ عربی اشعار) لہو لعب میں عمرِ عزیز کے ضیاع پر اور رخصتِ شباب و آغازِ کہولت پر افسوس۔۱۴۔قصیدہ لامیہ در مدحِ مولانا وزیر محمد خاں جو عصر و مغرب کے درمیان لکھا گیا (۲۰/اشعار)۔۱۵۔رباعی کے بند در نعتِ رسولِ پاک ﷺ (عربی)۔۱۶۔"قصیدہ بردہ لامیہ"،مشتمل بر ۶۲/اشعار عربی۔یہ قصیدہ حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدہ بردہ کے نہج پر اور مناجات کے انداز میں لکھا گیا ہے اور آپ کی سب سے طویل عربی نظم ہے۔

آپ کے عربی اشعار کی مجموعی تعداد ۳۷۱ ہے اور سلاست، سادگی، شگفتگی، اور جاذبیت آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔آپ کا کلام تصنع اور عیوب شعری سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم عربی شعراء کے محاسن کا حامل بھی ہے۔نمونہ کلام:۔ "نعتِ پاک"

جاء النبی بنور رب خلیقة | بل عین نور اللہ فی دین الهدیٰ
اللہ لا یرضیٰ شهادة وحدہ | حتی یقروا بالنبوة احمدا
هو شافع یوم النشور لامته | سلکوا مسلکهٗ و ما اختاروا الهویٰ

ترجمہ:۔ ا۔حضور علیہ وسلم صلی اللہ خالقِ کائنات کے نور کو لے کر آئے بلکہ دینِ ھدایت میں تو آپ عین نورِ خداوندی ہیں۔۲۔اللہ تعالیٰ کسی کی شہادتِ توحید کو بھی اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہ کیا جائے۔۳۔قیامت کے دن آپؐ اُن لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے آپ کے راستہ پر چلے اور جنھوں نے نفسانی خواہشات کی پیروی نہیں کی۔

قصیدہ لامیہ بردہ:۔

ابیت اخوض فی بحر الدموع　　　و اتقلقی علی بسط الملال

کان الدھر صیاد ظلوم　　　و انی فی الفلا مثل الغزال

بصیب السھم بعد السھم حتی　　　کانی قائماً غرض النبال

ترجمہ:۔(۱) میں اشکوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوں اور غم واندوہ کے بستر پر کروٹیں بدل رہا ہوں (۲) اور گویا زمانہ ظالم صیاد کی طرح ہے اور میں تنِ تنہا جنگلات میں ہرن کی طرح حیران وسرگرداں ہوں۔(۳) اور مجھ پر تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور گویا میں بہ حالتِ قیام (مجسمہ کی مانند) تیروں کا نشانہ بنا ہوا ہوں۔نمونہ غزل:۔

بعلمی انت یا خیر الغوانی　　　فنفسی فی لبیقلک منذ زمان

دھشت بما جرحت فلیت شعری　　　اھذا جفن طرف ام سنان

خررت بنظرۃ صعقاً کموسیٰ　　　"فھلا قلت انک لن ترانی"

ترجمہ:۔(۱) میرے علم کے مطابق تو سب سے زیادہ حسین ہے اسی لئے میرا دل عرصہ سے تیرے وصل کا متمنی ہے۔(۲) حیرت ہے کہ تو نے کس چیز سے مجھے زخمی کیا، کاش میں سمجھ سکتا کہ وہ تیرا گوشہ چشم تھا یا کوئی تیر؟"۔(۳) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک ہی نظر میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ تو نے مجھ سے پہلے یہ کیوں نہیں کہا کہ (لن ترانی) "تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا"۔ ۱۸۴

آپ نے ۱۹۸۷ء میں اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

۱۷۵۔(مولانا) وحید الزماں کیرانویؒ

۱۹۳۰۔۱۹۹۵ء

نام وحید الزماں، ابنِ مولانا مسیح الزماں ابنِ مولانا محمد اسماعیل ابنِ مولانا حسین احمد۔تاریخِ پیدائش ۷ار فروری ۱۹۳۰ء مقامِ پیدائش: قصبہ کیرانہ، ضلع مظفر نگر، اتر پردیش۔ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔آپ کی دادی نواب قطب الدین مصنف ''مظاہرِ حق'' کی پرنواسی تھیں۔ابتدائی تعلیم مدرسہ عربیہ جامع مسجد کیرانہ میں ہوئی۔۱۹۴۶ء میں بغرضِ تعلیم حیدر آباد گئے اور ایک سال قیام رہا۔۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔طالبِ علمی کے دور میں عربی زبان کی اشاعت کیلئے ''سلسلۃ الدروس العربیہ'' کے نام سے اسباق لکھ کر آویزاں کرتے تھے دار العلوم میں آنے والے عرب مہمانوں کے استقبال اور سپاس نامے وغیرہ لکھنے کا کام آپ ہی انجام دیتے تھے۔مختلف جلسوں میں عربی مقالے بھی پیش کرتے تھے۔پانچ سال تک تمام کتابوں میں اعلیٰ نمبرات اور خصوصی انعامات حاصل کیے۔اور طالبِ علمی میں جمعیۃ الطلبہ کے ناظمِ اعلیٰ بھی رہے۔

۱۹۵۶ء میں ۹/افراد پر مشتمل خیر سگالی وفد (گڈوِل مشن) سعودی عرب گیا۔آپ اس میں بحثیت ایک ترجمان ممبر کے شامل تھے۔واپسی پر محمد احمد کاظمی مرحوم ممبر پارلیمنٹ کی کتاب ''تقسیم ہند اور مسلمان'' کا ''تقسیم الهند و المسلمون فی الجمهوریة الهندیه'' کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا، اسی دوران ''القاموس الجدید'' اردو عربی ڈکشنری کی تکمیل کی۔۱۹۶۳ء میں دار العلوم دیوبند میں بحثیت استاد عربی تقرر ہوا۔۱۹۵۶ء میں سہ ماہی مجلہ ''دعوۃ الحق'' کا اجراء عمل میں آیا اور آپ کو اس کی ادارت سپرد کی گئی ۱۹۷۵ء میں عربی زبان وادب کے ساتھ حدیث کی مشہور کتابیں طحاوی شریف اور نسائی شریف کا درس بھی دیا۔دعوۃ الحق کے بند ہوجانے کے بعد پندرہ روزہ ''الداعی'' کی ادارت کچھ عرصہ سپرد رہی۔دارالعلوم میں تدریس کے دوران ''النادی الادبی'' کے نام سے طلباء کی ایک عربی انجمن قائم کی۔جس میں تقریباً تین سو طلباء وابستہ ہوکر عربی زبان کی تحریری وتقریری مشق کرتے

تھے۔اس کے تحت بہت سے قلمی پرچے بھی نکالے گئے۔

تصانیف:۔اسی عرصہ میں ''القاموس الجدید'' عربی اردو ڈکشنری اور ''القرائۃ الواضحۃ'' کے تین حصے اشاعت پذیر ہوئے۔آپ کی ''القاموس الجدید'' (عربی اردو) اور (اردو عربی) دونوں اور ''القراءۃ الواضحہ'' کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔اور آخری کتاب بہت سی یونیورسٹیوں اور دینی مدارس میں داخلِ نصاب ہوئی۔آپ جمعیۃ العلماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور اس کے پندرہ روزہ عربی اخبار ''الکفاح'' کے چیف ایڈیٹر بھی رہے۔دار العلوم دیوبند کی انتظامی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد ۱۹۸۸ء میں ''دار المؤلفین'' کے نام سے ایک علمی ادارہ قائم کیا اسی ادارہ سے 'القاموس الاصطلاحی' اردو عربی، اور 'القاموس الاصطلاحی' عربی اردو، کے نام سے اپنی دونئی ڈکشنریاں شائع کیں

زندگی کے آخری سالوں میں آپ نے ایک ضخیم اور مفصل عربی اردو ڈکشنری پر کام شروع کیا جس کی تالیف میں مصر سے شائع شدہ مستند ڈکشنری 'المعجم الوسیط'' کو بنیاد بنا کر دیگر متداول لغات کو بھی پیشِ نظر رکھا۔مختلف عوارض اور مصروفیات کے باوجود آپ نے اس صبر آزما کام کو جاری رکھا۔اور بالآخر اسے مکمل کر کے ہی دم لیا۔لیکن وقت نے اتنی مہلت نہ دی کہ اس کی طباعت واشاعت آپ کی زندگی میں مکمل ہو پاتی۔بڑے سائز کے تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر محیط یہ عظیم ڈکشنری کتابت اور تصحیح کے مراحل میں ہے اور توقع ہے کہ بہت جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آجائیگی۔مولانا کی دوسری ڈکشنریاں اپنی غیر معمولی افادیت ومقبولیت اور انفرادیت کے باوجود اصلاً طلبہ مدارس کی ضروریات کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں اور ان میں عربی کے نئے الفاظ واصطلاحات یا قدیم الفاظ کے نئے معانی ومفاہیم کی شمولیت پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔اس لئے قدرتی طور پر ان کا حجم کم تھا۔لیکن یہ ڈکشنری جس کا نام ''القاموس الوحید'' ہے انتہائی تفصیلی انداز میں مرتب کی گئی ہے۔جس میں عربی کے تمام متداول الفاظ واصطلاحات کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اور اس کی تالیف میں طلبہ کے ساتھ ساتھ عربی سے تعلق رکھنے والے ہر طبقہ کی ضرورتوں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے توقع ہے کہ یہ ڈکشنری اپنی اشاعت کے بعد

برِ صغیر میں عربی زبان وادب کے فروغ کی راہ میں ایک سنگِ میل ثابت ہوگی اور ہر عربی داں کی ایک ناگزیر ضرورت بن جائیگی۔ مولانا کی ایک اور اہم تصنیف ''نفحۃ الادب'' ہے جو دار العلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کی تجویز پر عربی درجہ سوم کے طلبہ کیلئے ''نفحۃ الیمن'' کے متبادل کے طور پر مرتب کی گئی تھی۔ عربی حکایات وامثال پر مشتمل یہ کتاب دار العلوم کے علاوہ بہت سے دینی مدارس میں بھی داخلِ نصاب ہے۔ آپنے آخری ایام میں قرآنِ پاک کا اردو ترجمہ بھی شروع فرمایا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور ایک مہینہ کی شدید علالت کے بعد ۱۵/اپریل ۱۹۹۵ء کو شام ساڑھے سات بجے دہلی میں وفات پائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی خدمات کا دائرہ علم وادب، تعلیم و تربیت، تصنیف وتالیف، اور ملی خدمات کے مختلف میدانوں تک پھیلا ہوا ہے۔ بحیثیت مدرس دار العلوم دیوبند میں عربی زبان وادب کی تدریس کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بحیثیت ناظم و نگراں، حسنِ قیادت، حسن انتظام، منصوبہ بندی، نظم وضبط، محنت وسلیقہ اور انقلابی جدوجہد کے ذریعہ دار العلوم دیوبند کے چپہ چپہ پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ بحیثیت مصنف آپکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آپ کی تصنیفات ہر طالب علم اور مدرس کی ضرورت اور اسلامی لائبریری کی زینت ہیں۔ مؤسس ومعتمد دار المؤلفین کی حیثیت سے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کرنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ بحیثیت ایڈیٹر الداعی والکفاح اور دعوۃ الحق آپ کا منفرد اندازِ تحریر وتنقید تھا۔ خانگی زندگی میں ان کا نظم و سلیقہ، مہمان نوازی، صفائی معاملات، اوقات کی پابندی، پورے خاندان پر نگاہ اور سب کی ضرورتوں کے لئے فکرمندی ایسی خصوصیات ہیں جو سب کی سب بیک وقت کم لوگوں میں ملتی ہیں۔ ۱۸۵

☆☆

''حواشی باب پنجم''

۱۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند (دوم) / سید محبوب رضوی، ص ۱۰۳۔۱۰۵

۲۔ ماہنامہ ''اردو بک ریویو'' نئی دہلی / مدیر محمد عارف اقبال (شمارہ جنوری، فروری ۲۰۰۳)، ص ۶۵۔

۳۔ حیاۃ حافلۃ بالعطاء / بدر الحسن قاسمی ''البعث الاسلامی مفکر اسلام نمبر، لکھنو۔

۴۔ دیکھئے ''شخصیت کے عناصر ترکیبی'' / مولانا سید سلیمان حسنی ندوی (ماہنامہ ''بانگِ درا'' لکھنو۔ مئی جون جولائی ۲۰۰۰ مفکر اسلام نمبر) ص ۱۷۔۱۹۔

۵۔ دیکھئے ''تعمیرِ حیات'' ''مفکر اسلام نمبر ص ۲۵۹ لکھنو۔

۶۔ ''مفکر اسلام ایک نظر میں'' معید اشرف ندوی 'تعمیر حیات' کا مفکر اسلام نمبر (جولائی اگست ۲۰۰۱ء)

۷۔ ''میر کارواں'' از عبداللہ عباس ندوی، ص ۳۶۷۔۴۳۲۔ مزید دیکھئے: 'بانگِ درا' مفکرِ اسلام نمبر۔ مجلہ ''ثقافۃ الہند'' (عربی) خاص نمبر / مدیر ضیاء الحسن ندوی۔ عربی مجلہ ''البعث الاسلامی'' خاص نمبر / مدیر: مولانا سعید الرحمن الاعظمی ندوی۔ وغیرہ۔

۸۔ مقدمہ روائق الاعلاق / ابو محفوظ الکریم معصومی (مدرسہ عالیہ کلکتہ) ص ۲۸۔۲۹

۹۔ نقش سالانہ ۔ اعظم گڈھ۔

۱۰۔ معارف اعظم گڈھ ۱۹۶۱ شمارہ ۵، جلد ۶۱۔

۱۱۔ ترجمان، دہلی سعود نمبر (۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء)، نزہہ ۸/۵۰۲، حیاۃ العلماء، ص ۱۳۹۔

۱۲۔ تذکرہ علماء امروہہ / مولانا سید شہسوار (آشیانہ شہباز محلہ چاہ غوری امروہہ ۲۰۰۳) ص ۴۲۔۴۳۔

۱۳۔ مضمون ماہنامہ ''بانگِ درا'' / دانش اختر (لکھنو)

۱۴۔ احوال وآثار۔ ص ۱۴۹۔ آج کل، آزاد نمبر۔

۱۵۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت / ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری۔ ص ۱۸۳۔ بحوالہ: مولانا ابوالکلام آزاد ایک نابغہ روزگار شخصیت'' / محمد اسحاق بھٹی ص ۶۶۔۶۸۔

۱۶۔ ہندوستان کے اردو مصنفین اور شعراء / گوپی چند نارنگ وعبداللطیف اعظمی (اردو اکیڈمی دہلی

۱۹۹۶ء) ص۶۰۲-۶۰۳۔

۱۷ و ۱۸ پرانے چراغ ،/مولانا علی میاںؒ۔ ص۳/ ۲۲۷

۱۹ حسب مکتوبِ گرامی بنام احقر

۲۰ الترجمۃ العربیۃ فی الھند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ خاں (جامعہ ملیہ نئی دہلی) ص ۸۸۱-۸۹

۲۱ ماہنامہ جامِ نور دہلی کا رئیس القلم نمبر ص ۴۵۔

۲۲ تذکرہ علماءِ اعظم گڈھ/ حبیب الرحمن قاسمی (جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۷۶ء) ص۵۵-۵۹

۲۳ الترجمۃ العربیۃ فی الھند منذ استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ ڈاکٹر حبیب اللہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی) ص ۲۲۷

۲۴ دیکھئے: "تاریخِ شاہی "ندائے شاہی" کی خاص اشاعت (نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء/ جمادی الاولیٰ و جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ)/ مرتب محمد سلمان منصور پوری (جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراداباد ۱۹۹۲ء)، ص ۵۷۵-۵۸۰)۔

۲۵ الترجمۃ العربیۃ فی الھند منذ استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۲۰۰۱ء) ص ۲۲۳-۲۲۶)

۲۶ مقدمۃ نفحۃ العرب، ہندو پاک میں عربی ادب، ص ۱۰۶-۱۰۷۔ حالات المصنفین وتذکرۃ الفنون /محمد عثمان معروفی۔ ص ۱۳۵-۱۳۸۔

۲۷ "اسلامی علوم میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ"/ مقتدی حسن ازہری (جامعہ سلفیہ بنارس۔ اپریل ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۴۔ اور "ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء"/ پروفیسر محمد یونس نگرامی مرحوم۔ ص ۸۷

۲۸؎ دیکھیں: ماہنامہ العلم کراچی اپریل تا جون ۱۹۸۲ء ص ۴۶۔۴۹۔قومی زبان کراچی، جولائی ۱۹۸۱ء ،'عرشی صاحب کی یاد میں' ص ۱۶۔۲۱۔ "نذر عرشی" مرتبہ مالک رام ومختار الدین احمد، مضمون "نگارشات عرشی" از اکبر علی خاں (مجلس نذر عرشی دہلی ۱۹۶۵ء)۔

۲۹؎ دیکھیں:۔ "الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد الاستقلال" / حبیب اللہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۱۳۰۔۱۳۲۔

۳۰؎ سوانح حضرت جی ثالث / سید محمد شاہد سہارنپوری۔ "احوال وآثار" حضرت جی نمبر، / نور الحسن راشد کاندھلوی۔

۳۱؎ "چند مصری ناول اور افسانے: ایک تحقیقی مطالعہ" / از صاحب تذکرہ۔ اور "یادوں کی نگری" از صاحب تذکرہ۔

۳۲؎ محسن شخصیات / محمد اسلام انصاری ص ۲۲۲۔۲۲۳۔

۳۳؎ نزہۃ الخواطر ۸/ ۹۵۔۹۶۔

۳۴؎ حسب اطلاع مولانا ضیاء الدین اصلاحی مدیر "معارف" اعظم گڈھ۔

۳۵؎ الترجمۃ العربیۃ فی الہند منذ استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م / د۔حبیب اللہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۱۳۲

۳۶؎ براہ راست حاصل کردہ معلومات۔

۳۷؎ براہ راست حاصل کردہ معلومات۔

۳۸؎ تاریخ دار العلوم دیوبند دوم، ص ۱۲۴۔۱۲۶۔

۳۹؎ براہ راست لی گئی معلومات)

۴۰؎ براہ راست لی گئی معلومات

۴۱؎ دیکھئے ''الداعی'' کا اجلاسِ صد سالہ نمبر (المجاھد الباسل) / مختار سعید مہاراشٹری ص ۶۵-۶۶-
تاریخ دار العلوم دیوبند، دوم / محبوب رضوی، ص ۸۲-۸۴

۴۲؎ نجوم الارض / سید محمد رضوی گوپال پوری (پٹنہ ۲۰۰۳) ص ۵۸-

۴۳؎ الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۲۸-

۴۴؎ الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۲۷-۲۲۸

۴۵؎ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۴۶؎ معارف (اعظم گڈھ)، جنوری ۲۰۰۲ء / ''ڈاکٹر خورشید احمد فارق'' از پروفیسر مختار الدین احمد ص ۷۳-۷۷-

۴۷؎ نجوم الارض / سید محمد رضوی گوپال پوری ص ۶۷-۶۹

۴۸؎ براہِ راست حاصل کردہ معلومات

۴۹؎ تذکرہ علماءِ امروہہ / سید شہسوار حسین (امروہہ ۲۰۰۳ء) ص ۱۵۱-۱۵۲-

۵۰؎ الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۲۸-

۵۱؎ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۵۲؎ نجوم الارض / سید محمد رضوی گوپال پوری ص ۷۶-۷۸

۵۳؎ تاریخ دار العلوم دیوبند، دوم / سید محبوب رضوی، ص ۱۵۷-۱۶۰-

۵۴؎ نقش، سالانہ۔ اعظم گڈھ۔

۵۵ دیکھئے مجلّہ ''الداعی'' کا شمارہ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ/فروری ۲۰۰۳/نور عالم خلیل امینی۔ جلد ۲۶ شمارہ ۱۲ ص ۴۳۔۴۴۔

۵۶ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۵۷ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۵۸ الترجمۃ العربیۃ فی الھند بعد استقلالھا حتی عام ۱۹۹۰م/حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۲۹۔۲۳۰

۵۹ نزہۃ الخواطر ص ۸/۱۶۳۔۱۶۸

۶۰ تاریخِ دارالعلوم دیوبند، دوم/سید محبوب رضوی۔ ص ۲۳۹۔۲۴۴

۶۱ براہِ راست لی گئی معلومات

۶۲ براہِ راست لی گئی معلومات

۶۳ البعث الاسلامی، (لکھنو ستمبر اکتوبر ۲۰۰۲ء) ص ۹۳۔۹۴۔ و ذاتی معلومات۔

۶۴ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۶۵ براہِ راست لی گئی معلومات

۶۶ الترجمۃ العربیۃ فی الھند بعد استقلالھا حتی عام ۱۹۹۰م/د۔ حبیب اللہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۱۸۹۔۱۹۱۔

۶۷ ''نقش'' سالانہ۔ مدرسۃ الاصلاح۔ اعظم گڈھ۔

۶۸ الترجمۃ العربیۃ فی الھند بعد استقلالھا حتی عام ۱۹۹۰م/د۔ حبیب اللہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۱۹۹۷ء)

۶۹ تذکرہ علماء اعظم گڈھ/حبیب الرحمٰن قاسمی (بنارس ۱۹۷۶ء) ص ۱۲۲۔۱۲۵

۷۰ ماہنامہ ''ترجمانِ دارالعلوم دیوبند''، (دہلی، فروری ۲۰۰۳ء) /مضمون عمید الزماں کیرانوی۔ و

ماہنامہ ''الفرقان'' مارچ ۲۰۰۳ء/عتیق الرحمن سنبھلی۔

۷۱ ماخوذ از مکتوبِ گرامی بنام احقر

۷۲ سہ ماہی نوائے طب وصحت، الہ آباد۔ مدیر: محمد عرفان نجف علیمی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء ص ۲۔۷

۷۳ تذکرہ علماءِ امروہہ/مصباح احمد صدیقی (امروہہ ۲۰۰۳) ص ۲۱۴

۷۴ ملت اسلام کی محسن شخصیات/محمد اسلام انصاری (میرٹھ ۱۹۹۹ء) ص ۲۰۸۔۲۰۹۔

۷۵ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۱۹۹۷ء)

۷۶ تذکرہ علماءِ امروہہ/سید شہسوار حسین نقوی (امروہہ)

۷۷ حیات مصنف/مختار الدین احمد آرزو (ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ۳۲۳۔ مئی ۱۹۹۳ء)

۷۸ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۱۳۵

۷۹ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۸۰ میرِ کارواں/ از عبداللہ عباس ندوی (مجلس تحقیقات۔ لکھنؤ ۲۰۰۱ء) ص ۳

۸۱ نزہہ (۸/۲۹۷۔۲۹۸)

۸۲ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۰۱۔۲۰۲

۸۳ ندائے شاہی کا تاریخ شاہی نمبر (جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نومبر دسمبر ۱۳۹۲ھ) ص ۳۴۳۔۳۴۶۔

۸۴ نجوم الارض/سید محمد رضوی گوپالپوری (پٹنہ ۲۰۰۳ء) ص ۹۲۔۹۴

۸۵۔ مساھمۃ دارالعلوم بدیوبند فی الادب العربی/د۔زبیر احمد فاروقی (نئی دہلی)

۸۶۔ الترجمۃ العربیۃ فی الھند بعد استقلالھا حتی عام ۱۹۹۰م/حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷) ص ۱۹۱۔۱۹۴

۸۷۔ رضا لائبریری جرنل ۴۔۵۔ (رامپور ۱۹۹۹ء) ص ۲۱۱۔۲۱۶

۸۸۔ ذاتی معلومات۔مزید تفصیل کے لئے دیکھیں تذکرہ علماء امروہہ/مصباح احمد صدیقی (امروہہ ۲۰۰۳ء) ص ۲۲۹۔۲۳۰

۸۹۔ ذاتی معلومات۔مزید تفصیل کے لئے دیکھئے" اردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات/علی شیر (کلکتہ ۱۹۹۸ء) ص ۵۰۸۔۵۰۹

۹۰۔ عربی زبان وادب میں روہیلکھنڈ کا حصہ/ابوسعد اصلاحی (رامپور رضا لائبریری ۲۰۰۴)۔(اور براہ راست اخذ کردہ معلومات)۔

۹۱۔ بیسویں صدی، نصفِ اوّل کے اردو مصنفین/سنجیدہ خاتون

۹۲۔ نزہہ ص ۸/۲۵۲

۹۳۔ نزہہ ۸/۲۵۳۔۲۵۶

۹۴۔ تذکرہ علماء اعظم گڈھ/حبیب الرحمن قاسمی (بنارس ۱۹۷۶ء) ۱۶۲۔۱۶۴

۹۵۔ علوم اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ/مقتدیٰ حسن ازہری (بنارس ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۳۔و تاریخ ادبیات ہندوستان وپاکستان، ص ۴۱۴۔۴۱۵

۹۶۔ علوم اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ/مقتدیٰ حسن ازہری (بنارس ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۴۔

۹۷۔ نزہہ ۸/۲۸۳۔۲۸۴۔ وتاریخ شاہی نمبر "ندائے شاہی" (جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد ۱۹۹۲ء) ص ۵۳۱۔

۹۸۔ دیکھئے: تذکرہ علماء اعظم گڈھ/حبیب الرحمن قاسمی (بنارس ۱۹۷۶ء) ص ۱۸۱۔۱۹۰

۹۹ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۰۰ الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۱۱۳

۱۰۱ مقدمہ "الافادات العمانیہ فی حل اللغات القرآنیہ"/ عبدالوحید نوری (بہرائچ ۱۹۹۸ء)۔

۱۰۲ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۰۳ الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۰۲۔۲۰۴۔

۱۰۴ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۰۵ دیکھئے تذکرہ علماء اعظم گڈھ/ حبیب الرحمن قاسمی (بنارس ۱۹۷۶ء) ص ۲۱۵۔۲۲۰۔

۱۰۶ الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۳۵۔۲۳۶۔

۱۰۷ الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م/ حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۳۸۔ ۲۳۹۔

۱۰۸ تمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء/ علیم صبا نویدی (مدراس ۱۹۹۶ء۔ ص ۱۷۳۔۱۷۵

۱۰۹ براہِ راست لی گئی معلومات پرمبنی

۱۱۰ تاریخِ شاہی نمبر 'ندائے شاہی' (جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراداباد ۱۹۹۲ء) ۳۲۹۔۳۴۱، وحیات فخر الاسلام، حضرت شیخ الحدیث اور انکے خلفاءِ کرام

۱۱۱ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۱۲ "ترجمانِ دارالعلوم" نئی دہلی، دسمبر ۲۰۰۲ء/ نور عالم خلیل امینی۔ ص ۴۹۔۵۰

۱۱۳ الترجمة العربية فی الهند بعد استقلالها حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص

۱۹۴۔۱۹۵

۱۱۴ تذکرہ علماءِ امروہہ/ مولانا سید شہسوار حسین (وظیفہ سوسائٹی امروہہ، دہلی ۲۰۰۳ھ ص ۱۳۴۔۱۳۶

۱۱۵ دیکھئے "تمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء/ علیم صبا نویدی (مدراس ۱۹۹۶ء) ص ۱۶۰

۱۱۶ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۱۷ تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم/ سید محبوب رضوی۔ ص ۸۱

۱۱۸ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۱۹ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۱۳۹

۱۲۰ آفس اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا (راشٹریا سہارا، نئی دہلی) ۱۴راپریل ۲۰۰۲ء اتوار۔

۱۲۱ آفس اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا (راشٹریا سہارا، نئی دہلی ۱۴راپریل ۲۰۰۲ء اتوار۔

۱۲۲ حسب مکتوب گرامی بنام راقم الحروف

۱۲۳ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔ حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء)

۱۹۵۔۱۹۶

۱۲۴ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۲۵ ان پر مولانا عنایۃ اللہ سبحانی کی کتاب "شیدائے قرآن" جو مکتبہ ذکری رامپور سے چھپی ہے دیکھی جاسکتی ہے۔

۱۲۶ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۲۷ "تذکرہ علماءِ اعظم گڈھ"/ حبیب الرحمن قاسمی۔ ص ۲۴۸۔ "معارف" شمارہ دسمبر ۱۹۷۵ء۔ "تذکرہ علماءِ مبارکپور ص ۲۴۸

۱۲۸ تاریخ دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۔۱۳۸۔ اور "تذکرۃ المصنفین والمؤلفین" ص ۲۳۱۔۲۳۲۔

۱۲۹ رسالہ النور، تھانہ بھون، حیاتِ اسعد/نسیم احمد غازی (مرادآباد ۱۹۸۶ء)۔

۱۳۰ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۳۱ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/حبیب اللہ (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۱۴۱

۱۳۲ پرانے چراغ حصہ دوم/حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص ۲۵۶۔۲۵۷۔اس کے علاوہ مزید حالات کیلئے دیکھیں "تذکرہ مولانا محمد اویس نگرامی ندوی" اور ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء/محمد یونس نگرامی ندوی ابنِ مولانا محمد اویس نگرامی مرحوم۔ص ۸۱۔۸۵

۱۳۳ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۳۴ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۳۵ (الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد الاستقلال حتی عام ۱۹۹۰م (جامعہ ملیۃ اسلامیہ نئی دہلی ۱۹۹۷ء) حبیب اللہ خاں، ص ۲۳۷

۱۳۶ براہِ راست لی گئی معلومات۔

۱۳۷ الاسلام الممتحن /محمد الحسنی (رائے بریلی ۱۹۹۷ء) اور "عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء" /پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی مرحوم ص ۲۴۰

۱۳۸ پندرہ روزہ دیواری پرچہ "الحیات" /مدیر: راقم الحروف (مدرسہ حیات العلوم مرادآباد ۱۹۸۱ء) کا "حیات نمبر"۔

۱۳۹ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۴۰ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔حبیب اللہ خاں (نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔

۱۴۱ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م/ د۔حبیب اللہ خاں (نئی دہلی ۱۹۹۷ء) ص ۲۳۷

۱۴۲؎ تفصیل کیلئے دیکھیں: 'سوانح حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلویؒ'' / حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنو ۱۹۸۲ء)

۱۴۳؎ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔ ص ۱۹۹۔۲۰۰

۱۴۴؎ دیکھئے ''تذکرہ علماء اعظم گڈھ'' / حبیب الرحمن قاسمی۔ ص ۲۶۴۔۲۶۶۔

۱۴۵؎ ''کشکول'' / مفتی شفیعؒ۔ بحوالہ ''میرے والد میرے شیخ'' / مفتی محمد تقی عثمانی ص ۲۳۔۲۴۔

۱۴۶؎ تذکرہ علماءِ امروہہ / مولانا سید شہسوار حسین (دہلی ۲۰۰۳ء) ص ۱۶۳۔۱۶۵

۱۴۷؎ تمل ناڈو کے صاحب تصنیف علماء / علیم صبا نویدی (مدراس ۱۹۹۶ء) ص ۱۷۵۔۱۷۶

۱۴۸؎ آپ کے مفصل حالات، آخری ایام، وفات وجنازہ کی تفصیلات کیلئے دیکھیں 'حیات صدیق' / محمد زید مظاہری ندوی۔

۱۴۹؎ براہ، راست لی گئی معلومات

۱۵۰؎ تاریخِ دارالعلوم دیوبند / سید محبوب رضوی دیوبند ۱۹۷۸ء) ص ۱۳۳۔۱۳۶۔ اور۔ ۲۳۵۔۲۳۹

۱۵۱؎ سراج الفقیہ (مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۳۷۵ھ) اور 'الاستفسار فی نجاسۃ المشرکین والکفار' بحوالہ ''کشور اولیاء امروہہ'' / احمد حسین صدیقی (کراچی)۔ ص ۳۵۔

۱۵۲؎ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔ ص ۲۰۰۔

۱۵۳؎ براہ راست لی گئی معلومات

۱۵۴؎ براہ راست لی گئی معلومات

۱۵۵؎ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (نئی دہلی

۱۹۹۷ء)۔ص ۲۱۳۔

۱۵۶۔ اس دور کی تفصیلات کے لئے دیکھیں ''میری طالب علمی'' مطبوعہ ''الفرقان''، لکھنو۔

۱۵۷۔ [تمام تفصیلات کیلئے دیکھیں: الفرقان کا ''بانی الفرقان نمبر ص ۶۵۷۔ ۶۶۰۔ اور ص ۴۰۔ ۱۵۰ اور سوانحی حالات کیلئے دیکھیں خودنوشت سوانح بعنوان 'تحدیثِ نعمت'/ از حضرت مولانا نعمانیؒ [صاحب تذکرہ]۔ نیز احقر کا مضمون ''حضرت ابیؒ کی خدمت میں دس سال'' مشمولہ الفرقان (اکتوبر ۱۹۹۸ء) ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۸۔ دیکھئے: ''تاریخِ شاہی (ندائے شاہی کی خاص اشاعت) نومبر دسمبر ۱۹۹۲ء۔ جمادی الاولیٰ و جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ/مرتب: محمد سلمان منصور پوری۔ (جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراداباد)، ص ۳۸۳۔ ۴۰۲۔

۱۵۹۔ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۶۰۔ مزید دیکھیں: ترجمانِ دارالعلوم دیوبند/عمید الزماں قاسمی کیرانوی (دہلی۔ فروری ۲۰۰۳ء) ص ۴۶۔ ۴۷۔

۱۶۱۔ ''تذکرہ علماءِ اعظم گڈھ''/ حبیب الرحمن قاسمی۔ ص ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ و تذکرہ علماءِ مبارکپور ص ۲۶۱

۱۶۲۔ تذکرہ علماءِ امروہہ/ مصباح احمد صدیقی (امروہہ ۲۰۰۳ء) ص ۲۳۲۔ ۲۳۳

۱۶۳۔ دیکھئے مقدمہ عربی ''حیاۃ الصحابہ'' جلد اول محشی مولانا محمد الیاس بارہ بنکوی (تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۲ء ملت پریس دودھ پور علی گڈھ) ص ۹۔ ۱۴۔

۱۶۴۔ دیکھئے: معجم المطبوعات العربیہ فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ'' (ریاض ۲۰۰۰) د۔ احمد خاں ص ۴۶۳، و ممتاز علماء / یونس نگرامی (ص ۲۳۴)۔

۱۶۵۔ تعارفی نوٹ ''ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء'' ص ۱۷۔ ۱۸

۱۶۶ ''نیا دور'' لکھنو، مارچ ۲۰۰۲ء ص ۳۷/ حسین امین۔ مضمون ''پروفیسر محمد یونس نگرامی''

۱۶۷ دیکھیے ''نذرِ مختار'' مالک رام، مکتبہ جامعہ نئی دہلی۔ اور (۲) 'مختار نامہ' / عطا خورشید علی گڈھ (۳) معلومات براہِ راست حاصل کی گئی ہیں۔

۱۶۸ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۶۹ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔ ص ۲۰۴۔۲۰۶

۱۷۰ یادِ رفتگاں / ماہر القادری (مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۹۲ء) ص ۳۱۰

۱۷۱ ہندوپاک میں عربی ادب / اقبال احمد سلفی (جامعہ اسلامیہ بنارس) ص ۱۱۰۔

۱۷۲ دیکھیں: ڈاکٹر مشیر الحق: شخصیت اور فکری بصیرت / پروفیسر شاہ عبد السلام (دہلی ۱۹۹۴ء)

۱۷۳ تذکرہ علماءِ امروہہ / سید شہسوار حسین امروہوی (امروہہ ۲۰۰۳ء) ص ۱۸۹۔۱۹۱۔

۱۷۴ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔ ص ۲۲۱۔۲۲۲

۱۷۵ الترجمۃ العربیۃ فی الہند بعد استقلالہا حتی عام ۱۹۹۰م / د۔ حبیب اللہ خاں (نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔ ص ۱۱۸۔۱۲۲

۱۷۶ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۷۷ تاریخ دار العلوم دیوبند، دوم / سید محبوب رضوی۔ ص ۲۵۷۔۲۵۸

۱۷۸ (دیکھیے ''در مدحِ خود می سرائم / نثار احمد فاروقی (تلخیص ماہنامہ انشاء، کلکتہ۔ نثار احمد فارقی نمبر، ستمبر اکتوبر ۲۰۰۲ء (مدیر ف س اعجاز۔)۔ (۲) رسالہ ''کتاب نما'' دہلی کا نثار فاروقی نمبر،

۱۷۹ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۸۰؎ دیکھئے: ''الفرقان فریدی نمبر'' (لکھنو ۱۴۰۹ھ) ص۵۴۔۷۷ و(۲) دیکھیں: ''فیضانِ نسیم'' / از خادم خاص مولانا محب الحق امروہوی''۔

۱۸۱؎ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۸۲؎ براہِ راست لی گئی معلومات

۱۸۳؎ دیکھئے: آپ کے صاحب زادے 'ذکی نورندوی' کی اپنے والد ماجد پر تازہ کتاب ''نقوشِ نور' (مکتبہ نور، مکارم نگر، لکھنو)۔

۱۸۴؎ یادِ وجیہ/ ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی (مکتبہ وزیریہ رامپور ۱۹۹۱ء) ص۱۴۳۔۱۴۴۔

۱۸۵؎ مولانا وحید الزماں کیرانوی اخبار ورسائل کے آئینہ میں/ مرکزی جمعیۃ علماءِ ہند (خراجِ عقیدت ابناءِ قدیم دار العلوم) ص۸۵۔۹۰۔

☆☆☆☆☆

باب ششم: حاصلِ مطالعہ

گذشتہ مباحث پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آزاد ہندوستان میں عربی میں ہر موضوع پر تصنیف وتالیف کا اتنے وسیع پیمانے پر کام ہوا ہے جس کا احاطہ کرنا اس ایک مقالہ میں تقریباً ناممکن ہے آزادی کے بعد وفات پانے والے علماءِ کرام وادباء میں ایک بڑی تعداد ان مصنفین کی ہے جو کثیر التصانیف ہیں اور جن کا اوڑھنا بچھونا عربی زبان رہی ہے۔ یا جنھوں نے کم وبیش ایک درجن یا اس سے زیادہ عربی کتابیں تصنیف کی ہیں یا عربی کتابوں کے علاوہ بیشمار مقالات ومضامین کا مستقل سلسلہ ان کے قلم سے جاری رہا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری، اور قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ، پروفیسر محمد اجتباء ندوی، مولانا محمد اجمل اصلاحی، قاضی اطہر مبارکپوری، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا فخر الدین مرادابادی فخر المحد ثین، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ شیخ الحدیث، ضیاء الدین ضیاء فریدی، مولانا ظفرالدین قادری رضوی، عبداللہ عباس ندویؒ، شریف مصطفیٰ آبادی، یوسف کوکن عمری، پروفیسر نثار احمد فاروقی، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنیؒ، مفتی محمد سعید پالن پوری، مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانویؒ وغیرہ عربی کے عظیم مصنفین میں شامل ہیں۔

آزاد ہندوستان کے عربی ادب کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آزادی کے بعد وفات پانے والے علماءِ کرام وادباء کی عربی نگارشات ہر موضوع پر بہت زیادہ ہیں۔ جن میں بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو واقعی امہات الکتب کے درجہ میں رکھے جانے کی مستحق ہیں۔ یا بعض وہ ہیں جو اپنے فن میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً علمِ تفسیر میں مولانا امتیاز علی عرشی کی ''تفسیرِ ثوری'' نہایت اہم کتاب ہے۔ امام سفیان ثوریؒ کی تفسیر کا گیارہ ورق پر مشتمل ایک مخطوطہ رضا لائبریری میں

موجود تھا جس کو عرشی مرحوم نے بڑی دیدہ ریزی سے ایڈٹ کیا تھا اور ۴۰ صفحات کا اس پر مقدمہ لکھا تھا۔ ۴۸۵ اوراق پر مشتمل یہ ضخیم کتاب رضا لائبریری سے شائع ہو کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ خود عالمِ عرب کے علماء وفضلاء نے اس کے طرزِ تحقیق کی تحسین کی ہے۔

اسی طرح اقبال احمد عمری اعظمی کی ''تفسیراتِ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ'' ہے جو تفسیر ابنِ قیم کے نہج پر ابنِ تیمیہؒ کی کتابوں سے جمع کردہ تفسیروں کا مجموعہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' بھی اہم ہے۔

علمِ حدیث میں اہم کتابوں میں، مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی ''اعلاء السنن'' جو بیس جلدوں میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے ان تمام حدیثوں کو جمع کر دیا ہے جن سے فقہ حنفی ماخوذ ہے۔ اسی طرح مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کی ''مصنف عبدالرزاق'' (المجلس العلمی کراچی ۱۹۷۲ء) ہے جو گیارہ ضخیم جلدوں میں احادیث کا مجموعہ ہے۔ بہت مشہور کتاب ہے۔ علی احمد کوریا پاری سرائے میری کی ''شرح کتاب الایمان للصحیح المسلم'' بڑی تقطیع میں تقریباً چار سو صفحات پر یہ شرح مکمل ہوئی ہے۔ اس میں مولانا نے تمام اہم اور مشکل مباحث پر سیر حاصل بحث کی ہے اور تمام مشکلات کو حل کر دیا ہے۔ اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ''اوجز المسالک'' ہے جو طویل عرصہ کے انہماک، مطالعہ وتحقیق کے بعد مرتب ہوئی ہے۔ یہ چھ ضخیم جلدوں میں مؤطا امام مالک کی شرح ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں تیس سال سے زائد صرف ہوئے۔ اوجز کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں فن حدیث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ پھر کتاب اور صاحبِ کتاب امام مالک کا مکمل تعارف اور ان دونوں کی خصوصیات وامتیازات کا مفصل تذکرہ ہے۔ نیز اس کے شروح اور عہد بہ عہد خدمات اور اس کے ساتھ امت کے اعتناء کا بیان ہے۔ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی ''حیات الصحابہ'' تین جلدوں میں ایک عجیب وغریب بے مثال تصنیف ہے جو دعوت وتبلیغ اور احیاءِ امت جیسے مقاصد کے پیشِ نظر لکھی گئی ہے۔ اس کو حدیثی ادب، سوانحی ادب، تاریخی ادب، اور تذکرہ نگاری کا بھی شاہکار ماننا پڑیگا۔ اس کے

علاوہ علمِ حدیث میں ہی شبیر احمد عثمانیؒ کی ''فتح الملہم''، مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ کی ''قلائد الازھار' شرحِ معانی الآثار للطحاویؒ'' (مکمل چھ جلدیں)، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی ''التعلیق الصبیح'' شرحِ مشکوٰۃ شریف (آٹھ جلدیں)، ابوسحبان روح القدس کی ''روائق الاعلاق''، ضخیم اور اہم ترین کتابیں ہیں۔ مولانا محمد میاں دیوبندیؒ کی ''مشکوٰۃ الآثار'' داخلِ نصاب ہے۔ اسی طرح مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی ''الفیۃ الحدیث'' بھی مدارس دینیہ میں پڑھائی جاتی ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی ''لامع الدراری'' جو اصلاً حضرت گنگوہیؒ کی تقریراتِ بخاری اور مولانا محمد یحییٰؒ کے حواشی کا مجموعہ ہے۔ شیخ کے اضافوں اور تشریحات کی وجہ سے حدیث کے طالب علموں اور مدرسین کے لئے معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ بن گیا ہے۔ اس سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کی قدر اہل درس ہی کر سکتے ہیں۔ کتاب کے شروع میں ۱۵۲ رصفحات کا مقدمہ ہے جس میں صحیح بخاری کے مختلف گوشوں پر مبسوط کلام ہے یہ مقدمہ طالبین حدیث اور علماء کیلئے ایک اچھی بیاض اور علمی کشکول بن گیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کی ''حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ'' بھی ایک نادر تصنیف ہے جس میں حجۃ الوداع میں آنے والے مقامات کی تشریح وتعیین، عمراتِ نبوی کی بحث، ان کی تعداد کی تحقیق اور ان سے فقہی احکام کا استخراج بھی فرمایا۔ احکامِ شریعت کے اسرار ورموز پر شاہ ولی اللہؒ کی شاہکار ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی مکمل شرح ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' کے نام سے مفتی سعید احمد پالن پوری نے ابھی حال ہی میں تصنیف فرمائی ہے اور تازہ اطلاع کے مطابق یہ اہم کتاب زیورِ طبع سے بھی آراستہ ہو چکی ہے۔

علم فقہ کے میدان میں قاضی مجاہد الاسلام کا زبردست کام ہے اور آزادی کے بعد فقہ میں عربی لکھنے والے تمام مصنفین پر ان کو سبقت حاصل ہے۔ نظامِ قضا کا احیاء جو اُن کا مشن تھا' وہی زیادہ تر ان کے قلم کی جولانگاہ بھی تھا۔ اس سلسلہ میں ان کی بڑی تعداد میں عربی کتابیں ہیں۔ مثلاً ''عنوان القضاۃ'' چار جلدوں میں ایڈٹ کی۔ ''الوقف''، ''نظام القضاء فی الاسلام''، ''قضایا فقہیہ معاصرۃ''، ''دراسۃ فقہیہ''، ''بحوث فقہیہ''، ''فقہ المشکلات''، ''الذبائح'' اہم عربی تصانیف ہیں۔ اسی کیساتھ ساتھ

فقہی انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ ''الموسوعۃ الفقہیہ'' نام سے ۴۰ جلدوں میں مکمل کرایا ہے۔ اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہونچانا آپ ہی جیسی عظیم شخصیت کی ہمت تھی۔ ''اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں''۔ [1]

نیز سوال وجواب کی شکل میں اصولِ فقہ کی مشہور درسی کتاب ''نورالانوار'' کے مشکل مقامات کا بہترین حل مولانا محمد شریف مصطفیٰ آبادی نے پیش کیا ہے۔ جو ''سوال وجوابِ نورالانوار'' کے نام سے آسان عربی میں لکھی گئی ایک اچھی کوشش ہے۔

علمِ لغت کے میدان میں اس پورے عرصہ میں سب سے زیادہ کام ہوا ہے، اور علماءِ کرام نے طرح طرح سے عربی زبان کی خدمت کی ہے۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ کی ''مصباح اللغات'' کو اردو کی المنجد کہا جاتا ہے، نہایت وقیع تصنیف ہے۔ مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ کی القاموس الجدید، اردو عربی، اور عربی اردو (مکتبہ حسینیہ دیوبند)، اسی طرح موصوف کی القاموس الاصطلاحی (اردو عربی) اور (عربی اردو) (مکتبہ حسینیہ دیوبند) اور ''القاموس الوحید'' خاص طور پر طلبہ کی سہولت کے پیشِ نظر لکھی گئیں ہیں اور مدارسِ اسلامیہ میں کثرت سے استعمال ہونے والی مقبول ومتداول لغات ہیں۔ اس سلسلہ میں قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جن کی ''بیان اللسان''، عربی اردو لغت ہے اس میں انھوں نے مادّہ سے قطع نظر کر کے ہر لفظ کو اس کی اصلی صورت میں لکھ کر اس کی مکمل صرفی ونحوی تشریح کی ہے۔ اسی طرح انھوں نے قاموس القرآن میں لغوی تحقیق کے علاوہ تمام الفاظ پر جامع ومکمل نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اسی نہج پر بہت سے علماء نے قرآنِ کریم کو سامنے رکھ کر اس کی لغت تیار کی۔ اور لغوی اعتبار سے قرآنی خدمت انجام دی۔ ان میں عبداللہ عباس ندوی کی ''تعلیم لغۃ القرآن الکریم''، اور ''قاموس الفاظ القرآن الکریم''، (یہ دونوں انگریزی میں بھی طبع ہو چکی ہیں)، عبد اللہ ائم جلالی کی ''لغات القرآن''، عبد الوحید نوری کی ''لغات القرآن جدید'' شامل ہیں۔ تامل ناڈو میں مولانا

غضنفر حسین شاکر ناطقی نے عربی لغت تیار کی تھی جو نامکمل ہے۔ شیعہ علماء میں مظاہر حسین فاروقی نے معین اللغات تصنیف کی۔ ضمیر احمد قدسی کی ''کتاب الفروق'' میں قرآن وحدیث کے ان الفاظ کی تشریح کی گئی ہے جو الفاظ کے اعتبار سے متحد ومتفق ہیں لیکن معانی مختلف ہیں، یہ کتاب لغت کی سینکڑوں کتابوں کا عطر ہے۔ یہ ایک ایسا علمی شاہکار ہے جس کی مثال دورِ حاضر میں نہیں ملتی۔

عربی زبان لوگوں کو کم سے کم وقت میں اچھی طرح آجائے۔ طلبہ کو عربی سیکھنے میں دشواری نہ ہو، اس حیثیت سے بھی آزادی کے بعد بے حد کام ہوا ہے اور علماءِ کرام نے صرف ونحو میں کثرت سے تصانیف یادگار چھوڑیں ہیں۔ اور حتی الامکان صرف ونحو کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً امتیاز علی عرشی مرحوم کی ''مرقاۃ الادب''، قاری صدیق احمد باندویؒ کی ''تسہیل الصرف'' ''تسہیل النحو''، عبد اللطیف سنبھلی کی ''صرفِ لطیف''، ''نحوِ لطیف''، حکیم حبیب الرحمن کانپوری کی ''عربی قواعد اول یعنی علم الصرف''، اور ''عربی قواعد دوم یعنی علم النحو'' فخر الدین مرادابادیؒ کی ''مفتاح العوامل''، محمد احمد لہراوی کی ''جامع النحو''، مولانا محمد اسعد اللہؒ ناظم مظاہر علوم کی ''شرح نحو میر''، مظاہر حسین فاروقی کی ''منظوم نحو میر'' قابلِ ذکر ہیں۔

طالبِ علم کے اندر عربی سے ترجمہ کرنے کی اچھی صلاحیت پیدا ہو جائے اور عربی زبان بولنے پر اسکو قدرت ومہارت حاصل ہو اس مقصد کے لئے بھی بہت سے حضرات نے قلم اٹھایا اور ہر طرح سے عربی گفتگو کو آسان بنانے کی کوشش کی، جیسے پروفیسر شیث محمد اسماعیل اعظمی نے ''عربی فار نون عربس'' لکھی جو انگریزی سے عربی سکھاتی ہے۔ فصیح الدین دہلویؒ نے ''معین المترجم'' لکھی جس میں عربی سیکھنے والوں کے لئے اردو تا عربی، عربی تا اردو، ترجمہ کرنے، نیز جدید عربی لکھنے اور سمجھنے کے لئے راہنما اصول بھی بتائے۔ عربی وار دو نصوص کے ترجمے کر کے بھی دکھائے۔ نیز مفردات کے متبادل کو سمجھنے کی راہ بھی بتائی۔ یہ بے حد مفید کتاب ہے۔ مولانا بدر الزماں قاسمی نے مکتبہ وحیدیہ سے بڑی آب وتاب سے اس کو شائع کیا ہے۔ اسی طرح پروفیسر محمد اجتبا ندوی کی ''التعبیر والمحادثۃ''، نور عالم

خلیل امینی کی ''مفتاح العربیہ'' (۲ جلدیں) بھی اہم ہیں ۱۔ مولانا زکریاؒ نے ''فضائل زبانِ عربی'' پر ایک اہم رسالہ لکھا تھا۔ محبوب الرحمٰن ازہری کی ''المحاورۃ العربیہ''، ماجد دیو بندی کی ''معلم الانشاء'' سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح بچوں کیلئے عربی کی ریڈریں مرتب کرنے والوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (قصص النبیین، القراءۃ الراشدہ)، مولانا وحید الزماں کیرانوی (القراءۃ الواضحہ) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ پروفیسر مشیر الحق ندوی مرحوم نے بھی بچوں کی ریڈریں مرتب کی تھیں۔ ۲

اس موقع پر اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ درسی کتابوں کے لئے عربی نظم ونثر کے انتخابات کے مجموعے جتنے اعلیٰ پیمانے پر لکھے گئے وہ اس سے پہلے کبھی نہیں لکھے گئے۔ اور وہ انتخابات درسِ نظامی میں بھی داخلِ نصاب ہیں، یا ندوۃ العلماء کے نصاب میں شامل ہیں۔ اور بہت سے مجموعے سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں بھی داخل ہیں اور عرب علماء نے ان کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ ان مجموعوں میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''مختارات'' کو اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے کہ اس کو سعودی وزارتِ تعلیم کے ماہر فضلاء نے نصابِ مطالعہ میں جگہ دی۔ اور چالیس ہزار نسخے طلب کئے جن کو کویت کے دار القلم نے فراہم کیا۔ مختارات نے ایک سنگِ میل کا درجہ حاصل کیا۔ اور ادب اسلامی کی تحریک کی بنیاد بنی۔ ادب صرف نظم ونثر کے ان مجموعات میں محدود نہیں ہے جن پر ادب کا ٹھپہ لگا ہویا جو ادب کے نام پر لکھی گئی ہیں۔ ادب اپنے مقصد کو بھرپور مقتضائے حال کے مطابق اچھے الفاظ، طبعی و بیساختہ ترکیبوں سے ادا ہونے والی بات کو کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے بڑھ کر ادب کہیں نہیں ہوسکتا۔ ادبِ اسلامی کی عالمی تحریک کا سنگِ بنیاد اسی کتاب نے رکھا۔ الجزائر ومراکش سے لیکر خلیج تک کے ادباء وعلماء نے اس کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مولانا اعزاز علی امروہویؒ کی ''نفحۃ العرب'' بھی عربی انتخاب کا بہترین نمونہ ہے۔ دار العلوم دیو بند کے نصاب میں داخل ہے۔ اسی طرح مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ کی ''منثورات من ادب العرب'' میں عربی ادب کے ان نثری نمونوں کا انتخاب کیا

گیا ہے جن میں دینی واخلاقی تربیت کا سامان ہونے کے ساتھ ساتھ سہل اسلوب وادبی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔اور تاریخ اسلامی کے مستند ادیبوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ساتھ ہی نظم قدیم کے نمونے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔یہ کتاب ندوہ کے نصاب میں داخل ہے۔مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کی نفحۃ الادب" عربی کی "نفحۃ الیمن" کے طرز پر لکھی گئی اہم کتاب ہے۔اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی "الفیۃ الحدیث" حدیث شریف کا بہترین انتخاب ہے درسِ نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔

سیرت وسوانح کے میدان میں ڈاکٹر شبیر احمد ندوی کی "مولانا ابو الکلام آزاد: حیاتہٗ و آثارہ" اور "شعراء العربیۃ فی الہند" مولانا قدرت اللہ باقوی (مدراس) کی "العلامۃ السید عبد الحئی الحسنی مؤرخ الہند الاکبر: عصرہ حیاتہ ومؤلفاتہ" ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی کی "شاہ ولی اللہ" "امیر صدیق حسن خاں حیاتہٗ و آثارہٗ" "ابو الحسن علی الندوی: الداعیۃ الحکیم و المربی الجلیل" "العلامۃ السید سلیمان الندوی: ملامح سیرتہٖ" "الامیر عبد اللہ بن زبیر دراسۃ نقدیۃ تحلیلیۃ" "مولانا ابو الکلام آزاد: زعیم و مفکر ھندی" "فن الشاعر السنسکرتی تلسی داس" اہم کتابیں ہیں۔

اسی طرح محمد صلاح الدین عمری کی "سر سید احمد خاں حیاتہٗ و افکارہ" (مجمع السر سید العلمی، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)، اور محمد اجمل اصلاحی کی "صلاح الدین الایوبی" "محمد یوسف کوکن عمری کی "اعلام النثر و الشعر فی العصر العربی الحدیث" امیہ بن ابی الصلت، اور امتیاز علی عرشی کی "فصل الخطاب لعمر بن الخطاب" قابلِ ذکر ہیں۔آخر الذکر کتاب مصنف کی ۵۰ برس کی محنت وکاوش کا نتیجہ ہے۔

تنقید کے میدان میں مولانا نذر الحفیظ ندوی کی "الزمخشری: کاتباً و شاعراً" "ابو الحسن علی الندوی: کاتباً و مفکراً" اور مولانا واضح رشید حسنی ندوی کی "اقبال و شوقی" عبد العزیز میمنی کی "ابو العلاء و ما الیہ" قابلِ قدر مساعی ہیں۔آخر الذکر کتاب ابو العلاء معری کا جامع و

مفصل تذکرہ ہے۔ مولانا نے معری کے بارے میں لکھنے والے دیگر فضلاء کی اغلاط کی نشان دہی کی ہے اندلس میں معرّی کی مقبولیت، اور اس کے دینی عقیدہ پر سب سے پہلے معلومات مولانا نے ہی فراہم کیں۔ اس کتاب نے مصر کے ادبی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ ڈاکٹر اجتباء ندوی کی ''محمد اقبال شاعر الاسلام'' علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ''روائع اقبال'' لازوال شاہکار ہیں۔

اور اگر تدوین وترتیب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آزاد ہندوستان کے مدوّنین و مرتبین نے حیرت انگیز کارنامے انجام دئے ہیں۔ مثلاً مولانا عرشیؒ نے ''دیوانِ حادرہ'' کو ایڈٹ کیا۔ زمانہ جاہلیت کے گمنام شاعر قطبہ بن اوس حادرہ کا متفرق کلام الاصمعی کی 'مفضلیات' وغیرہ میں بکھرا ہوا تھا۔ اس کے کلام کا یاقوت مستعصمی کا مرتب کیا ہوا مخطوطہ رامپور رضا لائبریری میں موجود تھا جس کو عرشی مرحوم نے ایڈٹ کر کے ۱۹۴۹ء میں لائبریری سے شائع کروایا۔ اس کے علاوہ مولانا ابو عبید قاسم ہروی کی کتاب الاجناس مرتب کی۔ علامہ تھانیسری کا ''قصیدۃ الدالیہ'' مرتب کیا۔ ''دیوانِ ابی محجن لعمرو بن حبیب الثقفی'' کی تدوین کی۔ اسی طرح پروفیسر نثار احمد فاروقی کی ''شفاء العليل'' ''تاریخ طبری کے ماخذ (مکتبہ برہان دہلی ۱۹۸۰ء)'' ''فن التاریخ عند المسلمین فی العصر الاول دراسات: بحث و نقد'' ''الرسالات النبویہ: تقدیم و ترجمہ'' (ماہنامہ ''نقوش'' لاہور کا ''رسول نمبر'' ۱۹۸۲ء'')، بدر عالم میرٹھی کی ''ترتیب فیض الباری'' خورشید احمد فارق کی ''الرسائل الرسمیہ لعمرو بن الخطاب'' محمد اجمل اصلاحی کی ''العلامہ حمید الدین فراھی و مناھجہ فی علم التفسیر''، مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی ''مصنف عبد الرزاق'' (المجمع العلمی کراچی ۱۹۷۲ء)۔ مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ''خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی'' ''لامع الدراری'' ''المهمات فی الاسانید و الروایات'' (مکتبہ یحیویہ سہارنپور ۱۹۵۹ء) ترتیب و تدوین کی بہترین مثالیں ہیں۔

منطق کے میدان میں محمد شریف مصطفیٰ آبادی کی ''جواهر الحكم فی شرح

السلم" "شرح شمسیہ" "سوال و جواب میر قطبی" "الافاضۃ القدسیہ فی المباحث الحکمیہ" ۔علم کلام میں آپ ہی کی "نسیم الکلام فی تائید شریعۃ خیر الانام" قابل ذکر ہیں۔عقائد میں قاری طیب کی "عقیدۃ الطحاوی" ،مفتی مہدی حسن کی "شرح نخبۃ الفکر" اہم ہیں۔

عربی زبان وادب کی تاریخ کے میدان میں قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی "رجال السند و الہند" (میمن برادران بمبئی ۱۹۵۸ء) کو سبقت وامتیاز حاصل ہے۔یہ اس عرصہ میں پہلی کاوش ہے جس نے ساتویں صدی ہجری تک کے علماء کو روشناس کرایا،اور محدثین، رواۃ، فقہاء، مشائخ، ادباء، شعراء، متکلمین ،فلاسفہ،ارباب صنائع وغیرہ،لوگوں کا تذکرہ کیا۔اس موضوع پر آپ ہی کی اہم کتاب "العرب والہند فی عہد الرسالہ" "الدول العربیہ فی الہند" بھی ہیں جن کی تعریب ڈاکٹر عزت مصری نے کی ہے۔مولانا واضح رشید حسنی ندوی اور مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی ایک مشترکہ تصنیف "تاریخ الادب العربی " (دوجلدیں) ہے جو اس اعتبار سے اہم ہے کہ عربی میں ایک احمد حسن زیات کی "تاریخ الادب العربی" واحد تصنیف تھی جو اکثر مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔حالانکہ یہ کتاب مغربی ادب سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔اس میں جا بجا اس کے اثرات ملتے ہیں۔اس کے ازالہ کے طور پر صحیح تحقیق کے ساتھ ان اغلاط سے پاک وصاف تاریخ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔اس کمی کو ان دونوں حضرات کی یہ مشترکہ تصنیف پورا کرتی ہے۔اس کے علاوہ محمد یوسف کوکن عمری کی "العرب و آدابہم " بھی اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔اسی طرح تاریخی ادب میں اجتباء ندوی کی "العالم العربی فی رحلات الہنود "اور رضوان ندوی کی "الادب العربی فی شبہ القارۃ الہندیۃ الباکستانیہ عبرا لقرون " (سیدنا محمد برحان الدین چیئر، کراچی یونیورسٹی کراچی ۱۹۹۵ء) خاص اہمیت رکھتی ہیں۔عربی میں تاریخ نگاری اور ایک مؤرخ کی حیثیت سے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سب سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔جن کی ماذا خسر العالم بانحطاط

المسلمین ''کو مصروشام کی یونیورسٹیز کے ماہرین اور تاریخِ امم کے بڑے بڑے اسکالرز نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور عرب علماء وفضلاء نے اس کتاب کو اس '' صدی کی بہترین کتاب '' قرار دیا اور آپ کی '' رجال الفکر والدعوۃ '' بزرگانِ سلف اور مردانِ فکر وعمل کی خصوصیات اور ان کے جہادی کارناموں کی تفصیل ہے۔ آپ کی '' الصراع بین الفکرۃ الاسلامیہ والفکرۃ الغربیہ '' اپنی گونا گوں خصوصیات کی بناء پر مصنف کو علماء کی صف میں ایک ممتاز مقام عطاء کرتی ہیں۔ آپ کی '' اذا ھبت ریح الایمان '' ، سید احمد شہیدؒ کی زندگی اور ان کے جہادی کارناموں کے عجائب وغرائب بیان کرتی ہے۔ اس کتاب میں ابو الفرج اصبہانی کی '' الاغانی '' کے اسلوب کی چاشنی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم اپنی لازوال عربی نگارشات کی روشنی میں آزاد ہندوستان کے عربی کے سب سے عظیم اسکالر تھے، جن کی عربی تحریروں کو خود اہلِ زبان نے مستند قرار دیا۔ اور روائع اقبال اور الطریق الی المدینہ، آپ کی وہ موثر وطاقتور کتابیں ہیں جن کے پورے پورے صفحات عربوں کو حفظ یاد ہوا کرتے تھے، جیسا کہ خود مؤلفؒ کی زبان سے احقر نے بار بار سنا ہے۔

عربی شاعری:۔ نثری تحریروں پر اتنی طویل بحث سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نظم میں آزاد ہندوستان کا حصہ کم ہے بلکہ آزادی کے بعد کے '' شعری ادب '' پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں۔ تو عربی شاعروں کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے، جن میں بہت سے صاحبِ دیوان بھی ہیں۔ بعض نے کئی ہزار عربی اشعار یادگار چھوڑے ہیں۔ بعض نے مدحیہ قصائد لکھے ہیں۔ کچھ نے، ماتمی کلام بھی تحریر کیا۔ نعتیہ شاعری، اور غزل گوئی بھی اچھی خاصی نظر آتی ہے۔ مثلاً ابو العلاء نظر احمد سہوانی، صاحبِ دیوان عربی شاعر ہیں۔ عبد اللہ عباس ندویؒ نے عربی میں نعتیہ شاعری کی ہے۔ مولانا ابو محفوظ کریم معصومی (کلکتہ) عربی کے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔

وجیہ الدین احمد خطیب رامپوری بھی نعت گو غزل گو شاعر ہیں۔ نیز مفتی شفیع دیوبندیؒ کا مجموعہ کلام عربی '' نفحات '' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ قاری محمد طیبؒ (مہتمم دار العلوم دیوبند) کا عربی کلام ان کے

مجموعہ ''عرفانِ عارف'' میں شامل ہے۔ عبدالغفور بسکوہری کو عربی نظمیں لکھنے میں یدِ طولیٰ حاصل تھا تو اقبال احمد عمری اعظمی کو مدحیہ قصائد لکھنے میں مہارت تھی۔ امروہہ کے محمد صادق تقوی نے ماتمی کلام میں عربی میں تین ہزار عربی اشعار کہے ہیں۔ [۳]

مولانا اعزاز علی امروہوی شیخ الادب، راغب بدایونی، مولانا عبدالحسین (بہار) عربی کے اچھے شاعر تھے۔ مولانا وجیہ الدین خطیب رامپوری نعت کے ساتھ ساتھ مدحیہ قصائد، اور غزل بھی کہتے تھے۔ احمد حسین سید ماتمی کلام کے شاعر ہیں علماءِ دیوبند میں مفتی کفایۃ اللہ، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی اور مولانا عبدالمنان میواتی بھی اچھے شاعر تھے۔

آزاد ہندوستان کے عربی نگاروں کو اگر ہم مختلف زمروں میں تقسیم کر کے دیکھتے ہیں تو مفسرین میں امتیاز عرشی، اقبال احمد عمری اعظمی، سید سلیمان ندوی، ثناء اللہ امرتسری وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ محدثین میں شیخ الحدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا عبدالجبار اعظمیؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا محمد حیات سنبھلیؒ، مفتی نسیم احمد فریدیؒ امروہیؒ، شبیر احمد ندوی عثمانیؒ، ظفر احمد تھانویؒ، فخر المحدثین مولانا فخر الدین مرادابادی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔ فقہاء میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مفتی کفایۃ اللہ دہلویؒ، مولانا مجیب اللہ ندوی، محمد میاں دیوبندی، مولانا حبیب الرحمٰن خیرابادی، مفتی شبیر احمد قاسمی، شفیق الرحمٰن ندویؒ، محمد اویس نگرامی، محمد شریف مصطفیٰ آبادی، مشہور حضرات ہیں۔

منطق وفلسفہ میں محمد شریف مصطفیٰ آبادی، عقائد وکلام میں قاری محمد طیبؒ، مفتی مہدی حسن شاجہانپوری ریاضی میں محمد اسعد اللہ ناظم (مظاہر علوم) کے نام ملتے ہیں۔

مؤرخین ومحققین میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، امتیاز علی عرشی، خورشید فارق، قاضی اطہر مبارکپوری، نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی اہم نام ہیں۔ محشی وشارحین میں مفتی سعید احمد پالنپوری، مولانا اعزاز امروہوی، محمد حیات سنبھلی، ابوسحبان روح القدس، محمد یوسف کاندھلوی، محمد زکریا کاندھلویؒ، محمد

ادریس کاندھلویؒ، مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری، قابلِ ذکر ہیں۔

اردو سے عربی یا عربی سے اردو ترجمہ نگاروں میں محمد حیات سنبھلیؒ (میزان الشعرانی و مشارق الانوار)، محمد یوسف قاسمی امروہی (دیوانِ امام شافعی)، بدرالدین الحافظ (انوکھی شرطین)، ڈاکٹر شبیر احمد ندوی (طٰہٰ حسین اور خلیل جبران کی مختلف تحریروں کا ترجمہ ۴)، مولانا عبدالشکور فاروقی (اسد الغابہ، تاریخِ طبری، ازالۃ الخفاء)، عبداللہ عمادی (الملل والنحل، کتاب المعارف لابنِ قتیبہ)، عبد السلام ندوی (سر تطور الامم)، عبدالدائم جلالی (ترجمہ تفسیر مظہری وغنیۃ الطالبین)، نہایت معتبر نام ہیں۔

اسی مولانا سعید الاعظمی (تعریب کتبِ نعمانیؒ)، مولانا نور عالم امینی (تعریبِ کتبِ نعمانی)، مولانا عبد اللہ الحسنی (تعریبِ "حیاتِ خلیل")، جلیل احسن مرحوم (تعریبِ کتبِ مودودی)، ڈاکٹر شمس تبریز خاں (نقوشِ اقبال' اور ابن تیمیہ" ومولانا علی میاں" کی مختلف کتابوں کے ترجمہ کے لئے)، نور عظیم ندوی (من نہر کابل الیٰ نہر یرموک)، محمد الحسنی (بین الصورۃ والحقیقۃ، الصلوٰۃ ومکانتہا فی الاسلام)، محمد رابع حسنی ندوی (فضائل الدعوۃ الیٰ الخیر والتبلیغ لدین اللہ)، اپنی ناقابلِ فراموش خدمات کے لئے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

مدیرانِ عربی مجلات کی حیثیت سے خدمت انجام دینے والوں میں بدرالحسن القاسمی (الداعی)، نور عالم خلیل امینی (الداعی)، واضح رشید حسنی ندوی (الرائد) سعید الاعظمی (البعث الاسلامی)، پروفیسر ضیاء الحسن ندوی (ثقافۃ الہند)، نثار احمد فاروقی (ثقافۃ الہند) زبیر احمد فاروقی (ثقافۃ الہند)، مولانا مسعود عالم الندوی (الضیاء)، عبداللہ عمادی (البیان)، ابوالکلام آزاد (الجامعہ)، نمایاں شخصیات ہیں۔

عربی ادب وانشاء میں مولانا سعید الرحمن اعظمی، نور عظیم ندوی، عبداللہ حسنی، محمد رابع حسنی، محمد واضح رشید حسنی، عمید الزماں قاسمی، کفیل الرحمن نشاط، ابوبکر حسنی ندوی، محمد یونس نگرامی، عبدالماجد ندوی، فصیح الدین دہلوی، نور عالم امینی، بدرالحسن قاسمی، مقتدیٰ حسن ازہری، کے نام شامل ہیں۔

تحقیقی مقالہ نگاروں میں واضح رشید حسنی ندوی (شعر الطبیعۃ الاسلامیہ، طبیعۃ الشاعر، اقبال و

الانسانیہ،صورۃ اللحم والدم)،مختار الدین آرزو(مشارکۃ اللغۃ الاردیۃ فی الحضارۃ الاسلامیہ)،نثار احمد فاروقی(فن التاریخ عند المسلمین فی العصر الاول)الرسالۃ النبویۃ:دراسات بحث ونقد"محمد اجمل اصلاحی(مشارکۃ علماء الہند فی علم التفسیر،تقویم الہند للماضی وغطیط للمستقبل،امعان فی اقسام القرآن،تصحیح وتحشیہ)،محمد اجتباء ندوی(الکویت والمنظور التاریخی،الادب والحیاۃ،لمحات للشعر الہندی)محمد الحسنی(الاسلام الممتحن،الاسلام بین لا ونعم،ھمسات الی جزیرۃ العرب)،خورشید احمد فاروق(تاریخ الردہ،الرسائل الرسمیہ لعمرو بن الخطاب،زیاد بن ابیہ،مولانا سلمان حسنی ندوی(العلاقات بین الہند والعرب،الامامۃ فی ضوء القرآن،اصول الحدیث)،خورشید احمد اعظمی(الدعوۃ الاسلامیۃ فی عصر الرسول،توحید الربوبیۃ فی القرآن،امتیاز علی عرشی(کتاب الاجناس لابی عبید القاسم الہروی،دیوان حادرہ،لامیۃ الہند،الامثال السائرہ من شعر المتنبی)،مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی(شعراء الرسول بین الواقع والقریظ،ساعۃ مع العارفین،نظام تقسیم الثروۃ فی الاسلام)،عبد السلام خاں رامپوری(الفلسفۃ الہندیۃ القدیمۃ)،جیسے ممتاز عربی ادباء شامل ہیں۔

آخر میں بڑی زیادتی ہوگی اگر ان علماء،ادباء،اور عربی دانوں کا نام نہ لیا جائے جن کی اگرچہ بظاہر کوئی عربی تصنیف نہیں ہے لیکن اپنی عمرِ عزیز کا بڑا حصہ عربی درس وتدریس میں گزارا،اور کثیر تعداد میں طالبانِ علوم ان کے فیوض سے مستفیض ہوئے۔مثلاً مولانا معراج الحقؒ(دیوبند)،علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ(دیوبند)،مولانا نصیر احمد خاںؒ(دیوبند)اور دار العلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنو کے دیگر علماء،۔مولانا شاہ ابو القاسم الفاروقی بحری آبادی،مفتی عبد الرحمٰن نوگانوی،مولانا محمد عمران خاں ندوی،مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہویؒ،قاری صدیق احمد باندویؒ،مولانا عبد الجبار اعظمی،مولانا محمد طاہر امروہوی شیخ الحدیث)مفتی حبیب الرحمٰن خیرابادی،ڈاکٹر عبید اللہ فراہی،وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

مختصر طور پر آزادی کے بعد ہندوستان میں گذشتہ پچاس سالوں کے اندر عربی ادب میں جتنا کام ہوا ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں علومِ دینیہ تفسیر،حدیث،لغت،صرف ونحو وغیرہ میں کام ہوا

ہے۔ وہیں تدوین وترتیب، ترجمہ وتعلیم وتکلم، درسی انتخابات، مراسلات، سفرنامے، صحافت، وادارت، جیسے میدانوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ البتہ منطق فلسفہ، عقائد وکلام، طب وسائنس، میں کمی آئی ہے۔ شعراء، ومترجمین، مدیران، صحافیین، اور مدرسین، مدونین، مرتبین، کی کثرت ہوئی ہے۔ الغرض ماضی کے مقابلہ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پھیلاؤ بڑھا ہے، لیکن گہرائی کم ہوئی ہے۔ اور ابجد العلوم، مجمع البحار، سبحۃ المرجان، تاج العروس، نزہۃ الخواطر جیسی امہات الکتب کی کمی اب بھی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہی پھیلاؤ امید افزاء بھی ہے۔ اور وسائل وذرائع کی کثرت، عربی کی مقبولیت میں اضافہ، مدارس کے وسیع جال، عصری جامعات میں عربی کے متحرک شعبے، نیز عوام وخواص کے عربی کے طرف رجحان سے یہ امید بنتی ہے کہ مستقبلِ قریب میں انشاء اللہ امتِ مسلمہ اس خسارہ کی تلافی کرلے گی۔

علمی سلسلے (دینی مدارس):

بیسویں صدی کے آغاز میں علومِ اسلامیہ کی حفاظت واشاعت کی ایک لہر چلی تھی جس میں مسلمانوں کی غیرت اسلامی نے پورے ہندوستان میں دینی مدارس کا ایک جال بچھا دیا تھا۔ ان مدارس نے دینی تعلیمات وعقائد کی حفاظت، کتاب وسنت کی اشاعت کے سلسلہ میں کلیدی رول ادا کیا۔ اور لاتعداد علماء کرام کی ایسی نسل تیار کردی۔ جنھوں نے تعلیم وتالیف، کتابت وخطابت، صحافت وادارت، بحث وتحقیق، ترجمہ وتصنیف، غرض ہر میدان میں نمایاں کارنامے انجام دئے۔ عصرِ حاضر میں ہندوستان بھر میں پھیلا ہوا یہی مدارسِ دینیہ کا وسیع سلسلہ عربی زبان وادب کی خدمت کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ جس کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

دار العلوم دیوبند:۔

ان مدارس میں سب سے پہلے دار العلوم دیوبند کا نام آتا ہے جہاں پر خاص طور پر آزادی

کے بعد درسی کتابوں کی شرحوں اور ترجموں پر زیادہ زور دیا گیا۔ حسامی، بیضاوی، ملاحسن، میبذی، سلم العلوم، مشکوٰۃ شریف اور صحاحِ ستہ وغیرہ کی شرحیں وتراجم تیار کیے گیے اور قرآن وحدیث، نحو، فقہ، و منطق، وغیرہ میں سب سے زیادہ کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئیں۔ جس کے فرزندوں میں مولانا بدر الحسن قاسمی، مولانا نور عالم خلیل امینی، مولانا انظر شاہ مسعودی، مولانا نصیر احمد خاں صاحب، مولانا ریاست علی ظفر بجنوری، مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری، مولانا قمر الاسلام گورکھپوری، مولانا عبد الخالق مدراسی، مولانا شمس تبریز خاں، مولانا سعید احمد پالنپوری، مولانا عمید الزماں کیرانوی، مولانا ابو بکر غازیپوری، مولانا کفیل احمد قاسمی، مولانا محمد اسجد قاسمی وغیرہ اب بھی زبان وقلم سے عربی زبان وادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔

ندوۃ العلماء لکھنو:۔

دوسرا ادارہ دار العلوم ندوۃ العلماء جس کے فارغ طلباء نے عربی زبان وادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ اور اپنی عربی تصانیف کیلئے عربوں سے لوہا منوایا۔ ان میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ، مولانا مسعود عالم ندوی، علامہ شبلی نعمانیؒ، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، مولانا محبوب الرحمٰن ازہری، مولانا عبد اللہ عباس ندوی، مولانا نور عظیم ندویؒ، مولانا نذر الحفیظ ازہری ندوی، ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی، وغیرہ کے اسماءِ گرامی نمایاں ہیں۔ فرزندانِ ندوہ کی تصانیف میں تاریخ الادب العربی، روائق الاعلاق، الفقہ المیسر، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، روائع اقبال، الطریق الی المدینۃ، الی الاسلام من جدید، القرآن یتحدث الیکم، الادب العربی وصلتہٗ بالحیاۃ، حیاۃ خلیل، لغات جدیدہ، مختارات من الشعر العربی، منثورات من ادب العرب، الادب العربی بین عرض ونقد، (مشتے از نمونہ خروارے) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ تیسرے جامعہ سلفیہ بنارس کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جس نے کم سے کم مدت میں عربی کتابوں، ترجموں کی ایک معتبر تعداد پیش کی۔ اور مولانا مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا نور

عظیم ندوی، ڈاکٹر صلاح الدین سلفی، جیسی شخصیات پیدا کیں۔اسی طرح جامعہ دار السلام عمر آباد میں بھی بڑا کام ہوا ہے۔خاص طور پر محمد یوسف کوکن عمری کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں۔

دار العلوم دیوبند میں جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا سب سے زیادہ زور درسی کتابوں کی شروحات وحواشی پر رہا۔اس لئے طبع زاد کتابوں کے مقابلہ شرحیں، اور شرحوں کی شرحیں، اور حواشی در حواشی، معرض وجود میں آئے۔اس کے مقابلہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد تبدیلیِ نصابِ تعلیم، رفعِ نزاعِ باہمی وغیرہ پر رکھی گئی۔اس نے عربی زبان کی تدریس وتسہیل کو بنیاد بنایا۔فقہ میں آسان فقہ، الفقہ المیسر، ادب وانشاء میں مختار الشعر العربی، مختارات۔منثورات من ادب العرب، الادب العربی بین عرض ونقد، تاریخ الادب العربی جیسی آسان اور جدید تصانیف نے ایک انقلاب پیدا کر دیا۔نحوی نصاب کو آسان بنایا گیا تفسیر کو براہِ راست ترجمہ کی مدد سے پڑھانے پر زور دیا گیا۔بچوں کیلئے عربی کی ریڈریں القرائۃ الراشدہ قصص النبیین تیار کی گئیں۔اور فرزندانِ ندوہ نے دورِ جدید میں عربی زبان وادب کو نئی جہات سے آشنا کیا۔

روہیلکھنڈ کے عربی مدارس:۔

ہندوستان میں روہیلکھنڈ عربی مدارس کا نہایت زرخیز وشاداب علاقہ رہا ہے۔اس علاقہ میں جہاں عربی مصنفین کی کثرت ہے وہیں بڑی تعداد میں عربی مدارس ہیں جنھوں نے عربی زبان وادب کی ترقی میں بھر پور حصہ لیا۔روہیلکھنڈ کا سب سے اہم اور تاریخی مدرسہ رامپور کا مدرسہ عالیہ ہے۔جو ۱۸۵۷ء سے پہلے کی یونیورسٹی مانا جاتا ہے۔مولانا عبد العلی بحر العلوم اس کے پہلے پرنسپل تھے۔یہ مدرسہ معقولات کی تعلیم کیلئے ملک بھر میں مشہور تھا۔مولانا فضلِ حق خیرابادی، مولانا محمد طیب عرب مکی، مفتی سعد اللہ مرادابادی، مولانا عبد السلام خاں رامپوری، جیسے علماء اس کے اساتذہ میں شامل رہے ہیں۔افسوس کہ اب یہ مدرسہ اپنی وہ اہمیت کھو چکا ہے جو اس کو کبھی حاصل تھی۔

روہیلکھنڈ کا ایک اور مثالی مدرسہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراداباد ہے۔جس کے بانی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں، مولانا مفتی کفایۃ اللہؒ، مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ، جیسے عربی کے ادباء اس مدرسہ کے فرزندوں میں شامل ہیں۔اسی طرح مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ بھی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا قائم کا کردہ اہم مدرسہ ہے۔مولانا سید احمد حسن محدث امروہویؒ نے جہاں ۲۷ سال تک مسندِ حدیث پر متمکن رہ کر عربی زبان وادب کی خدمت انجام دی۔مولانا حافظ عبد الرحمٰن صدیقی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، بھی اس مدرسہ کے مہتمم رہے ہیں۔

اسی طرح اس علاقہ کا قدیم اور تاریخی ''مدرسہ شاہجہانپور'' بھی تھا جسے نواب حافظ رحمت خاں نے قائم کیا تھا۔ملا بحر العلوم نے بھی اس میں کافی عرصہ تک درس دیا۔اور ایک دوسرا مدرسہ ''دارانگر نجیب آباد'' ہے۔جس میں ملا حسن فرنگی محلی، ملا کمال الدین سہالوی، اور مولوی برکت اللہ الہ آبادی جیسے نامور اساتذہ نے تدریسی فرائض انجام دیے۔

ان سبھی مدارس میں درسِ نظامی کا نصاب رائج تھا۔جس میں پڑھائی جانے والی عربی کتابوں میں نحو میں شرحِ جامی، کافیہ، ہدایۃ النحو، منطق میں سلم العلوم، ملا حسن، میبذی، تفسیر میں جلالین شریف، فقہ میں نور الانوار، ہدایہ، حسامی، حدیث میں مشکوٰۃ شریف، صحاح ستہ، ادب میں بلاغۃ الواضحہ، مقاماتِ حریری، دیوانِ متنبی، وغیرہ شامل تھیں۔عصرِ حاضر میں بھی روہیلکھنڈ کے مدارس کی عربی زبان ادب کی تدریسی خدمات بدستور بلکہ پہلے سے بہتر حالت میں جاری ہیں جن میں جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد (راقم کی مادرِ علمی)، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد، جامعہ امدادیہ مرادآباد، جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ، مدرسہ انصار العلوم نوگانواں سادات (راقم الحروف کی اولیں تعلیمی درسگاہ)، مدرسہ فرقانیہ جامع العلوم رامپور، مدرسہ فیض العلوم رامپور، مدرسہ جامعۃ المعارف رامپور، وغیرہ مدارس کی ایک بڑی تعداد ہے جو عربی زبان وادب کی خدمت کے چراغ کو روشن رکھے ہوئے ہے اور جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔

فرنگی محل:۔

فرنگی محل لکھنؤ کا ایک محلہ ہے۔اکبر بادشاہ کے زمانہ میں یہاں ایک فرنگی تاجر مقیم تھا جس کی

نسبت سے یہ علاقہ فرنگی محل کہلاتا ہے۔ جب یہ تاجر لاوارث مرگیا تو زمین بحق سرکار ضبط ہوگئی۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں ملا قطب الدین نے فروغ حاصل کیا، جو قریب ہی قصبہ سہالی میں رہتے تھے، تو اورنگ زیب نے فرنگی محل کا علاقہ اُنھیں جاگیر میں دیدتھا۔ ملا قطب الدین نے ملا عبدالسلام کے شاگرد ملا دانیال اور قاضی محب اللہ الٰہ آبادی کے شاگرد قاضی لگاسی سے علم حاصل کیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک شرحِ عقائد علامہ دوّانی پر حاشیہ تھا جو آپ کے گھر کی تباہی میں تلف ہو گیا تھا۔ آپ کے چار بیٹے تھے جو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ اور اُنھیں کی وجہ سے ہندوستان میں آپ کا فیض جاری رہا۔ ملا قطب الدین کے بیٹوں میں سب سے برگزیدہ ملا نظام الدین تھے جن کے نام پر ''درسِ نظامیہ'' مشہور ہے ان کے استاد مولوی غلام نقشبند لکھنوی اور حافظ امان اللہ خاں بنارسی تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے حاشیہ شرحِ ھدایۃ الحکمت، شرح مسلم الثبوت، حاشیہ شمس بازغہ اور حاشیہ شرح عقائد دوّانی، بہت مشہور ہیں۔ آپ شاہ عبدالرزاق ہانسویؒ کے مرید تھے۔ ان کے ملفوظات آپ نے مرتب کئے۔ آپ کی وفات ۱۷۴۸ء میں نادر شاہ کے حملے کے بعد ہوئی۔

آپ کی اصل شہرت بطور مدرس کے تھی۔ آپ کے درس وتدریس کے مقابلہ میں باقی سب علماء کے درس بے رونق ہوگئے۔ درسِ نظامیہ کا سلسلہ اب تک کم وبیش جاری ہے۔ [5]

پروفیسر مسعود انور علوی کاکوروی لکھتے ہیں :۔

سلاطین اودھ کی علم دوستی، فیاضی، دریا دلی، سخاوت، فن پروری اور ادب نوازی کی وجہ سے لکھنو اور اس کے مضافات میں شعراء، ادباء، علماء، فضلاء، اور اربابِ کمال کا مجمع ہونے لگا تھا، نئے نئے اصنافِ سخن وجود میں آئے اور علوم وفنون کو ترقی ملی، لکھنو اور اس کے قصبات علم وفضل میں سمرقند و بخارا کا نمونہ پیش کرنے لگے۔

علماءِ فرنگی محل پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ جتنے معقول، معتدل، میانہ رو علماء یہاں پیدا ہوئے کسی زمانہ میں ہندوستان میں کہیں نہیں پیدا ہوئے۔ لکھنو میں اس وقت یہی دو بڑے ادارے تھے۔ ایک

فرنگی محل اور دوسرا شیعہ مجتہدین کا، یعنی خاندان اجتہاد۔ ان ہی دونوں اداروں نے عربی وفارسی زبانوں میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، منطق، علمِ کلام وعقائد، اور جملہ علوم کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ پہلا ادارہ فرنگی محل تھا جہاں بانیِ درسِ نظامی، ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ)، ان کے لائق فرزند علامہ عبد العلی بحر العلوم (م ۱۲۲۵ھ)، ملک العلماء ملا علاء الدین (م ۱۲۴۳ھ)، مولانا عبد الحیؒ اور مولانا عبد الباریؒ اور ان کے نامور اخلاف نے علومِ دینیہ، علومِ عقلیہ، علمِ ریاضی وہیئت، وغیرہ کی تعلیم میں بڑا نام پیدا کیا۔

خاندانِ اجتہاد کے بانی ومورث سید دلدار علی غفران مآب نصیرابادی لکھنوی (م ۱۲۳۵ھ) تھے، وہ عراق سے عربی ادب کا ایسا ذوق لائے تھے جو اُن سے پیشتر اہلِ لکھنو کے لئے نیا تھا۔ شیعہ مجتہدین کے عربی ادب کے ذوق نے لکھنو کو ادب کی تعلیم کا مرکز بنا دیا۔ غفران مآب کے بعد ان کے بیٹوں سلطان العلماء سید محمد (م ۱۲۸۴ھ)، اور سید العلماء سید حسین (م ۱۲۷۳ھ) وغیرہ نے اس کو فروغ دیا۔ اِسی ادبی ذوق اور ادبی فضا کی وجہ سے لکھنو میں مفتی میر محمد عباس تستری، (۱۳۰۶ھ) جیسا گراں مایہ ادیب پیدا ہوا۔ جس نے عربی ادب وشاعری میں ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل کیا۔ علماءِ فرنگی محل اور علماءِ خاندانِ اجتہاد کے علاوہ بھی یہاں بہت سے علماء پیدا ہوئے۔ ان میں مولانا تراب علی (م ۱۲۸۱ھ)، مولوی اسماعیل لندنی (۱۲۸۳ھ) مولانا جعفر علی بریلوی لکھنوی (م ۱۲۳۲ھ)، مفتی ابراہیم بنارسی (۱۲۵۴)، سید مرتضی حسینی (۱۲۵۰ھ)، خان علامہ تفضل حسین خاں کشمیری (م ۱۲۱۵ھ) وغیرہ مشہور ہوئے۔ [۶]

افسوس کہ موجودہ دور میں فرنگی محل کی وہ اہمیت باقی نہ رہی جو ماضی میں اس کا طغرائے امتیاز تھی۔ لیکن خال خال ابھی بھی گوہرِ نایاب موجود ہیں۔ جیسے مولانا رضا انصاری فرنگی محلی، مولانا کامل بحر العلومی، مولانا عتیق میاں وغیرہ عربی کی ممتاز شخصیت ہیں۔ مزید تحقیق وجستجو سے اور بھی کئی ایسے نام منصۂ شہود پر آسکتے ہیں۔ جنھوں نے صفحۂ قرطاس پر عربی تحریریں یادگار چھوڑیں۔

مدرسۃ الاصلاح (اعظم گڈھ):۔

۱۳۲۷ھ کے موسمِ بہار میں اِسی دیار کے ایک بزرگ مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ تحریک پر قصبہ سرائے میر کے قریب ''مدرسۃ الاصلاح'' کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے اس کے ابتدائی اغراض ومقاصد اور طریقہ کار کا ابتدائی خاکہ تیار کیا۔ اور امام المفسرین مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اس کے ابتدائی دور سے اپنی حیات کے آخری لمحہ تک بحیثیت ناظم اس کی خدمت انجام دی۔ اس کے اغراض ومقاصد کا مکمل نظام تیار کیا۔ نصاب تعلیم کی تیاری، اور نا تمام شعبوں کی تکمیل کی۔ مولانا نے اپنا عزیز ترین دورِ حیات جو کم از کم چالیس سال کی وسیع مدت پر مشتمل ہے قرآنِ پاک کے فہم و تدبر میں بسر کیا۔ اور آخری برسوں میں دنیا سے منقطع ہو کر مدرسۃ الاصلاح میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ یہاں کے اساتذہ کی تربیت کی۔ علوم وفنون پڑھانے کا طریقہ کار بتایا۔ اور اپنی تمام علمی متاع اور قرآنی تحقیقات کو مسودات کی شکل میں مدرسہ کے حوالہ کر کے دارِ فانی کو رحلت فرمائی۔

مولانا کے تعلیمی نظریات کی بنیاد یہ تھی کہ قرآنِ پاک کو اُس کا اصل مقام دیا جائے۔ کیونکہ وہی ہمارے تمام علم وعمل کا سرچشمہ ہے۔ حدیث، واصولِ حدیث، فقہ، واصولِ فقہ، تفسیر، منطق، فلسفہ، علمِ کلام، تاریخ وسیر، اسرارِ شریعت، وبلاغت وادب، صرف ونحو، جملہ علوم وفنون اس لئے پڑھائے جاتے ہیں کہ وہ کتابِ الٰہی کے سمجھنے کا وسیلہ ہیں۔ یا اس کی شرح وتفسیر ہیں۔ اس مدرسہ میں عالمیت، فضیلت کے مراحل تک اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ نصابِ تعلیم ندوہ اور درسِ نظامی سے کچھ ہٹ کر مولانا شبلی وعلامہ حمید الدین فراہیؒ جیسی شخصیات کا تیار کردہ ہے۔ آزاد ہندوستان کے وسیع تر ماحول میں قومی ضرورتوں، اور امنگوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کی راہیں بھی ہموار ہوں۔ اس لئے مدرسہ کے نصاب میں نئے مضامین کا اضافہ کیا گیا۔ اور ہندی وانگریزی کے ساتھ مزید ریاضی وسائنس اور دیگر عصری علوم کا اضافہ بھی کیا گیا۔

اس ادارے نے عربی ادب کے بڑے بڑے اساطین واہل قلم پیدا کئے۔ جن میں مولانا

امین احسن اصلاحی، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا صدرالدین اصلاحی، پروفیسر عبیداللہ فراہی، ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی، پروفیسر اسلم اصلاحی، وغیرہ شامل ہیں۔ اور آج یہ ادارہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ سرگرمِ خدمت ہے۔

جامعۃ الفلاح بلریاگنج (اعظم گڈھ):۔ بیسویں صدی میں تحریکات اسلامی کی کوششوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اسلامی بیداری کی لہر نے اس بات کا شدید احساس پیدا کیا تھا کہ قرآن وسنت کی بنیاد پر ایک جامع، مناسب، متحرک، اور مؤثر نظامِ تعلیم وتربیت مرتب کیا جائے۔ جو علوم دینیہ کی ماہرانہ صلاحیت کے ساتھ ساتھ طلبہ میں ضروری عصری علوم سے واقفیت پیدا کرے۔ چنانچہ اسی احساس کے تحت جامعۃ الفلاح کا قیام ۱۹۶۲ء میں عمل میں آیا۔ جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۵۴ء تک بلریاگنج میں جس جگہ آج جامعۃ الفلاح قائم ہے درجہ دوم تک "مکتب اسلامیہ" نام کا ایک معمولی مدرسہ تھا اور ۱۹۵۴ء تا ۱۹۶۲ء مکتب نے ثانوی درجات تک ترقی کی۔ اور آخری سالوں میں نام بدل کر "جامعہ اسلامیہ" رکھا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں عربی درجات کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور "جامعۃ الفلاح" نام رکھا گیا۔ گذشتہ برسوں میں ادارہ نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ اور ہزار ہا طلبہ وطالبات سندِ فراغت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ ادارہ کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا جو قرآن وسنت کا گہرا علم رکھتے ہوں اور جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر ہو۔ غیر اسلامی افکار ونظریات سے بخوبی واقف ہوں۔ اور جو گروہی، جماعتی، اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر معاشرہ کی اصلاح وتعمیر کا کام کر سکیں۔ اور ایسا نصاب لانا جسمیں دینی وعصری علوم کا امتزاج ہو۔ اور فنی وتکنیکی، اور پیشہ ورانہ تعلیم کا اس طرح نظم کرنا کہ بنیادی مقصد متاثر نہ ہو۔ مدرسہ کا نصابِ تعلیم ابتداء سے فضیلت وتخصص تک ایک ۱۵ سالہ جامع ومربوط نصاب تعلیم ہے۔ جس میں اسلامیات، عربی زبان وادب، نیز بعض اہم عصری مضامین خاص توازن کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ قرآن وحدیث کی تعلیم کا مروج روایتی طرز تدریس کے بجائے تحقیقی واستخراجی طریقہ تدریس اختیار کیا گیا ہے۔ اور فقہ اسلامی کی تدریس کا تقابلی انداز اختیار کیا گیا ہے تاکہ مسلکی تعصب ختم ہو۔

جامعۃ الفلاح سے ملحق مدارس میں جامعہ الصالحات بانسی (سدھارتھ نگر)، جامعہ مصباح العلوم چوکنیا، بھارت بھاری (سدھارتھ نگر)، مدرسہ فیضان شبلی، بندول (اعظم گڈھ)، جامعۃ المحسنات ڈھلئی، فیروز پور (ضلع مئو)، مدرسۃ الزہراء عربی تعلیم مرکز، کوہنڈہ (اعظم گڈھ)، اسلامیہ نسواں اسکول، جیراجپور (اعظم گڈھ)، مدرسہ ضیاء العلوم مخدوم پور، فرید پور، (اعظم گڈھ)، وغیرہ شامل ہیں۔

اور مولانا جلیل احسن مرحوم (۱۴ر مارچ ۱۹۶۹ء، تا ۱۳ ستمبر ۱۹۶۹ء)، مولانا ابو بکر اصلاحی مرحوم (۱۴ر ستمبر ۱۹۶۹ تا ۷ر نومبر ۱۹۷۲ء، مولانا ابواللیث اصلاحی (۸ر دسمبر ۱۹۷۹ء تا ۱۷ر نومبر ۱۹۸۱ء) مولانا صدر الدین اصلاحی (۱۸ر اپریل ۱۹۸۲ء، تا ۳ر مئی ۱۹۹۰ء)، مولانا جلال الدین انصری عمری (۷ر ستمبر ۱۹۹۵ء تا ۱۹ ادسمبر ۱۹۹۶ء)، مولانا ابوالبقاء ندوی (۲۵ مئی تا حال) جیسے جلیل القدر علماء کرام مدرسہ کے نظماءِ اعلی رہے ہیں۔

دار العلوم (مئو):۔

دار العلوم دیو بند کی فکر کولیکر اکابرینِ دیو بند ہی کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہوئے مئو اعظم گڈھ کے چند بزرگوں نے ۱۸۷۵ء میں دار العلوم مئو کی بنیاد رکھی۔ اور الحمد للہ روزِ اوّل ہی سے دار العلوم منہاج نبوت پر قائم ہے۔ اور منصب رسالت کے فرائض کی اشاعت میں اپنے ممکنہ وسائل کے ساتھ رواں دواں ہے۔ دار العلوم مئو ناتھ بھنجن مشرقی اتر پردیش میں دینی تعلیم و تربیت کا ایک اہم ترین قدیم مرکزی ادارہ ہے۔ جو تقریباً ۱۳۰ سال سے احادیثِ نبوی اور علوم وفنون کی تعلیم میں نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ اور آج بھی ہندوستان کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے طلباء اسلامی تعلیم سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ اور تقریباً ڈیڑھ سو اساتذہ و معلمات مصروف تدریس ہیں۔ دار العلوم مئو کے شعبہ عربی کے فضلاء کی بڑی تعداد اطراف عالم میں دینی و علمی خدمات انجام دے رہی ہے۔ جن میں سے کچھ حضرات عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ اس کے علاوہ شعبہ افتاء، تخصص فی الفقہ، شعبہ حفظ و

تجوید، شعبہ نشرواشاعت، شعبہ کمپیوٹر وغیرہ اہم شعبہ جات قائم ہیں۔اور دار العلوم تحت کے نسواں انٹر کالج، اور بوائز انٹر کالج بھی قائم ہو چکے ہیں۔

جامعہ مفتاح العلوم (مئو):۔

مئو (اعظم گڈھ) کی سرزمین پر دار العلوم مئو کے شانہ بشانہ جامعہ مفتاح العلوم شاہی کٹرہ، مئو ناتھ بھنجن بھی ایک اہم مدرسہ ہے۔جس کی بنیاد ۱۸۷۷ء/۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا امام الدین صاحب نے رکھی تھی۔ یہ مدرسہ مغلیہ دور کی تاریخی عمارت کے کھنڈر میں شاہی مسجد کے وسیع صحن میں واقع ہے۔ اس گہوارۂ علم وادب سے ہزار ہا حفاظ وعلماء وفضلاء فارغ ہو کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں اشاعت دین اور تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ادارہ میں دورہ حدیث، شعبہ حفظ وقراءتِ سبعہ وحفص، اور شعبہ افتاء وغیرہ تک کی تعلیم دی جاتی ہے۔الغرض جامعہ مفتاح العلوم مسلمانوں کے ایثار و قربانیوں، کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔جہاں کی دینی تعلیم سے مبلغین اور درس وافتاء کا کام کرنے والے علماء پیدا ہوتے ہیں۔

جامعۃ الرشاد (اعظم گڈھ):۔

اس ادارہ کی بنیاد ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے رکھی تھی اسکے بے شمار مقاصد میں سے ایک مقصد عربی زبان کے ذریعہ اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام کرنا، اور اس سے مادری زبان کی طرح دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے۔اور مدرسہ کا نصاب تعلیم درسِ نظامی کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ جدید عربی نظامِ تعلیم کی اصلاحات اور موجودہ رائج طریقہ تعلیم خاص طور پر انگریزی زبان کے ساتھ معاشیات وسیاسیات اور سائنس کے مبادیات مشتمل ہے۔

ادارہ سے وابستہ عربی مصنفین میں ا۔مولانا شبیر احمد میرٹھی (تفسیر مفتاح القرآن سورہ

فاتحه)، ۲۔ مولانا اخلاق احمد کریمی (جوامع الشیم لسید الامم)، ۳۔ قاضی محمد حسن ندوی (لکنانو مدینة الثقافة والأناقة)، ۴۔ برکت اللہ قاسمی، (الذریعة العمدة الی تسهیل القصیدة البرده، البلاغة القرآنیة) ۵۔ مولانا عبدالمجید اصلاحی (القرائة العربیة)، ۷۔ مولانا معصوم ظفر ندوی (التقلید الشرعی ضرورته واهمیته)، ۸۔ مولانا مختار احمد اصلاحی (شجرة النعیم)، ۹۔ اور مولانا ابوبکر غازی پوری وغیرہ شامل ہیں۔

ادارہ سے بہت سی اہم عربی کتابیں شائع ہوئیں: جیسے ''العبادة والخدمة ''ازمولانا نعیم احمد صدیقی تعریب ''عبادت وخدمت'' از حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ، ۲۔ ''القیاس فی الاسلام'' از حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی، ۳۔ ''الوقت دولة عظیمة ''ازمولانا اخلاق احمد کریمی، تعریب ''وقت ایک دولت ہے'' از حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی، ۴۔ ''خطبة النکاح ''ازمولانا اخلاق احمد کریمی، تعریب ''خطبہ نکاح'' از حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی، ۵۔ ''الذکر والدعاء ''ازمولانا اخلاق احمد کریمی، تعریب ''ذکرودعا'' از حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی، وغیرہ۔

مذکورہ عربی خدمات کے علاوہ 'ماہنامہ 'الرشاد' جو عربی واردو، دونوں زبانوں میں ادارہ سے شائع ہوتا ہے اور ''انوار محمدی'' ازمولانا مجیب اللہ ندوی (ترجمہ شمائلِ ترمذی ازمولانا کرامت علی جونپوریؒ) ،اور ''جامعة الرشاد رسالتها واهدافها ومیزاتها ''(عربی) ازمولانا مجیب اللہ ندوی، وغیرہ ناقابلِ فراموش عربی خدمات ہیں۔

دارالسلام عمر آباد:۔

دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنو کے شانہ بشانہ انھیں مدارسِ عربیہ کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی دارالسلام عمرآباد ہے جس کو ۱۹۲۴ء میں کاکا محمد عمرؒ نے جہالت کے خاتمہ، علم کی ترویج واشاعت کیلئے جنوبی ہندوستان کے شہر عمرآباد میں قائم کیا تھا۔ قدیم وجدید کا امتزاج، سلفِ صالحین کی اتباع، اس کے اولیں اصولوں میں سے تھے۔ اس ادارہ نے سینکڑوں داعی پیدا کئے۔ ظہیر الدین رحمانی، ثناء

اللہ عمری، حبیب الرحمن اعظمی، حفیظ الرحمن، عبدالرحمن خاں ادارہ کے ممتاز اہلِ قلم ہیں۔ محمد یوسف کوکن عمری کی اعلام النثر والشعر فی العصر العربی الحدیث مایہ ناز کتاب ہے۔

جامعہ سلفیہ (بنارس)

اسی مدارسِ عربیہ کی ایک کڑی جامعہ سلفیہ بنارس بھی ہے۔ جس کا ۲۹ نومبر ۱۹۶۳ء کو سعودی سفیر یوسف بن عبد الفوزان نے سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ کتاب وسنت کی تعلیم، مصلحین و دعاۃ کی تربیت، بدعات وخرافات کارد، اتحاد بین المسلمین، مدارس وجامعات کے ساتھ تعاون، بنیادی مقاصد میں سے ہیں۔ بیرونی امداد کی وجہ سے عمارات ولائبریری، شعبہ جات وسینٹرز میں بیحد ترقی کی۔ شعبہ حفظ، عالمیت، تخصص، شعبہ دعوت وافتاء، حدیث وغیرہ اہم شعبہ جات ہیں۔ مقاصد کی تکمیل کیلئے ''ادارۃ البحوث الاسلامیہ'' قائم کیا۔ ادارہ سے عربی میں ''صوت الامہ'' اور اُردو میں ''محدث'' اخبارات نکلتے ہیں۔ اس مدرسہ نے کم وبیش ۱۸۰ کتابیں، تالیفات وتراجم، وغیرہ شائع کیں۔ محمد ابوعبداللہ، محمد بن یوسف سورتی، مولانا عبدالمجید حریری، محفوظ الرحمن، فیضی، عقیل احمد، حبیب اللہ، مقتدیٰ حسن ازہری اہم ادباء میں سے ہیں۔

بہار:۔

اسلامی حکومت کی ابتداء سے ہی بہار نے اسلامی علوم و ادبیات کی ترویج وترقی میں زبردست حصہ لیا۔ اس شاندار روایت کی ابتداء حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحیٰ منیریؒ کے دور سے ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم چرمپوش اور حضرت شرف الدین یحیٰ منیریؒ نے تصوف وعرفان، علم و دانش، اورادب وانشاء کا ایک ایسا مرکز قائم کیا جس کے فیوض وبرکات سے نہ صرف بہار بلکہ دوسرے علاقے بھی مستفید ہوتے رہے۔ حضرت شرف الدین منیریؒ، اوران کے جانشینوں نے عربی اور فارسی علوم کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ بہار میں علوم وادبیات کا دوسرا اہم مرکز پھلواری شریف پٹنہ ہے جس کی ایک شاخ خانقاہِ عمادیہ بھی ہے۔ جو پٹنہ شہر منگل تالاب میں واقع ہے۔

بھاگلپور میں خانقاہِ شہبازیہ، اور مونگیر میں مولانا محمد علیؒ کی خانقاہ علوم اسلامی، اور عربی ادب کی خدمات میں کافی شہرت رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ بہار کے دوسرے علاقوں میں بھی متعدد علم وادب کے مراکز رہے ہیں۔ جن کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ گذشتہ چھ سات سو برسوں میں بہار نے اَن گنت نامور علماء، صوفیاء، ادباء، وشعراء، پیدا کئے۔ جن کی تصانیف ودواوین کا خزانہ سرمہ چشم بصیرت ہے۔ عصرِ حاضر میں علامہ سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر مختار الدین آرزو، ملک العلماء سید فخر الدین رضوی، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سرزمین بہار کے مایہ ناز فرزند اور عربی ادب کے اہم ستون ہیں جن کی تصانیف کے بارے میں گذشتہ ابواب میں تفصیل سے آچکا ہے۔

الغرض ہندوستان میں عربی زبان وادب کی خدمت میں عربی مدارس کا شروع سے ہی بہت بڑا رول رہا ہے جن کے تذکرہ کے بغیر عربی زبان وادب کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

جدید موضوعات اور اصنافِ سخن (وغیرہ): ایک جائزہ

آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آزادی سے قبل کے ہندوستان میں عربی زبان وادب کی حیثیت کا مختصر جائزہ لیا جائے۔ جس کی روشنی میں آزادی کے بعد کے عربی ادب کی صحیح قدر وقیمت متعین کی جاسکے۔

جب ہم ہندوستان میں عربی زبان وادب کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت سندھ کا علاقہ اموی وعباسی خلفاء کے ماتحت تھا اس وقت وہاں کی سرکاری زبان عربی تھی۔ اس عہد میں سندھ اسلامی علوم وفنون کا مرکز بن چکا تھا۔ اور دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں فقہ وحدیث کے ماہرین یہاں پر پیدا ہوئے۔ جن میں مشہور محدث ابو حفص ربیع بن صبیح بصری پہلے مسلمان مصنف تھے۔ ان کے علاوہ ابنِ ندیم کی الفہرست کے مطابق دو ہندو پنڈت نکا، اور دھن بھی شامل ہیں۔ جنھوں نے سنسکرت کی چند کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ اس کے بعد غزنوی عہد میں عربی زبان کو غیر معمولی فروغ ہوا،

اسی دور میں لکھی گئی مشہور سیاح ابوریحان البیرونی کی کتاب ''تحقیق مالِلہند'' قدیم ہندوستانی رسم ورواج پر اب بھی اہم ترین ماخذ تسلیم کی جاتی ہے۔ پھر **عہدِ سلطنت** دہلی میں بغداد اور دہلی کا رابطہ مزید گہرا ہوا۔ اور ہلاکو کی تباہ خیزیوں کے بعد دہلی عالموں کی پناہ گاہ بن گئی۔ اور علمِ حدیث میں مشارق الانوار ،لغت میں ''عباب'' جیسی اہم کتابیں تصنیف کی گئیں۔

خلجیوں کے دور میں مشہور مصری محدث شمس الدین ،مشہور عالم حسام الدین ،اور ابو بکر اسحاق معروف بہ تاج وغیرہ نے علم کا چراغ روشن کیا۔ نظام الدین اولیاءؒ کا عربی خطبہ ،امیر خسرو کی عربی شاعری ،چشتی سلسلہ کے صوفی شیخ نصیر الدین چراغ کے عربی اشعار ،عبد المقتدر کی لامیۃ العجم ،کے جواب میں ''القصیدۃ الامیۃ'' اسی وقت کی یادگار ہیں۔ **عہدِ تغلق** میں گیسو دراز کی عربی شاعری ،اور علی بن مہائمی کی فقہ وتصوف میں عربی کتابیں ملتی ہیں۔

عہدِ مغلیہ میں فارسی کے غلبہ وعروج کے باوجود عربی میں تصنیف وتالیف کا نمایاں کام ہوا۔ اسی دور میں عبد الحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ بیضاوی ،وحاشیہ تفتازانی لکھے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغہ (علمِ اسرارِ شریعت) ،مسوّیٰ شرحِ موطا ،فیوض الحرمین جیسی بیشمار عربی کتابوں نے دھوم مچادی۔ آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان لکھی جو ہندوستانی تاریخ وتذکرہ کا بے مثال شاہکار ہے۔

بیسویں صدی میں ہندوستان میں ایسے ایسے عباقرۂ رجال پیدا ہوئے ،جن کی نظیر اہل زبان میں بھی نہیں ملتی۔ مثلاً علامہ رشید احمد گنگوہیؒ ،علامہ شبلی نعمانیؒ ،علامہ حمید الدین فراہیؒ ،علامہ مولانا شاہ محمد جان ،بحری آبادیؒ ،قاضی اطہر مبارک پوریؒ ،مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ ،نجم الغنی خاں ،علامہ عبد الحیٔ حسنیؒ ،حکیم اجمل خاں ،جیسے رجالِ ادب پیدا ہوئے۔ جنھوں نے تقریباً سبھی علوم وفنون میں عربی زبان وادب کی آبیاری کی ،جیسے تفسیر میں علامہ فراہیؒ کی ''فاتحہ نظام القرآن'' سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے ،اس لئے کہ وہ مصنفؒ کے عمر بھر کے تدبر فی القرآن کا نچوڑ ہے۔ جس میں انھوں نے نظمِ

قرآن کا نظریہ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ پورا قرآن باہم مربوط ہے، اور اللہ تعالیٰ کا کلام نظم وترتیب سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اس میں انھوں نے مہماتِ مسائل پر روشنی ڈالی ہے جو قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے ہر شخص کو پیش آتے ہیں۔ تفسیرِ قرآن کے اہم ترین مسائل میں آیات اور سورتوں کے درمیان ربط ونظام کا ہے یہ ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے کہ بہت سے مفسرین نے سرے سے ربط ونظام کے وجود ہی سے انکار کردیا ہے۔ لیکن علامہ فراہیؒ اس کے قائل ہیں ور اس کے وجوہ ودلائل بیان کرتے ہیں۔ تفسیر میں ہی مولانا ریاست علی شاہجہانپوری کی تفسیر بھی اہم ہے۔ مولانا اشرف علیؒ تھانوی کی ''سبق الغایات فی نسق الآیات'' بہت اہم تفسیر ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی مشکلات القرآن، بھی تفسیر میں پیش آنے والی دشواریوں پر لکھی گئی ہے۔

آزادی کے بعد عربی میں سب سے مایہ ناز تفسیر مولانا امتیاز علی خاں عرشیؒ کی ''تفسیرِ امام سفیان ثوریؒ'' ہے یہ ضخیم کتاب ۱۹۶۵ء میں رضا لائبریری رامپور سے شائع ہوکر خود عالمِ عرب کے فضلاء سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہے۔ اسی طرح اقبال احمد عمری اعظمی کی ''تفسیرات شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ'' تفسیر ابنِ قیمؒ کے نہج پر ابنِ تیمیہ کی کتابوں سے جمع کردہ تفسیروں کا مجموعہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی ''تفسیرِ القرآن بکلام الرحمن'' بھی اپنے طرز کی انوکھی تفسیر ہے جس میں انھوں نے آیات کی تفسیر قرآن ہی کی متبادل آیات سے کی ہے۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں علمِ حدیث میں پہلے سے کہیں زیادہ کام ہوا ہے۔ مثلاً مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی ''اعلاء السنن'' (مطبوعہ مجلسِ علمی ۱۳۹۰ھ کراچی) جو بیس جلدوں میں لکھی گئی ہے اس میں ان متعلقہ کتابوں کو جمع کردیا ہے جن سے فقہِ حنفی ماخوذ ہے۔ اسی طرح مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی ''مصنف عبدالرزاق'' گیارہ ضخیم جلدوں میں اور ''مصنف ابن ابی شیبہ'' حدیثی تعلیقات وحواشی اور تحقیقات کا مجموعہ ہے جو اس دور میں حدیث کی بہت بڑی خدمت ہے۔ علی احمد کوریا پاریؒ کی ''شرحِ کتاب الایمان للصحیح المسلم'' بڑی تقطیع پر تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل یہ شرح مکمل ہوئی ہے

۔اوراس میں تمام اہم اور مشکل مباحث پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔خاص طور پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

کاندھلویؒ کی ''اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک''،علم حدیث پر لکھی گئی سب سے بڑی کتاب ہے ۔جو چھ ضخیم جلدوں میں مصنف کے تیس سال سے زائد انہماک کے بعد مکمل ہوئی ہے۔اسی طرح تبلیغی و دعوتی مقاصد کے پیش نظر لکھی گئی حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی ''حیاۃ الصحابہ''،حدیثی ادب و سوانحی ادب،تاریخی ادب،اورتذکرہ نگاری کا بھی شاہکار ہے۔اس کے علاوہ،شبیر احمد عثمانیؒ کی ''فیض الملہم''،مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ کی ''قلائد الازہار''،مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی ''التعلیق الصبیح''،محمد میاں دیوبندیؒ کی ''مشکوۃ الآثار''،اس بات کا ثبوت ہیں کہ آزاد ہندوستان میں عربی میں علم حدیث کی خدمت بیسویں صدی کے نصف اول کے مقابلہ بہت زیادہ ہوئی ہے۔حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی ''حجۃ الوداع وعمرات النبی'' ایک الہامی کتاب ہے۔اور بالکل حال ہی میں مفتی سعید احمد پالنپوری کی تازہ ترین تصنیف ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' دیوبند سے منظر عام پر آئی ہے جوشاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغہ کی شرح ہے۔

بیسویں صدی کے نصف اول میں علم فقہ میں مولانا احمد رضا خاں کی ''شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر'' نجم الغنی خاں کی ''القول الفیصل فی تحقیق الطہر المتخلل'' محمد اعجاز احمد معجز کی ''برائۃ التحقیق'' عربی میں مسئلہ اجتہاد پر،محمد طیب عرب مکی کی ''السلاطفہ فی رد المقلدین'' جیسی کتابیں لکھی گئیں،تو نصف آخر میں آزادی کے بعد قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی ''عنوان القضاء'' (چار جلدیں) ''الوقف'' ''نظام القضاء فی الاسلام'' ''قضایا فقہیہ معاصرہ'' ''فقہ المشکلات'' ''الذبائح'' ''دراسۃ فقہیۃ'' جیسی مایہ ناز تصانیف معرض تحریر میں آئیں۔محمد شریف مصطفیٰ آبادی کی ''سوال وجواب نور الانوار'' ایک اچھی کوشش ہے۔قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے فقہی انسائکلوپیڈیا ''الموسوعۃ الفقہیہ'' کا ترجمہ بھی چالیس جلدوں

میں کرایا ہے۔ مولانا اعزاز علی امروہوی کی ''شرح نور الایضاح '' درسِ نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔اس طرح فقہ اور حدیث میں بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ آزادی کے بعد کا پلّہ نصفِ اول کے عہد پر بھاری ہے۔ البتہ علمِ منطق میں آزادی سے قبل زیادہ کام ہوا تھا۔ جیسے مولانا عبد الحق خیرابادی کی درجنوں کتابیں حاشیہ قاضی مبارک،حاشیہ حمد اللہ،شرح مسلم الثبوت،شرح سلاسل الکلام، رسالہ تحقیقِ تلازم،حاشیہ غلام یحیٰ' شرح ھدایۃ الحکمۃ،وغیرہ اس موضوع پر ہیں، کیونکہ ماضی میں درسِ نظامی میں منطق وفلسفہ کا غلبہ زیادہ رہا ہے،اور'' ملا حسن'' ''میبذی'' ''سلم العلوم'' ''تہذیب المنطق'' جیسی مشہور کتابیں لکھی گئیں۔اور اہتمام سے پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ لیکن آزادی کے بعد اس کا رجحان بہت کم ہوا ہے۔اور منطق وفلسفہ کو غیر ضروری جان کر نصاب سے خارج کرنے کی بھی کوشش ہوئی ہے تاہم دار العلوم دیو بند میں بڑی حد تک اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی شروحات تیار کی گئیں۔انھیں میں محمد شریف مصطفیٰ آبادی کی ''جواھر الکلم'' اور'' شرح السلم'' ''شرح شمسیہ'' ''سوال و جواب میر قطبی'' ''الافاضۃ القدسیۃ فی المباحث الحکمیۃ'' وغیرہ شامل ہیں۔

تاریخ وتذکرہ میں مولانا شبلی نعمانی کی'' بدء التاریخ'' ''علامہ عبد الحئی حسنی'' کی ''نزھۃ الخواطر'' ''معارف العوارف'' ''الھند فی العھد الاسلامی'' کی سطح کی تصانیف تو نہیں لکھی گئیں، پھر بھی آزادی کے بعد تاریخ وتذکرہ میں قاضی اطہر مبارکپوری کی'' رجال السند و الھند'' ممتاز کتاب ہے۔انھیں کی '' العرب فی الھند'' ،مولانا محمد رابع حسنی ندوی ومولانا محمد واضح رشید حسنی کی مشترکہ تصنیف ''تاریخ الادب العربی'' ، محمد یوسف کوکن عمری کی'' العرب و آدابھم'' .ڈاکٹر ضوان ندوی کی ''الادب العربی فی شبہ القارۃ الھندیۃ الباکستانیۃ عبر القرون'' مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی'' رجال الفکر و الدعوۃ'' کم اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔

علمِ لغت میں موجودہ دور کو اس لئے امتیاز حاصل ہے کہ تاج العروس،لسان العرب، المعجم

الوسیط اقرب الموارد جیسی مشکل لغات کے بجائے لغت کو آسان بنانے، اور اردو میں عربی الفاظ کا بدل سمجھانے کی کوشش زیادہ کی گئی ہے۔ اسی لئے حفیظ بلیاوی کی مصباح اللغات، جس کو اردو کی المنجد کہا جاتا ہے، وحید الزماں قاسمی کیرانوی کی ''القاموس الجدید'' (مطبوعہ مکتبہ حسینیہ دیوبند)، طلبہ کی سہولت کے پیش نظر لکھی گئی بیحد مقبول ومتداول لغات ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ''لغات جدیدہ''، ''ضمیر احمد ندوی'' کی ''کتاب الفروق''، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کی ''بیان اللسان'' (عربی اردو لغت) لافانی شاہکار ہیں۔

آزادی سے قبل طب میں عربی میں اچھا کام ہوا تھا جو آزادی کے بعد اس سطح پر نہ ہوسکا مثلاً نصف اول میں عبداللہ بن محسن عرب یمانی کی ''تقویم الادو''، محمد اعجاز احمد معجز کی ''تعلیقات علی الحمیات''، سید مظفر علی کی ''البرہان فی امتناع کون النار من الارکان''، ''الغلواء فی الحلواء'' و ''ترویۃ الظما'' قابل قدر کتابیں ہیں۔ خاص طور پر حکیم محمد اجمل خاں نے بڑی تعداد میں طب عربی میں کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں ''ازالۃ الحن''، ''التحفۃ الحامدیۃ فی صناعۃ التکلیۃ''، ''حاشیہ شرح اسباب بحث سرسام''، ''القول المرغوب فی الماء المشروب''، ''مقدمۃ اللغات الطبیہ''، ''الوجیزۃ''، ''ایقاظ النعسان فی اغالیط الاتحسان''، فن طب میں عربی میں گرانقدر سرمایہ ہیں، لیکن آزادی کے بعد اس فن میں کوئی خاص تحریر سامنے نہیں آسکی۔

کیونکہ آزادی کے بعد کا رجحان عربی بول چال کو آسان بنانے، ترجمہ نگاری، صحافت، خطابت، اور عام رابطہ کی ضرورت کے پیش نظر تسہیل نگاری کی طرف رہا ہے۔ لغات بھی آسان تیار کی گئیں ہیں۔ اس کے کچھ خاص اسباب ہیں۔ اور وہ ہے بدلے ہوئے حالات کا اثر۔ عربوں سے اختلاط وروابط، اور عالمگیری رجحان جس کے مثبت ومنفی دونوں اثرات مرتب ہوئے۔ کچھ موضوعات میں نمایاں ترقی ہوئی۔ جیسے مقالہ نگاری، انشاء، ادب، ترجمہ، تفسیر، فقہ، حدیث، مکاتیب نگاری، صحافت وغیرہ۔ اور کچھ میدانوں میں خاصی کوتاہی ہوئی جیسے علم حساب وہندسہ، ہیئت، توقیت جفر،

طب وغیرہ۔

علمِ حساب و ہندسہ، ہیئت ،توقیت جفر طب وغیرہ میں آزادی سے قبل اہم نام مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ہے۔جن کی ''تبویب الاشباہ'' '' الکسر العشری'' (ہیئت)، ''حاشیہ زبدۃ المنتخب فی العمل با الربع'' (توقیت)، ''الجداول الرضویۃ لاعمال الجفر'' (جفر) وغیرہ اہم کتابیں ہیں جن کا اب ہندوستان میں آزادی کے بعد کوئی بدل موجود نہیں باقی دیگر موضوعات پر ہم اسی باب کی ابتداء میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

الغرض خلاصہ یہ ہے کہ آزادی سے قبل عربی کی تدریس اصلاًدین سیکھنے کے مقصد کے تحت تھی اور دینی مدارس کا نصاب درسِ نظامی میں محصور تھا۔عربی قواعد کی بنیادی کتابیں میزان، منشعب ،نحو میر،وغیرہ فارسی میں پڑھائی جاتی تھیں ۔ یہ مغلوں کے دور میں فارسی کے سرکاری زبان ہونے کا اثر تھا۔مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، جامعہ عثمانیہ حیدراباد، الہ آباد یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ،یا اور بعض جگہوں پر عربی کے شعبے تھے۔مگر ان کے فاضلین محدود ہوتے تھے۔کیونکہ عربی مدارس کے طلباء کا رجحان اس طرف نہیں ہوا تھا۔ آزادی کے بعد مدارس کے نصاب میں تبدیلی، اور آسانی ، ہمہ گیری، عالمگیری رجحان آیا۔اس کیلئے ندوۃ العلماء لکھنو میں نحوی نصاب کی تسہیل ،اور انشاءوادب پر کام شروع ہوا۔تو معلم الانشاء، منثورات، مختارات، جدید شعری مجموعوں پر نمایاں کام ہوا۔شعبہ عربی علی گڈھ میں نخبۃ الادب کا مجموعہ تیار ہوا۔اس کا خلاصہ لمعات الادب کے نام سے شبلی کالج اعظم گڈھ میں تیار ہوا، حیدراباد میں عربی کا معلم عبدالستار خاں نے تیار کیا۔ دیوبند میں مولانا وحیدالزماں کیرانوی مرحوم نے القراۃ الواضحہ تین جلدوں میں لکھی۔ اور بھی ان کی کئی کتابیں آئیں۔اسی طرح آسان نصاب سامنے آیا۔جس میں زبان سیکھنے اور روزمرہ کے استعمال کی عربی کا رجحان تھا۔اور اس سے نئی نسل تیار ہونے لگی چنانچہ گذشتہ ۳۰۔۳۵ سال میں عربی بولنے لکھنے اور ترجمہ کرنے والوں کی کثیر تعداد تیار ہوگئی۔نیز دوسری طرف عربی مدارس کے طلباء یونیورسٹیوں کی طرف آنے لگے اور طلباء کو علم کی نئی

عالمی راہوں کا علم ہوا۔ مدارس کے طلباء عربی میں ایم اے، پی ایچ ڈی کرنے لگے۔ اسی کے ساتھ عربی ممالک میں روزگار کے راستے کھلے۔ خلیجی ممالک میں ۱۹۷۰ء کے آس پاس پٹرول کی بہتات ہوئی۔ آمدنی کے ذرائع بڑھے۔ اخبارات ورسائل ہندوستان آنے لگے، اس سے جدید ذخیرۂ الفاظ کا فیضان بڑھا۔ مگر جہاں یورپ کے رنگ پر سامانِ عیش کی فراوانی ہوئی، وہیں مولویانہ گھروں میں مغربی تہذیب کے اثرات بھی ظاہر ہونے لگے جو قدیم سادگی اور زہد کا تضاد تھا۔ اس طرح موافق اور مخالف اثرات سب جدید دور کی دَین ہیں۔

ترجمہ:۔

ترجمہ کے ذریعہ قومیں ایک دوسرے کے قریب آتی ہیں۔ لہٰذا ہندوستان اور عرب ممالک کے رابطہ میں بھی ترجمہ کو بڑا دخل رہا ہے تقریباً ۷۷۰ء میں سنسکرت کتابوں کا عربی میں ترجمہ شروع ہو چکا تھا۔ ابن ندیم کی الفہرست میں ۱۵؍ سنسکرت ادیبوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن کی ادبی وعلمی تحریروں کا ترجمہ اس وقت تک عربی میں ہو چکا تھا۔ کشف الظنون (حاجی خلیفہ) کتاب الملل والدیانہا، اور الجاحظ کی البیان والتبیین میں ہندی فلاسفرز اور ہندوستانی عقائد کا ذکر ملتا ہے۔ سنسکرت کی پنچ تنتر کا ترجمہ "کلیلہ دمنہ" کے نام سے عربی ادب میں بیحد مقبول ہوا ہے۔ الف لیلہ ولیلہ کی کہانیوں میں بھی ہندی اثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سندباد بحری کی کہانی جو فارسی سے عربی میں منتقل ہوئی ہے بنیادی طور پر ہندی کہانی تھی۔ اور بقول مولانا سید سلیمان ندوی مہابھارت کے عربی ترجمے بھی ابتدائی عہدِ عباسی میں ہو چکے تھے۔ ؎

ترجمہ کے ذریعہ ہندوستانی تمدن کو عربوں سے متعارف کرانے میں ایک اہم نام ابوریحان البیرونی کا ہے، جن کی "تاریخ الہند یا تحقیق ماللہند" ہندوستانی معلومات کا اہم مرجع ہے۔ ابنِ بطوطہ کی تحفۃ الانظار وغرائب الامصار، کا دوسرا جز ہندوستان کی ادبی، سماجی وثقافتی، تاریخ کا اہم ماخذ مانا جاتا ہے۔

ترجمہ میں ہندوستانی مسلمانوں نے تقریباً ہر موضوع پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں عربی میں یادگار

چھوڑی ہیں۔ مثلاً اسلامی قانون پر ''الفتاویٰ الہندیۃ'' اصولِ فقہ میں مسلم الثبوت، فلسفہ قرآن پر حجۃ اللہ البالغہ، نہ صرف عرب دنیا، عالمِ اسلامی، بلکہ پوری دنیا میں مشہور ہیں اسی طرح اور دیگر عربی و اسلامی علوم وفنون پر مغل اور انگریزی دور میں عربی کے لازوال شاہکار تصنیف کیے گئے۔ آزادی کے بعد ہندوستان عربی ادب میں مشرق کے لیڈر کی حیثیت سے ابھرا، اور اس نے یہ مقام مختلف طریقوں سے حاصل کیا۔ مثلاً ٹیگور کے ڈرامے، قصائد، اور دیگر شاہکاروں کے عربی ترجمے تمام عرب قراء کی دسترس میں پہنچے۔ مہاتما گاندھی جی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بیشمار مقالے، اور کتابیں عربی میں لکھی گئیں۔ عباس محمود عقاد نے ''عبقریۃ گاندھی'' لکھ کر امن وسلامتی سے محبت اور جنگ وتشدد سے نفرت کے مثالی رہنما کو عربی میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ نہرو جی کی تحریروں کا عربی ادب پر غیر معمولی اثر رہا ہے۔ عرب اسکالرز انھیں انسانی ترقی کی ایک علامت کے طور پر یاد کرتے ہیں۔ ان کی کتاب ''انکشاف ہند'' اور ان کی بیٹی اندرا کے نام خطوط کے عربی ترجمے خواص وعوام میں مقبول ہیں۔ اندرا جی کی گھریلو اور سیاسی زندگی پر عربی میں کتابیں دستیاب ہیں۔ جدید عربی میں مہابھارت اور رامائن کے بھی ترجمے نثر ونظم دونوں میں ہو چکے ہیں۔ اور اس سب کے علاوہ آزادی کے بعد ثقافۃ الہند، البعث الاسلامی، الکفاح، مجلہ المجمع العلمی الہندی (علی گڈھ) الداعی، صوت الامہ، الصحوۃ نے ہندوستانی ثقافت کو عربی ذہن میں مختلف انداز سے متعارف کرانے، اور عربی ادب میں ہندوستان کے ادبی امتیاز کو ثابت کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں مختلف علماء خاص طور پر عبد العزیز میمنی، ابوالحسن علی ندوی، پروفیسر احتشام احمد ندوی، پروفیسر، پروفیسر محمد اجتباء ندوی، مولانا عبدالسلام خاں، مولنا سعید الرحمن اعظمی، مولانا واضح رشید حسنی، ومولانا محمد رابع حسنی ندوی وغیرہ ادباء کی خدمات یقیناً ناقابلِ فراموش ہیں۔

ناول نگاری:۔

آزاد ہندوستان میں عربی زبان وادب کی خدمت زیادہ تر دینی جذبہ کے تحت رہی ہے۔

اس لئے بیسویں صدی اور اس سے قبل بھی ہم ہندوستان میں عربی ناول کا فقدان دیکھتے ہیں، لیکن دور حاضر میں جہاں اور اصناف ادب میں ترقی ہوئی ہے وہیں صنفِ ناول میں اتنی پیش رفت ضرور ہوئی ہے کہ بعض اردو ناولوں کی تعریب کی گئی ہے۔ اور کچھ مشہور عربی ناولوں کے اردو ترجمے ہوئے ہیں۔ مجلہ ثقافۃ الہند، دہلی نے اس سلسلہ میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ بہت سے مضمون نگار حضرات نے ہندوستانی کہانیوں اور قصوں کی تعریب کی جو ثقافۃ الہند میں قسط وار شائع ہوتی رہی، جیسے پروفیسر زبیر فاروقی نے اسی مجلہ میں ۱۵۔۲۰ سال تک ہندوستانی کہانیوں کا عربی ترجمہ کیا۔ پروفیسر بدر الدین الحافظ نے توفیق الحکیم کے ڈراموں کو اردو جامہ پہنایا۔ اور عباس محمود العقاد کی عبقریات کے تراجم بھی (صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ، عثمانِ غنیؓ) انھوں نے کئے۔ اور پریم چند کے ناولوں کی تلخیص ریڈیو پر کی۔ اسی طرح پروفیسر محمد اسلم اصلاحی نے عربی کے مشہور ناول "سلیمان الحکیم" کا اردو ترجمہ کیا۔

اس میدان میں عبدالحق صاحب نے بڑا اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ جنھوں نے بیشمار کہانیوں کے عربی تراجم کئے۔ اور "قصہ قصیرۃ" پر عربی میں کتاب لکھی۔ اور "رؤیا الہند" اور "تقدیم الہند" جیسی اہم تحریریں یادگار چھوڑیں۔ اول الذکر جوف فیکا نند، گاندھی جی، آزاد، نہرو، اور رادھا کرشنا کی منتخب تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اور ثانی الذکر ہندوستان کے قدیم وجدید احوال وکوائف کا انحصار ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی کتاب "عربی ادب: تحلیلی جائزے" بہت کچھ روشنی ڈالتی ہے۔ یہ رفتار دیکھتے ہوئے امید پیدا ہوتی ہے کہ جلد ہی ہندوستان میں عربی کے ناول نگار بھی پیدا ہونگے۔

عربی خطابت:۔

عربی ادب میں خطابت کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو عہدِ جاہلی میں سحبان بن وائل سے شروع ہوتی ہے۔ اور جس نے عہد نبوی میں حضرت عمرؓ، وحضرت علیؓ، ان کے بعد اموی دور میں حجاج بن یوسف ثقفی وغیرہ جیسے اہم خطیبوں کے ذریعہ اپنا سفر طے کیا۔ عہدِ حاضر میں بڑھتے ہوئے عالمی روابط، اور سفراء کی آمد ورفت، قوموں کے میل جول نے اس کی ضرورت اور اہمیت میں مزید

اضافہ کیا۔لیکن ہندوستان میں عربی خطابت باقاعدہ ایک فن کی حیثیت سے نہ ابھر سکی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ عبقری علماء تقریری صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے،لیکن یہ ایک ضرورت کی تکمیل کی حد تک محدود رہی۔عربی سفراء کی آمد پر اداروں میں اعزازی تقاریب منعقد ہوتی ہیں۔تو ان کو خطابت کے ذریعہ علماءِ کرام اپنے اداروں کے کارناموں سے روشناس کراتے ہیں۔تبلیغی جماعت کے اسفار اور عربوں کی دعوت سے وابستگی نے بھی عربی خطابت کو فروغ دیا۔ان سب باتوں کے پسِ منظر میں اگر غور کرتے ہیں تو آزاد ہندوستان میں ایسے بہت سے حضرات ہیں جنکو عربی خطابت ہمیشہ یادرکھے گی۔جیسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ،مولانا سعید الرحمن اعظمیؒ،مولانا وحید الزماں کیرانویؒ، مولانا محمد سالم قاسمی،مولانا نور عالم خلیل امینی،مولانا عمید الزماں کیرانوی،مولانا سلمان الحسینی،پروفیسر سلیمان اشرف،پروفیسر احتشام حسین ندوی،پروفیسر ضیاء الحسن ندویؒ،وغیرہ۔

ریسرچ وتحقیق:۔

آزادی کے بعد یونیورسٹیوں میں ریسرچ وتحقیق میں اضافہ ہوا ہے،جو امید کی ایک نئی کرن ہے جس کو قبلِ آزادی کے گہرے علمی وتحقیقی کام کا بدل تو نہیں،البتہ ایک حد تک تلافی ضرور کہا جاسکتا ہے۔ہندوستان بھر میں پھیلی ہوئی عصری جامعات کے وسیع کینوس پر نظر ڈالیں تو ہر سال کی ایک بڑی تعداد ہے جو عربی میں اچھے تحقیقی مقالات کی شکل میں ریسرچ کے طالب علموں کے قلم سے نکلتی ہے۔ اور چونکہ یہ آزاد کام نہیں ہوتا۔بلکہ اس میں سپروائزر کی رہنمائی اور اس کا خونِ جگر بھی شامل ہوتا ہے ۔نیز بہت سے پروفیسران کی نگراں کمیٹی کی بھی نظر اصلاح اس پر پڑتی ہے۔اس لئے اس میں جلد بازی سے بھی کام نہیں لیا جاسکتا۔چنانچہ اس میں کمزوری کے امکانات کم ہوتے ہیں۔اور طباعت کے مرحلہ تک پہونچتے پہونچتے اس میں کافی نکھار آجاتا ہے۔ایسے مقالات چھپنے کے بعد کتابی شکل میں جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو مایوسی کے اندھیرے میں امید کی ایک نئی کرن پھوٹتی ہے جس سے ہندوستان میں عربی ادب کا مستقبل تابناک نظر آتا ہے۔ان مقالات میں بڑی تعداد ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔مگر

پھر بھی ان مقالات کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر ہمارے سامنے ہے ۔اُن میں موضوعات کا تنوع، نئے نئے اہلِ قلم کی بوقلمونی، نئے نئے دماغوں کی سوچ ،اور فکری گہرائی بھی شامل ہے۔ جو یقیناً روشن مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ذیل میں ایک سرسری نظر ایسے ہی نئے ریسرچ وتحقیقی مقالات اور کچھ آزادی کے بعد کی ذاتی تالیفات پر ڈالتے ہیں جو ملک کے مختلف گوشوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان مقالات کے لکھنے والوں میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین نے بھی اپنے علمی جوہر دکھائے ہیں۔ دینی مدارس کے طلبہ بھی کافی تعداد میں شامل ہیں ،اور خالص کالجوں ، یونیورسٹیوں کے پروردہ اہلِ قلم دانشور، اور اسی طرح علماءِ کرام بھی ہیں۔ مثلاً محمد نعمان الدین ندوی کی ''الروائع والبدائع فی البیان النبوی'' (دار الشہاب۔ بیروت ۱۹۹۹ء) ، انھیں کی ایک اور کتاب ''خصائص اللغۃ العربیۃ ولماذا یجب تعلمہا'' (مکتبہ دارحسان للطباعۃ والنشر جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدرآباد ۲۰۰۰ء)، ڈاکٹر محمد ایوب تاج الدین ندوی کشمیری کی ''الصحافۃ العربیۃ فی الھند نشأتہا و تطورھا (دار الہجرہ ۴۴۹، راجندر بازار، جموں ۱۹۹۷ء)، ڈاکٹر کفیل احمد قاسمی کی ''المقریزی حیاتہ ،بیئتہ وآثارہ'' (مطبع سلفیہ بنارس ۱۴۱۵ھ)، ڈاکٹر شیورائے شودری کی ''مدرسۃ الدیوان'' (مکتبہ اشاعتِ اسلام چوڑی والان دہلی)، نیز موصوف کی ''النہضۃ والتطور فی الادب الحدیث'' ''مکتبہ سابق)، ڈاکٹر عبد الحق شجاعت علی کی ''تقدیم علم اللغۃ العربیۃ الحدیث'' (جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی)، ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی کی ''التعبیر والمحادثۃ العربیۃ'' مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنو)، مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانویؒ کی ''القاموس الوحید ۲ جلدیں (کتب خانہ حسینیہ دیوبند)، اور موصوف کی ''القاموس الاصطلاحی (عربی اردو، اور اردو عربی)، اسی طرح آپ کی ''القاموس الجدید'' (عربی اردو، اور اردو عربی)، اور نفحۃ الادب، شرح نفحۃ الادب، عظیم الشان خدمات ہیں۔ ایسے ہی پروفیسر محمد سلیمان اشرف سابق صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی کی ''دراسات تاریخیۃ وادبیۃ'' (کوخ العلم ۹۴، ساکشارا اپارٹمنٹ ،اے ۳ بلاک، پچھم وہار، نئی دہلی ۶۳)، وغیرہ۔ الغرض ایک طویل فہرست ہے جس کا احاطہ کر

ناممکن نہیں ہے۔

اسی طرح آزادی کے بعد عربی زبان وادب سے متعلق بہت سے مقالات اردو زبان میں بھی لکھے جاتے رہے ہیں۔اردو میں لکھی جانے والی ایسی کتابوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو عربی زبان و ادب کے موضوع سے متعلق ہیں، ایسی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔مثال کے طور پر ڈاکٹر بدر الدین بھٹ کی ''مطالعات'' کوٹل، پلوامہ، کشمیر)، ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم کی ''متنبی ایک تحقیقی مطالعہ ' دانشکدہ، ہمدرد کالونی، نئی دہلی ۱۹۹۴ء)، اور محمد اظہر حیات کی ''احمد شوقی: ایک مطالعہ'' (حیات بکڈ پو، مومن پورہ، ناگپور) ڈاکٹر اشفاق احمد ندوی کی ''جبران خلیل جبران فن اور شخصیت'' (مکتبہ دانش محل، امین آباد، لکھنو) اور اور ڈاکٹر عبد الحق کی ''جدید عربی ادب: تحلیلی جائزے'' (جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی ۶۷)، ڈاکٹر محمد اقبال حسین ندوی کی ''عربی تنقید: مطالعہ اور جائزہ'' (سینٹرل انسٹی ٹیوٹ فار انگلش اینڈ فارن لنگویجز حیدراباد)، ڈاکٹر بدر الدین الحافظ کی ''چند مصری ناول اور افسانے'' (مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵) اور موصوف کی ''توفیق الحکیم: ناول نگاری کا ایک جائزہ'' (مکتبہ سابق)، موصوف کی ایک اور کتاب ''نجیب محفوظ اپنی نگارشات کے آئینہ میں'' وغیرہ۔یہ سب انتہائی اہم تالیفات ہیں جو شائع ہو کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں اسی طرح ڈاکٹر سید خالد حامدی نے ''عربی زبان و ادب کی تاریخ'' (ادارہ شہادتِ حق نئی دہلی) مرتب کی، اور ڈاکٹر عبد الحلیم ندوی نے بھی ''عربی زبان و ادب کی تاریخ'' (مطبوعہ کونسل فار پرموشن آف اردو لنگویجز نئی دہلی) تین جلدوں میں مرتب کی۔

اسی طرح عام عربی سیکھنے کے لئے مولانا بدر الزماں قاسمی نے ''جدید عربی ایسے بولئے'' (مکتبہ وحیدیہ نئی دہلی) تالیف کی، اور موصوف نے ''عربی اور انگلش بولنا سیکھئے'' (مطبع سابق) بھی مرتب کی۔آپ ہی نے ''عربی میں خطوط نویسی کو آسان بنانے کیلئے ''خطوط نویسی عربی انگلش، اور اردو میں'' یا ''اسلوب الرسائل بالعربیۃ والانجلیزیۃ والاردیۃ'' (مطبع سابق) لکھی۔

اسی طرح انگریزی زبان میں بھی عربی سے متعلق اہم کتب تالیف کی گئیں۔جیسے:۔

1-the essintial Arabic-A lecturar'rs practical guid" by prof.Rafee al-Imad Fainan" dept. of Arabic JMI. New Delhi"

2-A practical aproach to the Arabic lunguage. vol.1, by Dr.wali Akhtar dept of Arabic, Delhi University Delhi. etc.

آزادی کے بعد عربی کی اہلِ قلم خواتین:۔

آزاد ہندوستان میں بدلتے ہوئے حالات کی ایک دین یہ بھی ہے کہ خواتین نے بھی عربی زبان وادب کی خدمات میں اپنی علمی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ حالانکہ ان پر لگی پابندیاں، مشرقی حدود، اور گھروں میں عربی کا ماحول نہ ہونے کی وجہ سے یقیناً ایک بڑا اجہاد ہے جو انھوں نے کیا ہے ۔دینی مدارس میں تو عربی کا ماحول ہوتا ہی ہے مگر اس سے صرف بوائز طلبہ ہی فیض اٹھاتے ہیں۔ البتہ اب اکا دکا شہروں میں دینی مدارس خواتین کے لئے بھی کھل گئے ہیں مگر ان کی تعلیم عالمہ فاضلہ تک محدود ہوتی ہے، ان میں شاذ ونادر ہی کچھ لڑکیاں عربی سے ایم اے۔ یا اس سے بھی کم ریسرچ کر پاتی ہیں ۔ ان میں جامعۃ الصالحات رامپور ، جامعۃ الطیبات، مالیگاؤں، نور الاسلام نسواں لکھنو، اُن اداروں میں سرِ فہرست ہیں جن کو گورنمنٹ نے بھی بی اے کی برابر تسلیم کرلیا ہے۔ بہر حال وہ مدارس سے آئی ہوں یا خالص یونیورسٹیوں سے، اُن کے محدود ذرائع، اور پردہ وغیرہ کی پابندیاں، مردوں کی دست نگری، یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ریسرچ کے میدان میں قدم رکھنا، عربی کی تحریری صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کرنا، ان کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ پھر بھی بیسویں صدی کے نصفِ اول کے مقابلہ میں آزاد ہندوستان میں ہم دیکھتے ہیں کہ خواتین کی ایک بڑی تعداد ہے جس نے عربی میں معیاری تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ اور آج چوٹی کی عربی رائٹرز میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان میں سب سے اہم نام پروفیسر عصمت مہدی لطیف حیدرآباد کا ہے جنھوں نے "ماڈرن عربک لٹریچر

انگریزی'' میں لکھی۔اور ''نـزار و سـمـيـرہ فـی الـهند'' عربی بول چال سکھانے کے لئے مصری طریقہ پر آسان زبان میں لکھی۔اور موصوفہ کا ایک بڑا کارنامہ ''teach your self Arabic'' ہے،جو کارڈ دیکھنے اور کیسٹ سننے سے متعلق ہے۔اورڈاکٹر فرحانہ صدیقی جن کی ''دور الـمـرأة فـي إثـراء الـلـغـة الـعـربـيـة وآدابـهـا عـبـر الـعـصـور '' (گڈورڈ بکس۔ا۔نظام الدین ویسٹ مارکیٹ۔نئی دہلی)،اوراُن کی ریسرچ کا مقالہ ''نازک الملائکہ'' (گڈورڈ بکس۔ا۔نظام الدین ویسٹ مارکیٹ۔نئی دہلی)،دونوں علمی حلقوں سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔احقر نے جب ان سے ملاقات کی،اوران کی راہوں میں خاص طور پر عربی کے سلسلہ سے پیش آنے والے مسائل کو سنا۔اور عربی لکھنے بولنے کی صلاحیت پیدا کرنے میں اپنی جد وجہد کی منزلیں انھوں نے بیان کیں،تو بیحد متاثر ہوا۔انھوں نے خاص طور پر اپنے والدین،اوراساتذہ میں پروفیسر محمد اجتباء ندوی،پروفیسر عبدالحلیم ندوی،پروفیسر ضیاء الحسن ندوی،وغیرہ اساتذہ کی توجہات کا ذکر کیا جن کی بدولت وہ علم کی اس منزل تک پہونچیں۔انھوں نے پروفیسر شفیق الرحمن ندوی کے ساتھ عربی کا مختصر فاصلاتی کورس بھی تیار کیا جو قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی طرف سے شائع ہو کر کونسل کے ذریعہ چلائے جانے والے سینٹرس میں پڑھایا جاتا ہے۔''دورالمرأة'' میں انھوں نے مختلف زمانوں میں عربی زبان وادب میں خواتین کی خدمات پر قلم اٹھایا ہے۔مگر افسوس کہ انھوں نے عہدِ جاہلی سے عہدِ حاضر تک صرف ''عرب خواتین اہلِ قلم'' تک اپنے موضوع کو محدود رکھا ہے۔اور جدید دور کی عائشہ عبدالرحمن،فدوی طوقان،نازک الملائکہ،پر اپنی بات ختم کردی ہے۔تاہم عربی میں خواتین کی خدمات کے طور پر یہ پہلی قابل ستائش کوشش ہے جس میں ہم وردہ یازجی،رباب الکاظمی،ملک حفنی ناصف،عائشہ التیموریہ،ماری بنتِ الیاس زیادہ،مبرہ محمد علی جیسی نہضہ حدیثہ کے بعد پیدا ہونے والی اور بیسویں صدی کی ابتداء یعنی ۱۹۱۹ء تک اپنے قلم کے جوہر دکھانے والی خواتین کو بھی پڑھتے ہیں۔کاش کہ اب وہ ہندوستانی خواتین خاص طور پر جدید ہندوستان کی عربی مصنفین پر قلم اٹھائیں تو ایک بڑا خلا پُر ہوسکتا ہے۔نازک الملائکہ ان کا پی ایچ ڈی کا

مقالہ ہے جس میں انھوں نے کویت کی عرب خاتون نازک الملائکہ کی سوانح حیات ،عربی خدمات ،اور ان کی شاعری کو موضوع بنایا ہے۔ یہ دونوں کتابیں عربی زبان و ادب پر ان کی قدرت کا بیّن ثبوت ہیں۔آپ نازک الملائکہ سے بیحد متاثر ہیں ۔اسلوب نہایت سادہ، سلیس وشیریں ہے ۔ذیل میں نازک کے بارے میں لکھتی ہیں:۔ "وتمتاز الشاعرة نازك الملائكة بفضل التقدم و المبارزة بين الشاعرات المعاصرات للقرن العشرين فيما يتعلق بالدفاع عن قضية المرأة والدعوة الى تحريرها والمطالبة بالتساوى بين الجنسين ودفع الحجاب وإعجاب المرأة واعطاء المرة حقوقها الكاملة فى كل مجال من مجالات الحيات فكتبت مقالاً ضخماً وافياً تحت عنوان "المرأة بين الطرفين :السلبية والاخلاق" طرحته امام مؤتمر الاتحاد النسائى بمناسبة أسلوب المطالبة بحقوق المرأة السياسية فى مصر وقد أثارت هذه المقالة ضجة عنيفةً فى كل الاوساط العربيةداخل العراق و خارجه" (نازك الملائكة ص۱۹۸)۔

اسی طرح خواتین میں ایک اور اہم نام ڈاکٹر مہ جبیں اختر کا ہے جو حیدرآباد کی جامعہ عثمانیہ کے شعبہ عربی میں پروفیسر ہیں ان کی ''مساهمة الشيخ محمد عبدهٔ فى الادب العربی'' (ہمالیہ بکڈپو نامپلی حیدرآباد) بہت طویل مقالہ ہے جو تقریباً ۳۰۰ صفحات اور چھ ابواب پر مشتمل ہے جس میں انھوں نے مصر کے سیاسی سماجی تاریخی حالات کا بالتفصیل جائزہ لیا ہے۔اور شیخ محمد عبدہٗ ،ان کے معاصرین ،جمال الدین افغانی ،شوقی ،رافعی ،حافظ ،لطفی منفلوطی ،ودیگر ادباء ،شعراء ،شیخ کے تلامذہ کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے ۔چوتھے باب میں شیخ محمد عبدہٗ کی خدمات ،تالیفات ،ان کے زہد وتقویٰ ،تعلیمات وعقائد کا بیان کیا ہے۔ پانچواں باب ان کے مقام ومرتبہ کی تعیین ،معاصرین وغیرہ کی آراء پر مشتمل ہے۔الغرض یہ محنت سے لکھی گئی ضخیم تحقیقی کتاب ہے۔موصوفہ کی دوسری اہم کتاب ''نتائج الادب العربی لامین الریحانی ، حیات ،رحلات ،مؤلفات (جاریت جرافک ،جکربلی ،حیدرآباد/ہمالیہ بکڈپو ،نامپلی ،حیدرآباد) جو

۱۹۹۹ء میں پہلی بار منظرِ عام پر آئی ہے۔ کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ تقریباً سو صفحات پر مشتمل امین ریحانی کی سوانح وادبی خدمات پر تاثراتی تحریر ہے۔ ڈاکٹر مہ جبیں کی ہی ایک اور کتاب ''جاحظ عربی ادب کا امام'' (ھمالیہ پبلشر، نامپلی، حیدرآباد) اردو میں ہے، ۲۰۰۲ء میں منظر عام پر آئی۔ جس میں جاحظ کے افکار وخیالات، تالیفات وتصنیفات، سوانحی حالات، وغیرہ کا گہرا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ایک اچھی کوشش ہے۔ آپ کی ایک کتاب ''مولانا وحید الزماں کیرانوی'' پر زیرِ طباعت ہے۔ آپ نے عربی کا ایک مخطوطہ بھی ایڈیٹ کیا ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر آپ کے حالات کے ذیل میں کیا جاچکا ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر نسیمہ فاروقی، صدر شعبہ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی کا نام بھی اہم ہے۔ جن کی طویل عربی خدمات نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ انھوں نے ''جدید عربی شاعری'' پر کتاب لکھی ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر قمر النساء حیدرآباد بھی قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے ابوالکلام آزاد، السید سلیمان اشرف، ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ پر عربی مقالات لکھے۔ حیدرآباد کے مجلّہ التنوین ودیگر جرائد میں برابر لکھتی ہیں۔ جامعہ عثمانیہ کے شعبہ عربی میں سرگرمِ خدمت ہیں۔

اِسی طرح ڈاکٹر جویریہ جمیل النساء بنت سید صابر علی ہاشمی کا نام بھی اہم ہے۔ جنھوں نے ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی کی ''غریب الحدیث'' کو ایڈیٹ کر کے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اور ایک اور مخطوطہ ''اصلاح الغلط فی غریب الحدیث'' ایڈیٹ کیا۔ یہ دونوں کتابیں ''دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوچکی ہیں۔ نیز حضرت زینبؓ سے متعلق بنت الشاطی کے مشہور عربی ناول ''بطلۃ الکربلاء'' کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ جو ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

ڈاکٹر عائشہ کمال (بھوپال) کے بھی کئی مضامین مختلف جرائد میں نظر سے گذرے۔ بہر حال یہ بات مسرت افزا ہے کہ آزادی کے بعد پیدا ہونے والی نسل میں مردوں کے شانہ بشانہ خواتین کی بھی خاصی تعداد ہے جنھوں نے مثالی یادگار عربی تحریریں چھوڑیں ہیں اور ہنوز مصروفِ خدمات ہیں۔

آزاد ہندوستان میں عربی صحافت: ایک جائزہ۔

ہندوستان میں عربی صحافت کے ظہور کا جہاں تک سوال ہے تو اس سلسلہ میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندوستان میں انگریزی، فارسی، اور اردو صحافت کے بعد ہی عربی صحافت وجود میں آئی ہے۔ اس لئے کہ عربی زبان یہاں پر نہ تو عوام کی زبان رہی، اور نہ سرکاری ودفتری زبان تھی۔ بلکہ قرآن وحدیث کی مقدس زبان ہونے کی حیثیت سے عقیدت ومحبت کی نظر سے دیکھی جاتی رہی ہے۔ اور علماءِ کرام عربی میں تفسیر وحدیث، اور فقہ وغیرہ موضوعات تک اپنی تحریروں کو محدود رکھتے تھے۔ اس لئے انگریزی، فارسی، اردو اور دیگر مقامی زبانوں میں اخبارات نکلنے شروع ہوئے تو عربی صحافت میں بھی پیش رفت ہوئی۔ عربی پریس کا جہاں تک سوال ہے تو فارسی اور اردو پریس کے ساتھ عربی پریس وجود میں آچکا تھا۔ مگر اس کی طباعت دینی کتابوں تک محدود تھی۔

ہندوستان میں عربی زبان میں نکلنے والا سب سے پہلا اخبار "النفع العظیم لأھل ھذ الاقلیم" نام سے لاہور سے نکلا تھا جسکے بانی شمس الدین تھے۔ ان کے والد محمد عظیم کا اپنا پریس تھا۔ جس سے وہ اخبار چھاپتے تھے۔ ۱۷/اکتوبر ۱۸۷۱ء کو اس کا پہلا شمارہ منصۂ شہود پر آیا تھا۔ اس وقت شیخ مقرب علی ایڈیٹر، اور جی بی ڈبلو لائیثر G.W.Laithir رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی اس کے سرپرست تھے۔ ابتداء یہ اخبار ۸/صفحات کا نکلتا تھا۔ بعد میں دس صفحات کا ہوگیا۔ اس اخبار میں دینی ادبی اخلاقی اور سماجی موضوعات پر مقالات چھپتے تھے۔ اور یہ اخبار سر سید احمد خاں کی تعلیمی تحریک کی بھرپور ہمنوائی کرتا تھا۔ نیز قدیم عربی شعراء کا کلام اور ان پر مقالات بھی اس میں شائع ہوتے تھے۔ اور انگریزی اخبارات کے اچھے مضامین بھی ترجمہ ہو کر چھپتے تھے۔ ۱۸۸۵ء تک یہ اخبار پابندی سے نکلتا رہا لیکن پریس کے مالک منشی محمد عظیم کی وفات کے بعد زوال پذیر ہوگیا۔ ہندوستان میں عربی صحافت اور علمی واصلاحی بیداری کے لئے یہ اخبار خشتِ اوّل ثابت ہوا۔ اور پھر ۲۰ سال کے طویل وقفہ کے بعد ۱۹۰۲ء میں لکھنؤ سے "البیان" نام کا عربی اخبار نکلنا شروع ہوا۔ جس نے نہ صرف ہندوستان میں

عربی انشاء پردازی کو فروغ دیا، بلکہ عرب ممالک کے ثقافتی حلقوں میں بھی مقبولیت پیدا کی۔البیان سے پہلے ایک اور اخبار ''الریاض'' نام سے عربی میں نکلا تھا۔مگر جلد ہی مادّی تنگدستی کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔اس کے بعد ۱۹۲۳ء میں عربی کا چوتھا اخبار ''الجامعہ'' مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے نکالا تھا۔ اور ۱۹۳۲ء میں مجلّہ ''الضیاء'' لکھنو سے نکلا۔دونوں نے دنیا کے مسلمانوں میں دینی شعور بیدار کرنے اور عرب وہند تعلقات کو مضبوط کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔اور یہ سب ایسے وقت میں جبکہ عربی زبان ہندوستان میں بڑی حد تک جمود و تعطل کا شکار تھی۔

عربی صحافت آزادی کے بعد:

آزادی کے بعد ہندوستان میں نکلنے والا سب سے پہلا عربی اخبار سہ ماہی ''ثقافۃ الہند'' جس کو المجلس الہندی للعلاقات الثقافیہ نے حکومتِ ہند کی سرپرستی میں نکالنا شروع کیا تھا جس میں مولانا ابوالکلام آزاد، سید سلیمان ندوی، مہاتما گاندھی، نہرو، ٹیگور جیسی شخصیات کے افکار وتحریریں شائع ہوتی تھیں۔اور جس میں مختلف ہندوستانی زبانوں کے مقالات کے علاوہ ہندوستانی ثقافت وفنونِ جمیلہ سے متعلق مواد عربی میں ترجمہ ہو کر شائع ہوتا تھا۔۱۹۵۵ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو سے عربی کا اہم ترین مجلّہ ''البعث الاسلامی'' نکلنا شروع ہوا جس کے پہلے ایڈیٹر مولانا محمد الحسنی تھے جو اس وقت سے آج تک بھرپور کامیابی کے ساتھ پابندی سے نکل رہا ہے۔اس میں اجتماعی، تاریخی، علمی فکری، اسلامی، اور دعوتی موضوعات پر معیاری مقالات ہی شائع ہوتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں عربی صحافت نے جہاں ایک طرف عربی زبان وادب کی ترویج وترقی میں اہم کردار ادا کیا وہیں عربوں اور حکامِ عرب کو یورپی خطرات سے آگاہ کیا۔اور عرب قائدین کو مغربی سامراج کے خلاف ہموار کیا۔نیز عرب وہند تعلقات کو بھی استحکام بخشا۔آزادی سے قبل عربی صحافت نے دیگر تحریکات کے شانہ بشانہ تحریکِ آزادی کو بھی تقویت پہنچائی۔اور آزادی کے بعد علمی، اصلاحی، فکری، تبادلہ خیالات، اور ثقافتی وتہذیبی تعلقات کو استوار کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

۱۔ثقافۃ الہند:۔

آزادی کے بعد جب پہلی حکومت تشکیل ہوئی جس کے وزیرِ اعظم نہرو، اور صدرِ جمہوریہ راجندر پرشاد تھے۔اور مولانا ابوالکلام آزاد وزیرِ تعلیم بنائے گئے تھے۔تو انھوں نے دیگر ممالک خاص طور پر عرب ممالک سے ثقافتی روابط مضبوط کرنے کے لئے ''المجلس الہندی للروابط الثقافیہ'' نئی دہلی کی داغ بیل ڈالی تھی۔اوراس کے ترجمان کے طور پر سہ ماہی ''ثقافۃ الہند'' عربی مجلّہ کا افتتاح کیا۔اس مجلّہ کا اصل مقصد ہندوستانی تہذیب وثقافت (قدیم ہو یا جدید) سے عرب ممالک کو روشناس کرانا تھا۔اس اخبار نے دیگر ممالک کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی اس کے پہلے ایڈیٹر تھے۔ابتداء میں سرورق پر مدیر کا نام درج نہیں ہوتا تھا۔لیکن مختلف شماروں کے مطالعہ، اور مولانا آزاد اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی سوانح کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی ہی اس کے پہلے ایڈیٹر تھے۔اس کے بعد ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۱ء تک شمعون طیب علی لوکھنڈ والا نے مدیر کے فرائض انجام دئے۔ان کے بعد ۱۹۸۴ء تک سید مقبول احمد مدیر رہے۔پھر پروفیسر نثار احمد فاروقی، پروفیسر ضیاء الحسن ندوی، پروفیسر زبیر احمد فاروقی جیسے حضرات کی ادارت میں رسالہ نے دن دونی رات چوگنی ترقی کے منازل طے کئے۔رسالہ میں شائع ہو نے والے بعض اہم مقالات یہ ہیں:۔العلاقات التجاریہ بین العرب والہند/سید سلیمان ندوی، العلاقات الثقافیہ بین الہند والشرق الاوسط/ وی ایس اگروال، مساھمۃ الہند فی الثقافۃ العالمیۃ وتجارۃ المسلمین البحریۃ/سید احتشام حسین ندوی، الروابط الثقافیۃ العلمیۃ قدیما بین الہند والعرب/ قاضی اطہر مبارکپوری، البیرونی ومعرفۃ باللغۃ السنسکریتیۃ/سونیتی کمار تھٹارجی وغیرہ۔آج کل پروفیسر احسان الرحمٰن، اور ریاض الرحمٰن (جے۔این۔یو) رسالہ کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۲۔البعث الاسلامی:۔

مولانا محمد الحسنی نے ۱۹۵۴ء میں لکھنؤ میں ''المنتدی الادبی'' نام کی ایک ادبی تنظیم تشکیل دی تھی تاکہ طلبہ

کے اندر عربی انشاء پردازی کا شوق پیدا ہو۔ اس کے تحت ہفتہ واری پروگرام ہوتا تھا جس میں طلبہ کو عربی مقالات پیش کرنا ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا محمد الحسینی نے انھیں مقالات کو افادۂ عام کی غرض سے شائع کرنے کے لئے ایک مستقل عربی مجلّہ کی تجویز رکھی۔ جس کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے پُر جوش خیر مقدم کیا۔ اور از خود اس کا نام ''البعث الاسلامی'' رکھا، مولانا سعید الاعظمی ندوی جو اس وقت مولانا محمد الحسینی کے رفیق اور گہرے دوست تھے المنتدی الادبی کے بنیادی رکن تھے۔ اور آپ ہی مولانا محمد الحسینی کے انتقال کے بعد مجلّہ کے ایڈیٹر بنائے گئے۔ اور تب سے آج تک نہایت کامیابی کے ساتھ البعث الاسلامی کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ پروفیسر محمد اجتباء ندوی بھی مجلسِ ادارت میں شامل تھے۔ پرچہ کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ۱۹۶۰ء میں ندوہ نے اس کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اور البعث الاسلامی کا دفتر مولانا محمد الحسینی کے مکان، گوئن روڈ سے ندوۃ العلماء کی وسیع عمارت میں منتقل ہو گیا۔ مولانا محمد الحسینی کے اداریے دینی حماست، مؤثر دعوتی پیغام، اور شیریں اسلوب کی وجہ سے اس قدر مقبول تھے کہ ہندوستان اور باہر، لوگوں کو پرچہ کا شدت سے انتظار رہتا تھا۔ اردو انگریزی سے اہم مواد کو ترجمہ کر کے پیش کرنا بھی مجلّہ کے بنیادی مقاصد میں رہا ہے اسلئے صدہا اردو کتب تعریب ہو کر مجلّہ کی زینت اشاعت بن چکی ہیں جیسے ''مذہب و عقلیت، (الدین والعقلانیۃ) تاریخِ دعوت و عزیمت (رجال الفکر والدعوۃ) التفسیر والمفسر ون، وغیرہ۔

۳۔ الرائد:۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں دار العلوم ندوۃ العلماء عربی زبان وادب کی خدمت میں سب ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ بالفاظِ دیگر ہم اس کو ہندوستان میں ''حامل لواء اللغۃ العربیۃ'' کہہ سکتے ہیں۔ ندوہ نے جہاں عربی زبان وادب کی تدریس، بول چال وغیرہ کو اوّلیں اہمیت دی۔ اور ایک نسل عربی لکھنے پڑھنے ، اور بولنے والوں کی تیار کردی وہیں عربی صحافت کو بھی بیحد ترقی دی۔ چنانچہ مجلّہ البعث الاسلامی کے ساتھ ساتھ جولائی ۱۹۵۹ء میں پندرہ روزہ عربی اخبار ''الرائد'' کا اجراء عمل میں آیا۔ جو طلبہ ندوہ کی عربی

انجمن "النادی العربی" کے ترجمان کے طور پر نکلا تھا۔ جس میں کثرت سے طلبہ اپنی تحریری صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے تھے۔ اس اخبار میں خاص طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے حالات، اور عالمِ اسلام کی خبریں، اور ان پر تبصرے شائع ہوتے تھے۔ اس کی بنیاد بھی مولانا محمد الحسنیؒ نے رکھی تھی۔ مولانا سعید الرحمن الاعظمی ندوی، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی، جیسے اربابِ قلم شرکاءِ ادارت تھے۔ بانی مرحوم کے علاوہ آج تک یہ قافلہ پوری تندہی کے ساتھ عربی زبان وادب کی خدمت میں مصروف ہے۔ خبروں کے علاوہ مختلف زبانوں سے ترجمہ شدہ اہم مقالات بھی شائع ہوتے ہیں ۔ جیسے مولانا عبدالسلام ندوی کی کتاب "مثالی حکمراں" کی تعریب "من روائع الحکم الاسلامی" (از شمس الحق ندوی) الرائد میں بالاقساط شائع ہوئی۔

۴۔ دعوۃ الحق:۔

دار العلوم دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے فروری ۱۹۶۵ء میں مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کی زیرِ ادارت دعوۃ الحق نکلنا شروع ہوا۔ جس میں "افکار وخواطر" کے عنوان سے مولاناؒ کا اداریہ ہوتا تھا۔ اور اس کے بعد دار العلوم دیوبند کے عقائد وتعلیمات کی ترجمانی، ردّ بدعات وخرافات، اور مسلمانوں میں دینی روح بیدار کرنے والے مضامین ومقالات شائع ہوتے تھے۔ افسوس یہ پرچہ صرف دس سال عربی زبان وادب کی خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۷۵ء میں بند ہوگیا۔

۵۔ الکفاح:۔

مولانا وحید الزماں کیرانویؒ ہی نے دار العلوم دیوبند سے علیحدہ دہلی سے ۱۹۷۳ء میں الکفاح جاری کیا۔ یہ اخبار جمعیۃ العلماء کا ترجمان سمجھا جاتا تھا۔ جس کی بنیاد اسلامی سیاسی جماعت کے طور پر ۱۹۱۹ء میں رکھی گئی تھی۔ یہ جماعت تقسیمِ ہند کی مخالف تھی۔ اس جماعت نے ہندوستان کی آزادی میں بڑی قربانیاں دی تھیں۔ الطاف الرحمن اعظمی الکفاح کے پہلے ایڈیٹر تھے۔ اس اخبار میں جمعیۃ العلماء ہند کی سرگرمیاں، دار العلوم دیوبند کے عربی لکھنے والوں کے مقالات ومضامین، خاص طور پر اسلامی موضوعات سے متعلق تحریریں شائع ہوتی تھیں۔ یہ اخبار دسمبر ۱۹۸۷ء میں بند ہوگیا۔

۶۔ماہنامہ ''الدعوۃ'' (دہلی):۔

آزادی سے پہلے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے دہلی میں جماعتِ اسلامی ہند کی بنیاد رکھی تھی۔جس کا مقصد مسلمانوں کو صحیح اسلامی تعلیمات کی طرف واپس لانا،ان میں رائج غیر اسلامی اوہام و خرافات کا خاتمہ کرنا،اور ہندوستان کی سیاسی وسماجی ترقیات میں حصہ لینا تھا۔یہ جماعت عربوں سے براہِ راست اپنے روابط پیدا کرنے سے بھی دلچسپی رکھتی تھی۔اس لئے ۱۹۷۵ء میں دہلی سے ماہنامہ ''الدعوۃ'' اخبار کا اجراء عمل میں آیا۔یہ اخبار ملک کے سیاسی وسماجی حالات پر کھل کر تنقید کرتا تھا۔اور ملک میں ہونے والے فسادات اور مسلم معاشرہ کے مسائل پر برملا اظہارِ خیال کرتا تھا۔تاکہ عالمِ اسلام اور عالمِ عرب کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کے حالات سے صحیح اور بروقت واقفیت حاصل کر سکے۔اس کی مجلسِ ادارت میں عبدالحق انصاری (علی گڈھ)،کوثر یزدانی ندوی (دہلی)، عبدالحق فلاحی (دہلی)،اقبال مسعود ندوی (ریاض)،ڈاکٹر اجمل ایوب اصلاحی (اعظم گڈھ) وغیرہ حضرات شامل تھے۔اور مدیر مولانا جلال الدین عمری تھے۔اخبار کا دفتر ابوالفضل انکلیو،دعوت ٹرسٹ، دعوت نگر،جامعہ نگر نئی دہلی میں واقع تھا۔

۷۔الداعی:۔

پندرہ روزہ عربی مجلہ ''دعوۃ الحق'' کے بند ہو جانے کے بعد مولانا وحید الزماں کیرانویؒ ہی نے پندرہ روزہ الداعی جاری کیا۔جو ترجمانِ دارالعلوم دیوبند کی حیثیت سے جولائی ۱۹۷۶ء سے نکلنا شروع ہوا۔بعد میں اس کی ادارت مولانا بدرالحسن قاسمی کے ہاتھ میں آئی۔جنھوں نے ۱۹۸۳ء تک کامیابی کے ساتھ اخبار نکالا۔ان کے بعد دارالعلوم کے عربی ادب کے استاذ مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب اس کے مدیر بنائے گئے جو تاحال خوش اسلوبی کے ساتھ ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔اس اخبار کو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمن صاحب کی سرپرستی حاصل ہے۔اس کے معیار کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔مولانا امینی صاحب کی عالمِ اسلام

کے حالات بڑی گہری نظر ہے۔ اور عربی کے زود نویس، بسیار نویس اور خوب نویس مشاق ادیب ہیں۔ الداعی کے بعض مقالات یہ ہیں:۔ "محاولة لفهم حقيقة ما يسمى بالاصولية الاسلامية والارهاب العربى الاسلامى "/نور عالم امينى ۲۔ "اسباب سعادة المسلمين وشقائهم "/مفتى محمد شفيع ديوبندى ۳۔ "الزواج فى الاسلام"/الشيخ محمد تقى العثمانى ۴۔ "المرأة الناشزة"/مولانا مجاهد الاسلام قاسمى، وغیرہ۔

۸۔ مجلۃ المجمع العلمی الہندی:۔

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی نے اپنے شعبہ عربی کے ماتحت "المجمع العلمی الہندی" کے نام سے ۱۹۷۶ء میں ایک اکیڈمی قائم کی تھی۔ اس اکیڈمی کے علمی ترجمان کے طور پر ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے ششماہی مجلہ "المجمع العلمی الہندی" کی بنیاد ڈالی۔ جس کو شعبہ عربی کے صدر علامہ عبدالعزیز میمنی نے پروان چڑھایا۔ اسی طرح پروفیسر عبدالباری ندوی نے اپنے عہدِ صدارت میں ادارتی خدمات انجام دیں۔ عربی ادب کے عظیم علماء کی سرپرستی میں سال میں دوبار نکلنے والا یہ اخبار علمی اعتبار سے بہت بلند تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں شائع ہونے والے بعض اہم مقالات یہ ہیں:۔ "منهج الدكتور محمد حسين هيكل فى كتابه السير و التراجم "از ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری، "تطور المجتمع المصرى الحديث فى الشعر العربى "از پروفیسر محمد راشد ندوی، "فرحة المدرسين بذكر المؤلفات والمؤلفين للعلامه عبد الحئى الحسنى فرنگى محلى (م۱۸۸۶ء)" از ڈاکٹر عبدالباری ندوی۔ "تطور معنى الكلمة (السن) اللغوى والاصطلاحى "از ڈاکٹر محمد اقتدار حسین الفاروقی، "محمد اشرف على التهانوى: حياته ومؤلفاته" از ڈاکٹر کفیل احمد قاسمی۔ "التراث الهندى فى الحضارة الاسلامية" از محمد ثناء اللہ ندوی، وغیرہ۔

۹۔الثقافۃ:۔

دار الثقافۃ للطباعۃ والنشر دیوبند کا ترجمان ''الثقافۃ'' نام سے جنوری ۱۹۸۳ء سے نکلنا شروع ہوا۔ جو بعد میں کچھ مالی وجوہات کی بنا پر بند ہوگیا۔ یہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند کے فضلاء علماء کی توجہات کا مرکز تھا، مسلمانوں میں دینی روح پیدا کرنا، عربی زبان وادب کو فروغ دینا، ہندوستانی اقلیتوں کے مسائل کا تجزیہ کرنا، فکرِ اسلامی کے ارتقاء کی کوششوں میں حصہ لینا مجلّہ کے اہم مقاصد تھے۔

۱۰۔الرابطۃ الاسلامیۃ:۔

۱۹۸۶ء میں دار العلوم دیوبند کے فضلاء کی ایک تنظیم نئی دہلی میں 'الرابطۃ الاسلامیۃ للدعوۃ و الثقافۃ والعلوم' کے نام سے قائم ہوئی تھی۔ یہ خالص غیر سیاسی تنظیم تھی، اسلامی دعوت کو حکمت وموعظتِ حسنہ کے ساتھ عام کرنا، ملک میں دینی مدارس ومکاتب قائم کرنا، اور خاص طور پر مسلمان بچیوں کی ناخواندگی کو دور کرنا، اور دنیا بھر میں شائع ہونے والے دینی مواد کو مقامی زبانوں میں ترجمہ کرنا، ہندوستان کے اقتصادی حالات کا جائزہ لینا وغیرہ جس کے مقاصد تھے۔ اس تنظیم نے اپنے ترجمان کے طور پر اسی سال ''الرابطۃ الاسلامیۃ'' نام سے مجلّہ جاری کیا، محمد مزمل الحق حسینی اس کے مدیر تھے۔ مجلسِ ادارت میں عبد الستار سلام، عبد القدیر قاسمی، غلام محمد وستانوی، محمد اطہر الزہدی شامل تھے۔ مجلّہ نے بدعات وخرافات کے خاتمہ، مسلمانوں کے اپنے ماضی پر اعتماد بحال کرنے، اور اسلامی معاشرہ میں پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں صحیح رہنمائی دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

۱۱۔الصحوۃ الاسلامیۃ:۔

جنوبی ہندوستان میں حیدرآباد ایسا شہر ہے جس کو ہم عربی زبان وادب کا گہوارہ کہہ سکتے ہیں۔ جہاں پر دائرۃ المعارف عثمانیہ، جامعہ عثمانیہ، دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد نے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں ہیں۔ اور بڑی تعداد میں خواتین اہلِ قلم بھی عربی زبان وادب کی خدمت میں اپنا مقام بنا

چکی ہیں جیسے ڈاکٹر عصمت لطیف مہدی، ڈاکٹر مہ جبیں اختر، ڈاکٹر قمر النساء وغیرہ۔ اسی طرح سینٹرل انسٹی ٹیوٹ فار انگلش اینڈ فارن لنگویجز جیسا اہم ادارہ بھی عربی کی خدمات میں سرگرم عمل ہے۔

اسی شہر سے دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد نے اپنا عربی ترجمان سہ ماہی ''الصحوۃ الاسلامیۃ'' ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء سے نکالنا شروع کیا۔ جس کے مدیر اعلیٰ محمد نعمان ندوی ہیں۔ اور دار العلوم کے سرپرست محمد حمید الدین عاقل حسامی نگرانِ اعلیٰ ہیں۔ مجلّہ نے مسلمانوں میں دینی روح پیدا کی، وہیں جنوبی ہندوستان میں عربی زبان کے فروغ اور خاص طور پر عربی صحافت کی ترویج میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مجلّہ کے کالم اور مستقل عناوین سے اس کے معیار کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ''من اعلام الہند'' ''استراحۃ الصحوۃ الاسلامیۃ'' ''الادب والثقافۃ'' ''من اخبار العالم الاسلامی'' ''ساعۃ فی الحرم الجامعی'' وغیرہ۔ اخبار کے اہم مضامین یہ ہیں:۔

ا۔ ''اربع ساعات فی الجامعۃ'' از ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی، ''الکتابات التی أملاھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' از محمد نعمان الدین ندوی، ''بحث وجیز عن علم و عمل الفقیہ'' از محمد برھان الدین سنبھلی، ''الحج جامع العبادات'' از د۔ احمد علی ازرق وغیرہ۔

حیدرآباد کے اسی ادارہ سے ۱۹۸۸ء میں 'صوت السلام' نام سے ایک اور سہ ماہی ترجمان نکلا تھا۔ جس کے سرپرست محمد رضوان قاسمی، اور ایڈیٹر خالد سیف اللہ رحمانی تھے۔ لیکن نامعلوم اسباب کی بنا پر یہ پرچہ ۷/ شماروں کے بعد بند ہو گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد صدر الحسن ندوی، اور خورشید انور ندوی نے اس کو دوبارہ نکالا۔ اس کے قلمکاروں میں محمد ابوبکر غازی پوری، بدر الحسن قاسمی، زبیر احمد، شبیر احمد عثمانی، خالد سیف اللہ رحمانی، غلام مرتضیٰ آزاد جیسے ادباء شامل رہے ہیں۔

۱۲۔ النور (۱۹۸۹ء):۔

گذشتہ چند سالوں سے مہاراشٹر میں جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، دھولیا، کا ترجمان سہ ماہی ''النور'' (عربی) بھی منظرِ عام پر آرہا ہے۔ جس کے ایڈیٹر عبد الرحمن ملی ندوی اور

سرپرست غلام محمد وستانوی ہیں النور مہاراشٹر کے علاقہ میں دینی تعلیم کی روشنی پھیلانے، اورعربی زبان وادب کی خدمت میں مصروف ہے۔اور مدرسہ کے طلبہ کی عربی تمرین وانشاء پردازی کا بھی ذریعہ ہے۔جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، ہندوستان بھر کے حفاظ وقراء کے لئے آل انڈیا حفظ وقراءت کے سالانہ مقابلوں کے انعقاد میں بھی کافی مشہور ہے۔جس کی تفصیلات عربی میں ''النور'' میں شائع ہوتی ہیں۔

۱۳۔آفاق الہند (۱۹۹۲ء):۔ ۸

حکومتِ ہند کی وزارت خارجہ نے نئی دہلی سے ادبی وثقافتی میگزین انگریزی میں ۱۹۸۸ء سے نکالنا شروع کیا تھا۔ جو۱۹۹۲ء میں عربی زبان میں بھی نکلنا شروع ہوا۔اوراب عربی وانگریزی کے علاوہ روسی، فرانسیسی، انڈونیشی، اور بہت سی بین الاقوامی زبانوں میں بھی شائع ہورہا ہے۔اس کے اکثر مضامین انگریزی یا ہندی، اردو سے عربی میں ترجمہ ہوتے ہیں۔دلیپ سنگھ عربی ایڈیشن کے پہلے ایڈیٹر تھے،ان کے ریٹائرمنٹ کے بعد بھارت بھوشن نے اس کو سنبھالا۔''آفاق الہند'' کے مقالات ہندوستانی تہذیب وثقافت، تاریخ وتمدن، سیر وسیاحت، رقص وموسیقی، ہندوستانی کھیل، پکوان، فلمی دنیا وغیرہ موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں اس لئے پرچہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔اس میں شائع ہونے والے بعض مضامین یہ ہیں:۔ا۔''الرقص لمجد الهند'' از راجیو بھاٹیا۔۲۔''الرحلة الغربية في راجستان'' از بھارت بھوشن،۳۔''التقاليد الصوفية في الهند'' از براتات کھولار،۴۔''لاتا مانغيشكار عندليب الهند'' از نخیل جوغیندر غودکار،۵۔''الطبخ المغولاني لذيذ المذاق'' از ارتشانا سیغغ۔

۱۴۔سہ ماہی ''صوت الاسلام'' (غازیپور):۔

اتر پردیش کے شہر غازی پور میں ایک اہم لائبریری ہے، جس نام ''المكتبة الاثرية'' ہے جودار

العلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ مولانا محمد ابوبکر غازی پوری نے قائم کی تھی۔اسی لائبریری کے تحت اسلام کی آواز بلند کرنے ،اوراعداءِ دین کا محاسبہ وتتبع کے مقصد سے سہ ماہی ''صوت الاسلام'' کا اجراء ۱۹۸۹ء میں عمل میں آیا۔تب سے آج تک یہ مجلّہ اپنے مقالات کے ذریعہ صحیح فکرِ اسلامی کی توجیہ، اسلام مخالف افکار وخیالات کی تردید، اورنئی نسل میں دینی روح پیدا کرنے میں اہم رول ادا کررہا ہے۔مجلّہ میں شائع ہونے والے بعض مقالات یوں ہیں:۔ا۔''جانب مبهم من واجبات الدعوة'' ،۲۔''حول حرية الرأى و العقيدة'' ازمحمد ابوبکر غازی پوری،۳۔ ''الاسلام لا يفرق بين علم و علم'' ازمحمد اسلم قاسمی،۴۔''نماذج رائعة للحب و الطاعة والاخلاص'' ،۵۔''لا يحكم فى الصحابة من كتب التاريخ'' ازنورالدین نوراللہ الاعظمی ،وغیرہ۔

اسی طرح مذکورہ بالا مجلات وجرائد کے علاوہ آزادی کے بعد ہندوستان میں نکلنے والے اور بھی عربی اخبارات ہیں۔جن کی بڑی تعداد ہے۔اورجن کے بغیر عربی صحافت کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔اُنھیں میں ''مجلة التاريخ الاسلامى'' (۱۹۹۵ء) ہے جس کو نئی دہلی میں ''جمعية التاريخ الاسلامى و معهد الدراسات الاسلامية والعربية'' نامی تنظیم نے جاری کیا تھا۔اس تنظیم میں عبدالحلیم عویس (مصر)، رجب عبدالحلیم (مصر)، عمادالدین خلیل (عراق)،عبداللہ جمال الدین (مصر) عبدالشافی عبداللطیف (مصر)، جیسے حضرات شامل تھے۔اس کا مقصد اسلامی تاریخ پر اٹھائے گئے مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دینا،اوراسلامی تاریخ کو اس کے اپنے اصلی رنگ میں پیش کرنا تھا۔ادارت کے فرائض ظفر الاسلام خاں بن وحیدالدین خاں انجام دیتے ہیں۔اوراس کی مجلسِ ادارت اور قلمکاروں میں مختلف عرب ممالک کے مفکرین شامل ہیں۔

اسی طرح مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے اپنا ترجمان سہ ماہی ''المظاہر'' اگست ۱۹۹۵ء میں نکالا تھا۔اس کے چیف ایڈیٹر رضون نسیم ،اورایڈیٹر محمد خبیر ندوی ہیں۔اورنگراں سید سلمان حسنی ندوی استاذ مظاہر علوم ہیں۔پرچہ کی ضخامت اَسّی صفحات ہے۔اعلاءِ کلمة اللہ،علومِ قرآن وحدیث کی نشرواشاعت،

مسلمانوں میں اخلاقِ حمیدہ پیدا کرنا وغیرہ، اس کے مقاصد میں سے ہیں۔

اسی طرح ''الحرم'' جو (۱۹۹۶ء) میں جامعہ امدادیہ مرادآباد کے ترجمان کے طور پر سامنے آیا۔ مولانا اسعد قاسم سنبھلی چیف ایڈیٹر، اور مفتی عبدالرب قاسمی ایڈیٹر ہیں اور جامعہ کے مہتمم مولانا محمد باقر حسین سرپرست ہیں۔ طلبہ جامعہ کے اندر عربی تمرین کا ذوق پیدا کرنا، نئی نئی تعبیرات واصطلاحات سے ان کو واقف کرانا اس کا خاص کارنامہ ہے۔ اسی طرح ''النہضۃ الاسلامیۃ'' جو ۱۹۹۶ء میں مرکز الدعوۃ و الارشاد دارالعلوم اسلامیہ بستی یوپی سے مولانا محمد باقر حسین کی سرپرستی میں نکلنا شروع ہوا۔ سید فیروز اختر ندوی، سید شہاب الدین ندوی بھی اس کے اہم ذمہ داران میں شامل ہیں۔ اور فی الحال سہ ماہی مجلہ کی صورت میں پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔

الغرض آزادی کے بعد ہندوستان میں عربی صحافت نے غیر معمولی ترقی کی ہے جو اپنے معیار کے لحاظ سے عالمِ عرب کی عربی صحافت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک حد تک عالمِ عرب کی صحافت بھی ہندوستان کی عربی صحافت سے متاثر ہوئی ہے۔ الرائد۔ البعث الاسلامی، الداعی، ثقافۃ الہند وغیرہ ایسے ہی مجلات ہیں جن کے اثرات بڑی حد تک عرب اخبارات نے بھی قبول کیے ہیں۔

رحلات:۔

ذرائع ابلاغ کی ترقی، عربی صحافت کا فروغ، گلوبلائزیشن کی طرف بڑھتے قدم، قوموں کا اختلاط، ذرائع نقل وحمل کی آسانی، آمد ورفت کی سہولت، اور عرب دنیا کے اسفار کی کثرت، اور اسی جیسے بہت سے عرب دنیا سے قرب کے اسباب کے باوجود ہندوستان میں عربی میں فنِ رحلات کو جو ترقی ملنی چاہیے تھی وہ نہیں مل سکی۔ کیونکہ واپسی کے بعد ہندوستانی علماء نے اپنے اسفار یا تو اردو میں لکھے، یا عربی جرائد میں مختصر رپورٹ کے طور پر شائع کیے۔ اور یہ اسفار زیادہ تر تاجرانہ تھے، یا بغرضِ ملازمت۔ اور تبلیغی جماعت کے اندر اسفار کو قلم بند کرنے کا رواج نہیں ہے۔ نیز علماءِ کرام بھی بیشتر چندہ

لینے کے لئے جاتے ہیں۔یعنی جلب منفعت کے لئے اسفار بڑھے ہیں اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولانا شبلی کے سفرنامہ روم ومصر، مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''دربارِ نبوت کی حاضری'' مولانا عبد الماجد دریابادی کا ''سفرِ حجاز'' اور نواب صدیق حسن خاں کا عربی سفرنامہ، وغیرہ کی سطح کے عربی میں سفر نامے نہیں لکھے جاسکے۔اور چھوٹے مضامین کے علاوہ طویل رحلات جس کو باقاعدہ فن کا درجہ دیا جاسکے آزاد ہندوستان کے عربی لٹریچر میں ہم نہیں پاتے۔

ناشرین:۔

آزادی کے بعد عربی زبان وادب کی خدمات کے سلسلہ میں جہاں مصنفین ومترجمین کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔وہیں اُن ناشرین کی خدمات کو بھی نظرانداز نہیں کرسکتے جنھوں نے عربی کتابوں کی نشرواشاعت میں حصہ لیا۔خواہ ان کا قیام بیسویں صدی کے نصفِ اول میں ہوا ہو یا نصفِ ثانی میں۔لیکن آزادی کے بعد لکھی جانے والی اہم کتابوں کی اشاعت کی وجہ سے وہ اس قافلہ میں شامل ہیں جو آزادی کے بعد عربی زبان وادب کی خدمت میں مشغول ہے۔

ا۔دارالمصنفین (اعظم گڈھ):۔

ایسے ہی اشاعتی اداروں میں دارالمصنفین (اعظم گڈھ) کا نام سرِ فہرست ہے جسکی آبیاری میں علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندویؒ کا خونِ جگر بھی شامل ہے۔یہ ادارہ دراصل علامہ شبلی نعمانیؒ کے خوابوں کی تکمیل ہے۔اور ۱۹۱۵ء سے اب تک سرگرمِ عمل ہے۔ادارہ کے قیام کے مقاصد درجِ ذیل تھے:۔ا۔فلسفہ حال کے اصول اور اس کے معتد بہ حصہ کو ملکی زبان میں لانا،۲۔فلسفہ حال کے کون کون سے مسائل مذہب کے خلاف ہیں ان کی تشریح، اور ان مسائل کی تردید، یا تطبیق کرنا۔۳۔تاریخ، اسماء الرجال، معانی، بلاغت وغیرہ میں کثرت سے عربی میں ایسی تالیفات موجود ہیں جن کے مضامین میں یورپ نے نئی نئی جدتیں پیدا کیں ہیں۔ان کا موازنہ کرکے تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنا،۴۔علومِ اسلامیہ مثلاً کلام،

فقہ، اصول، تفسیر، وغیرہ کی تاریخ مرتب کرنا، ان کے ارتقاء کا جائزہ لینا۔ کس زمانہ میں ان پر کیا کیا باتیں اضافہ ہوتی چلی گئیں، اسکے کیا اسباب تھے، اور کس قدر حصہ اصلاح کا محتاج ہے۔ ۵۔ فارسی عربی شاعری اور انشاء پردازی کی تاریخ لکھنا۔ ۷۔ مسلمانوں کی تہذیب وتمدن پر تاریخی مضامین لکھنا، مثلاً انتظامِ عدالت، محاصل، مفادِ عامہ کے محکمے، تعلیمات تجارت، فوجی نظم ونسق معاشرت وغیرہ کی نسبت مؤرخانہ طور پر ترقیات کا جائزہ لینا۔

مولانا شبلیؒ کی سیرت النبی، (چھ جلدیں)، علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ارض القرآن، مولانا عبدالسلام ندوی کی ''ہر نطور الامم''، مثالی حکمراں، اوراسی طرح سیرت صحابہؓ، وصحابیاتؓ، سیرت مہاجرین وانصار، پر تالیفات انھیں مقاصد کا حصہ ہیں۔ ادارہ کی بھی مطبوعات نہایت معتبر ومشہور ہیں

۲۔ دائرۃ المعارف عثمانیہ (حیدرآباد):۔

دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد ہندوستان کا سب سے قدیم تحقیقی واشاعتی ادارہ ہے جو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے وسیع احاطہ میں واقع ہے۔ اس کی بنیاد شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ اور ملا عبدالقیوم نے رکھی تھی۔ آخر الذکر حکومت ہند میں بھی اثر ورسوخ رکھتے تھے۔ اور شیخ جمال الدین افغانی سے بھی ان کے روابط تھے۔ معاونین میں سید حسین بلگرامی، عماد الملک شامل تھے، ان تینوں حضرات نے قدیم عربی مخطوطات کی حفاظت کے لئے منصوبہ بنایا تھا۔ اور سب سے پہلے شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی کے دل میں اس کا تصور حج کے موقع پر مدینہ منورہ قیام کے دوران آیا تھا۔ جہاں وہ حرم شریف اور وہاں کی لائبریریوں میں اکثر اوقات گذارا کرتے تھے۔ انھوں نے مجلس علمی کی بنیاد رکھی جس کے نواب سیر وقار الامراء پہلے صدر تھے۔ اور مجلس نے دائرۃ المعارف کی تجویز نظام سادس میر محبوب علی خاں کے سامنے رکھی تھی۔ جنھوں نے مخطوطات کی حفاظت کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ۱۳۰۸ھ/۱۸۸۸ء میں گورنمنٹ کی طرف سے دائرۃ المعارف کے قیام کی منظوری کا حکم صادر کروادیا تھا۔ پہلے ادارہ کا قیام مسجد تشوک قدیم حیدرآباد میں ہوا تھا۔ پھر بعد میں اس کی عمارت آزادی سے کچھ

قبل جامعہ عثمانیہ میں منتقل کردی گئی۔ ۱۹۶۰ء تک وہاں پر رہی۔ پھر جامعہ کے حرم جامعی میں ایک مستقل عمارت اس کے لئے بنادی گئی۔ اس نئی عمارت کا سنگ بنیاد ہمایوں کبیر وزیر تعلیم حکومت ہند نے ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء میں رکھا تھا۔ ادارہ کو بڑے بڑے علماء اورارباب حکومت کی سرپرستی حاصل رہی۔ اور تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، عقائد، تصوف، طبعیات، ریاضیات، ہیئت، انساب، تاریخ، فلسفہ ودیگر اہم موضوعات سے متعلق مختلف علوم وفنون کی نہایت اہم کتابیں طبع ہوکر مقبول ہوئیں۔ اور پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک کے اہم ترین مخطوطات سے مالا مال ہے۔ مذکورہ موضوعات پر لگ بھگ ۱۶۰ سے زائد امہات الکتب ادارہ نے شائع کیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:۔ "اعجاز البیان فی تاویل القرآن" از صدر الدین قونوی۲۔ "نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور" از ابو الحسن عمر بقاعی۳۔ "نزھة الاعین النواظر" از ابن جوزی۴۔ "معرفة علم الحدیث" از حاکم نیسابوری۵۔ "شرح تراجم ابواب صحیح بخاری" ازشاہ ولی اللہ دہلویؒ۶۔ "کنز العمال" از علی متقی ھندی۷۔ "التاریخ الکبیر" از محمد بن اسماعیل بخاری ۸۔ "نزھة الخواطر" از علامہ عبد الحئی حسنی۹۔ "کتاب الروح" از علامہ ابن قیم ۱۰۔ "رسائل ابن العربی" از محی الدین ابن عربی۱۱۔ "کتاب البیرونی فی تحقیق ما للهند" از ابو ریحان البیرونی۱۲۔ "کتاب الحاوی فی الطب" از "الرازی"۱۳۔ "رسائل ابن الرشد" از ابن رشد۱۴۔ "کتاب القانون" ابو ریحان البیرونی۔ وغیرہ۔

قسم التصحیح قسم تصنیف الحروف، قسم الطباعہ والتجلید، قسم المبیعات، قسم الادارہ، ادارہ کے اہم شعبہ جات ہیں۔ سب سے اہم شعبہ تصحیح ہے جس میں ماہر علماء اورارباب تحقیق اپنی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اورادارہ کی مجلس علمی جو محققین وعلماء پر مشتمل ہے، کتاب کی تحقیق وطباعت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اور مجلس اداری کے صدر وزیر اعلیٰ آندھرا پردیش ہوتے ہیں۔ اور وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ اس کے

سرپرست اعلی مدیر مسئول کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ [9]

۳۔ مجلسِ تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو:۔

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے ماتحت ۱۹۵۹ء میں صرف ایک ہزار روپیہ کے مخلصانہ عطیہ سے ادارہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے قیام کے پسِ منظر میں جو غیر معمولی جذبات واحساسات، اندرونی تڑپ وبے چینی کام کررہی تھی۔ جس نے عالمِ اسلام پر نظر رکھنے والوں کو پیچ وتاپ میں مبتلا کردیا تھا وہ اس بات کا شدید احساس کررہے تھے۔ کہ ایسا لٹریچر ہو جو مغرب کی شک آفریں تہذیب کے دل ودماغ میں پیدا کردہ شکوک وشبہات کو دور کردے۔ اور اس مادہ پرست تہذیب وادب کے عالمگیر پیمانہ پر پیدا کردہ بے چینی وانتشار کو رفع کرسکے۔ ان نازک اور غیر معمولی حالات میں ایک ہزار کے قلیل سرمایہ سے کام شروع کردیا گیا تھا۔ مجلس کی طرف سے سب سے پہلی کتاب ''مقالات سیرت'' شائع کی گئی جو مجلس کے بنیادی مقاصد کے عین مطابق تھی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی سرپرستی اور حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی توجہات ومشوروں نے مجلس کو بامِ عروج پر پہونچادیا۔ مجلس کا عربی نام ''المجمع العلمی الاسلامی'' ہے اور اردو میں ''مجلس تحقیقات ونشریات اسلام'' کے نام سے ایک عظیم ومؤقر علمی ودینی کتب خانہ کی شکل اختیار کرچکی ہے۔ اس کی طرف سے اردو، ہندی، اور عربی وانگریزی چار زبانوں میں تقریباً تین سو سے زائد کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ یہ کتابیں حدیث، تاریخ، سیرت وسوانح، جیسے اہم موضوعات پر شامل ہیں۔ مجلس سے پروپیگنڈہ اور خودنمائی سے اجتناب کرتے ہوئے خاموشی سے عربی، اردو، انگریزی اور ہندی میں ایسا پرمغز لٹریچر تیار کردیا جس کی مثال اسلامی دنیا میں نہیں ملتی۔ عربی وانگریزی میں مجلس نے جو غیر معمولی لٹریچر تیار کیا ہے اس لٹریچر نے عالمی سطح پر دنیا میں ایک ممتاز مقام بنالیا ہے۔ یہ ایک زبردست صالح ادب ہے جس میں اسلام کی زبردست ومؤثر وطاقتور نمائندگی ملتی ہے۔

مجلس تحقیقات کی بعض اہم مطبوعات ایسی ہیں جو اس وقت دنیا کی چھ سات زبانوں 'عربی، اردو،

انگریزی، فرنچ، ترکی، فارسی، انڈونیشیائی، میں پڑھی جارہی ہیں اور بیسیوں ایڈیشن ان کے نکل چکے ہیں۔

مجلس تحقیقات کی بعض اہم مطبوعات یہ ہیں:۔ ۱۔ ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' ۲۔ ''رجال الفکر والدعوہ'' ۳۔ ''روائع من ادب الدعوۃ'' ۴۔ ''اذا ھبت ریح الایمان'' ۵۔ ''الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ'' ٦۔ ''اسبوعان فی امریکا'' ۷۔ ''الطریق الی المدینۃ'' ۸۔ ''الصراع بین الایمان و المادیۃ'' ۹۔ ''روائع اقبال'' ۱۰۔ ''المسلمون فی الھند'' ۱۱۔ ''صورتان متضادتان'' ۱۲۔ مذکرات سائح فی الشرق العربی'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

مجلس کے نامور مصنفین میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا ابوسحبان روح القدس، مولانا ابوالعرفان ندویؒ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا شمس تبریز خاں، وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔ ادارۃ البحوث الاسلامیۃ (بنارس):۔

جامعہ سلفیہ، بنارس جس کا قیام ۲۹/نومبر ۱۹٦۳ء کو ہوا تھا۔ اور کتاب وسنت، علومِ اسلامیہ، اور عربی زبان کی تعلیم، اور اسلام کا دفاع کرنے کیلئے دعاۃ اور اربابِ قلم پیدا کرنا، بدعات وخرافات کا خاتمہ کرنا، اور اتحاد بین المسلمین، اور اتحادِ مدارسِ دینیہ پیدا کرنا جس کے بنیادی مقاصد تھے۔ اس ادارہ نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ''''ادارۃ البحوث الاسلامیۃ'' نام کا ایک تحقیقی واشاعتی ادارہ قائم کیا، جس کے تحت فرزندانِ جامعہ تصنیف وتالیف، ترجمہ وتحقیق وتدوین کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ اور ''صوت الاسلام'' نام سے ایک عربی ماہنامہ، اور اردو میں ''محدث''، یہ دو میگزین بھی ادارہ سے شائع ہوتے ہیں۔ اس ادارہ نے بڑی اہم کتابیں شائع کرنے علمی حلقوں میں مقبولیت پیدا کی۔ جیسے:۔

''کتاب التوحید'' از شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کا اردو ترجمہ از ابوعبداللہ سورتی (مطبوعہ ۱۹۹۱ء)

۲۔ ''الوعد الحق'' از طہٰ حسین کا اردو ترجمہ ''وعدہ برحق'' از مولانا عبدالمجید حریری، (۱۹۹۱ء)، ۳۔ ''ثعلبہ بن حاطب: ایک مظلوم صحابی'' از عقیل احمد حبیب اللہ، اردو ترجمہ ''ثعلبہ بن حاطب الصحابی المفتری علیه'' از عذاب محمود الحمش (۱۹۹۱ء)، ۴۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی کی ''اهمية السيرة الطيبة لعالم البشرية''، ۵۔ اقبال احمد سلفیؔ کی ''اسلام اور پیغمبر اسلام اہلِ انصاف کی نظر میں'' (۱۹۸۸ء)، ترجمہ ''الاسلام والرسول في نظر منصفي الشرق والغرب'' (از احمد بن حجر آل بوطامی)۔ وغیرہ۔

اور عربی ادب کی جو اہم شخصیتیں ادارہ سے وابستہ رہیں ان میں ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری، مولانا عبد الوحید ابوالقاسم رحمانی، مولانا عبدالوہاب بن حبیب اللہ حجازی، مولانا عزیز الرحمٰن سلفی، مولانا محمد ابو القاسم ابوالخیر فاروقی، محمد رئیس الندوی، وغیرہ مشہور ہیں۔

الغرض ایسے اَن گنت اشاعتی ادارے ہیں جنھوں نے مایہ ناز عربی کتب طبع کیں ہیں۔ جن کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ مثال کے طور پر: ۱۔ المكتبة الندوية، ندوۃ العلماء لکھنو (التعبير والمحادثة العربية، خصائص اللغة العربية ولماذا يجب تعليمها) ۲۔ المطبعة السلفية بنارس (المقريزي: حياته، بيئته، وآثاره)، ۳۔ مکتبہ اشاعتِ اسلام چوڑی والان دہلی (مدرسة الديوان، النهضة والتطور في الادب الحديث)، ۴۔ سینٹرل انسٹی ٹیوٹ فار انگلش اینڈ فارن لنگویجز، حیدرآباد (عربی تنقید، مطالعہ، اور جائزہ) ۵۔ مکتبہ جامعہ جامعہ نگر نئی دہلی (چند مصری ناول اور افسانے، نجیب محفوظ اپنی نگارشات کے آئینہ میں) ۶۔ ادارہ شہادتِ حق نئی دہلی (عربی زبان وادب کی تاریخ)۔ ۷۔ کتب خانہ حسینیہ دیوبند۔ ۸۔ مکتبہ وحیدیہ دہلی (جدید عربی ایسے (القاموس الجديد، القاموس الوحيد، القاموس الاصطلاحي)، ۸۔ مکتبہ وحیدیہ دہلی (جدید عربی ایسے بولئے)، ۹۔ گڈورڈ بکس ۱۔ نظام الدین ویسٹ مارکیٹ نئی دہلی ۱۳ (نازك الملائكة، دور المرأة)۔ ۱۰۔ دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (مساهمة الشيخ محمد عبده في الادب العربي، نتائج الفكر الادبي لامين الريحاني، جاحظ عربی ادب کا امام)، ۱۱۔ محمد احمد و میمن برادران، ۲۲ کٹلیری بازار بمبئی (رجال

السند و الہند)،۱۳۔مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام ندوہ، لکھنو(رجال الفکر و الدعوۃ اذا ھبت ریح الایمان، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین وغیرہ) ۱۳۔مکتبہ فردوس بروليامکارم نگر لکھنو (القرآن یتحدث الیکم)،۱۴۔رامپور رضالائبریری رامپور(الفلسفۃ الہندیۃ القدیمۃ کتاب المقطوع والموصول، دیوان الحادرۃ)۔۱۵۔المجلس الہندی للروابط الثقافیۃ،حیدرابادہاؤس نئی دہلی (ثقافۃ الہند)،۱۶۔مکتبہ دانش محل امین آباد لکھنو(جبران خلیل جبران فن اور شخصیت)،۱۷۔حیات بکڈپو مومن پورہ ناگپور (احمد شوقی ایک مطالعہ)،وغیرہ

ماحصل:۔

آزادی سے پہلے تحریری عربی پر زیادہ توجہ تھی ۔اور آزادی سے پہلے عربی میں مذہبی کتب زیادہ لکھی گئیں۔یعنی اُس وقت دینی موضوعات پر تصنیف وتالیف کارواج غالب تھا۔اور ہر موضوع پر بڑی کتابیں لکھی گئیں ۔لیکن اس وقت عربی بولنے والوں کی کمی تھی۔قدیم کلاسیکل عربی رائج تھی۔بالفاظِ دیگراس وقت کاغذ پر عربی زیادہ تھی۔ماہرینِ زبان بالعموم تصنیف وتالیف میں ہی مہارت رکھتے تھے۔اوراپنے جوہر زیادہ تر تصنیفی کتب میں دکھاتے تھے۔آزادی کے بعد جدید عربی کا چلن عام ہوا۔اورلوگوں میں لکھنے سے زیادہ بولنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا شوق ہوا۔جس کا سبب آزادی کے بعد پیدا ہونے والے عالمی حالات ہیں۔یعنی آزادی کے بعد عربوں سے رابطہ میں اضافہ ہوا۔خلیجی ممالک میں پٹرول کی ترقی سے ملازمت کے لئے باہر جانے کارجحان تیزی سے بڑھا۔عربوں نے مدارس کی مالی امداد کے لئے جس فراخدلی کا ثبوت دیا اس کے لئے مدارسِ دینیہ کو عرب دنیا سے قریب ہونے کی لگن پیدا ہوئی۔اور ذرائع ابلاغ کی ترقی نے بھی عربی اسپیکنگ کی ترویج میں بڑا اہم رول ادا کیا۔بڑے بڑے تاریخی حادثات ،مثلاً مسئلہ فلسطین،عراق ایران جنگ،کویت پر عراق کا حملہ،اور حالیہ واقعات نے ذرائع ابلاغ کو انسانی زندگی کی ضرورت بنادیا۔الغرض آزادی کے بعد کے عالمی حالات یکسر مختلف ہیں قبلِ آزادی کے مقابلہ میں ۔اور اس وقت کے تقاضہ نے بھی عربی زبان کو

مقبولیت بخشی۔قوموں ،ملکوں میں اختلاط بڑھا۔اور ایک دوسرے کی زبان کو سیکھنے سمجھنے کی ضرورت کا احساس ہوا۔اس کے اثرات دیگر زبانوں کی طرح عربی زبان پر بھی پڑے۔چنانچہ جہاں ایک طرف آزادی کے بعد عربی زبان کا رجحان ،عربی بول چال کو آسان بنانے کی طرف رہا ہے۔اور ترجمہ نگاری،عربی صحافت، خطابت ،عام رابطہ کی ضرورت کے پیشِ نظر تسہیل نگاری عام ہوئی ہے۔وہیں دینی مدارس کے نصاب میں بھی تبدیلی ہوئی ہے۔عربی صرف ونحو کو آسان بنانے کی کوشش کی گئی ہے ۔معلم الانشاء، منشورات، مختارات، نخبۃ الادب، لمعات الادب، جیسی کتابیں لکھی گئیں۔اوراس سے بھی بڑھ کر بعض ماہرینِ قلم نے "Arabic for none Arabs" (پروفیسر شیث محمد اسماعیل اعظمی)، ''جدید عربی ایسے بولئے'' اور ''عربی انگلش بولنا سیکھئے'' (بدر الزماں قاسمی) ''بزاروسیرہ فی الہند'' (عصمت لطیف مہدی) کارڈ اور کیسٹوں کی مدد سے از خود عربی سیکھنے کیلئے "teach your self arabic" (عصمت لطیف مہدی)، ''التعبیر والمحادثۃ العربیۃ'' (پروفیسر محمد اجتباء ندوی) جیسی جلد سے جلد اور کم سے کم وقت میں عربی سکھانے والی کتابیں تحریر کیں۔ ذرائع آمد ورفت کی آسانی، حجاج کی تعداد میں بے پناہ اضافہ، اور حج وعمرہ وزیارت کے مقصد سے بھی بڑی تعداد میں صاحبِ استطاعت لوگ حرمین شریفین کا سفر کرنے لگے۔اور آنے کے بعد ان میں بعض اہلِ قلم حضرات نے اپنا تاثرات سفرناموں کی شکل میں صحافت کے ذریعہ لوگوں تک پہونچائے یا زبانی بیان کیۓ اس سے بھی عرب وہند روابط کو تقویت ملی۔مختلف النوع اسبابِ اختلاط، وتصادمِ اقوام وملل، جیسی وجوہات کو بھی ہم نظر انداز نہیں کرسکتے۔

گذشتہ طویل بحث وتحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان (غیر عرب ملک ہوتے ہوئے بھی) عربی زبان وادب کی خدمت میں سب سے آگے ہے،اور ہندوستانی علماء نے شروع سے ہی اسلامی علوم وفنون کو عربی سے ہندوستانی زبانوں میں منتقل کرنے اور انھیں رواج دینے کی کوشش کی ہے۔ بہت کچھ وقت کے ہاتھوں ضائع ہونے ،یا تاریخ کے صفحات میں گم ہونے کے باوجود جو کچھ

ہمارے ہاتھوں تک پہونچا ہے۔ وہ ہندوستان کو غیر عرب ممالک میں عربی زبان وادب کی خدمت کے سلسلہ میں پہلا مقام دینے کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ یہ ہندوستانی علماء کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کہ قرآن کریم کے ہزاروں ترجمے، وتفاسیر، اور کتب حدیث کی بیشمار شروحات، اور فقہی کتابوں کے ان گنت ترتیب وتدوین کے نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ اور ادب وتاریخ ودیگر موضوعات پر لکھی گئی امہات الکتب اِن کے علاوہ ہیں۔ نیز ہندوستان میں لاتعداد ادارے، بورڈز، آرگنائزیشنز، وجود میں آئے جنھوں نے عربی ترجمہ وتالیف کے میدان میں انقلاب پیدا کیا۔ جن میں ا۔ فورٹ ولیم کالج، جمعیۃ سرسید احمد خاں، دارالترجمہ ملک رنبیر سنگھ، دارالترجمۃ العثمانیہ حیدراباد۔ دارالمصنفین اعظم گڈھ، المجمع العلمی العربی ندوۃ العلماء شامل ہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں علومِ اسلامیہ کی حفاظت واشاعت کی ایک لہر چلی تھی جس میں مسلمانوں کی غیرتِ اسلامی نے پورے ہندوستان میں دینی مدارس کا ایک جال بچھادیا تھا۔ ان مدارس نے دینی تعلیمات وعقائد کی حفاظت، کتاب وسنت کی اشاعت، کے سلسلہ میں کلیدی رول ادا کیا تھا۔ اور لاتعداد علماءِ کرام کی ایک ایسی نسل تیار کردی جنھوں نے تعلیم وتالیف، کتابت وخطابت، صحافت وادارت، بحث وتحقیق، ترجمہ وتصنیف وغیرہ بہت سے میدانوں میں نمایاں کارنامے انجام دئے۔ اور عہدِ حاضر میں یہ مدارس اپنی خدمات کے لئے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرچکے ہیں۔

جہاں تک یونیورسٹیوں کا تعلق ہے تو دورِ حاضر میں تقریباً سبھی یونیورسٹیوں میں عربی ایک زندہ زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے، مؤلفین ومترجمین کی ایک بڑی تعداد وہاں سے نکل کر تیار ہوئی ہے۔ جنھوں نے بعد میں ادب وتاریخ، فلسفہ واجتماع، سیاست واقتصادیات، ودیگر علوم میں بھی لازوال شاہکار پیش کئے ہیں۔ ان میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، دہلی یونیورسٹی دہلی، لکھنو یونیورسٹی لکھنو، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، وہ ہیں جنھوں نے خاص طور پر عربی شعبوں

میں نمایاں ترقی کی۔اور عہدِ حاضر کے عبقری ادباء کو جنم دیا۔اور ہر میدان میں عربی نگارشات یادگار چھوڑیں۔جن کا ذکر اپنی جگہ پر آچکا ہے۔

مدارس وجامعات کے علاوہ ایسی منفرد شخصیات بھی ہیں۔جو کسی ادارے کی طرف منسوب نہیں ہیں۔لیکن انفرادی طور پر انھوں نے اکیڈمیوں کی برابر کام کیا۔قابلِ قدر عربی تحریریں، اہم ترجمے دنیا کو دئے۔الغرض ہندوستان نے غیر عربی ملک ہوتے ہوئے بھی عرب ممالک کی طرح عربی خدمات انجام دیں اور غیر عرب ممالک میں اپنی عربی خدمات کے سلسلہ میں ممتاز درجہ حاصل کیا اور رہتی دنیا تک اس کی ناقابلِ فراموش خدمات سنہری حرفوں میں لکھی جائیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آزاد ہندوستان کے عربی ادباء کے موقف:

عربی زبان ہندوستان میں مادری زبان نہیں تھی۔لیکن قرآن وحدیث کی مقدس زبان ہونے کی وجہ سے مسلمانوں خاص طور پر علماءِ کرام کی عقیدت ومحبت کا مرکز رہی۔اور احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی، اس لئے علماءِ کرام کی زیادہ تر تالیفات علومِ قرآن مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، صرف ونحو، بلاغت، وغیرہ موضوعات تک محدود رہیں۔لیکن بیسویں صدی میں عالمی منظرنامہ کے بدلنے سے جو تبدیلیاں آئیں، اس کے اثرات عربی زبان پر بھی پڑے۔اور نئے انقلابات نے جدید موضوعات کو جنم دیا۔اس پس منظر میں جب ہم آزادی کے بعد کے عربی ادب پر نظر ڈالتے ہیں اور اس سلسلہ میں عربی ادباء کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو بہت سے گوشے ابھر کر سامنے آتے ہیں۔مثلاً:

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ عربی ادباء کا موقف اب تک یہ رہا ہے کہ عرب ممالک کی شخصیات پر ریسرچ کی جائے۔چنانچہ بہت سے ادباء نے باہر کی شخصیات پر تحقیق وتالیف کرنا شروع کی۔اور اس طرح جدید دور کی مصری واندلسی شخصیات پر پی ایچ ڈی کی گئی۔جیسا کہ بدرالدین الحافظ نے ''توفیق الحکیم'' اور ''نجیب محفوظ'' پر قلم اٹھایا۔ڈاکٹر فرحانہ طیب نے کویت کی ''نازک الملائکہ''

پر پی ایچ ڈی کی۔ڈاکٹر اشفاق احمد ندوی نے ''جبران خلیل'' پر کتاب لکھی۔ضیاء الدین ضیاء فریدی نے ''شوقی'' پر لکھا۔ڈاکٹر آزاد فراہی اعظمی نے ''عباس محمود العقاد'' پر مقالہ تیار کیا ڈاکٹر مہ جبیں اختر نے ''شیخ محمد عبدۃ'' ''امین ریحانی'' اور'' جاحظ'' پر اچھی تصانیف یادگار چھوڑیں۔

دوسرا موقف ہندوستان میں آزادی کے بعد عربی لکھنے والوں کا یہ رہا ہے کہ ''قضایا معاصرۃ'' یعنی جدید مسائل اور روز مرہ کے احوال واقعات کو موضوع بنا کر عربی میں پیش کیا جائے تاکہ عرب دنیا بھی ہندوستان کے حالات، تاریخ، تہذیب وتمدن اور خبروں سے واقف ہو سکے۔اس سلسلہ میں الرائد کا کالم ''نافذۃ علی الہند'' البعث الاسلامی کا کالم ''الاضواء'' ثقافۃ الہند کا'' اخبار الہند الثقافیہ''، الصحوۃ الاسلامیۃ کا'' الادب والثقافۃ'' ''من اعلام الہند'' قابلِ ذکر ہیں جنھوں نے ہندوستانی خبروں، حالات وواقعات کو عربی ادب میں زندۂ جاوید بنا دیا۔

باہر کی شخصیات پر پی ایچ ڈی، اور عربی اخبارات کے کالموں کی خبروں کے علاوہ عربی ادباء کے موقف کا ایک تیسرا رخ یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے ہندوستانی تہذیب وتمدن کو نئے نئے اسلوب میں عربی میں پیش کرنے، اور عرب دنیا کو ہندوستانی تہذیب سے متعارف کرانے کی بھرپور کوشش کی۔اس سلسلہ میں ثقافۃ الہند نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔جس میں بہت سی ہندوستانی کہانیوں کی سلسلہ وار تعریب کی گئی۔اور قدیم ہندوستانی تاریخ وتہذیب بھی ثقافۃ الہند کے صفحات میں عربی میں امر ہو گئی۔جیسے مولانا عبدالسلام خاں رامپوری کی ''الفلسفۃ الہندیۃ القدیمۃ'' دراصل برسوں تک ثقافۃ الہند میں شائع ہونے والے مضامین کا مجموعہ ہے جس میں رامائن، گیتا، شری رام جی، شری کرشن، اشوک وغیرہ کی قدیم تاریخ کو فصیح وسلیس عربی میں پیش کیا گیا ہے۔یہ کام جواہرلال نہرو کے اشارے پر مولانا نے انجام دیا تھا۔ جو بعد میں ''الفلسفۃ الہندیۃ القدیمۃ'' کے نام سے رامپور رضا لائبریری سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔

اسی طرح پروفیسر احسان الرحمٰن خاں، (جواہرلال نہرو یونیورسٹی دہلی) نے رامائن کا عربی ترجمہ وتلخیص کر کے ثقافۃ الہند میں بالاقساط شائع کرایا۔اور مہاتما گاندھی کی حیات وخدمات پر رضیہ اسماعیل کی

انگریزی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا۔

اوراشفاق الرحمٰن سلفی نے ''سرسید'' کی خدمات پر'' سر سید و حرکة علی گڈھ '' نام سے ثقافۃ الہند میں ۱۹۸۹ء بالاقساط مضامین لکھے۔ جو بعد میں اِسی نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ اور اِسی سلسلہ ایک کڑی خالد قاسمی کی ''تاریخِ دارالعلودیوبند'' کی تعریب بھی ہے جس کو وہ شیخ الہند اکیڈمی کی سرپرستی میں انجام دے رہے ہیں۔ اور ڈاکٹر شفیق احمد خاں ندوی نے ''الدکتور رادھا کرشنا وفلسفة الدیانة'' نام سے ثقافۃ الہند میں بالاقساط لکھا۔

اوراس سلسلہ کی سب سے اہم کتابیں ڈاکٹر عبدالحق شجاعت علی کی ''رؤیا الہند'' اور ''تقدیم الہند'' ہیں جو اولاً قسط وار ثقافۃ الہند میں شائع ہوئیں۔ ان میں ہندوستانی تہذیب وتمدن سے متعلق مختلف زبانوں کی بہت سی کہانیوں کو عربی کا لباس پہنایا گیا ہے۔ اوراسی طرح مسعود الرحمٰن خاں ندوی نے ''غاندی: المهاتما الجديد'' کے نام سے ''ثقافۃ'' میں سلسلہ مضامین لکھا۔

ہندوستان میں آزادی کے بعد جدید عربی ادباء کے موقف کا ایک اور اہم پہلو ہے ''نقد المطبوعات''، یعنی نئی شائع ہونے والی کتابوں پر تبصرے جو البعث الاسلامی، الصحوۃ الاسلامیہ، الرائد، ثقافۃ الہند، الداعی، مجلۃ العلمی العربی، ودیگر مجلات وجرائد کے کالموں میں تازہ چھپنے والی کتاب پر تعارفی تبصرہ کی شکل میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اِسی سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کرسکتے ہیں کہ ادبی تنقید جو عربی ادب کا ہمیشہ سے جزء لاینفک رہی ہے۔ اور جس نے ابنِ قتیبہ، ابنِ جنی، ثعالبی، جاحظ، عباس محمود العقاد، طٰہٰ حسین، احمد امین، سید قطب، شوقی ضیف، جیسے ادباء کو جنم دیا ہے۔ وہ ہندوستان میں خاص طور پر آزادی کے بعد بحیثیت ایک مستقل فن کے نہ ابھر سکی۔ کیونکہ یہاں پر ادبی تنقید ایک تشویق کی حد تک رہی۔ یعنی نئی شائع ہونے والی کتاب کا تعارف ایسے دلنشیں پیرائے میں بیان کیا جائے جس سے قاری کے اندر اس کتاب کو پڑھنے کا جذبہ اور شوق پیدا ہو۔ ظاہر ہے اس مقصد کے تحت لکھی جانے والی تحریروں میں کتاب کو تنقید کے مسلمہ اصولوں

کی کسوٹی پر پرکھا نہیں جاسکتا۔ جس سے کتاب کے نقائص ومعائب، خامیاں اور خوبیاں، دونوں اپنے پورے خدوخال کے ساتھ کھل کر سامنے آسکیں۔ مگر یہی ''تشویقی تنقید'' ایک آغاز بھی ہے۔ جس سے ہم یہ امید کرسکتے ہیں کہ آگے چل کر جدید ہندوستان کے عربی ادب کے سرمایہ کو بھی گہرائی کے ساتھ تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جائیگا، جس سے موجودہ دور کی عربی تحریروں کے نقوش پورے طرح واضح ہوسکیں گے۔

نصابی کتب کی تالیف:۔ آزادی کے بعد عربی میں لکھی جانے والی تحریروں کا سب سے نمایاں عنصر نصابی کتب کی تالیف ہے جو حلقہ دیوبند کے اربابِ قلم کی تحریروں میں درسِ نظامی، اور صحاح ستہ وغیرہ درسی کتب کے حواشی وتراجم اور شروحات کی شکل میں ہے جیسا کہ اسی باب میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی جاچکی ہے اس نصاب میں جدید تقاضوں کو بھی مدِّ نظر رکھنے کی ہلکی سی کوشش کی گئی ہے جیسے عربی لغات:۔ القاموس الجدید' القاموس الاصطلاحی' اور القرائة الواضحه' نفحة العرب' تعلّمو العربیة' معلّم العربیة' الکوکب الدرّی' لامع الدراری' اوجز المالک' نور الایضاح' وغیرہ کی تالیف اس بات کا ثبوت ہے۔ اور ندوۃ العلماء اور ملحق مدارس میں نصاب تعلیم کی مکمل تبدیلی، اور جدید نصاب کی تشکیل پر زور دیا گیا۔ اور اِسی مقصد کے تحت ''تاریخ الادب العربی'' ''منثورات'' ''مختارات'' ''الفقه المیسر'' ''القرائة الراشدة'' ''قصص النبیین'' ''اذا هبّت ریح الایمان'' ''ماذا خسر العالم'' ''روائع اقبال'' ''دروس الاشیاء والمحاورة العربیة'' ''وغیرہ تصنیف کی گئیں اسی کے ساتھ اعظم گڈھ اور اس کے اطراف کے مدارس میں جہاں مولانا شبلی اور علامہ حمید الدین فراہیؒ نے فکری بنیاد رکھی تھی۔ درسِ نظامی، اور ندوۃ العلماء، سے ذرا ہٹ کر ایسا نصاب مرتب دیا گیا جس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری وسائنسی علوم کا حسین امتزاج ہو، جہاں عربی زبان وادب کو بنیادی حیثیت حاصل ہو۔ اور دیگر زبانوں خاص طور پر انگریزی میں بھی علومِ جدیدہ کے مبادیات پڑھائے جائیں۔ اور قرآنی علوم کو تمام علوم کا سرچشمہ مان کر باقی دیگر علوم کو اس کی شرح وتفسیر کے طور پر پڑھایا جائے۔ اس مقصد کے تحت ''تفسیر مفتاح القرآن'' ''جوامع الشیم لسید الامم'' ''البلاغة القرآنیة''

''القرائۃ العربیۃ''''العبادۃ والخدمۃ''الذکروالدعاء''''فاتحہ تفسیر القرآن''وغیرہ کتابیں تحریر کی گئیں۔
ندوۃ العلماء اوراعظم گڈھ کے حلقوں میں عربی اسپیکنگ پر بھی خاص توجہ مرکوز کی گئی۔اور عربی بول چال کو آسان بنانے والی صرف ونحو،اورلغات وتمرین سے متعلق کتابیں لکھی گئیں۔

الغرض آزادی کے بعد ہندوستان میں عربی میں ہر موضوع پر ہمہ جہتی ترقی ہوئی ہے اور صحافت،سفرناموں،خط وکتابت،تراجم وشروحات وحواشی سے لیکر نصابی کتب،تاریخ،ادب وبلاغت، صرف ونحو،انشاء،تفسیر،حدیث وفقہ،کلام وعقائد تک ہر موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے۔حالانکہ آزادی کے بعد عربی زبان وادب کے اہم دماغوں نے بڑی تعداد میں ہجرت کر کے پاکستان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔جیسے مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ،مولانا محمد رضوان ندوی،مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا ناظم ندوی وغیرہ۔اور علماءِ کرام کے ایک بڑے طبقہ کے ہجرت کر جانے سے ہندوستان میں ایک زبردست خلاء پیدا ہو گیا تھا۔لیکن اس مایوس کن صورت حال میں بھی علماءِ کرام نے ہندوستان کی سرزمین پر اس چراغ کو روشن رکھا۔اور عزم وہمت،استقلال وپامردی کے ساتھ یہ کارواں آگے بڑھتا رہا۔بالآخر آزادی کے اِن پچاس برسوں پر پھیلے ہوئے عربی زبان وادب کے وسیع کینوس پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ آزادی کے بعد عربی ادب کے متوالوں نے ہر موضوع پر اتنی اہم تالیفات یادگار چھوڑی ہیں کہ جن پر عرب دنیا بھی انگشت بدنداں ہے۔اور اِنھیں پچاس برسوں میں ہندوستان میں عربی ادب کی ایسی شخصیات پیدا ہوئیں جن کی نظیر لانے سے عالمِ عرب قاصر ہے۔مثلاً حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ،شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ،مولانا ابوالحسن علی ندویؒ،مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ،مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ،مولانا امتیاز علی عرشیؒ،قاضی اطہر مبارکپوریؒ،اور علامہ عبدالعزیز المیمنی وغیرہ۔

البتہ کچھ موضوعات جن میں ابھی کچھ خلاء نظر آتا ہے جیسے عربی ناول نگاری،عربی رحلات،عربی خطابت،وغیرہ۔تو ہندوستان میں عربی ادب کی برق رفتار ترقی کو دیکھتے ہوئے یہ امید بجا

طور پر کی جاسکتی ہے کہ مستقبلِ قریب میں انشاء اللہ عربی کے ناول نگار بھی پیدا ہونگے ،اور عربی رحلات کے مرتبین بھی اور چوٹی کے عربی خطباء بھی اور اس خلاء کے جلد پر ہونے کے امکانات بیحد روشن ہیں۔
اس لئے کہ گلوبلائزیشن ،اور عالمِ عرب کے اختلاط ،اور ذرائع آمد ورفت کی فراوانی ،اور اسی جیسے بہت سے اسباب نے جہاں دنیا کو ایک محلہ میں تبدیل کردیا ہے۔وہیں عربی لکھنے ،پڑھنے ،بولنے اور سیکھنے سکھانے والوں کی تعداد میں بے تحاشہ اضافہ کردیا ہے۔اور عصری جامعات ویونیورسٹیوں کے عربی شعبوں ،اور مدارسِ دینیہ عربیہ ،اِن دونوں کے اتحاد ،اور پیش قدمی سے عربی زبان وادب کی ترقی وترویج کیلئے علم کی نئی راہیں ہموار ہوئی ہیں۔اور ادبیات کے مختلف نئے گوشوں اور نئے پہلوؤں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش ہوئی ہے۔جو یقیناً آزادی کے بعد کی دین ہے۔
ہندوستان کے ادبیات کے منظر نامے میں مقامی زبانوں کی ادبیات کے تہذیبی ومعاشرتی عناصر غیر دانستہ طور پر داخل ہوتے رہے ہیں۔اِسی طرح مغربی ادبیات کے اثرات بھی ہندوستان کے مقامی ادب پر مرتب ہوتے رہے ہیں۔ہندوستان کے عربی مصنفین اور مؤلفین کی تحریریں بھی اپنے ماضی سے مستحکم رشتہ رکھنے کے باوجود گردوپیش کے معاشرتی اور تہذیبی عناصر سے بھرپور متاثر نظر آتی ہیں۔
ہندوستان کے عربی ادب میں اسلوب نگارش ،لفظیات کا انتخاب ،افکار کی معنویت ،قدروں کی محتاط شمولیت یہ سب ایسے گوشے ہیں جن پر تفصیل سے تحقیقی کام کیا جاسکتا ہے۔
اِسی طرح وسیع پیمانے پر یونیورسٹیوں میں ریسرچ وتحقیق کی شکل میں جو کام ہوا ہے ،اگر وہ سب کا سب طباعت کے مرحلہ سے گذر کر سامنے آجائے تو علم کی نہ جانے کتنی انجان وادیوں کا سراغ لگے گا۔اور بہت سے موضوعات کا خلاء پر ہوجائے گا۔
اِنھیں سب باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر ہم یہ کہیں کہ آزادی کے بعد کے ہندوستان کا عربی ادب اپنی گوناگوں خصوصیات اور متنوع الجہات خوبیوں کی بناء پر نہ صرف ماضی کے ہندوستان کے عربی ادب کے مقابلہ ایک شانِ امتیاز رکھتا ہے بلکہ نئے عالمی ادبی منظر نامہ میں بھی اس کو ایک انفرادی

حیثیت حاصل ہے۔اِسی طرح وہ دن بھی دور نہیں جس دن اِسی کارواں میں ہم ابجد العلوم ،نزہۃ الخواطر،مجمع البحار،سبحۃ المرجان،جیسی امہات الکتب کا بدل بھی تلاش کرسکیں گے ۔اور علم کا پھیلاؤ، وسعت وتنوع،آگے چلکر عمق وگہرائی میں بدل جائے گا۔اور وہ دن بھی دور نہیں جب ہماری یہ مضبوط روایت عصرِ حاضر کے ادباء کے یہاں پھر سے دیکھنے کو ملے گی۔اور اُن کی تحریریں علوم وفنون کے نئے تقاضوں سے مرصّع ہوکر مستقبلِ بعید کے مؤرخین کیلئے اہم موضوعات فراہم کریں گی۔تخلیقی اور تحقیقی دونوں ہی سطح پر ہندوستان کے عربی مصنفین اور عربی ادباء کی تخلیقات ،مختلف الجہات خوبیوں اور فکری رعنائیوں کے ساتھ منظرِ عام پر آئیں گی۔چنانچہ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ عصرِ حاضر کے ہندوستان میں عربی ادب کا مستقبل بہت ہی تابناک۔قابلِ توجہ اور امید افزاء ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"مآخذ و مراجع"

۱۔آپ بیتی (خودنوشت سوانح حیات اول)/شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (مکتبہ شیخ زکریا مفتی اسٹریٹ سہارنپور ۱۳۹۱ھ

۲۔آزادی کی ۳۳ سالہ تاریخ/(۱۹۴۷ء۔۱۹۸۵ء)/دور آفریدی (اردو ریسرچ اکیڈمی، گھیر عثمان خاں رامپور ۱۹۸۵ء)

۳۔اخبار الصنادید (اول ودوم) حکیم محمد نجم الغنی خاں رامپور۔(رامپور رضا لائبریری رامپور ۱۹۹۷ء)

۴۔اردو تفاسیر بیسویں صدی میں/ڈاکٹر سید شاہد علی (کتابی دنیا۔نئی دہلی ۲۰۰۱ء)

۵۔اردو دائرہ معارف اسلامی/ڈاکٹر محمد شفیع (مدیر) (پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۸۰ء

۶۔اسلام کے سائے میں/خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی۔

۷۔اسلامیت ومغربیت کی کشمکش/سید ابوالحسن علی ندوی (مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنو)

۸۔اسلامی علوم میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ/مرتب: مقتدیٰ حسن ازہری (مقالات علمی سیمینار جامعہ سلفیہ بنارس ۱۹۸۶ء)

۹۔اسلامی علوم وفنون/مولانا عبدالحیٔ حسنیؒ (دارالمصنفین اعظم گڈھ ۱۹۶۹ء)

۱۰۔اشرف السوانح/خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ (جمال پریس دہلی ۱۳۵۴ء)

۱۱۔اکابرِ علماءِ دیوبند/شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدنیؒ (مکتبہ اشاعت العلوم سہارنپور ۱۳۹۹ھ)

۱۲۔بیسویں صدی (نصفِ اوّل) کے اردو مصنفین: سوانح، آثار، مآخذ/ڈاکٹر سجیدہ خاتون (ریلوے کالونی۔علی گڈھ ۲۰۰۴ء)

۱۳۔پرانے چراغ (اول، دوم، سوم)۔/حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مکتبہ

فردوس مکارم نگر برولیا لکھنو ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

۱۴۔پنجاب و ہریانہ کی تاریخی مساجد/عطاء الرحمن قاسمی (پنجاب وقف بورڈ انبالہ کینٹ ۲۰۰۰ء)

۱۵۔تاریخ ادبیات عربی/سید ابوالفضل ایم اے (سب رس کتاب گھر، خیرت آباد، حیدراباد ۱۹۵۴ء)

۱۶۔تاریخِ ادبیاتِ ہندوستان و پاکستان/نگراں: ڈاکٹر عبادت بریلوی (پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۵ء)

۱۷۔تاریخِ اولیاءِ تمل ناڈو/ جاویدہ حبیب (تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز مدراس ۲۰۰۲ء)۔

۱۸۔تاریخِ جنگِ آزادیِ ہند ۱۸۵۷ء/سید خورشید مصطفیٰ رضوی (رامپور رضا لائبریری رامپور ۲۰۰۱)

۱۹۔تاریخ دارالعلوم دیوبند/سید محبوب رضوی (دیوبند ۱۹۷۲ء)

۲۰۔تاریخ دعوت وعزیمت/سید ابوالحسن علی ندوی (لکھنو ۱۹۷۸ء)

۲۱۔تاریخ رامپور (۱۹۳۰۔تا۱۹۴۹ء)/شوکت علی خاں ایڈوکیٹ۔ (رامپور رضا لائبریری رامپور)

۲۲۔تاریخ روہیلکھنڈ (اردو ترجمہ تاریخِ گلِ رحمت مع فارسی متن)/نواب سعادت یار خاں/ترجمہ وترتیب پروفیسر شاہ عبدالسلام (رامپور رضا لائبریری رامپور ۲۰۰۲)

۲۳۔تاریخِ مظاہر/مولانا شاہد علی (اشاعت العلوم سہارنپور ۱۹۷۴ء)

۲۴۔تاریخِ ندوۃ العلماء (جلد اول)/محمد اسحاق جلیس ندوی (۱۹۸۴ء) وجلد دوم/ شمس تبریز خاں (مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنو ۲۰۰۳ء)

۲۵۔تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، بریلوی حضرات/حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (الفرقان بکڈپو، نظیرابادلکھنو)

۲۶۔تجلیاتِ ربانی/حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ (الفرقان بکڈپو لکھنو ۱۹۷۸ء)

۲۷۔تذکرۃ الاعزاز/محمد انظر شاہ کشمیری (مطبوعہ دیوبند)
۲۸۔تذکرہ پروفیسر مولانا محمد یونس نگرامیؒ/مرتب: عمار انیس نگرامی (محمد یونس نگرامی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی ڈیوڑھی آغا میر لکھنو ۳۔۲۰۰۱ء)
۲۹۔تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ/حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (الفرقان بکڈ پو نظیر اباد لکھنو)
۳۰۔تذکرۃ الخلیل/مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھیؒ (مکتبہ خلیلیہ، متصل مظاہر علوم سہارنپور ۱۴۱۱ھ)
۳۱۔تذکرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی/مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ (الفرقان بکڈ پو لکھنو ۱۹۸۹ء)
۳۲۔تذکرہ علماءِ اعظم گڈھ/حبیب الرحمن قاسمی (جامعہ اسلامیہ بنارس ۱۹۷۶ء)
۳۳۔تذکرہ علماءِ امروہہ/سید شہسوار حسین نقوی (انجمن وظیفہ سادات مومنین امروہہ ۲۰۰۳ء)

۳۴۔تذکرہ علماءِ امروہہ/مصباح احمد صدیقی (ایس ڈی کمپیوٹرز، قاضی زادہ امروہہ ۲۰۰۳ء)
۳۵۔تذکرہ علماءِ فرنگی محل/عنایۃ اللہ فرنگی محلی (مطبع اشاعت العلوم لکھنو ۱۹۳۰ء)
۳۶۔تذکرہ علماءِ مبارکپور/قاضی اطہر مبارکپوری (رحیمی پریس بمبئی ۱۹۷۴ء)
۳۷۔تذکرہ علماءِ ہند/مولوی رحمان علی۔ مرتبہ: ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۱ء)
۳۸۔تذکرہ کاملانِ رامپور/احمد علی خاں شوق (ہمدرد پریس نئی دہلی ۱۹۲۹ء)
۳۹۔تذکرہ مجدد الف ثانی/حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (تنویر پریس لکھنو ۱۹۵۹ء)
۴۰۔تذکرہ مشاہیر غازیپور/عزیز الحسن صدیقی غازیپوری، بیت الحسن غازیپور ۲۰۰۱ء
۴۱۔تذکرۃ المصنفین/حبیب الرحمن خیرابادی مظاہری (ادارہ معارف ملی، کانپور

۱۳۸۹ھ)

۴۲۔تذکرہ ہنرمندانِ رامپور/ابنِ حسن خورشید(رامپوررضالائبریری رامپور۲۰۰۱ء

۴۳۔تمل ناڈو کے صاحبِ تصنیف علماء/علیم صبانویدی(تمل ناڈواردو پبلی کیشنز مدراس،مارچ۱۹۹۶ء)

۴۴۔تمل ناڈو کے مشاہیرادب/علیم صبانویدی/مرتبہ جاویدہ حبیب(تمل ناڈواردو پبلی کیشنز مدراس۱۹۹۹ء)

۴۵۔تمل ناڈو میں اردو/علیم صبانویدی(تمل ناڈواردوپبلی کیشنز مدراس۱۹۹۹ء)

۴۶۔جب ایمان کی بہار آئی/سیدابوالحسن علی ندوی(مجلس تحقیقات اسلام لکھنو)

۴۷۔جدیدعربی ادب تحلیلی جائزے/عبدالحق(جے کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی۱۹۸۶ء)

۴۸۔چند سوانحی تحریریں/مولانا عبد الماجد دریابادی(عبد الماجد دریابادی اکیڈمی لکھنو۱۹۸۵ء)

۴۹۔حدائق الحنفیہ/مولوی فقیرمحمد جہلمی(لکھنو۱۸۸۶ء)

۵۰۔حیاتِ احمدرضا/ڈاکٹرمسعوداحمد(ادارہ تصنیفات رضابریلی)

۵۱۔حیاتِ اسعد/مولانانسیم احمد غازی مظاہری ندوی(مکتبہ نسیمیہ،مراداباد۱۹۸۶ء)

۵۲۔حیاتِ انور/ازہرشاہ قیصر(مطبوعہ دیوبند)

۵۳۔حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ/خلیق احمد نظامی/(دہلی۱۹۵۳ء)

۵۴۔حیاتِ صدیق/محمد زید مظاہری ندوی(افادات اشرفیہ،ہتھورا،باندہ۱۴۱۹ء)

۵۵۔حیات عبدالحئیؒ/مولاناسیدابوالحسن علی ندویؒ(ندوۃ المصنفین دہلی۱۳۹۰ھ)

۵۶۔حیات العلماء/عبدالباقی سہوانی(نول کشور پریس لکھنو۱۹۲۲ء)

۵۷۔خطباتِ مدراس/سیدسلیمان ندوی(کاکوری آفسیٹ پریس لکھنو۲۰۰۰)

۵۸۔خط کی کہانی تصویروں کی زبانی (مختصر تاریخ خطوطِ قدیمہ) / سید احمد رامپوری خطاط (رامپور رضا لائبریری رامپور ۱۹۹۷ء)

۵۹۔خلافت راشدہ اور ہندوستان / قاضی اطہر مبارکپوری (دہلی ۱۹۶۵ء)

۶۰۔خواتین تمل ناڈو کی دینی علمی وادبی خدمات / علیم صبا نویدی، مرتبہ: ڈاکٹر جاویدہ حبیب (تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز چنئی ۲۰۰۱)

۶۱۔دارالمصنفین اعظم گڈھ کی ادبی خدمات / ڈاکٹر خورشید احمد نعمانی ردولوی (رحیمی پریس بمبئی ۱۹۷۷ء)

۶۲۔ڈاکٹر مشیر الحق شخصیت اور فکری بصیرت / ڈاکٹر شاہ عبدالسلام صاحب (مشیر الحق میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی لکھنو ۱۹۹۴ء)

۶۳۔رامپور کا دبستانِ شاعری / شبیر علی خاں شکیب (رامپور رضا لائبریری رامپور ۱۹۹۹ء)

۶۴۔رودِ کوثر / شیخ محمد اکرام (فیروز سنز لاہور ۱۹۵۸ء)

۶۵۔سانحہ ارتحال مولانا وحید الزماں کیرانوی: اخبارات ورسائل کے آئینہ میں (مرکزی جمعیۃ العلماء ہندنئی دہلی ۱۹۹۵ء)

۶۶۔سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات / خلیق احمد نظامی (دہلی ۱۹۸۱ء)

۶۷۔سوانح حضرت جی ثالث / مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ (جلد اول) / سید محمد شاہد سہارنپوری (مکتبہ یادگارِ شیخ محلہ مفتی سہارنپور ۱۴۱۸ء)

۶۸۔سوانح حضرت مولانا محمد یوسف / محمد ثانی حسنی (الفرقان لکھنو ۱۹۶۸ء)

۶۹۔سوانح قاسمی / مولانا مناظر احسن گیلانیؒ (دارالعلوم دیوبند ۱۳۷۳ھ)

۷۰۔سیرت سید احمد شہیدؒ / سید ابوالحسن علی ندویؒ (نامی پریس لکھنو ۱۹۳۹ء)

۷۱۔سیرت مولانا محمد علی مونگیری / سید ابوالحسن علی ندوی (مجلس تحقیقات اسلام لکھنو

۷۲۔شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا / سید قاسم محمود (الفیصل، لاہور ۲۰۰۰)

۷۳۔''شخصیات''/مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔

۷۴۔عرب ودیارِ ہند/خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی۔

۷۵۔عرب وہند عہدِ رسالت میں/قاضی اطہر مبارکپوری (دہلی ۱۹۶۵ء)

۷۶۔عرب وہند کے تعلقات/سید سلیمان ندوی (الہ آباد ۱۹۳۰ء)

۷۷۔عربی ادب میں اودھ کا حصہ/مسعود انور علوی کاکوروی (علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ۱۹۹۰ء)

۷۸۔عربی ادب میں ہندوستان کا حصہ/شمس تبریز خاں (نظامی پریس لکھنو ۱۹۸۹ء)

۸۹۔عربی ثقافت کے سماجی پہلو/چودھری محمد حیات نصرت سندیلوی (نظامی پریس لکھنو ۱۹۹۸ء)

۸۰۔علماءِ ہند کا شاندار ماضی/مولانا محمد میاں (ولی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۴۲ء)

۸۱۔''علی گڈھ میرا چمن'' (علی گڈھ نمبر فکر و آگہی)/ڈاکٹر رضیہ حامد (باب العلم پبلیکیشنز، دہلی ۲۰۰۱ء)

۸۲۔عہدِ اسلامی کا ہندوستان/ریاست علی ندوی (ادارۃ المصنفین پٹنہ ۱۹۵۰ء)

۸۳۔عہدِ مغلیہ میں عربی زبان و ادب/ڈاکٹر شبیر احمد ندوی (نظامی پریس لکھنو ۱۹۸۲ء)

۸۴۔القاموس الجدید/(اردو عربی/عربی اردو)/وحید الزماں کیرانویؒ (کتب خانہ حسینیہ دیوبند ۱۹۸۷ء)

۸۵۔کاروانِ زندگی/سید ابو الحسن علی ندوی (مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنو ۱۹۸۳ء)

۸۶۔گھر کے چراغ سے رغداروں کے خطوط/سید عاشور کاظمی۔

۸۷۔لغات القرآن الافادات النعمانیہ فی حل اللغات القرآنیہ/عبدالوحید نوری (نوری پبلیکیشنز ناظر پورہ بہرائچ ۱۹۹۸ء)

۸۸۔ماٰثرِ شیخ الاسلام/اسیر ادروی (دارالمؤلفین دیوبند طبع چہارم ۱۹۹۱ء)

۸۹۔مطالعہ تصنیفات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی/ پروفیسر محمد محسن عثمانی ندوی (عرشی پبلی کیشنز انڈیا، چوڑی والان دہلی ۲۰۰۲ء)(مقالات شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی مارچ ۲۰۰۱ء)

۹۰۔مطالعہ شعروادب/ پروفیسر محسن عثمانی ندوی (رابطہ ادب اسلامی ندوۃ العلماء لکھنو جنوری ۲۰۰۱ء)

۹۱۔مطالعہ ہندوستانی/ بشیر احمد (حیات پبلی کیشنز، دہلی ۲۰۰۳ء)

۹۲۔معاصرین/مولانا عبدالماجد دریابادی (ادارہ انشاءِ ماجدی، کلکتہ ۷۳)

۹۲۔مقالاتِ عرشی/ امتیاز علی عرشی (مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور ۱۹۷۰ء)

۹۳۔ملتِ اسلام کی محسن شخصیات/حکیم محمد اسلام انصاری (جامعہ عربیہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ ۱۹۹۹ء

۹۴۔ملفوظات مولانا محمد الیاس بارہ بنکویؒ/حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (الفرقان بکڈپو نظیر اباد لکھنو)

۹۵۔ملی قرطاس ابیض/ مرتب: عبداللہ دانش (بھارت آفسیٹ پریس دہلی)

۹۶۔مولانا محمد الیاس اوران کی دینی دعوت/سید ابوالحسن علی ندوی (مجلس تحقیقات اسلام لکھنو)

۹۷۔مولانا محمد علی اور جنگِ آزادی/ ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی، (رامپور رضا لائبریری رامپور ۱۹۹۸ء)

۹۸۔میرِ کارواں/مولانا عبداللہ عباس ندوی (مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنو ۲۰۰۱ء)

۹۹۔ میرے والد میرے شیخ، اور ان کا مزاج ومذاق/مفتی محمد تقی عثمانی (دارالاشاعت ذاکرنگرنئی دہلی ۱۹۹۵ء)

۱۰۰۔ نجوم الارض/مولانا سید محمد رضوان گوپال پوری (تذکرہ شیعہ علماء بہار) (پٹنہ ۲۰۰۳ء)

۱۰۱۔ ''نذرِ پروفیسر محمد احتشام ندوی''/ڈاکٹر صفیہ بی (مکتبہ جامعہ لیمیٹیڈ، نئی دہلی ۲۰۰۴ء)

۱۰۲۔ ''نذرِ خدابخش''/ڈاکٹر امتیاز احمد (خدابخش لائبریری پٹنہ ۲۰۰۴ء)

۱۰۳۔ نقش حیات/مولانا حسین احمد مدنیؒ (دلی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۳۷۳ھ)

۱۰۴۔ ''نقوشِ نور''/ذکی نور عظیم ندوی (مکتبہ نور، لکھنو ۲۰۰۲ء)

۱۰۵۔ ''نواب صدیق حسن قنوجی''/ڈاکٹر رضیہ حامد (بھوپال۔ ۱۹۸۳ء)

۱۰۶۔ ہند و پاک میں عربی ادب/اقبال احمد سلفی (تاج آفسیٹ پریس۔ الٰہ آباد ۱۹۸۲ء)

۱۰۷۔ ہندوستان تاریخِ ثقافت وفنون لطیفہ/عتیق انور صدیقی

۱۰۸۔ ہندوستان عربوں کی نظر میں/ضیاء الدین اصلاحی (اعظم گڈھ ۱۹۲۸ء)

۱۰۹۔ ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء/ڈاکٹر محمد یونس نگرامی (نامی پریس لکھنو ۱۹۷۹ء)

۱۱۰۔ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں/ڈاکٹر سالم قدوائی (مکتبہ جامعہ لمٹیڈ جامعہ نگرنئی دہلی ۲۵۔ ۱۹۷۳ء)

۱۱۱۔ یادِ رفتگاں/سید سلیمان ندوی (اعظم گڈھ ۱۹۸۶ء)

۱۱۲۔ یادِ وجیہ/ڈاکٹر شعائر اللہ خاں (مکتبہ وزیریہ، انگوری باغ رامپور ۱۹۹۱ء)

''عربی کتب''

١١٣- ابجد العلوم/نواب صديق حسن خان القنوجي

١١٤- الاسلام الممتحن/محمد الحسني (دار عرفات دائرة الشيخ

علم الله الحسنی رائے بریلی' الهند ۱۹۹۷ء طبع خامس)

۱۱۵-الاعلام /خیر الدین زرکلی-

۱۱٦-الفية الحديث مع معين اللبيب (للشيخ محمد منظور النعمانیؒ)تعلیق: توقیر عالم قاسمی (مطبوعه: جامع الهدیٰ موضع کہاری بجنور' یوپی ۱۹۹۹ء)

۱۱۷-تاريخ الصلات بين الهند و البلاد العربية /د-اسماعيل الندوی (بیروت ۱۹٦۸م)

۱۱۸-الترجمة العربية فی الهند بعد الاستقلال حتیٰ عام ۱۹۹۰م /دكتور حبيب الله خان' (الجامعة الملية الاسلامية نیو دلهی ۱۹۹۷م)

۱۱۹-الثقافة الاسلامية فی الهند /عبد الحئی الحسنی (دمشق ۱۹۸۳م

۱۲۰-حياة الصحابه لمولانا الشيخ محمد يوسف الكاندهلویؒ/ مع التعليقات لمولانا محمد الیاس باره بنکوی (ملت پریس' دوده پور' علی گڈھ ۱۹۹۴م)

۱۲۱-الخطب العربية /محمد شميم آزاد' مدرس دار العلوم دیوبند (مدنی کتب خانه دیوبند ۱۴۱۰ھ-

۱۲۲-دور المرأة فی اثراء اللغة العربية وآدابها عبر العصور / فرحانه صدیقی (نئی دهلی ۲۰۰۱م)

۱۲۳-دليل فهارس المجلدات الستة لمخطوطات اللغة العربية المخزونة فی مكتبة رضا رامفور /ابو سعد اصلاحی (مكتبة رضا برامفور ۲۰۰۰ م)

۱۲٤-رجال السند والهند /قاضی اطهر المبارکپوری (بمبئی)

۱۲۵-رواشق الاعلاق شرح تهذيب الاخلاق للشيخ عبد الحئی الحسنی /ابو سحبان روح القدس الندوی (مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لكهنو ۱۹۹۸م)

١٢٦-سبحة المرجان فی آثار هندوستان / غلام علی آزاد بلگرامی (علیگڈھ ١٩٧٦م)

١٢٧-فتوح البلدان / للبلاذری (قاهره ١٩٠١م)

١٢٨-الفلسفة الهندية القديمة / الاستاذ مولانا عبد السلام خان، مكتبة رضا رامفور ١٩٩٦م)

١٢٩-الفوز الكبير فی اصول التفسير مع شرحه العون الكبير / شاه ولی الله الدهلوی، الشارح :سعيد احمد پالنپوری (مكتبه وحيديه ديوبند ١٣٩٤ھ)

١٣٠-اللغة العربية و آدابها فی شبة القارة الهندية الباكستانية عبر القرون / الدكتور سيد رضوان علی الندوی (جامعه كراچی ١٩٩٥م)

١٣١-مساهمة دار العلوم بديوبند فی الادب العربی / د-زبير احمد فاروقی (نئی دهلی ١٩٨٠م)

١٣٢-مساهمة الشيخ محمد عبدهٗ فی الادب العربی / د- مه جبين اختر (حيدرآباد ٢٠٠٤م)

١٣٣-معجم البلدان / ياقوت حموی (رومی بيروت ١٩٧٧م)

١٣٤-معجم المطبوعات العربية فی القارة الهندية منذ دخول المطبعة الی عام ١٩٨٠م / د -احمد خان (رياض ٢٠٠١)

١٣٥-معجم المطبوعات العربية و المعربة منذ بداية المطبعة الی ١٩٢٠م / يوسف اليان سركيس (مطبع سركيس مصر ١٣٤٧ھ)

١٣٦-معجم المؤلفين / عمر رضا كحاله (المثنی بيروت،)

١٣٧-منشورات ادب العرب / محمد رابع الحسنی الندوی (مؤسسة الصحافة والنشر ندوة العلماء لكهنو ١٣٨٦ھ)

١٣٨-نازك الملائكة / د-فرحانه صديقی (جامعه مليه نئی دهلی ٢٠٠٢م)

١٣٩-نزهة الخواطر / حكيم عبد الحی الحسنی

۱۴۰- "البعث الاسلامی" (ندوۃ العلماء لکھنو)

۱۴۱-(مجلہ) "ثقافة الهند" العدد الخاص للشيخ ابی الحسن علی الندوی رحمه الله/مدير: د.ضياء الحسن الندوی (المجلس الهندی الثقافة و النشر، آزاد بهون نئی دهلی ۲۰۰۰م)

۱۴۲-(مجلہ) "الداعی" العدد الخاص بمناسبة الاحتفال المئوی دار العلوم دیوبند/بدر الحسن قاسمی - مدیر المجله (العدد ۴،۳،۲،۱ مارس ابریل ۱۹۸۰م)

۱۴۳-مجلہ "الرائد" (ندوۃ العلماء لکھنو)

۱۴۴- "الصحوة الاسلامية" - حیدر اباد)

۱۴۵-(مجلہ) "الکفاح" دیوبند

"جرائد اُردو"

۱۴۶- "آج کل" نئی دہلی۔

۱۴۷-ماہنامہ "انشاء" کلکتہ (نثار احمد فاروقی نمبر)

۱۴۸- "بانگِ درا" لکھنو (مولانا سید ابوالحسن علی نمبر)۔

۱۴۹-ترجمانِ دار العلوم جدید/افضال الحق جوہر قاسمی (نئی دہلی)

۱۵۰-(ماہنامہ) "جامعہ" (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نئی دہلی۔

۱۵۱- "راشٹریہ سہارا" (نئی دہلی)۔

۱۵۲-رضا لائبریری جنرل نمبر (۴-تا-۱۶/ مدیر: وقار الحسن صدیقی (رامپور رضا لائبریری رامپور)

۱۵۳-ماہنامہ "ضیاءِ وجیہ" رامپور کا خطیب اعظم نمبر/مدیر: ڈاکٹر شعائر اللہ خاں وجیہی (مدرسہ فرقانیہ رامپور ۲۰۰۲ء)

۱۵۴- "الفرقان" فریدی نمبر-مدیر: خلیل الرحمٰن سجاد ندوی (دفتر الفرقان نظیر اباد لکھنو مئی تا اگست ۱۹۸۹ء) اور "الفرقان" بانی الفرقان نمبر-مدیر: خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

(دفتر الفرقان نظیر اباد لکھنو ۱۹۹۸ء)
۱۵۵۔ ''قومی آواز'' لکھنو
۱۵۶۔ ''المیزان'' بمبئی کا احمد رضا نمبر
۱۵۷۔ ہفت روزہ ''نئی دنیا'' / شاہد صدیقی (نئی دہلی)

''فارسی کتب''

۱۵۸۔ اخبار الاخیار فی أسرار الابرار / شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (مطبوعہ میرٹھ)
۱۵۹۔ بستان المحدثین / شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (مطبوعہ دہلی)
۱۶۰۔ تاریخ سیر المتاخرین / سید غلام حسن طباطبائی (نولکشور لکھنو)
۱۶۱۔ تاریخِ محمدی / پروفیسر نثار احمد فاروقی (رامپور رضا لائبریری، رامپور ۲۰۰۳ء)
۱۶۲۔ تذکرۃ الشعراء / دولت شاہ سمرقندی (بمبئی)
۱۶۳۔ شعر العجم / مولانا شبلی نعمانیؒ (الناظر پریس چوک، لکھنو ۱۹۱۷ء)
۱۶۴۔ شعلہ ادراک / محمد ولی الحق انصاری (نظامی پریس لکھنو ۱۹۸۷ء)

''انگریزی کتب''

165. The contribution of India to Arabic Litrature, by Zubaid Ahmad. .
166. Islamic Survey :An intellectual History of Islam in India .by Azeez Ahmad .(Eding burg university press 1969)
167. World survey of Islamic Manuscripts, General Editor:- Geoffrey Roper.(al-Furqan Islamanic heritage foundition LONDON 1993)

☆☆☆☆☆

مؤلف ایک نظر میں

نام	:	ڈاکٹر محمد ارشاد ندوی نوگانوی
تخلص	:	ندؔا نوگانوی
ولدیت	:	حافظ عبدالقیومؒ انصاری، پیدائش : ۱۵ر اگست ۱۹۶۴ء
وطن	:	نئی بستی، نوگانواں سادات، ضلع جے پی نگر (امروہہ) یوپی ۲۴۴۲۵۱
تعلیم	:	ایم۔اے (عربی)، پی ایچ ڈی (عربی)، NET (یوجی سی)، بی لب، / عالمیت، تکمیلِ ادب، تخصص
دیگر کورسیز	:	ڈپلوما اِن کمپیوٹر، انگلش اسپیکنگ کورس (۱۰ ار سال)، ادیب کامل
ٹریننگ	:	مخطوطہ شناسی اینڈ اپی گرافی، قومی مشن برائے مخطوطات (اندراگاندھی نیشنل سینٹر فاردی آرٹ، دہلی)
تجربہ	:	ٹرانسلیشن وکیٹلاگنگ وغیرہ:۔رام پور رضا لائبریری رامپور، از ۱۹۹۸ء، تا حال
آغازِ شاعری	:	۱۹۸۲ء
شرفِ تلمذ	:	حافظ عبدالواجد خیالؔ ابنِ عزیز مرادآبادی (تلمیذ ابرؔ احسنی گنوری)
مجموعۂ کلام	:	''روح کے زخم'' (زیرِ ترتیب)
مادرِ علمی درسگاہیں	:	لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند، حیات العلوم مرادآباد، انصار العلوم نوگانواں سادات
چند اساتذہ	:	(مفتی عبدالرحمان قاسمی نوگانوی، مفتی نسیم احمد فریدی امروہویؒ، مولانا محمد حیات سنبھلی مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، پروفیسر شاہ عبدالسلام فاروقی، پروفیسر عبیداللہ فراہی، ڈاکٹر شبیر احمد ندوی، ڈاکٹر شمس تبریز خاں)
موجودہ پتہ	:	معرفت فیروز خاں، اولڈ کیمو مشین فیکٹری، محلہ لال مسجد، رامپور، یوپی ۲۴۴۹۰۱

ADDRESS:
Dr. Mohd Irshad Nadwi (Nida Noganwi) C/o: Firoz Khan
Old Camio Machine Factory
Lal Masjid, Rampur - 244901 (U.P) INDIA
Mobile : 91-09897335617, 9307028393
Email : irshadnadwi@rediffmail.com
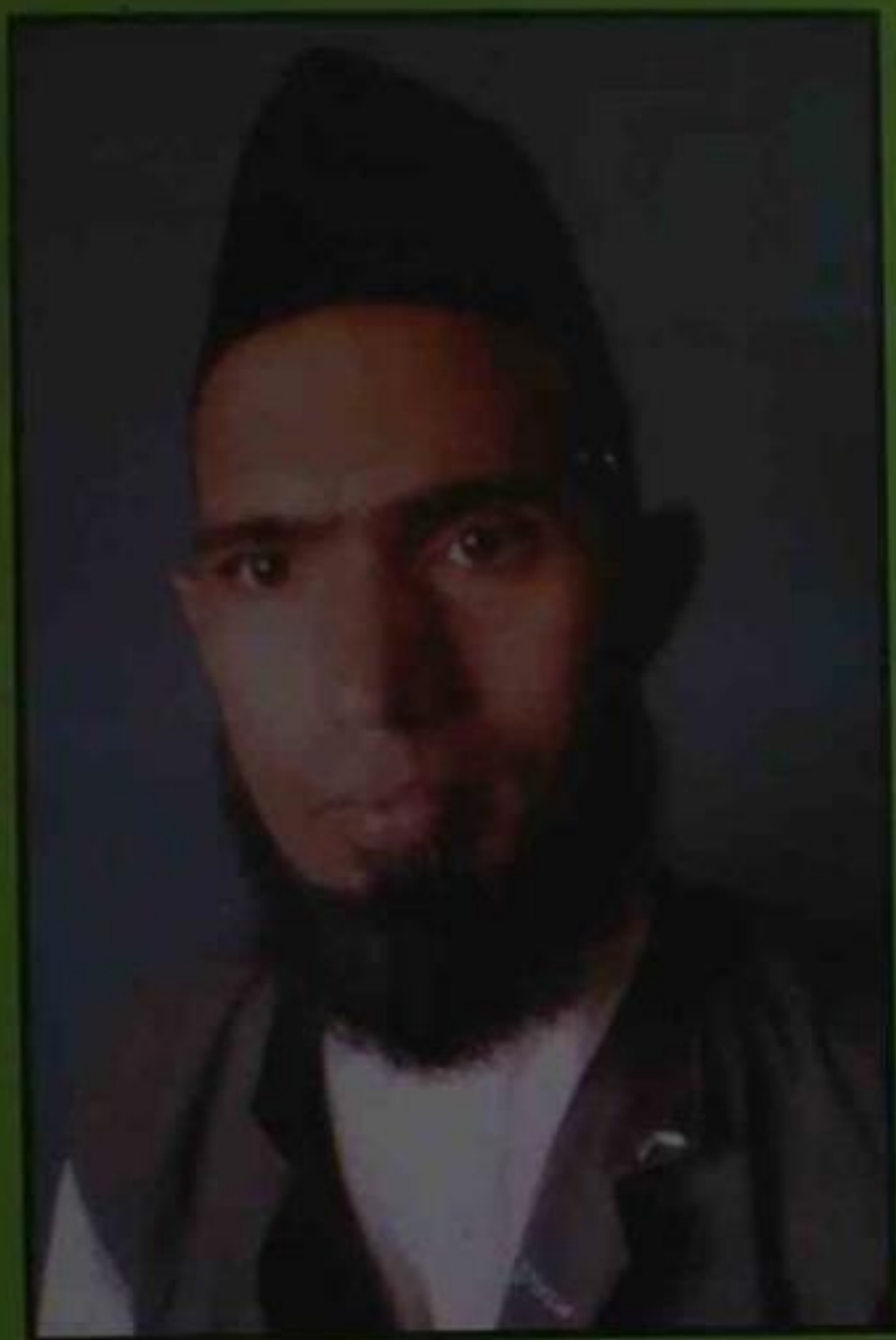
"بیسویں صدی" ہندوستان میں عربی زبان وادب کا شاداب ترین دور ہے۔اس دور میں تخلیق پانے والے عربی ادب پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔خاص طور پر آزادی کے بعد عربی زبان وادب میں جو ترقی ہوئی اور جس بڑے پیمانے پر عربی ادب کے شاہکار وجود میں آئے وہ ابھی اکثر و بیشتر گوشۂ گمنامی میں ہیں۔آج جیسا کہ دنیا سمٹ رہی ہے اور ملکوں وقوموں کو قریب لانے کی کوشش ہورہی ہے۔ایسے میں اس آخری اور سنہرے دور کی عربی نگارشات کو مزید نمایاں کرنے اور منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے اور اب تک اس حیثیت سے کسی نے باقاعدہ قلم نہیں اٹھایا ہے کہ "یہ وہ عربی ادب ہے جو آزادی کے بعد لکھا گیا ہے"۔

(ایک اقتباس اسی کتاب سے)